إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ (سورۂ ص: ۸۷)

ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْن

حافظ جلال الدین القاسمی

جلد سوم

ناشر

مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیة

حیدرآباد الہند

Scanned by CamScanner

Mohammadia Library
Book No
D1
Jamiat Ahlehadees, A

Mohammadia Library
Book No
D1
Jamiat Ahlehadees, A

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

یہ تو تمام جہاں والوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ (سورۂ ص: ۸۷)

تفسیر

ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

حافظ جلال الدین القاسمی

جلد سوم

ناشر

مُجَمَّع بِلْقِيس لِلْبُحُوثِ الإِسْلامِيَّة

حیدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : ذکر للعالمین (جلد سوم)

مؤلف : حافظ جلال الدین القاسمی

اشاعت اوّل : مئی 2018ء - رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

تعداد : 3000

ہدیہ : ₹ 850/- (مکمل سیٹ/تین جلد)

ناشر

مجمع بلقیس للبحوث الاسلامیۃ حیدرآباد الہند

MUJAMMA BILQIS LIL BUHOOSIL ISLAMIAH
HYDERABAD (INDIA)

ملنے کے پتے

MUJAMMA BILQIS LIL BUHOOSIL ISLAMIAH
H. S. Residency, 9-4-134/a/5/23/1/a, Vali Colony,
Near Habeeb Masjid, Tolichowki,
Hyderabad, Telengana - 500 008 (INDIA)
Contact: 9963146652 / 9177919827 Email: mbilqis.bi@gmail.com

JAMIATUN NISWAN AS SALAFIA
#7-29, Thondawada (V), Chandragiri (M), Tirupati, Chittoor (Dist)
Andhra Pradesh, India - 517505. www.jans.co.in. Email: jnastpt@gmail.com
Contact: 9346761142 / 9346761143 / 9550554230

ACCOUNT DETAILS

MASJID-E-BILQIS EDUCATIONAL AND WELFARE TRUST

A/c: 295411100000140 IFSC: ANDB0002954
BANK: ANDHRA BANK, SEVEN TOMBS BRANCH
HYDERABAD :500008. TELANGANA

Scanned by CamScanner

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

Scanned by CamScanner

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾

(سورہ ص:۲۹)

یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں

Scanned by CamScanner

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحات
	پارہ نمبر/۲۱ اتل ما أوحي	
1	اکیسواں پارہ	24
2	دوا سے شفاء کی شرطیں	25
3	امی لفظ کی اردو معنی میں مناسبت	27
4	آخرت کو حیوان اور دنیا کو حیوۃ کیوں کہا گیا؟	30
5	لہو اور لعب میں فرق	30
6	کیا اللہ کے بھی کئی راستے ہیں؟ (سبلنا)	32
7	سورۃ الروم	32
8	رومی غالب آ گئے	33
9	شرکاء کا اطلاق تین پر	34
10	لفظ ''پس'' کا مفہوم کیا ہے؟	35
11	فطرۃ اللہ کو ترک کرنے کا نتیجہ	38
12	شرک سے انکار اور بیزاری کا مطلب	38
13	مصائب کے وقت ابتلاء اور عذاب میں فرق	39
14	سورۃ لقمان	42
15	مرض غنا یعنی (گانے) کی بیماری کا علاج	43
16	وصیت لقمان	44
17	حکیم اور نبی میں فرق	44
18	کیا وفات سے پہلے اپنی قبر کھودنا جائز ہے؟	47
19	اُصول آداب مع نفسہ (یعنی اپنی ذات کے ساتھ اصول آداب کا بیان)	50

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
51	''زفیر''اور''شهيق''میں فرق	20
51	''أسبغ عليكم نعمه''اسباغ میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔	21
52	''ولا يغرنكم بالله الغرور''آیت میں الغرور سے مراد	22
53	''الارحام''کا معنی	23
53	انسان کے چار ادوار ہیں	24
53	مفاتیح الغیب پانچ ہیں	25
54	سورة السجدة	26
54	اللہ تعالیٰ کی صفت استواء کے ساتھ اس کی صفت رحمن کا ذکر کیوں کیا گیا؟	27
55	ملک الموت کا نام عزرائیل کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا ہے	28
56	سورة الأحزاب	29
56	غزوۂ احزاب (خندق) کا تذکرہ	30
56	''أدعوهم لآبائهم''کی تفسیر	31
	پارہ نمبر/ ۲۲ ومن يقنت	
62	بائیسواں پارہ	32
63	تبرج کے تین مطالب	33
64	عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے شرائط	34
64	لپ اسٹک اور نیل پالش کا حکم	35
66	عورت کے لیے دس احکام	36
66	کیا عورت دین کے لیے بغیر محرم گھر سے نکل سکتی ہے؟	37
67	کیا عورت کی آواز پردہ ہے؟	38
68	عورت کے پردے پر اعتراض اور اس کا جواب	39
75	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات	40
76	سراجا منیرا	41
80	چہرہ کا پردہ	42
82	اصلاح کے دو طریقے	43

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
44	سورۃ سبأ	83
45	انسان کی حالتیں	87
46	متابعت رسول کی شرطیں	89
47	کیا قرآن کے عوض میں اجرت لینا جائز ہے؟	93
48	سورۃ فاطر	95
49	موت کے بعد زندگی پر دلیل	97
50	مردے سنتے نہیں تو قبرستان میں سلام کیوں؟	98
51	عالم کی تین قسمیں ہیں	99
52	خوف کے تین درجے ہیں	100
53	صاحب خوف اور صاحب خشیت میں فرق	100
54	عدل، فضل اور رحمت میں فرق	101
55	جنت میں تین قسم کے لوگ	102
56	تزئین اعمال کی وضاحت	106
57	دریا کے فوائد	108
58	قلیب بدر کا واقعہ	109
59	غیب کی دو قسمیں ہیں	111
60	اللہ کی صفات کی تین قسمیں	111
61	قدرت اور قوت میں فرق	113
62	سورۃ یٰسٓ	113

پارہ نمبر ۲۳ ومالي

نمبر شمار	عناوین	صفحات
63	تیئیسواں پارہ	120
64	توحید پر موت سعادت ہے	120
65	تناسخ کا عقیدہ غیر منطقی	121
66	بعث بعد الموت پر دو مشاہداتی دلیلیں	122
67	سورج کا دوران	123

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
68	زمین کی گردش کا نظریہ	123
69	اللہ نے غریب کو روزی نہیں دی تو ہم کیوں دیں؟	124
70	خشیت کا معنی	129
71	جدال کے اقسام	131
72	سورۃ الصافات	132
73	قسم کھانے کا مقصد	132
74	جنتی عورتوں کی صفات	134
75	دو تاجرین کا واقعہ	135
76	زقوم کی تفسیر	137
77	توریہ کا مفہوم	138
78	ذبیح کون ہے؟	139
79	بعل کیا ہے؟	140
80	کدو کے فوائد	141
81	صفات الٰہی کی تین قسمیں	142
82	صراط کی دو قسمیں	143
83	حلیم کا معنی	145
84	خواب کی تین قسمیں	146
85	عبودیت کی دو قسمیں	148
86	سورہ ص	149
87	داؤد علیہ السلام کا فیصلہ	150
88	نزول قرآن کے تین مقاصد	151
89	سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے	152
90	بیٹے کی جانشینی	152
91	سلیمان علیہ السلام کی دعاء سلطنت	153
92	ایوب علیہ السلام اور ان کی خدمت گذار بیوی کا قصہ	154

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
157	ادراک کی چھ قسمیں ہیں	93
157	داؤد علیہ السلام کی آزمائش	94
158	الصفنات الجیاد سے مراد	95
158	توارت بالحجاب سے مراد	96
159	اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں	97
160	قسم میں حانث ہونے کی پانچ قسمیں	98
163	سورۃ الزمر	99
163	وسیلہ	100
165	ظلمات ثلاث سے مراد	101
167	قرآن کریم کی صفات	102
	پارہ نمبر ۲۴ فمن أظلم	
170	چوبیسواں پارہ	103
170	قیامت میں عدالت میں سزا پانے والے کون؟	104
173	مجرم کو دو قسم کی سزا	105
174	نفس کی دو قسمیں	106
174	روح کی دو قسمیں	107
176	اللہ کے تین احسانات اور انسان کا رویہ	108
177	قل یا عبادی الذین أسرفوا...میں نکات	109
179	تین تمنائیں	110
183	متاشبہ کا مطلب	111
186	شفاعت کی شرطیں	112
187	انسان کے انجام کی حالتیں	113
188	رحمت کی قسمیں	114
188	متعدد اسمائے الٰہیہ پر ایمان	115
188	عذاب کی قسمیں	116

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
117	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی قسمیں	190
118	قیامت کو قیامت کہنے کی وجہ	191
119	نعم اور بلیٰ کی قسمیں	192
120	تکبر اور تواضع میں فرق	193
121	مدح اور حمد میں فرق	194
122	قضا کی قسمیں اور ان میں فرق	195
123	سورۃ غافر	195
124	اللہ کی چند صفات	195
125	فرشتوں کی دعا	196
126	عبداللہ بن عمر اور چرواہے کا واقعہ	199
127	عزت کی قسمیں	203
128	دعا میں تجاوز کی قسمیں	204
129	تفصیلی دعا کے اسباب	205
130	فیصلے کی قسمیں	205
131	صبر کی قسمیں	207
132	سورۃ فصلت	207
133	قرآن کی صفات	207
134	قبول حق سے محرومی کے اسباب	208
135	زمین پہلے پیدا کی گئی یا آسمان؟	208
136	ایمان واستقامت کے ثمرات	210
137	دعوت دین کے تعلق سے پانچ بنیادی باتیں	212
138	قرآن کی دو صفتیں	215
139	شفاء کی دو قسمیں	215
140	ستاروں کی تخلیق کے تین مقاصد	219
141	اندھے پن کی دو قسمیں	219

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
220	آگ کی دو قسمیں	142
220	کفر کی چار قسمیں	143
222	وسائل دعوت کی قسمیں	144
223	تسبیح کی تین مطالب	145
224	بلاغت قرآن	146
224	آیات اللہ کی دو قسمیں	147
224	آیات شرعیہ تین امور میں ہیں	148
226	مسئلہ: کیا کافر قرآن سے علاج کر سکتا ہے؟	149
227	قنوط اور یاس میں فرق	150
229	اللہ کی شہادت کی دو قسمیں	151
	پارہ نمبر ۲۵ إلیه یرد	
234	پچیسواں پارہ	152
234	سورۃ الشوریٰ	153
234	العلی العظیم کی تفسیر	154
237	احکام کی دس فصلیں	155
238	انسان کی کسان سے تشبیہ	156
239	''الا المودۃ فی القربی'' سے مراد	157
240	دولت کسی کے برحق ہونے کی دلیل نہیں	158
241	غیث اور مطر میں فرق	159
243	آخرت کی نعمت سے مالا مال ہونے والے لوگوں کے اوصاف	160
243	انسان کی تین قوتیں	161
243	برائیوں کے تین عنوان	162
244	آٹھ نصیحتیں	163
245	تخلیق کی چار قسمیں ہیں	164
245	وحی کے سات اقسام	165

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
		247
166	کیف التصور المعنی ولا التصور الکیفیۃ؟	248
167	دین کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے	248
168	عبارۃ اور حکایہ میں فرق	250
169	عز کے تین معانی ہیں	250
170	توبہ کی پانچ شرطیں ہیں	251
171	عمل صالح کی چھ شرائط	252
172	قنوط اور یاس میں فرق	253
173	فرح کی دو قسمیں ہیں	253
174	خلق اور ایجاد میں فرق	253
175	علو ذات اور علو صفات کا مطلب	254
176	سورۃ الزخرف	254
177	"اومن ینشوا فی الحلیۃ" کی تفسیر	256
178	خط کی تین صورتیں ہیں	259
179	"أمۃ" کے مختلف معانی	259
180	"بعد المشرقین" کی تفسیر	260
181	"وسئل من ارسلنا من قبلك" کا مطلب	261
182	سورۃ الدخان	261
183	"لیلۃ مبارکۃ" سے مراد	262
184	آسمان وزمین کے رونے سے متعلق ابن عباس کی تفسیر	264
185	سورۃ الجاثیۃ	264
186	زمین کی ہیئت	265
187	"اختلاف اللیل والنهار" کی تشریح	265
188	"وسخر لکم ما فی السموات" کی تشریح	266
189	آخرت کے وجود پر ایک عقلی استدلال	267
190	دل سے متعلق سائنسی نقطہ نظر	

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
191	قیامت کے یقین کے لیے مشرکین کا مطالبہ	268
192	قبر سے کوئی مردہ کھڑا کیوں نہیں ہوتا؟	269
	پارہ نمبر ۲۶ حٰمٓ	
193	چھبیسواں پارہ	272
194	سورۃ الاحقاف	272
195	دلائل کی قسمیں	273
196	باطل معبودوں کے اقسام	274
197	قول عمر رضی اللہ عنہ "نعمۃ البدعۃ ھذہ" کی وضاحت	275
198	سعادت کے تین مرتبے	277
199	عذاب کے دو سبب	278
200	سورۃ محمد	280
201	حال اور بال میں فرق	281
202	غلامی	282
203	اسلام نے انسان کو آزادی دی	283
204	چار نہریں	285
205	قیامت کی دس بڑی نشانیاں	286
206	سورۃ الفتح	288
207	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ عطیات	288
208	ذنب وعصیان	290
209	بیعت کی قسمیں	292
210	صحابہ کرام کی صفات	294
211	کھیتی کی چار حالتیں	294
212	سورۃ الحجرات	296
213	نص کی موجودگی میں فقیہ کا قول	296
214	مذاق کرنے اور مذاق اڑانے میں فرق	299

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
215	ہمزہ اور لمزہ میں فرق	299
216	غیبت اور بہتان میں فرق	300
217	تجسس اور تحسس میں فرق	300
218	بدعت کی قسمیں	301
219	عقل کی قسمیں	302
220	ظن کی قسمیں	302
221	سورۃ ق	303
222	بعث بعد الموت کا شبہ	303
223	خوف اور خشیت میں فرق	307
224	دل کی چار قسمیں ہیں	308
225	سورۃ الذاریات	310
226	''حبك'' کا معنی	310
227	سلام کے آداب	313
228	اولاد کے لیے تین موانع	314
	پارہ نمبر ۲۷ قال فما خطبکم	
229	ستائیسواں پارہ	316
230	سورۃ الطور	319
231	بیت معمور سے مراد	319
232	انسان کی تین حالتیں	322
233	کفار مکہ کے ایک شبہ کا ازالہ	322
234	وجود باری تعالیٰ کے عقلی ونقلی دلائل	322
235	ایک قدیم طریقہ	326
236	خالق کا ثبوت	326
237	توحید باری کی دلیل	327
238	سورۃ النجم	327

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
239	ستارے کی قسم کیوں کھائی؟	328
240	ضلالت اور غوایت میں فرق	328
241	نطق رسول کی قسمیں	329
242	سدرۃ المنتہٰی سے مراد	331
243	قلب اور فؤاد میں فرق	332
244	شفاعت کی تین شرطیں	334
245	گناہ کی قسمیں	335
246	توبہ کی قسمیں	336
247	سورۃ القمر	338
248	سورۃ الرحمٰن	342
249	سورۃ الواقعه	353
250	قیامت کی صفتیں	353
251	فاکھۃ کا ذکر پہلے اور لحم کا بعد میں کیوں؟	354
252	جنت کی حوریں	355
253	جنتیوں کی عمر اور لمبائی	358
254	متاعاً للمقوین کا مطلب	359
255	قرآن کی صفت "کریم" کیوں لائی گئی	359
256	لایمسه الا المطهرون کا مطلب	360
257	روح اور ریحان میں فرق	361
258	سورۃ الحدید	361
259	نور کا دائیں جانب دوڑنے کا مطلب کیا ہے	363
260	ابلیس کے دھوکے سات قسم کے ہیں	364
261	مردہ دلوں کو زندہ کرنے والے اسباب	365
262	اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ۔۔۔ کی تفسیر	366
263	رہبانیت کیا ہے	370

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
	پارہ نمبر/۲۸ قد سمع اللہ	
264	اٹھائیسواں پارہ	374
265	سورۃ المجادلة	374
266	کظھر أمی کیا پیٹھ کے علاوہ کسی اور عضو کا نام لینے سے ظہار ہوگا؟	376
267	آداب مجلس	377
268	سرگوشی کے آداب	378
269	کافر دو طرح کے ہیں	380
270	لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر۔۔۔کی تفسیر	380
271	سورۃ الحشر	382
272	مال فئی اور اس کے حق دار (مستحقین)	383
273	"بخل" اور "شح" میں فرق	385
274	یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ۔۔۔کی تفسیر	386
275	سورۃ الممتحنة	389
276	یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم کی تفسیر	389
277	دشمن اسلام تین قسم کے تھے	391
278	سورۃ الصف	392
279	نفع بخش تجارت کا ذکر	393
280	سورۃ الجمعة	394
281	بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین مقاصد	395
282	بے عمل علماء کی مثال	395
283	جمعہ کی فرضیت	396
284	جمعہ کے دن تعطیل کا حکم	397
285	سورۃ المنافقون	397
286	منافقین کی خباثت	398
287	ذکر اور ذکر اللہ میں فرق	400

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
288	سورۃ التغابن	400
289	مصائب تین طرح کے ہوتے ہیں	401
290	سورۃ الطلاق	403
291	طلاق کی پانچ قسمیں	403
292	اصول طلاق وخلع	405
293	طریقہ طلاق	406
294	خلع کا طریقہ	407
295	سورۃ التحریم	409
296	کفر کی دو قسمیں	411
297	کفر اکبر کی پانچ قسمیں	411
298	کفر جحود کی دو قسمیں	411
	پارہ نمبر ٢٩ تبارك الذي	
299	انتیسواں پارہ	416
300	سورۃ الملك	416
301	موت کا ذکر حیات سے پہلے کیوں؟	416
302	افمن يمشى مكبا على وجهه کی تفسیر	419
303	سورۃ القلم	419
304	ما أنت بنعمة ربك بمجنون کی تفسیر	419
305	سورۃ الحاقة	422
306	راضیہ کیوں کہا گیا؟ مرضیہ کیوں نہیں کہا گیا؟	422
307	فلا أقسم بما تبصرون ومالا تبصرون کی تفسیر	423
308	سورۃ المعارج	423
309	ان الانسان خلق هلوعا کی تفسیر	424
310	سورۃ نوح	425
311	ویمددکم باموال وبنین کی تفسیر	426

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
312	سورۃ الجن	427
313	بچوں کا مسجد میں آنا	428
314	سورۃ المزمل	432
315	صبر جمیل، صفح جمیل اور ھجر جمیل میں فرق:	433
316	سورۃ المدثر	439
317	سورۃ القیامۃ	446
318	سورۃ الدھر	449
319	سورۃ المرسلات	452
	پارہ نمبر/۳۰ عم	
320	تیسواں پارہ	458
321	سورۃ النباء	458
322	نبا اور خبر میں فرق	458
323	یوم الفصل سے مراد	459
324	سورۃ النازعات	461
325	"نخرۃ" اور "ناخرۃ" میں فرق	463
326	"ھوی" کی وجہ تسمیہ	465
327	سورۃ عبس	466
328	"الاعمیٰ" سے مراد	466
329	سورۃ التکویر	467
330	"تکویر" کا معنی	467
331	"عسعس" کا معنی	468
332	سورۃ الانفطار	469
333	إن الابرار لفی نعیم، وإن الفجار لفی جحیم ۔۔ابن القیم رحمہ اللہ کا قول	470
334	سورۃ المطففین	470
335	کلا ان کتاب الفجار لفی سجین کی تفسیر	471

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	عناوین	صفحات
336	مکذبین کے تین اوصاف	471
337	كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون۔۔۔ کی تفسیر	471
338	"ران" کا معنی	471
339	ومزاجه من تسنيم کی تفسیر	473
340	سورة الانشقاق	473
341	احکام الٰہیہ کی دو قسمیں	474
342	سورة البروج	475
343	سورۂ بروج کے کچھ اسباق	477
344	أصحاب الاخدود کا قصہ	479
345	سورة الطارق	480
346	سورة الأعلىٰ	482
347	تزکیہ تین قسم کا ہوتا ہے	483
348	سورة الغاشية	484
349	سورة الفجر	486
350	دس راتوں سے مراد	488
351	"حجر" سے مراد	488
352	سورة البلد	493
353	اللہ کی تین بڑی نعمتیں	494
354	سورة الشمس	495
355	فجور اور تقویٰ کا الہام	496
356	سورة الليل	497
357	رات کی قسم	498
358	نر و مادہ کی قسم	499
359	صفات حمیدہ اور رذیلہ	500
360	بدبخت کون؟	503

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
507	سورۃ الضحیٰ	361
510	سورۃ الم نشرح	362
510	الم نشرح کی تشریح	363
512	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین احسانات کا ذکر	364
512	سورۃ التین	365
514	سورۃ العلق	366
515	انسان کی سرکشی کے خطرناک اسباب	367
516	تعلیم کے دو طریقے	368
517	سورۃ القدر	369
519	افعال الٰہیہ کے دو طریقے	370
520	قدر کے کئی معانی ہیں	371
520	فضائل لیلۃ القدر	372
521	سورۃ البینۃ	373
523	سورۃ الزلزال	374
525	سورۃ العادیات	375
527	اللہ نے انسان کو ان صفات سے متصف کیا	376
527	سورۃ القارعۃ	377
528	سورۃ القارعہ کی تفسیر	378
528	سورۃ التکاثر	379
530	رویۃ کی دو قسمیں ہیں	380
530	الیقین ثلاثۃ	381
531	سورۃ العصر	382
531	عصر و دہر میں فرق	383
532	سورۂ عصر کی مثال	384
532	یقین اور ایمان میں فرق	385

نمبر شمار	عناوین	صفحات
386	عصر کا مطلب	532
387	عمل اور فعل میں فرق	532
388	سورۃ الھمزۃ	533
389	"ھمزۃ" اور "لمزۃ" میں فرق	534
390	سورۃ الفیل	534
391	اصحاب الفیل کا واقعہ	535
392	سورۃ القریش	535
393	کفار مکہ کے اسفار	535
394	سورۃ الماعون	536
395	تہذیب اخلاق کی قسمیں	536
396	سورۃ الکوثر	537
397	"کوثر" کی تشریح	538
398	"الابتر" کی تعریف	539
399	سورۃ الکافرون	539
400	شرک کی دو قسمیں	540
401	سورۃ النصر	541
402	انسان کے ہر کام کے چھ درجے ہوتے ہیں	541
403	"نصر" کا مطلب	542
404	چار باتیں	542
405	تسبیح واستغفار میں کون مفید؟	543
406	سورۃ اللھب	543
407	اعمام رسول (رسول کے چچا لوگ) کی تین قسمیں	545
408	سورۃ الإخلاص	545
409	أحد اور واحد میں فرق	546
410	سورۃ الفلق	547

Scanned by CamScanner

صفحات	عناوین	نمبر شمار
548	چار چیزوں سے پناہ	411
549	سورۃ الناس	412
550	شیطان جن وانس کے تین نمایاں افعال	413
552	قصص قرآنیہ	❁
559	حیوانات قرآنیہ	❁

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

(۲۱)

سورة العنكبوت

(آیت: ۴۵)

تا

سورة الأحزاب

(آیت: ۳۰)

مجمع بلقيس للبحوث الإسلامية
حيدر آباد الهند

Scanned by CamScanner

اکیسواں پارہ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے۔(۴۵)

﴿اُتْلُ﴾ میں اقامۃ صلوٰۃ داخل ہے، مگر عظمت شان کے لیے الگ سے اس کا بیان ہوا نیز معلوم ہوا کہ تھیوری کافی نہیں پریکٹس ضروری ہے۔

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ﴾ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مخاطب سارے اہل ایمان ہیں جن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور ایمان پر قائم رہنے کے لیے انہیں جن شدید حوصلہ شکن مشکلات سے سابقہ پیش آ رہا تھا ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پچھلے چار رکوعوں میں صبر وثبات اور توکل کی مسلسل تلقین کے بعد اب انھیں عملی تدبیر بتائی جا رہی ہے کہ قرآن کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں یعنی غیروں تک قرآن پہنچائیں، وہ اس کی قدر کریں یا نہ کریں۔ اور جو لوگ دعوت قبول کر چکے ہیں ان کی تربیت کے لیے نماز کا اہتمام کریں۔ یہ نماز ان کو مفاسد سے پاک کرے گی جو پچھلی قوموں کی تباہی کا باعث ہوئے ہیں، تلاوت کا مطلب صرف زبان کی حرکت اور اقامت صلوٰۃ صرف بدن کی حرکت کا نام نہیں۔

شدید مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے مادی طاقت سے زیادہ اخلاقی طاقت درکار تھی، اس کے لیے یہ دو نسخے بتا دیئے گئے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ اگر ہماری نماز ہمیں فحش اور منکر سے روکتی ہے تو گویا یہ نماز وہ ہے جو اللہ کو مطلوب ہے۔ اگر نہیں روکتی ہے تو ہماری نماز اللہ کے ہاں مقبول نہیں، یہ نماز کی قبولیت کی ایک علامت ہے۔

نماز بے حیائی سے روکنے کا ذریعہ بنتی ہے جس طرح دواؤں کی مختلف تاثیرات ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دوا فلاں بیماری کو روکتی ہے واقعۃً ایسا ہوتا ہے مگر کب؟ جب دو باتوں کا التزام کیا جائے۔

ایک تو دوا کو پابندی سے اس شرط کے ساتھ استعمال کرے جو حکیم بتلائے۔

دوسرا پرہیز۔یعنی ایسی چیزوں سے اجتناب کرے جو اس دوا کے اثر کو زائل کرنے والی ہوں۔اسی طرح نماز میں تمام فرائض وسنن کا اہتمام کرے۔نیز رزق حلال کھائے اور اخلاص کے ساتھ پڑھے۔

دوا سے شفاء کی پانچ شرطیں:

(۱) نسخہ کے تمام اجزاء اصلی ہوں۔

(۲) خاص مقدار میں۔

(۳) خاص اوقات میں۔

(۴) پابندی کے ساتھ۔

(۵) ایسی چیز کا استعمال نہ کرنا جو دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ فُلَانًا يُصَلِّي بِاللَّيْلِ، فَإِذَا أَصْبَحَ سَرَقَ قَالَ: "إِنَّهُ سَيَنْهَاهُ مَا تَقُولُ"

(مسند احمد:۹۷۷۸،اسنادہ صحیح رجالہ رجال الشیخین)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر کہا ایک شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح کو چوری کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ چیز اس کو روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ﴾ "اوحی" میں مطلق تلاوت مراد ہے جو خود پڑھنے اور دوسروں کے سامنے پڑھنے کو شامل ہے۔اس لیے اس آیت میں "اُتْلُ عَلَيْهِمْ" نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مطلق تلاوت کا حکم ہے خواہ خود تلاوت کرے یا دوسروں کے سامنے تلاوت کرے۔

یہاں دعوت الی اللہ کا ایک مختصر جامع نسخہ بتلادیا گیا ہے جس پر عمل کرنے سے پورے دین پر عمل کرنے کے راستے کھل جاتے ہیں۔

(۱) تلاوت قرآن (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) ذکر اللہ

بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ نماز کے پابند ہونے کے باوجود بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں۔جواب میں بعض حضرات نے اتنا کہا کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نماز نمازی کو گناہوں سے منع کرتی ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ جس کام سے کسی کو منع کیا جائے وہ اس سے باز بھی آجائے۔

(۱) قرآن کی تلاوت سے دل منور ہوتا ہے جس کے نتیجے میں دل سے جہالت کی ظلمت دور ہوتی ہے۔

(۲) نماز معصیت سے متنفر کرتی ہے۔جس کا ثمرہ قرب الٰہی ہے۔

(۳) ذکر اللہ سے غفلت دور ہوتی ہے،دل کی اصل بیماری اللہ کی یاد سے غفلت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾

﴿ذِكْرُ اللّٰهِ﴾ (اللہ کی یاد)

پہلا نکتہ: اگر انسان کے دل میں اللہ کی یاد نہ ہوتو وہ قرآن پڑھے گا نہ نماز پڑھے گا۔ اس لیے سب سے پہلے اللہ کی یاد ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ لایا گیا۔

دوسرا نکتہ: بندہ جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ اس کو یاد کرتا ہے، اللہ جس بندے کو یاد کرے اس کے لیے اس سے بڑی چیز اور کیا ہوسکتی ہے، گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوجاتی ہے، جس کو توفیق نہ ہو تو غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا کہ اس کی نماز میں کوئی خلل تھا۔

﴿الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ شہوانی جذبات کی بے اعتدالی سے جو برائیاں وجود میں آتی ہیں وہ فحشاء ہیں اور طمع وحرص اور حب جاہ ومال کی بے اعتدالی سے جو برائیاں ظہور میں آتی ہیں وہ منکر ہیں۔

دعوت اور جماعتی تربیت کے لیے دو باتوں (تلاوت قرآن اور نماز) کی ہدایت کی گئی دل مضبوط ہے تو انسان سے زیادہ طاقتور کوئی چیز نہیں دل کمزور ہو تو انسان سے زیادہ ناتواں کوئی شئی نہیں اور دل کو قوت دینے والی چیز اللہ کی یاد ہے جس کی سب سے جامع شکل نماز ہے۔

اعتراضاتِ مشرکین سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر تکان آنا اور طبیعت کا مُنغّص (کڑوا) ہونا ایک جبلی (فطری) چیز تھی۔ اس لیے اس کے بعد تلاوت اور نماز کا حکم دے کر تازہ دم کیا گیا، پھر نوح، ابراہیم، موسیٰ علیہم السلام کی امتوں کا بیان کیا گیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی کافروں نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ سب کیا تھا، مگر وہ برباد ہوئے۔ پھر موت کا تذکرہ اور دنیا کی بے ثباتی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ دنیا کو کوئی بے ثبات سمجھے تو اسے کوئی رنج، رنج نہیں معلوم ہوتا۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کرے (اُن کیساتھ اسی طرح مجادلہ کرو) اور کہہ دیجیے کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو (کتابیں) تم پر اُتریں ہم سب پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں۔ (۴۶)

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اہل کتاب سے نرم کلامی سے بحث کرو۔ مگر جو ان میں ہٹ دھرم، ضدی، متعصب اور زبان دراز ہوں تو ان سے بحث ومناظرہ نہ کرو۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا﴾ بحث کی نوبت آئے تو سخت بات کا جواب نرم الفاظ سے، غصے کا جواب بردباری سے اور جاہلانہ

Scanned by CamScanner

شور و شغب کا جواب باوقار گفتگو سے دیا جائے، ہاں، شریر مناظرہ باز کو منہ نہ لگاؤ۔

﴿وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ﴾ ہم ان کی کتابوں کی تکذیب نہیں کریں گے کیونکہ صدق کا احتمال ہے اور تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ کذب کا احتمال ہے، ہمارا اس پر ایمان مجمل ہوگا اور ایک شرط کے ساتھ معلق ہوگا کہ واقعی یہ بات اللہ کی طرف سے ہے اور اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۝۴۸

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اُسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہلِ باطل ضرور شک کرتے۔(۴۸)

آپ ﷺ امی تھے اور اُمی کے معنی "الذی لا یقرءُ ولا یکتب" (جو پڑھ لکھ نہ سکے) کے ہیں۔

اُمّی لفظ کی اردو معنی میں مناسبت:

امی کے لفظ اور اس کے اردو معنی میں بظاہر مناسبت نہیں معلوم ہوتی مگر ایک مناسبت ہے کہ "اُمٌّ" کے معنی ماں کے ہیں اور اُمی کو ان پڑھ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کو اس کی ماں نے جس حالت میں جنم دیا تھا ابھی تک اسی حالت میں ہے۔

اہل کتاب آپ کے امی ہونے کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آپ کا کوئی معلم تھا، اگر ایسا ہے تو سوال یہ ہے کہ معلم کون تھا؟ اگر مشرک تھا تو شرک کے ابطال کی تعلیم کیوں دی؟ اور اگر یہودی تھا تو عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اور ان کی والدہ کی برأت کی تعلیم کیسے دی اور علماء یہود کو توریت کی تحریف پر اور دیگر برائیوں پر ملامت اور فضیحت کیوں کی؟ اور اگر نصرانی تھا تو الوہیت مسیح کے ابطال کی تعلیم کیسے دی اور مسیح کے قتل وصلیب کی تردید اور ان کے رفع الی السماء کی تعلیم کیوں دی؟

خلاصہ یہ کہ تاریخی حیثیت سے آپ ﷺ کا امّی ہونا روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ ایک شخص جس نے عمر بھر کوئی کتاب نہ پڑھی، نہ قلم ہاتھ میں لیا۔ آخر اس کے اوپر یہ تمام علوم کہاں سے برس پڑے کہ اس نے تمام نبیوں کی تعلیم کو از سر نو زندہ کیا۔

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۝۵۰

اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں۔(۵۰)

معجزات اللہ کے اختیار میں ہیں۔ میں صرف اللہ کا رسول ہوں مخالفین کی خواہش کے موافق معجزات کا دیا جانا شرط رسالت نہیں۔ رسول کے بعثت کی غرض لوگوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

Scanned by CamScanner

اَوَلَمۡ یَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

کیاان لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جوان کو پڑھ کرسنائی جاتی ہے کچھ شک نہیں کہ مومن لوگوں کیلئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔(۵۱)

﴿اَوَلَمۡ یَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ﴾ یہ آیت بطور خاص دعاۃ الی اللہ کے لیے خصوصی توجہ کی حامل ہے۔ بہت سارے دعاۃ، دعوت کے باب میں افراط وتفریط کا شکار ہیں دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے دعاۃ ایسے ہیں کہ جنھیں وید، پران، بھگوت گیتا اور رامائن کے بہت سے اشلوک ازبر ہوتے ہیں اور بائبل کے چیپٹر نمبر، ورس نمبر کے ساتھ یاد ہوتے ہیں مگر قرآن کے معاملے میں ان کا حال یہ ہے کہ انہیں چند آیتیں اور ایک دو چھوٹی سورتوں کے علاوہ کچھ یاد نہیں ہوتا۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو۔(۵۶)

﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ﴾ اگر مکہ میں اللہ کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو مکہ چھوڑ کر نکل جاؤ۔ تم کو قوم ووطن کی نہیں بلکہ اپنے اللہ کی بندگی کرنی چاہیے، معلوم ہوا کہ قوم ووطن اور گھر بار کو دین وایمان کی خاطر چھوڑا جاسکتا ہے، مگران کی خاطر دین وایمان کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ۟ ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۷﴾

ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔(۵۷)

اور جان کی فکر نہ کرو وہ تو کبھی نہ کبھی جانی ہی ہے، تمہارے لیے فکر کا مسئلہ یہ نہیں کہ جان کیسے بچائی جائے بلکہ لائق فکر مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے۔

وَكَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ٭ۖ اَللّٰهُ یَرۡزُقُهَا وَاِیَّاكُمۡ ۖ٭ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۶۰﴾

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی اُن کو رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔(۶۰)

رہا، پیٹ کا سوال تو وہ تو جانوروں کو بھی رزق دیتا ہے وہ تم کو کیوں نہیں دے گا یعنی اگر تم یہ سوچتے ہو کہ ہجرت کے وقت زمین وجائداد چھوٹ گئی تو گذارہ کیسے ہوگا؟ تو فکر جان کی طرح فکر روزگار سے بھی تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے آخر یہ بے شمار چرند پرند کہاں اپنا رزق اٹھائے پھرتے ہیں اللہ ہی ان کو پال رہا ہے وہ جہاں جاتے ہیں رزق ملتا ہے دیمک کی ایک قسم ایک وقت میں بیس لاکھ انڈے دیتی ہے یہ انڈے دیگر حشرات کے لیے بڑی مرغوب غذا ہیں ان بیس لاکھ انڈوں میں پانچ چھ سو کی

Scanned by CamScanner

تعداد بچ جاتی ہے اس طرح اس کی نسل چلتی ہے، ایک مخصوص قسم کا الو ہے وہ ایک مخصوص جگہ بغیر حرکت کئے بیٹھا رہتا ہے اور ایک خاص قسم کا اشعاع (radiation) خارج کرتا ہے، جس کے اثر سے ایک چڑیا خود اس کے سامنے آ کر بیٹھ جاتی ہے۔

کسی کا رزق رک سکتا نہیں خلاق اکبر سے
صفی پتھر کے کیڑے کو غذا ملتی ہے پتھر سے

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲

اللہ ہی اپنی بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۶۲)

کفار یہ کہتے تھے کہ تم لوگ حق پر ہو تو اتنے خستہ حال کیوں ہو اور اللہ ہمیں نواز کیوں رہا ہے؟

جواب دیا گیا کہ اللہ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت رزق جس کو چاہے زیادہ جو جس کو چاہے کم دیتا ہے اس کا اللہ کی رضا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی سے راضی ہو اور وہ روزی روٹی کے لیے پریشان ہو اور کسی سے ناراض ہو اور اس پر رزق کے دروازے کھول دے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۴

اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔ (۶۴)

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ جس دنیا نے انھیں آخرت سے غافل کر دیا ہے اس کی حقیقت لہو ولعب (کھیل کود) سے زیادہ نہیں۔ کافر دنیا کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، شب و روز محنت کرتا ہے مگر جب مرتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے، جس طرح بچے سارا دن مٹی کے گھروندوں سے کھیلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، انھیں سوائے تھکاوٹ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

جو یہاں بادشاہ بن کر بیٹھا ہے وہ تھیٹر میں اس مصنوعی بادشاہ کی طرح ہے جو تاج پہن کر جلوہ گر ہوتا ہے اور حکم چلاتا ہے، اس دنیا میں ایسے ہی تماشے ہو رہے ہیں، ساری گمرہی کا اصل سبب یہی دنیا ہے، ہر ایک شخص خواہ وہ کافر ہو یا مومن ہو، مرتا ہے۔ اور جب اس دنیا سے جاتا ہے تو خالی ہاتھ جاتا ہے، جیسے بچے اپنے بنائے ہوئے گھروندوں سے کھیلتے ہیں، پھر خالی ہاتھ گھروں کو واپس آ جاتے ہیں، لوگ دنیا کی زندگی کے ایک پہلو کو خوب جانتے ہیں۔ تجارت کس طرح کریں؟ کہاں سے

Scanned by CamScanner

خریدیں؟ کہاں بیچیں؟ کھیتی کس طرح کریں؟ کب بیج ڈالیں؟ کب کاٹیں؟ مکانات کیسے بنائیں؟ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کا قیام چندروزہ ہے، اس رخ سے بڑے بڑے عاقل، غافل ہیں۔

آخرت کو ''حَیَوان'' اور دنیا کو ''حیوٰۃ'' کیوں کہا گیا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ لفظ کی زیادتی معنیٰ کی زیادتی پر دلیل ہوتی ہے، جب کسی لفظ کے آخر میں 'الف ونون' کا اضافہ کیا جائے تو معنیٰ میں زیادتی یہ ہوتی ہے کہ اس لفظ سے اس شئ کی حقیقت مراد ہوتی ہے اور 'الف ونون' کے بغیر وہ لفظ اس چیز کی صورت پر دلالت کرتا ہے اور حقیقت وصورت میں وہی فرق ہے جو آدمی کی اپنی شخصیت اور آئینے کی تصویر میں فرق ہے ''حیاۃ'' زندگی کی صورت کو اور ''حَیَوان'' زندگی کی حقیقت کو کہتے ہیں فلاں آدمی غصے میں ہے تو کہتے ہیں رجل غاضب اور بہت غصہ میں ہو تو ''جل غضِب''۔ لیکن اگر یہ کہنا ہو کہ وہ سراپا غضب بن گیا ہے تو کہیں گے ''رجل غضبان''۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے آئے اور قوم میں شرک دیکھا تو غضبان ہوئے۔ ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ﴾ یعنی غصہ کی انتہائی حد (Extream limit) میں اپنی قوم کی طرف لوٹے، آخرت تو وہ ہے کہ جس کا ذکر جب آتا ہے تو ﴿خالدِینَ فِیْهَا﴾ کہا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل ہے اور کھیل (game) کتنا ہی دلچسپ ہو ایک دن ختم (over) ہو جاتا ہے۔

﴿لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ ''لعب''، لڑکپن کے زمانے میں اور ''لہو'' جوانی میں کھیل کود کو کہتے ہیں، دنیا فانی ہے اور جس جگہ ہر وقت کوچ کا نقارہ بج رہا ہو عاقل کو وہاں دل لگانے سے کیا کام۔

﴿لَهْوٌ﴾ اور ﴿لَعِبٌ﴾ میں فرق:

﴿لَهْوٌ﴾ اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جائے۔ ﴿لَعِبٌ﴾ اس کھیل اور تماشے کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے اور اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوتا ہو یا ﴿لَهْوٌ﴾ وہ عمل ہے جو انسان کے سنجیدہ مقاصد کے منافی ہو اور مقصود اس سے صرف عیش وطرب ہو اور ﴿لَعِبٌ﴾ کسی عمل کی لا حاصلی اور بے مقصدی کا زائد ہے جیسے بچوں کے اکثر عمل ہوتے ہیں جو شعوری طور پر جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت سے خالی رہتے ہیں۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾

پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے (اور) خالص اُسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۶۵)

مشرکین کے اس تناقض کو قرآن میں متعدد جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور فتح مکہ کے بعد انھیں قبول اسلام کی توفیق مل گئی۔

Scanned by CamScanner

مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ اللہ کو چھوٹے چھوٹے معاملوں میں کیوں پکاریں، یہ معاملے بزرگوں سے حل کرالیں۔ بڑے بڑے معاملوں میں وہ اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے تھے، مگر آج کے مشرکین کا حال یہ ہے کہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملوں میں غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقامِ امن بنایا ہے اور لوگ اُس کے گرد ونواح سے اچک لئے جاتے ہیں کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں (٦٧)

(۱) ہتھیاروں سے امن قائم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انھیں اپنے ہمسایہ سے ڈرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور کافی ہتھیاروں کے بغیر ان کے دل اطمینان نہیں پاتے۔

(۲) قانون اس لیے حقیقی امن قائم نہیں کرسکتا کہ قانون ظاہر پر حکومت کرتا ہے باطن پر نہیں۔

(۳) عقل اس لیے امن قائم نہیں کرسکتی کہ عقل، اخلاق کے تابع نہیں ہوتی وہ یہ دیکھتی ہے کہ میرا فائدہ کس میں ہے، وہ یہ نہیں دیکھتی کہ بعض ظاہری فائدے باطنی نقصان کے موجب ہوتے ہیں، سچا امن کبھی بھی روحانیت کے بغیر دنیا میں قائم نہیں ہوسکتا اور روحانیت نام ہے جذبات کے اخلاقی رنگ میں ڈھل جانے کا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾

اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور اللہ تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔ (٦٩)

ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہاں ہدایت کو جہاد پر معلق کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہدایت کے اعتبار سے کامل وہی ہیں جو سب سے زیادہ جہاد کرنے والے ہیں اور تمام جہادوں میں سب افضل جہاد، نفس کا جہاد، ہویٰ سے جہاد، شیطان سے جہاد اور دنیا سے جہاد ہے۔ "من جاھد ھذہ الاربعۃ فی اللہ ھداہ اللہ سبل رضاہ "جس نے ان چاروں سے جہاد کرلیا تو اللہ اس کو اپنی رضا کے راستوں کی ہدایت کردیتا ہے۔ فرقۂ ناقصین کو ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ﴾ سے اور فرقۂ متوسطین کو ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ سے اور فرقہ کاملین کو ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ سے بیان کیا گیا۔

حَدَّثَنَا أَبِي، ثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي الْحَوَارِيِّ، ثنا عَبَّاسٌ الْهَمَدَانِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ مِنْ أَهْلِ عَكَّا، فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ قَالَ: الَّذِينَ يَعْمَلُونَ بِمَا يَعْلَمُونَ يَهْدِيهِمْ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ (تفسیر ابن ابی حاتم)

Scanned by CamScanner

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے عباس ہمدانی سے انھوں نے ابواحمد سے جو عکاّ کے رہنے والے تھے ﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ کے بارے میں روایت کیا کہ جولوگ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں ان باتوں کی طرف رہنمائی فرماتا ہے، جن کا انھیں علم نہیں ہوتا۔

﴿فِيْنَا﴾ جدوجہد ہمارے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہو تمہارے خود ساختہ معیاروں کے مطابق نہیں۔ ہماری طرف جو آتے ہیں ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔

﴿سُبُلَنَا﴾

اشکال کیا اللہ کے بھی کئی راستے ہیں؟

جب کہ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾(حوالہ سورۂ انعام:153) سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا راستہ ایک ہے کئی نہیں، بلکہ شیطان کے کئی راستے ہیں۔ جواب: اللہ تک پہونچنے کے لیے مختلف مذہب نہیں صرف ایک مذہب اسلام ہے یہاں سبیل سے مراد نیکوں کی اقسام ہیں کہ ایک نیکی دوسرے نیکی کو کھینچتی ہے، ہر نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ احسان کا مطلب یہ ہے کہ جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو۔ اور ہر عمل میں اخلاص ضروری ہے۔

سورۃ الروم (مكية)

﴿الٓمّٓ. غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾

الٓمّٓ۔(۱)۔(اہلِ) روم مغلوب ہوگئے۔(۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۷۰ء میں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ۶۱۰ء میں عطا ہوئی تھی روم اور ایران میں جنگ ۶۰۲ء سے شروع ہوکر ۶۱۴ء تک جاری رہی۔ ۶۱۴ء میں خسرو پرویز نے روم کو ایک فیصلہ کن شکست دی، بڑے بڑے پادری قتل ہوئے، ان کی صلیب مقدس کو ایرانی فاتحین بیت المقدس سے اٹھالے گئے، یہ خبر مشرکین کے لیے بڑی خوش کن تھی، انہوں نے مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کردیا، قرآن کی اس پیشین گوئی کی بنا پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرط باندھ لی۔ (اس وقت تک شرط حرام نہیں ہوئی تھی)

Scanned by CamScanner

رومی غالب آگئے:

اس سورت کی ابتداء میں دو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں روم اور فارس دو عظیم الشان طاقتیں تھیں، روم والے عیسائی تھے جو مسلمانوں کی طرح آخرت پر یقین رکھتے تھے، جب کہ اہل فارس آتش پرست تھے اور آخرت کے منکر تھے، طبعی طور پر مسلمانوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ۶۱۵ء میں ایران نے روم کو شکست دی۔ اس پر مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں سے ازراہ فخر کہنے لگے کہ جس طرح اہل فارس، اہل کتاب کو صفحۂ ہستی سے مٹا رہے ہیں ہم بھی تمہیں مٹا دیں گے، ان باتوں سے مسلمانوں کو بہت صدمہ پہنچتا تھا، اس سورت میں رومیوں کے غلبہ کی پیشین گوئی کی گئی، جس کے ضمن میں خود مسلمانوں کے فتح کی بشارت تھی، جب کہ ظاہری اسباب رومیوں کے خلاف تھے، قریش نے اس بشارت کا مذاق اُڑایا، قرآن کی اس پیشین گوئی کے پیش نظر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف سے شرط لگالی کہ تین سال میں رومی غالب آگئے تو دس اونٹ تم مجھے دوگے ورنہ میں دوں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لفظ ''بضع'' کا اطلاق دس سے کم کی مدت پر ہوتا ہے، لہٰذا مدت کو بڑھا کر دس سال کردو اور اونٹوں کی تعداد سو (۱۰۰) کردو، چنانچہ ہجرت کے دو سال بعد جنگ بدر کے موقع پر ۹ سال کی مدت کے اندر رومی غالب آگئے، یہ خوش خبری بدر میں مسلمانوں نے اس وقت سنی جب وہ مشرکین کو شکست دے چکے تھے اس پر انہیں دہری خوشی ہوئی۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

یہ تو دنیا کی ظاہر زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے غافل ہیں (۷)

دنیا پرست لوگ دنیاداری میں ماہر اور دین میں صفر ہوتے ہیں، حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ واللہ میں نے دیکھا کہ کئی شخص دنیاداری میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ناخن پر درہم رکھ کر درہم کا وزن بتا دیں مگر انہیں صحیح طریقے سے نماز پڑھنی نہیں آتی۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝

کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کیلئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔ (۸)

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ﴾

عقل کہتی ہے کہ انسان کو اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا ملنی چاہئے اور دنیا میں یہ ممکن نہیں، یہ موت کے بعد ہی ہوسکتا

Scanned by CamScanner

ہے۔لہٰذا آخرت کا وجود ضروری ہوا، جولوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان سے یہ سوال کیا جائے کہ اگر دنیا میں رہنے کا مقصد کھانا پینا عیش کرنا اور مرجانا ہی تھا تو تمہیں زائد عطیات کیوں دئے گئے، پھر تم میں اور حیوانوں میں کیا امتیاز باقی رہا، ایک لحاظ سے ایسا انسان جانوروں سے بدتر ہوا کہ اسے دوسرے جانوروں سے زیادہ صلاحیتیں دی گئی تھیں، اس نے ان سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور اُن کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی اُن کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں سے نامعتقد ہوجائیں گے۔(۱۳)

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا﴾ شرکاء کا اطلاق تین قسم کی ہستیوں پر ہوتا ہے:

(۱) باشعور اور جاندار ہستیاں، جیسے ملائکہ، انبیاء اور اولیاء وغیرہ

(۲) بے شعور و بے جان اشیاء، جیسے چاند، سورج، درخت، پتھر اور حیوانات وغیرہ

(۳) اکابر مجرمین، جنہوں نے طاقت استعمال کر کے یا مکر و فریب سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اپنی بندگی کرائی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔(۲۱)

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ آدم علیہ السلام کی چھوٹی اور بائیں پسلی سے حوا کو بنایا، اگر کسی دوسری جنس مثلاً چرند پرند وغیرہ سے بنا تا تو یہ الفت ومحبت نہ ہوتی بلکہ آپس میں نفور ہوتا۔

﴿مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ محبت اس وجہ سے کہ اس سے جنسی جذبہ کی تسکین ہوتی ہے اور رحمت اس وجہ سے کہ اس سے اولاد حاصل ہوتی ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہلِ دانش کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔(۲۲)

Scanned by CamScanner

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾ دنیا میں ہر جگہ کا کتا بھوں بھوں اور بلی میاؤں میاؤں ہی کرتی ہے، جانوروں کی زبان میں اختلاف نہیں ہے، مگر انسانوں کے رنگ اور زبان کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی قرار دیا، لہٰذا زبان و رنگ کی بنا پر کسی کو حقیر نہ سمجھو۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن لونڈی (غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔(۲۸)

﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ تمہارے غلام تمہارے مال میں شریک ہو کر تمہارے برابر نہیں ہوتے باوجودیکہ تم سب آدمی ہو پھر بھی تمہیں غلاموں کے ساتھ مالی شرکت اور مساویانہ تصرف گوارا نہیں، پھر تعجب ہے کہ ان پتھروں کو جو عاجز ترین مخلوق ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

تو تم ایک طرف کے ہو کر دینِ (الٰہی کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۳۰)

''پس'' کا مفہوم کیا ہے؟

عبادات، معاملات اور اخلاق کی آیتیں بھی ہماری توجہ کی اسی طرح مستحق ہیں جس طرح وہ آیتیں ہیں جن میں ہم کو اقامت دین کا حکم دیا گیا ہے بلکہ عبادات، معاملات اور اخلاق سے متعلق آیتیں کچھ زیادہ توجہ کی مستحق ہیں، کیونکہ ان پر عمل کیے بغیر اور اپنے آپ کو ان کے سانچوں میں ڈھالے بغیر صحیح طور پر اقامت دین کا کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ان تین آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہم پورے دین پر عمل کریں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس طرح کریں؟ پہلی آیت کے پہلے فقرے ''پس''

Scanned by CamScanner

(اے نبی اور نبی کے پیروؤ) میں نگاہ ''پس'' پر رکتی ہے کہ اس ''پس'' کا مفہوم کیا ہے؟ عربی زبان کے حرف (ف) جس کا ترجمہ اردو میں ''پس'' کیا جاتا ہے اس کی پوری تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں، یہاں صرف یہ اشارہ کرنا ہے کہ ''پس'' کا لفظ پہلے کچھ کہی ہوئی باتوں اور حقیقتوں کا ایک حاصل ہوا کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ ان باتوں اور حقیقتوں کے بعد اب کیا کرنا ہے؟ اس سے پہلے کی آیتوں میں بہت کچھ کہا گیا ہے، ان میں نمایاں چیز شرک کی تردید ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کا بیان ہے اور یہ ہے کہ تمہارے مخالفین محض ہوائے نفس کی پیروی کر رہے ہیں اور تمہاری مخالفتوں میں سرگرم ہیں، پس جب تم نے یہ جان لیا کہ شرک بے بنیاد ہے اور کسی کے پاس اقتدار و اختیار نہیں، ان کی مخالفتوں اور مزاحمتوں میں کوئی معقولیت نہیں، صرف خواہشات نفس کی پیروی ہے، پس تم کو اور تمہارے پیروؤں کو یہ روش اختیار کرنی چاہئے کہ تم یکسو ہو کر اس دین پر جم جاؤ اور اس فطرت کی پیروی کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

﴿اَلدِّیْنُ﴾ سے مراد وہ دینِ حق، اسلام ہے جو تمام انبیائے کرام کا دین رہا ہے اور جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تھا اور جس کی تکمیل آخری رسول محمد ﷺ کے ذریعہ کر دی گئی ہے۔ یکسو ہو کر، اس دین پر رخ جمانے کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی انسان نے اسلام قبول کر لیا تو اب اس کو کسی دوسرے طریق زندگی کی طرف رخ نہ کرنا چاہئے۔ صراط مستقیم (اسلام) کے دونوں طرف، کفر، الحاد، شرک اور معصیت کی خاردار جھاڑیاں ہیں اگر کوئی شخص دینِ حق کی طرف رخ نہ جمائے اور سیدھا اس راستے پر چلتا نہ جائے بلکہ ادھر ادھر رخ موڑتا رہے، تو سخت اندیشہ ہے کہ وہ کسی جھاڑی میں پھنس جائے اور اس کی راہ کھوٹی ہو یا وہ پھنسا رہ جائے، اور اپنی منزل (رضائے الٰہی) تک پہنچ ہی نہ سکے، قرآن کریم میں حنیف کی صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیان کی گئی ہے تو جس طرح وہ شرک و کفر کے تمام علائق سے کٹ کر صرف دین توحید سے جڑ گئے اسی طرح ہر مسلمان کو کرنا چاہئے۔

وہ فطرت کیا ہے، جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے؟ وہ فطرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا دوسرا نہ خالق ہے نہ مالک ہے اور نہ کوئی دوسرا اس کا رب اور معبود ہے۔ اسے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی اطاعت میں گذارنی ہے یہی اس کی آزمائش ہے اگر کوئی انسان اپنے آپ کو خود مختار سمجھ لے تو وہ اپنی فطرت کی خلاف ورزی کرے گا، متعدد احادیث میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

فطرت (حق کو پہچاننے کی استعداد) میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا، اس کو غلط ماحول کافر تو بنا سکتا ہے مگر قبول حق کی استعداد کو بالکل فنا نہیں کر سکتا، یہ استعداد معطل اور کمزور تو ہو جاتی ہے مگر فنا نہیں ہوتی۔

﴿لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ﴾ کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ فطرت کو بدلنا نہیں چاہئے، یعنی بری صحبت سے بچنا چاہئے تاکہ استعداد معطل نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا بندہ بنا لیا تو وہ اسی کا بندہ رہے گا، انسان کے اختیار میں یہ نہیں کہ وہ کسی اور کا بندہ بن سکے خواہ وہ اپنی نادانی اور گمرہی کی وجہ سے اپنے آپ کو کسی اور کا بندہ بنا لے۔ اس سے یہ حقیقت تو نہیں بدل سکتی کہ وہ کسی اور کا بندہ بن جائے البتہ وہ اپنی گمرہی کی وجہ سے اپنا انجام ضرور تباہ کر لے گا، وہ کسی دوسرے کو اپنا معبود بنا کر دنیا میں سکون قلب، امن اور چین سے اور

Scanned by CamScanner

آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت سے محروم ہو جائے گا، قرآن کریم نے بھی ہمیں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے اس کی تخلیق سے بہت پہلے یہ اقرار لے لیا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اس کا رب ہے وہی الٰہ واحد اور رب واحد ہے اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے نہ کوئی رب۔

اسلام ہی سیدھا اور راست دین ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دین توحید ''اسلام'' کے علاوہ جتنے خود ساختہ ادیان ہیں وہ بہت ٹیڑھے اور پیچ وخم سے بھرے ہوئے ہیں، ان میں سے کوئی دین انسان کو اللہ کی خوشنودی کی منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ سیدھا اور راست دین تو صرف اسلام ہے اور صرف یہی انسان کی فلاح دارین کا واحد ضامن ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں، یعنی سیدھا دین تو یہی دین فطرت ہے مگر ان لوگوں کی اکثریت ہے جنہیں یہ حقیقت بتائی جا رہی ہے وہ نادانی کی وجہ سے اس کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اپنے کفر و شرک پر اصرار اور اس کی مزاحمت میں اپنی پوری قوت صرف کر رہے ہیں، بعد کی دو آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ اس دین حق کی طرف یکسو ہو کر رخ جمانے اور اس پر جمنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اس کے لیے تین چیزیں تو مثبت بتائی گئی ہیں اور ایک منفی۔

فطرۃ: عن أبي هريرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ كلُّ مولود يولد على الفطرة فأبواه يهوِّدانِهِ أو يُنَصِّرانِهِ أو يُمَجِّسانِهِ۔ (بخاری، کتاب الجنائز: ۱۳۸۵)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس ان کے والدین یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی بنا لیتے ہیں یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

فطرت سے مراد دین اسلام اور توحید ہے۔

﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ اس کی اصل استعداد زائل نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ اس کی طبیعت میں قائم رہتی ہے لیکن عوارض اور موانع کی وجہ سے مستور ہو جاتی ہے اور مانع جب دور ہو جاتا ہے تو استعداد پھر ظاہر ہو جاتی ہے، یعنی انسان کی فطرت اور اصل طبیعت میں قبول حق کی صلاحیت و استعداد رکھ دی گئی ہے۔ یہودی اور نصرانی ہونے کے بعد بھی قبول حق کی یہ استعداد باقی رہتی ہے ورنہ فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے کیوں بھیجا جاتا؟ کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس فطرت کو بدل دے۔ اللہ کی عطا کردہ اس استعداد کا استعمال آدمی اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اس کے صحیح استعمال پر ثواب ہے۔ اہل باطل کی صحبت، غلط ماحول اور ایسے اسباب سے پرہیز کرنا چاہیے جو اس قبول حق کی استعداد کو معطل کر دیں۔

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ فطرت انسان کی ایک اصلی حالت ہے۔ اس پر قائم رہنا انسان کا کمال ہے، کبھی توہمات اور باطل رسوم و عادات انسان کو اس فطرت سے باز رکھ کر اس کو ناموزوں حالت پر ڈال دیتے ہیں، اسی پر دوبارہ قائم کرنے کے لیے انبیاء بھیجے جاتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزیں فطرت کے مطابق ہیں اور فلاں فلاں چیزیں مطابق نہیں ہے، بیرونی اثر پڑنے سے پہلے کی حالت کو ''دین قیم'' کہا گیا، اسی کا نام اسلام ہے۔

Scanned by CamScanner

فطرت اللہ کو ترک کرنے کا نتیجہ:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ﴾ کو ترک کرنے سے انسان آخرت کی سعادت سے محرومی کے علاوہ دنیا میں فساد وفتن اور طرح طرح کے رنج ومحن دیکھتا ہے۔ جیسے خشکی میں فساد، قحط، سیلاب، مہنگائی، حاکموں کا ظالم وطماع ہونا، قانون کا معطل ہو جانا اور انصاف نہ ملنا، فسادات کا دور دورہ ہونا، شرم وحیا کا اٹھ جانا، چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب ہو جانا، چوری، ڈاکہ اور بدامنی کا راج ہونا۔ قال عکرمۃ العرب تسمّی الامصار بحارا۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ عرب مصر کو بحر کہتے ہیں۔ یعنی بحر سے مراد شہر ہے۔ بحر وبر یعنی سارے جہاں میں فساد سے مراد، قحط، وبائی امراض اور برکت کا مٹ جانا ہے۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

(مومنو!) اُسی (اللہ) کی طرف رجوع کئے رہو اور اُس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا۔ (۳۱)

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾

"انابت" تقویٰ اور اقامت صلوۃ تو مثبت چیزیں ہیں اور شرک سے بیزاری اور اس کا انکار منفی چیز ہے۔ انابت اور تقویٰ کا تعلق تو انسان کے دل سے ہے، اور اقامتِ صلوۃ کا تعلق انسان کے دل سے بھی ہے اور جوارح سے بھی۔ انابت الی اللہ، قلب کی وہ کیفیت اور صفت ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ بندۂ مومن اپنی پوری زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہے، یہی وہ کیفیت ہے جو مومن کو اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل اور اس کے ممنوعات سے اجتناب پر آمادہ رکھتی ہے اور اگر کوئی قصور ہو جائے تو پورے تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استغفار کا داعیہ پیدا کرتی ہے۔

﴿تقویٰ﴾ خوف الٰہی کی بجلی کا وہ کرنٹ ہے جو قلب انسانی کے بلب کو روشن رکھتا ہے۔ اگر یہ کرنٹ غائب ہو جائے تو دل کا بلب بجھ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا حکم اتنی بار دیا گیا ہے کہ اس کا شمار کرنا آسان نہیں۔

﴿اقامت صلوٰۃ﴾ کا مفہوم، پورے اہتمام اور ان شرائط کے ساتھ جو کتاب وسنت میں بیان کر دی گئی ہیں نماز ادا کرنا ہے۔ اقامت صلوٰۃ کے یہ معنی نہیں کہ نماز صرف پڑھ لی جائے، مثال کے طور پر فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی ضروری قید کتاب وسنت میں لگائی گئی ہے۔ عذر شرعی کے بغیر تنہا فرض نماز پڑھنے سے نماز یا تو ادا ہوتی ہی نہیں یا بہت ناقص ادا ہوتی ہے۔ اس مسئلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، آپ کا اسوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عمل کا مطالعہ ضروری اور بہت مفید ہے۔

شرک سے انکار اور بیزاری کا مطلب:

شرک سے انکار اور بیزاری کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مشرکین نے خواہشات کی پیروی اور شیطان کے اغواء سے دین فطرت سے انحراف کیا اور طرح طرح کے مشرکانہ گروہوں میں بٹ گئے اور ان کا ہر گروہ اپنی گمراہی میں مگن ہے۔ اس طرح

Scanned by CamScanner

اے مسلمانو! تم نہ ہو جانا، مشرکین نے توحید گم کر دی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی خواہشات نفس کی پیروی اور اغوائے شیطان کے تحت مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہو جاؤ؟ افسوس کہ مسلمانوں نے اس کا لحاظ نہ رکھا اور آج بھی مشرکانہ اعمال و عقائد اختیار کر کے گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ نماز قائم کرو اور مشرکین سے الگ ہو جاؤ۔ دیکھا جائے تو پوری نماز دعا ہے اس میں نہ کسی کا وسیلہ ہے، نہ کسی کا صدقہ وطفیل ہے۔ اگر انسان نماز ہی پر غور کر لے تو شرک سے دامن جھاڑ لے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اُس کے فضل کا تلاش کرنا جو لوگ سنتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ (۲۳)

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ فطرت اسلام ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان پر جب کوئی مصیبت آ پڑتی ہے اور بیرونی اثر خفیف ہو جاتا ہے تو اسی اصلی حالت یعنی فطرت پر آ جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اُن کے اعمال کے سبب جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں کوئی گزند پہنچے تو نا اُمید ہو کر رہ جاتے ہیں۔ (۳۶)

بیرونی آثار سے ایک اور جذبۂ انسانی پیدا ہوتا ہے، رحمت و نعمت ملے تو اترانا۔ اور جب چھن جائے تو مایوس ہو جانا۔ اسی بیرونی اثر کا نتیجہ ہے، جو صحبت بد اور ماحول بد سے حاصل ہوتا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں وہ باز آ جائیں۔ (۴۱)

مصائب کے وقت ابتلاء اور عذاب میں فرق:

پہلا فرق: جو نیک لوگ بطور ابتلاء گرفتار مصائب ہوتے ہیں، اللہ ان کے دلوں کو مطمئن کر دیتا ہے وہ ان مصائب پر

Scanned by CamScanner

ایسے راضی ہوتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دوا یا آپریشن پر تکلیف محسوس کرنے کے باوجود اس پر راضی ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے لیے مال بھی خرچ کرتا ہے، بخلاف گنہگاروں کے کہ ان کی پریشانی اور جزع وفزع کی انتہا نہیں رہتی بلکہ بعض اوقات کلمات کفر بھی بک جاتے ہیں۔

دوسرا فرق: مصیبت کے ساتھ گناہوں پر تنبیہ اور رجوع الی اللہ کی رغبت ہو تو یہ علامت عذاب نہیں اور اگر مصیبت کے ساتھ معاصی میں انہماک بڑھ جائے تو یہ علامت عذاب کی ہے۔

﴿بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ﴾ دنیاوی آفات انسانوں کے اعمال بد کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ نفع بخش چیزوں کا نفع کم، نقصان زیادہ ہو جانا بھی آفات ہے، کسی پر مصیبت گناہ کے سبب آتی ہے، اور انبیاء وصلحاء کو جو تکلیفیں پیش آتی ہیں وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے ترقی درجات کیلیے ہوتی ہیں۔

﴿لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ حوادث، انسان کے اعمال بد کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور یہ رحمت ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ غافلوں کو چونکایا جاتا ہے تاکہ وہ اعمال بد کا جائزہ لے کر باز آنے کی فکر کریں۔

ہواؤں کے فوائد:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶

اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم کو اپنی رحمت کے مزے چکھائے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اُس کے فضل سے (روزی) طلب کرو عجب نہیں کہ تم شکر کرو (۴۶)

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ ہواؤں کو مبشرات کہا گیا۔ کیونکہ یہ بارشوں کی نوید لے کے آتی ہیں، ان سے تعفن دور ہوتا ہے۔ کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دریائی سفر کی وجہ سے تم روزی تلاش کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷

اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر اُن کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے اُن سے بدلا لے کر چھوڑا اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔ (۴۷)

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کی مدد کرنا جب اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا تو لازم آیا کہ ان کو کبھی شکست نہ ہو، جہاں کہیں اس کے برخلاف صورت ہو تو عموماً کوئی لغزش ان کی

Scanned by CamScanner

شکست کا سبب بنتی ہے۔ ﴿ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾ شیطان نے ان کے بعض کاموں کی غلطی کی وجہ سے ان کو لغزش دے دی۔ لیکن جو لوگ محض نام کے مسلمان ہوں اور احکام الٰہیہ سے غافل ہوں، وہ نصرت الٰہیہ کے مستحق نہیں، پہلے مؤمنین صادقین کو انجام کار اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرمائیگا۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جس روز قیامت برپا ہوگی گنہگار قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے اسی طرح وہ (رستے سے) الٹے جاتے تھے۔ (۵۵)

﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْن ﴾ منکرین قیامت، قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھ کر قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا قیام دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہ تھا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا محشر میں کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بول سکے گا؟ آیت سے پتہ چل رہا ہے کہ لوگ جھوٹ بولیں گے۔ اس کے برخلاف قبر میں فرشتوں کے سوال پر کافر ھا ھا لاادری کہے گا۔ وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو کیا مشکل تھا؟ کہہ دیتا کہ میرا رب اللہ ہے، عجیب بات ہے کہ کافر اللہ تعالیٰ کے سامنے تو جھوٹ بول دے اور فرشتوں کے سامنے جھوٹ نہ بول سکے، وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کو غیب کا علم نہیں ہے، مگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، اس کی عدالت میں سب کو آزادی ہوگی، جو چاہے جو بیان دے، جھوٹ بولے یا سچ بولے جب انسان جھوٹ بولے گا تو اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں سے شہادت لی جائے گی وہ سچ سچ بتادیں گے۔ جس کے بعد کوئی حجت باقی نہ رہے گی۔

﴿ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾ قبر میں عذاب ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ نیند کی حالت میں انسان پر جو کچھ گزرتا ہے، بیداری میں اسے سب یاد نہیں رہتا، اس کو ایک گھڑی خیال کریں گے، یہ حالت نیند سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے ہو اور یہ قیامت ہی کا دن ہے لیکن تمہیں اس کا یقین ہی نہیں تھا۔ (۵۶)

قیامت کے دن منکرین بعث بعد الموت کے خلاف، اہل علم کو اللہ تعالیٰ گواہ بنائے گا، اس آیت میں اہل علم کی فضیلت ہے کہ ان کے علم کی برکت میدان حشر میں بھی باقی رہے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں منکرین بعث بعد الموت کے خلاف گواہ بنائے گا۔

Scanned by CamScanner

سورۃ لقمان (مکیة)

الٓمّٓ ۚ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣﴾ الَّذِيْنَ
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾

الٓمّٓ ۔ (۱) یہ حکمت کی (بھری ہوئی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۲) نیکوکاروں کیلئے ہدایت اور رحمت۔ (۳) جو نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ (۴) یہی اپنے رب (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔ (۵)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ
وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٦﴾

اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے ہنسی کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلت والا عذاب ہوگا۔ (۶)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ لہو ولعب کو شریعت نے اس وجہ سے حرام کیا ہے کیونکہ اس سے آدمی ذکر اللہ اور فکر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو انسان کو اس کی وجہ سے دنیاوی ضرورتوں کا بھی ہوش نہیں رہتا، البتہ کھیل کود کی بعض ان صورتوں کو حلال کیا ہے جن میں کوئی فائدہ اور منفعت پیش نظر ہے۔ جیسے نکاح کے وقت اعلان کے لیے اور عیدین میں خوشی کے اظہار کے لیے دف بجانا مباح کیا ہے اور دف "معازف" میں سے نہیں ہے، کیونکہ "معازف" صرف لہو ولعب اور راگ ورنگ کے لیے ہی استعمال کیے جاتے ہیں اور جتنی بھی روایتیں غنا (گانا) کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ان کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکاح، ولیمہ، عید، سفر سے آمد اور دوران سفر یا تنہائی میں وحشت دور کرنے سے متعلق ہیں، ان مواقع کے سوا کہیں بھی غنا کے جواز کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

مرضِ غنا (گانے کی بیماری) کا علاج:

جو گانوں کا شیدائی ہو، گانے کے بغیر اسے چین نہ ملتا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ قرآن کی بکثرت تلاوت کرے۔ یہ علاج امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بتایا ہے۔

﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد ہر وہ شغل اور تفریح ہے، جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے، یہ آیات نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئیں جس نے گانے بجانے والی لونڈیاں خرید رکھی تھیں اور جب کوئی اسلام کی طرف مائل ہوتا اور اس کو خبر ہوتی تو اپنی لونڈیاں اس کے ہاں بھیج دیتا کہ اسے شراب پلائیں اور گانے سنائیں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔ (۱۳) اور ہم نے انسان کو جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اُس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخرکار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اپنے نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ (۱۴)

نصیحت لقمان انتہائی بلیغ اور جامع نصیحت ہے۔ نصیحت کو "نهيٌ عنِ الشِّرْكِ" (شرک سے روکنا) سے شروع کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق ہے اور دعوت توحید کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کو ملا دیا کیونکہ مخلوق میں ان کا احسان سب سے بڑا ہے لیکن اگر دونوں حقوق متصادم ہو جائیں اور ماں باپ شرک پر اصرار کریں تو ان کی اطاعت نہیں ہے، لیکن ان کی اہانت نہ کی جائے اور صلہ رحمی کی جائے، اتباع ان کی ہوگی جو ہدایت یاب ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت، حقوق والدین کو نظر انداز کیے بغیر چونکہ ایک مشکل امر تھا کہ لغزشوں پر ایک علیم و خبیر ہی واقف ہو سکتا ہے فرمایا ﴿اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ پھر اسی مناسبت سے یہ ذکر فرمایا کہ وہی عبادت کے لائق ہے، اس لیے کہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں جس پر اعتماد کیا جائے، اور جس کی پناہ لی جائے وہ ایسا ہونا چاہئے جس کا علم دقیق اور جلیل ہو اور جو دلوں اور ان کے احوال سے اچھی طرح واقف ہو اس لیے ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾ فرمایا۔ پھر لقمان نے اپنے بیٹے کو دین اور اخلاق کے بنیادی امور کی طرف دعوت دی، کہ اگر انسان اس کو مضبوطی سے پکڑ لے تو ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ بن جائے گا دوسری طرف انسانی خاندان کا ایک معزز رکن بن جائے گا۔ اور وہ امور نماز قائم کرنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے

Scanned by CamScanner

روکنا، مصائب پر صبر کرنا اور لوگوں کے لیے تواضع اور سیرت وسلوک میں میانہ روی اختیار کرنا ہے اور ہر وہ معاشرہ جس میں نماز رائج ہو، جو بندوں پر اللہ کا توحید کے بعد سب سے بڑا حق ہے اور انسان بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور مصائب پر صبر کرے اور تکبر اور ناز اور اسراف وظلم سے دور ہو، ایسا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ ہوگا اور اس نصیحت کو لقمان نے اللہ تعالیٰ کی عظیم ظاہری وباطنی نعمتوں کے ذکر پر ختم کیا جو شکر اور عبادت کو واجب کرتی ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ اللہ کا شکر کرو اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بھی بے پرواہ اور سزاوار حمد (وثنا) ہے۔(۱۲)

وصیت لقمان:

پہلی وصیت: ان کلمات حکمت میں سب سے اول عقائد کی درستگی ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

دوسری وصیت: عقائد سے متعلق ہے۔ ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ﴾

تیسری وصیت: اصلاح عمل سے متعلق ہے۔ ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾

چوتھی وصیت: اصلاح خلق سے متعلق ہے۔ ﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

پانچویں وصیت: آداب معاشرت سے متعلق ہے۔ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾

حکیم اور نبی میں فرق:

نبی تمام مخلوق کو فرزند سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ غیر کو کوئی نصیحت کرتا ہے تو اس میں گمان ہو سکتا ہے کہ شاید اس میں نفع نہ ہو، مگر اپنے بیٹے کو کوئی حکیم نصیحت کرتا ہے تو وہاں یہ گمان نہیں ہوتا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾

اور (از راہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اِترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔(۱۸)

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ بے رخی تکبر کی علامت ہے آدمی میں جب احساس برتری پیدا ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔

Scanned by CamScanner

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَـتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۲۱﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)؟ (۲۱)

﴿اَوَلَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ﴾ گویا اندھی تقلید اور شیطان کی اتباع ایک ہی بات ہے۔ آج بھی بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو صحیح حدیث کی موجودگی میں تقلید ائمہ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس بنا پر جھگڑے کرتے ہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُوۡلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجۡرِىۡۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۲۹﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کو (تمہارے) زیرِ فرماں کر رکھا ہے ہر ایک، ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ (۲۹)

زندہ سے مردہ نکالنے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اندر جاندار سالموں (Organic Molecule) کو داخل کرتا ہے پھر ان کو کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا کر نکالتا ہے، زمین پر گرے ہوئے ایک گلاب کے پھول سے ایک کیڑے کی حیات اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان کے رموز کی حامل ہے۔

﴿اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡـفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمۡ مِّنۡ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ﴾

انسان کی دو حالتیں:

(۱) مصیبت (۲) راحت۔

دونوں حالتوں میں ثابت قدم رہنے والا صابر اور شاکر رہے۔ بطور خاص دریا کی مناسبت سے صبار شکور لایا گیا کہ طوفان وغیرہ کی تکلیفیں اور منزل مقصود تک پہونچنے کی راحتیں ہوتی ہیں جن میں صبر وشکر سے کام لینا پڑتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ وَاخۡشَوۡا يَوۡمًا لَّا يَجۡزِىۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوۡلُوۡدٌ

Scanned by CamScanner

هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۳۳

لوگو! اپنے رب! سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔ (۳۳)

﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ سدا کوئی نہیں جئے گا۔
﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ اللہ کے معاملے میں دھوکے میں نہ رہو کہ یہاں سرداری ہے تو وہاں بھی سرداری ملے گی۔ ﴿الْغَرُوْرُ﴾ کا مطلب فریب دہندہ یعنی شیطان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۳۴

اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اُسے موت آئے گی بیشک اللہ ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے۔ (۳۴)

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾

علم غیب:

وہ علم ہے جو سبب طبعی کے واسطے سے نہ ہو بلا واسطہ خود بخود ہو۔ لہٰذا انبیاء کو بذریعۂ وحی اور سائنسدانوں کو بذریعہ آلات جو علم حاصل ہوتا ہے وہ غیب نہیں نیز آیت میں ''کلّی علم'' اور قطعی علم مراد ہے، یہ آیت جزئی علم کے منافی نہیں، نیز وہ علم جو قطعی نہ ہو اس میں مغالطوں کا احتمال رہتا ہے آخری دو چیزیں انسان کی ذات سے متعلق ہیں کہ جب وہ اپنے اعمال اور اپنی انتہا کو نہیں جانتا تو دیگر چیزیں جو اس کے متعلق نہیں اس کو بدرجہ اولیٰ نہیں جانے گا۔

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اسے بندوں سے مخفی رکھا گیا تا کہ اس کو ہر وقت کھٹکا لگا رہے۔

پھر اس کے قائم ہونے پر دو دلیلیں کہ کتنی بارش ہوگی اور کہاں کہاں بارش ہوگی؟ لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی پیدا ہوگی؟ جاہل ہوگا یا عالم ہوگا؟ نیک بخت ہوگا کہ بد بخت ہوگا؟ کل کیا کمائے گا؟ کہاں مرے گا؟ ان کا تفصیلی علم نہ ہونے کے باوجود انسان ضرور کچھ نہ کچھ کرتا ہے اور کہیں جا کر ضرور مرتا ہے، بارش کا علم قرائن و آلات سے ظنی ہوتا ہے، آلۂ عکسی سے ماں کے رحم میں

Scanned by CamScanner

بچہ دکھانا ایسا ہے جیسے پیٹ چیر کر دکھانا۔

قیامت کب آئے گی اس کا معین وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔ ﴿بغتۃً﴾ (اچانک) آئے گی۔

بارش کتنی ہوگی، کہاں کہاں ہوگی، انسان صرف امکان ظاہر کرسکتا ہے، ماں کے پیٹ میں نیک بخت ہے یا بدبخت ہے؟ اچھا ہوگا یا برا ہوگا؟ کل دنیا اور آخرت کے بارے میں کیا کمائے گا؟ کہاں مرے گا؟ یہاں علم ہے مگر قطعی نہیں بلکہ مجمل ہے۔ لہٰذا مجمل خبر کی بنیاد پر قیامت کے وقوع پر یقین کرنا چاہئے۔

کشف والہام اور وحی کے ذریعے کسی واقعے کی خبر قرآن کی اصطلاح میں علم غیب نہیں، اور اسباب وآلات کے ذریعے جو علم حاصل ہو وہ بھی غیب نہیں جیسے محکمۂ موسمیات دو مہینے بعد کی ہونے والی بارش کی خبر آج نہیں دے سکتا، وہ اس وقت بارش کی خبر دیتا ہے جب اس کا مادہ ظاہر ہوجاتا ہے اور اس کے آثار ونشانات ظاہر ہوجاتے ہیں، لہٰذا یہ غیب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز مشاہدے میں آگئی۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو پوچھا میری عمر کیا ہے؟ تو اس نے پانچ انگلیاں بتادیں، معبر نے بتایا کہ اس سے مراد پانچ چیزوں کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

☆ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ میں تمام عالم کے معاد کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾ میں مبدأ حیات کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ میں انسان وحیوان کے سامان حیات کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ میں انسان کے امور معیشت کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ میں منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے۔

کوئی وجہ نہیں کہ اس فقرے کے مفہوم کو جنین کی صرف جنس (sex) جاننے کی حد تک محدود سمجھ لیا جائے کیونکہ آج انسان کے لیے یہ جاننا ممکن ہوگیا ہے کہ ماں کے رحم میں لڑکی ہے یا لڑکا، مگر اس جزوی علم سے اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی کہ وہ ساقط ہوگا یا صحیح سالم ہوگا؟ برا ہوگا یا بھلا ہوگا یا ذہین ہوگا یا کند ذہن ہوگا یا کالا ہوگا یا گورا ہوگا؟ خوبرو ہوگا یا بدشکل ہوگا؟

سوال: کیا وفات سے پہلے اپنی قبر کھودنا جائز ہے؟

جواب: درست نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا۔

نکاتِ سورۂ لقمان

﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ بے اصل واقعات، غلط سلط قصے، غیر معتبر داستانیں اور ہنسانے والی باتیں، سب لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں داخل ہیں۔

عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ قال: الغناء

Scanned by CamScanner

ابن عباس اور سعید بن جبیر کے نزدیک ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ سے گانا سننا مراد ہے۔ (تفسیر طبری: ۲۰/۱۲۷)

عن أبي الصهباء البكري أنه سمع عبد الله بن مسعود رضى الله عنه وهو يسأل عن هذه الآية: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ فقال عبد الله: الغناء، والذي لا إله إلا هو، يردّدها ثلاث مرّات. (تفسیر طبری: ۲۰/۱۲۷)

ابوالصہباء بکری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ قسم کھا کر کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ ﴿لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ غناء ہے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ، فِي قَوْلِهِ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ قَالَ: "هُوَ اشْتِرَاءُ الْمُغَنِّي وَالْمُغَنِّيَةِ بِالْمَالِ الْكَثِيرِ، وَالِاسْتِمَاعُ إِلَيْهِمْ، وَإِلَى مِثْلِهِ مِنَ الْبَاطِلِ" (تفسیر مجاہد)

مجاہد نے کہا کہ لہو الحدیث سے مراد بڑی رقم سے گانے والا مرد اور گانے والی عورت کا خریدنا اور ان سے سننا ہے۔ مگر نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا لہو ہے مگر چونکہ اس کا مقصد اعلان نکاح ہے اس لیے جائز ہے۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ لقمان علیہ السلام نے اپنی نصیحت میں شریعت کے اصولوں کو جمع کر دیا ہے:

(۱) اعتقادات (۲) اعمال (۳) معاملات کا ادب (۴) نفس کا ادب

پہلے اپنے بیٹے کو شرک سے دور رہنے کی نصیحت کی کیونکہ اعتقاد کی اصلاح، عمل کی اصلاح کی بنیاد ہے، اعتقاد کی خرابی کی بنیاد، دو امروں میں سے ایک ہے (۱) دہریت (۲) اشراک اور ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ الہٰ کے وجود کا اثبات کرتا ہے وہیں "شرک فی الإلٰهِيَّةِ" کا ابطال کرتا ہے۔

لفظ شکر، "عین شکر" (بھرا ہوا چشمہ) سے ماخوذ ہے۔ تو شکر کا معنی ہوگا "منعم کی نعمتوں کی یاد سے بھر جانا" اسی طرح لفظ شکر، شکرت الابل شکرا (اونٹ چر کر خوب موٹے ہو گئے) سے ماخوذ ہے، صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ شکر کا معنی "احسان شناسی" ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں لفظ شکر اصل میں "کشر" تھا۔ حرف "ش" کو مقدم کر کے شکر بنا دیا اور "کشر" کا مطلب ہے "کھول دینا"۔ شکر کا بھی مطلب ہے "نعمت کو ظاہر کر دینا"۔

﴿وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ شکر میں فائدہ شاکر ہی کا ہے، مشکور کا نہیں، اور شکر سے اعراض، نعمت کی ناشکری ہے اور اللہ اس کے شکر سے بے نیاز ہے۔

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ ظلم عظیم، شرک سے ممانعت کی علت ہے۔ یہ شرک سے نہی کی تاکید ہے۔ یہ نہی عام ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ یہ ممانعتِ شرک صرف لقمان علیہ السلام کے بیٹے کے ساتھ خاص ہے اور بعض حالتوں میں ہے بلکہ یہ تمام لوگوں اور تمام حالتوں کے لیے ہے۔

﴿وَهْنٍ﴾ وهو الضَّعْفُ وقلَّة الطَّاقةِ على تحمُّلِ شيىء: کسی چیز کو اٹھانے کی سکت نہ ہونا "وھن" کہلاتا

Scanned by CamScanner

ہے۔عورت کو حالت حمل میں بچے کو پیٹ میں رکھنے کی وجہ سے تھکن لاحق ہوتی ہے اور اس کا خون بچے کی غذا میں تبدیل ہوتا ہے اس وجہ سے اسے کمزوری (ضعف) لاحق ہوتی ہے، اور کمزوری (ضعف) حمل کے زمانے کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے، اسی وجہ سے ﴿وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ﴾ کی تعبیر لائی گئی ہے، حکم کی علت تاکید کا فائدہ دیتی ہے (إنَّ تعليلَ الحكم يفيد تاكيداً) تاکہ بچے کے دل میں یہ بات ابھرے کہ اسے اپنی ماں کے ساتھ بھلائی کرنی چاہئے۔اور اس کے بعد اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔صرف ماں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا کیونکہ یہ حالت قیاساً باپ کے بارے میں بھی وصیت کی مقتضی ہے کیونکہ باپ اس کی ماں کا خیال رکھتا ہے تاکہ حالت حمل یا حالت رضاعت میں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ پھر وہ بچے کے جوان ہونے تک طرح طرح کی قربانیاں دیتا ہے، اسی وجہ سے ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (اسراء:۲۴) میں پرورش او رنگرانی کی اضافت ماں اور باپ دونوں کی طرف کی گئی ہے۔اسی وجہ سے آگے ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ اور ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ کہا گیا کہ اپنی ماں اور باپ دونوں کا شکر ادا کرو اور دونوں کے ساتھ دنیا میں بھلائی کرتے رہو۔

﴿فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ جس طرح ماں، حالت حمل اور حالت رضاعت میں اولاد کے لیے تکلیفیں اٹھاتی ہے، اسی طرح فصال (دودھ چھڑانا) کے وقت بھی تکلیف اٹھاتی ہے کیونکہ بچہ دودھ مانگتا ہے اور وہ دودھ چھڑانا چاہتی ہے اس وقت بچے کی تکلیف کی وجہ سے وہ بڑے حزن، الم اور کرب سے گزرتی ہے۔

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ﴾ یہاں تین تاکیدات ہیں: (۱) ندا (۲) اِنَّ (۳) ضمیر قصہ "ھا" کیونکہ آگے اللہ تعالیٰ کی دو عظیم صفتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) اس کا علم کائنات کی تمام معلومات کو محیط ہے۔﴿اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ﴾ سے اس کے علم کا بیان اور ﴿يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ﴾ سے اس کی قدرت کا بیان ہے۔

☆ باریک سے باریک چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔

☆ خواہ وہ انتہائی گہرائی میں ہو اس لیے زمین کا تذکرہ کیا گیا۔

☆ خواہ وہ چیز انتہائی دور "أقصى لا مكنة" ہو، اس لیے آسمانوں کا تذکرہ کیا گیا۔

☆ خواہ انتہائی سخت (اصلب) جگہ میں ہو کہ اس کا پانا انتہائی مشکل ہو، اس لیے صخرۃ (چٹان) کا تذکرہ کیا گیا۔

﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ سے عقیدہ بیان کیا گیا۔

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾ میں اصول عقیدہ بیان کیا گیا۔

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ سے اصول اعمال صالحہ بیان کیے گئے اور اس کو "إقامة

Scanned by CamScanner

الصلوۃ" سے شروع کیا گیا کیونکہ وہ اعمال صالحہ کا ستون ہے، اس کے بعد بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور خود اس پر عمل پیرا ہے۔

﴿وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ﴾ "الصبر ھو تحمّل ما یحُلّ بالمرء مما یولمُ أو یُحزن": غم والم پہنچانے والی چیزوں کو برداشت کرنا "صبر" ہے۔

﴿اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ﴾ "العزیمۃ۔ الارادۃ التی لا تردد فیھا" ایسا ارادہ جس میں پس و پیش نہ ہو، "عزیمت" کہلاتا ہے۔

﴿وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ﴾ سے اصول آداب مع الناس اور اصول معاملات بتائے گئے۔ پہلے فخر کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کی ممانعت کی گئی جو تقاضا کرتا ہے کہ وہ ظاہر کرے وہ سب لوگوں ہی جیسا ہے اور خود کو انہیں کا ایک فرد سمجھتا ہے، اس میں مساوات کا سبق ہے۔

﴿وَلَا تُصَعِّرۡ﴾ صعّر سے ماخوذ ہے۔ صعّر 'ای امال عنقه الی جانب لیعرض عن جانب آخر" صعّر کا مطلب ہے ایک طرف سے گردن جھکانا تاکہ دوسری طرف سے رخ پھیر لے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ صعّر سے مشتق ہے جو اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے معنی یہ ہے کہ لوگوں کو حقیر مت سمجھو۔

﴿وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا﴾ تکبر اور تفاخر سے ممانعت ہے۔

﴿وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ﴾ اس میں اصول آداب مع نفسہ (اپنی ذات کے ساتھ اصول آداب) کو بیان کیا گیا ہے۔

اور اس میں دو حالتوں کا خاص طور سے تذکرہ کیا گیا:

(۱) مشی (چلنا) (۲) تکلم (بولنا)۔

یہ انسان کے سب سے زیادہ ظاہر آداب ہیں۔

القصد "الوسط العدل بین الطرفین۔ فالقصد فی المشی ھو ان یکون بین طرف التبختر وطرف الدبیب" طرفین کے درمیان برابری کو قصد کہا جاتا ہے، تو چلنے میں قصد کا مطلب ہے کہ وہ اِترا ہٹ اور رینگنے کے درمیان ہو۔

﴿وَاغۡضُضۡ﴾۔ "الغضّ، نقص قوۃ استعمال الشئی" کسی چیز کے استعمال کی قوت کا کم ہو جانا "غض" کہلاتا ہے۔ "غض الصوت جعله دون الجھر: ای ینقص من جھورته" آواز، چیخ اور سرگوشی کے بین بین ہو۔ ﴿اغضض﴾ کے ساتھ لفظ من تبعیض لایا گیا۔

﴿وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ﴾

﴿وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ﴾ لوگوں سے گال مت پھلا، ان سے رخ نہ موڑ۔

﴿وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا﴾ ناز نخرے اور تکبر سے نہ چلو بلکہ تمہاری چال سے تواضع اور انکسار جھلکے۔

﴿وَاقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ﴾ نہ رینگتے چلو کہ یہ غرور کی علامت ہے، نہ بہت لپک کر چلو کہ چھچھوروں کی چال ہے جو وقار

Scanned by CamScanner

کو زائل کر دیتی ہے۔

﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ اپنی آواز پست رکھو، گدھوں کی آواز بہت مکروہ ہوتی ہے، بالکل پھٹی ہوئی اور دوزخیوں کی آواز بھی ابتداء میں "زفیر" اور اختتام میں "شھیق:" (سینے کے اندر گڑگڑ کی آواز) ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ﴾ (سورۂ ھود) تو وہ جو بدبخت ہوئے سو وہ آگ میں ہوں گے، ان کے لیے اس میں گدھے کی طرح "آواز کھینچنا" اور "نکالنا" ہے۔

﴿زَفِيْرٌ﴾ اور ﴿شَهِيْقٌ﴾ کا فرق:

"ان الشهيق يكون باطناً فى الصدر والزفير يكون خارجا" شہیق سینے کے اندر کی آواز کو کہتے ہیں اور زفیر باہر کی آواز کو۔

گدھے سے تیز آواز والے حیوانات دنیا میں موجود ہیں لیکن آواز کے قبح (خراب ہونا) میں اس جیسا کوئی نہیں۔

اسباغ میں دو چیزیں ہوتی ہیں: ﴿اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ﴾

"أول إتمام الشئى والثانى: توفيره" ہر نعمت میں یہ دو چیزیں ہوتی ہیں، ایک تو وسیع ہوتی ہے، دوسرے تام ہوتی ہے یعنی اس میں نقص نہیں ہوتا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾

(۱) ﴿عِلْمٍ﴾ دلیل عقلی

(۲) ﴿هُدًى﴾ طریقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) ﴿كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ قرآن

﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف چہرے کا اسلام (اسلام الوجہ) سے اشارہ، صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرنے کی طرف ہے، گویا وہ غیر اللہ کی طرف اپنا چہرہ نہیں کرتا ہے۔

﴿فقل أسلمت وجهى لله﴾ اس میں عبادت میں اخلاص کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر اسلام "متعدى به إلى" ہے تو عبادت کو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص کرنا اور اگر اسلام "متعدى به لام" ہے تو اخلاص کی طرف اشارہ ہے، کہ اس عبادت میں ریا نہیں ہے۔

﴿اِسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾

﴿اِسْتَمْسَكَ﴾ "تمسّک" سے زیادہ قوی ہے کیونکہ "زيادة الحروف تدل على زيادة المعانى"۔ حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ ﴿وُثْقٰى﴾، اوثق جمع ہے۔ جس کا معنی "بہت زیادہ مضبوط" کے ہیں۔ ﴿عروة﴾ بمعنی حلقہ ہے اس کی جمع عُریٰ آتی ہے، انسان رسی پکڑتا ہے تو ایک حالت یہ ہے کہ رسی کا کنارہ پکڑتا ہے

Scanned by CamScanner

اس کے پھسلنے کا امکان ہے اور کبھی کنارہ ہوتا ہے مگر گرہ لگا ہوا ہوتا ہے، وہ گرہ بھی کھل سکتی ہے۔ مگر رسی کے کنارے حلقہ بنا ہوا ہو، تو اگر اس کو پکڑ لے تو وہ ہاتھ سے نہیں چھوٹے گا۔

﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ﴾ "التمتيع اعطاء المتاع ای الشئی القليل" ۔معمولی چیز کا دینا "تمتیع" کہلاتا ہے۔ "الاضطرار جعل الغير ذا ضرورة" کسی کو لاچار و بےبس بنا دینا اضطرار کہلاتا ہے۔

"غليظ، القوی الخشن" کھردرے اور مضبوط کو غلیظ کہتے ہیں۔

﴿لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهٖ﴾ باپ اور بچے میں بہت زیادہ محبت ہوتی ہے جب یہ ایک دوسرے کے کام نہیں آسکتے تو ان کے علاوہ دسرے تو بدرجہ اولی کام نہیں آسکتے اور پھر والد کو مولود پر مقدم کیا گیا کہ والد اپنے بیٹے پر بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو کسی بھی مصیبت میں پائے تو اسے اس مصیبت سے نکالنے کے لیے سب کچھ کر گذرتا ہے۔

﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾

یہاں ولد کے بجائے مولود کا لفظ ذکر کرنے سے مقصود، نفیِ معاوضہ کا پرزور اظہار ہے کیونکہ مولود تو صرف بیٹے کو کہتے ہیں اور ولد کا اطلاق پوتے اور پڑپوتے وغیرہ پر بھی ہوتا ہے، پس جب صلبی حقیقی بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آئے گا تو پوتے کا اپنے دادا کے کام نہ آنا ظاہر ہی ہے۔

﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾

﴿غرور﴾ سے مراد شیطان ہے۔ شیطان اللہ کی عمومی مغفرت دکھا کر گناہوں کی جرأت دلاتا ہے یہ اس کا فریب ہوتا ہے۔ تم اس کے فریب میں نہ آنا۔

﴿يُنَزِّلُ الْغَيْثَ﴾ : وہی "مُنزّل" (نازل کرنے والا) ہے۔ اور کسی چیز کا نازل کرنے والا ہی اسے جانتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔

"الاستغاثة، طلب ازالة الشدة"۔ سختی زائل کرنے کی درخواست کو "استغاثہ" کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے بارش کو غیث کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے شدت ختم ہو جاتی ہے۔

﴿مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾

"من" و "ما" میں فرق: "ماتختص بالصفات ومن بالذوات"۔ "ما" کا تعلق صفات سے ہے اور "من" کا تعلق ذات سے ہے۔ اور آیت میں لفظ "ما" ہے جو صفات پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ لمبا ہوگا یا ناٹا ہوگا، طویل العمر ہوگا یا قصیر العمر ہوگا، عالم ہوگا یا جاہل ہوگا، بد بخت ہوگا یا نیک بخت ہوگا؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿الارْحَامِ﴾ "رحم" کی جمع ہے اور رحم کا مطلب "وعاء الجنین" (بچہ دانی) ہے۔ یہ تین دیواروں سے گھرا ہوتا ہے۔(۱) پیٹ (۲) رحم (۳) مشیمہ۔ یہی "ظلمات ثلاث" (تین تاریکیاں) ہیں تا کہ اس میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہو جو جنین کو نقصان پہنچائے۔ نہ ہوا، نہ کوئی اور چیز۔ یہی مطلب ﴿فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ﴾ (المؤمنون:۱۳) (پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھکانے میں رکھا) کا ہے۔

انسان کے چار ادوار ہیں:

(۱) ماں کا پیٹ (۲) دنیا (۳) برزخ (۴) آخرت

مفاتیح الغیب پانچ ہیں:

(۱) ﴿اَلسَّاعَةُ﴾ "مفتاح الآخرۃ" قیامت آخرت کی چابی ہے۔

(۲) ﴿تنزیل الغیث﴾ "مفتاح لحیاۃ الارض والنبات" بارش، زمین اور نباتات کے حیات کی چابی ہے۔

(۳) ﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ﴾ : "مفتاح لحیاۃ الانسان وابتداء خلقه" رحم انسان کی زندگی اور اس کی تخلیق کی ابتداء کی چابی ہے۔

(۴) ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ "مفتاح للعمل فی المستقبل" کل کیا کمائے گا؟ مستقبل میں عمل کی چابی ہے۔

(۵) ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ "مفتاح للآخرۃ بالنسبة لموت کل انسان بعینه" کس سرزمین میں وہ مرے گا؟ یہ ہر انسان کی موت کی نسبت سے آخرت کی چابی ہے۔

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾

﴿تَدْرِیْ﴾ ، درایت سے مشتق ہے، درایت اگر چہ علم کو کہتے ہیں مگر درایت کے اندر تدبیر کا مفہوم داخل ہے یعنی کسی تدبیر سے علم حاصل کرنا، صاحب قاموس نے لکھا: "دریتُه أی علمته بضرب من الحیلة" میں نے ایک قسم کی تدبیر سے اس کو جان لیا، گویا اس آیت میں اشارہ کیا گیا کہ مخلوق کوئی بھی تدبیر کر لے اور جتنی بھی طاقت ممکن ہو صرف کر دے پھر بھی اس کو علم نہ ہوگا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور اس کا خاتمہ کب اور کہاں ہوگا؟ دوسروں کے عمل اور موت کو جاننے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة السجدة (مكية)

الٓمّٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝٣

الٓمّٓ۔ (۱) اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا تمام جہان کے رب کی طرف سے ہے۔ (۲) کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو ازخود بنالیا ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے تاکہ تم ان لوگوں کو ہدایت کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تاکہ یہ رستے پر چلیں۔ (۳)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝٤

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سفارش کرنے والا کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ (۴)

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

سوال: اللہ تعالیٰ کی صفت استویٰ کے ساتھ اس کی صفت رحمٰن کا ذکر کیا گیا، کیوں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا عرش تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی رحمت بھی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی وسیع ترین مخلوق (عرش) پر اپنی وسیع ترین صفت (رحمٰن) کے ساتھ مستوی ہے۔

یہ نکتہ ابن قیم رحمہ اللہ کا ہے کہ انہوں نے کہا: "فاستوىٰ على أوسع المخلوقات بأوسع الصفات"۔

Scanned by CamScanner

﴿وَلَا شَفِيْعٍ﴾ جس جس طرح غیر محسوس کو محسوس پر قیاس کرنا۔ اور غیر مدرک بالبصر کو مدرک بالبصر پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہے۔ اسی طرح اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝۵

وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے پھر وہ ایک روز جس کا مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگا اس کی طرف صعود (اور رجوع) کرے گا۔ (۵)

وقت کا نظریہ نسبتی (Relative) ہے۔ کچھ عرصہ قبل تک وقت کا مطلب تھا گھڑی سے وقت کا پتہ لگانا لیکن یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ وقت، مختلف موجودات کے لیے مختلف طرح کی لچکداری کا حامل ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۝۱۱

کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری رُوحیں قبض کر لیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۱۱)

﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ﴾: ملک الموت کا نام عزرائیل کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۱۷

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اُن کیلئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ اُن اعمال کا صِلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔ (۱۷)

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

تو کسی کو پتہ نہیں کہ ان لوگوں کے واسطے ان کے اعمال کے صلہ میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک پوشیدہ ہے؟

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا (بخاری كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ: ۲۸۹۲)

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن (بھی) پاسبانی کرنا تمام دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تمہارا (چھوٹے سے چھوٹا) مقام جو بقدر ایک کوڑے کے ہو، وہ تمام دنیا و فیہا سے بہتر ہے اور صبح و شام کے وقت جو بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلتا ہے، وہ تمام دنیا و فیہا سے بہتر ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيْنَا مُ أَهْلُ

Scanned by CamScanner

الْجَنَّةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "النَّوْمُ أَخُو الْمَوْتِ، وَأَهْلُ الْجَنَّةِ لَا يَنَامُونَ" (المعجم الاوسط:۹۱۹ صحیح)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جنتی سوئیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نیند موت کی بہن ہے، اور جنتی نہیں سوئیں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ "أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾" (بخاری:۳۲۴۴ کتاب بدء الخلق)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہوگا، پس اگر تم چاہو تو پڑھو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾

❀❀❀

سورة الأحزاب (مدنية)

غزوۂ احزاب کا تذکرہ:

غزوہ احزاب ۵ رہجری میں پیش آیا۔ کفار کو اس جنگ پر اُکسانے والے بنی نضیر تھے جن میں پیش پیش ان کا سردار "حی بن اخطب" تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر آپ نے خندق کھودی جو دو کلومیٹر لمبی اور پندرہ فٹ گہری تھی۔ ہر دس آدمیوں کی جماعت پر چالیس ہاتھ کھودنے کا کام سپرد ہوا۔ تین ہزار افراد نے مل کر یہ خندق بیس دن میں مکمل کی۔ "سلع" پہاڑی کو پشت پر کر کے مسلمان صف آرا ہوئے، مسلمان تین ہزار تھے اور کافر دس ہزار۔ مدینہ کے گرد دس ہزار اتحادیوں کا تیس دن تک محاصرہ رہا پھر اللہ کی مدد آئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی فوج اتار کر انہیں مرعوب کر دیا اور وہ منتشر ہو گئے۔ بنوقریظہ نے اس موقع پر بدعہدی کی۔ تین ہزار مجاہدین نے احزاب سے فارغ ہونے کے بعد ان کا محاصرہ کر لیا۔ ۲۵ر دن بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ مرد قتل کر دیے جائیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾

اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے اور نہ تمہاری عورتوں کو جن کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو تمہاری ماں بنایا ہے اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا ہے یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ (۴)

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾

کسی کے سینہ کو چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ مطلب یہ ہے کہ دل ایک ہی ہوتا ہے۔ اب انسان چاہے تو اس میں کسی کی محبت بھر لے یا نفرت بھر لے۔ منافقین کو چاہئے کہ دورخی، دورنگی چھوڑ دیں جو دوطرفہ باتیں کیا کرتے تھے۔ قلب سے مراد قوت ادراکیہ ہے۔ محض مضغۂ گوشت مراد نہیں۔ اگر شاذ و نادر کسی کے جسم میں دو دل یعنی دو مضغۂ تخم ہوں تو قرآن کے منافی نہیں۔ اس لیے کہ قوت ادراکیہ یعنی نفس ناطقہ ایک ہی ہوگا۔

دل مدبر بدن ہوتا ہے اگر دو دلوں میں اختلاف ہو جائے تو ایک دل ایک تدبیر کا خواہاں ہوگا، دوسرا دل دوسری تدبیر کا۔ تو بتاؤ نظام بدن میں دونوں کی تدبیر چلے گی یا ایک کی؟ اگر دونوں کی تدبیر چلی تو نظام بدن فاسد ہو جائے گا اس لیے کہ ایک دل چاہتا ہے کہ اعضاء حرکت کریں اور دوسرا چاہتا ہے کہ اعضاء ساکن رہیں۔ اسی طرح ایک بیٹے کی دو مائیں یا دو باپ نہیں ہو سکتے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾

مومنو! لے پالکوں کو اُن کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے اگر تمہیں ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو قصد دلی سے کرو (اس پر مواخذہ ہے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵)

منہ بولا بیٹا کا حکم:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا۔ ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ کا حکم نازل ہوا تو سب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔ اس نسبت کے قطع ہو جانے سے زید کو کس قدر صدمہ پہونچا ہوگا اور اللہ اپنے دوستوں کو صدمہ نہیں دیتا۔ اللہ نے صراحۃً قرآن میں ان کا ذکر کر کے وہ عزت بخشی جو کسی کو نہ دی۔

کسی کے بیٹے کو بیٹا کہہ دینے سے وہ بیٹا نہیں ہو جاتا۔ پھر ادب کی تعلیم دی کہ ان کو ان کے باپ کے نام سے پکارو۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

پیغمبر مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو (تو اور بات ہے) یہ حکم کتاب (یعنی قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے۔(۶)

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾
رہا نبی کا معاملہ تو وہ روحانی باپ ہیں اور ان کی بیویاں تمہاری مائیں ہیں۔

﴿النبی اولیٰ ...الخ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ "اقرب" زیادہ حقدار ہوتا ہے۔

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ نبی کریم ﷺ مومنوں کی ذات سے زیادہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ آپ ﷺ کو اپنی ذات پر مقدم رکھیں اور آپ سے والہانہ محبت کریں اور اپنی جان پر کھیل کر آپ کی حفاظت کریں۔ اور آپ کے ہر فیصلے کو بلا چوں و چراں تسلیم کریں۔

﴿وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ آپ ﷺ کی بیویاں پھر شادی نہیں کر سکتیں۔ کوئی کہے کہ اس میں بیویوں کی حق تلفی ہے تو جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حق تلفی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا نان ونفقہ بیت المال کے ذمہ کر دیا گیا۔ رہی خواہش نفسانی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے مستغنی کر دیا تھا، اور ان کے دل میں یہ ہوس باقی نہ رہی تھی، اور خود بیویوں کو آپ ﷺ کے بعد کسی کی بیوی بننا گوارا نہ تھا۔ آپ ﷺ کی صحبت کے بعد ان کو کس کی صحبت پسند آسکتی تھی؟

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہلِ مدینہ! (یہاں) تمہارے لئے (ٹھہرنے کا) مقام نہیں تو لوٹ چلو اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔(۱۳)

﴿يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ﴾ عمالقہ کے ایک شخص "یثرب" نے یہاں پڑاؤ ڈالا تھا۔ توراۃ میں مدینہ کے گیارہ نام ذکر کئے گئے

Scanned by CamScanner

ہیں۔جس میں مدینہ، طابہ، طیبہ ہیں۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ﴿۲۱﴾

تم کو پیغمبر الٰہی کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اُس شخص کو جسے اللہ (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔(۲۱)

جنگ کے موقع پر بھی اگر رسول کا اسوہ ضروری ہے تو امن کے موقع پر بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا ﴿۲۲﴾

اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اُس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اُس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے اُن کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی۔(۲۲)

﴿وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا﴾ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿۲۸﴾

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت و آرائش کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں۔(۲۸)

﴿فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ... الخ﴾

جب مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہوگئی تو ازواج نبی ﷺ نے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا اس پر نبی کریم ﷺ کو ملال ہوا۔ اور ایک ماہ کے لیے ایلاء کرلیا۔ یعنی قسم کھالی کہ میں تم سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔ ایک ماہ بعد آیت تخییر نازل ہوئی، سب سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا میں نے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کیا اس کے بعد تمام ازواج نے اللہ اور رسول کو پسند کیا۔ اگر عورت علیحدگی پسند کرے تو تخییر سے ایک طلاق رجعی پڑے گی۔ نیز تفویض طلاق میں طلاق رجعی ہوگی۔ آیت تخییر کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے دنیا کے اسباب عیش وعشرت کے مقابلے میں عسرت کے ساتھ نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ اس کا صلہ اللہ نے یہ دیا کہ آپ کو ان ازواج جن کی تعداد اس وقت ۹ تھی دیگر عورتوں سے نکاح کرنے یا ان میں سے کسی کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کرنے سے منع کر دیا۔

Scanned by CamScanner

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنۡ يَّاۡتِ مِنۡكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَيۡنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ﴿۳۰﴾

اے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی اُس کو دگنی سزا دی جائے گی اور یہ (بات) اللہ کو آسان ہے۔(۳۰)

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنۡ يَّاۡتِ مِنۡكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾

ازواج مطہرات سے خطاب بہ طور شرط ہے۔ شرط کا مطلب ہے اگر بالفرض تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو سزا دوگنی ہوگی۔ اس سے مقصود تخویف اور تنبیہ ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ﴿لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (زمر: ۶۵) آیا ہے۔ یعنی بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک سرزد ہو جائے، اگرچہ پیغمبر سے شرک سرزد ہونا محال ہے۔ مقصود دوسروں کو سنا کر شرک کی قباحت و شناعت بتانا ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۲۲

سورة الأحزاب

(آیت:۳۱)

تا

سورة یٰسٓ

(آیت: ۲۱)

مجمع بلقيس للبحوث الإسلامية
حيدر آباد، الهند

Scanned by CamScanner

بائیسواں پارہ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا
لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اور جو تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور نیک عمل کرے گی اُس کو ہم دُگنا ثواب دیں گے اور اُس کیلئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔(۳۱) اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کرو تا کہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو(۳۲)

ان آداب کو اختیار کرنے کا حکم ازواج مطہرات کو دیا گیا امت کی عورتیں ان کے تابع ہیں، اہل بیت آپ ﷺ کی بیویاں ہیں اور وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، جیسے آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنھم اجمعین۔

﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ تقویٰ کا حوالہ دے کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا اصل مقصد عصمت کا تحفظ حاصل ہوگا ورنہ حجاب کی ظاہری پابندیاں تمہیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہ بچا سکیں گی۔

تقویٰ کی تعریف:

عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيْبٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: اَلتَّقْوٰى عَمَلُ طَاعَةِ اللّٰهِ رَجَاءَ رَحْمَةِ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ، وَالتَّقْوٰى تَرْكُ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ مَخَافَةَ عَذَابِ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ. (جامع العلوم والحکم لابن رجب: ۱/ ۴۰۰، مقطوع)

طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تقویٰ کا مطلب ہے، اللہ کی اطاعت، اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کی معصیت اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اللہ کی دی ہوئی روشنی میں ترک کر دے۔

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ یہ پہلا حکم ہے، آواز لچکدار نہ ہو، تا کہ وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے، سمجھ بیٹھے کہ

Scanned by CamScanner

یہاں قسمت آزمائی کے مواقع موجود ہیں، نہ ایسا انداز ہو کہ بدتمیزی کی حد کو چھو رہا ہو اور ضرورت کے تحت بھی بات کرنے والا پچھتائے کہ میں نے کیوں بات کی، انداز میں روکھا پن تو ہو لیکن لہجے کی حد تک، زبان سے ایسا لفظ نہ نکالے جو معروف اور اخلاق کے منافی ہو۔

﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایت جو آگے آ رہی ہیں متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت نہ برباد ہو جائے لیکن جن کے دلوں میں تقویٰ نہ ہو انہیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟

اب یہاں سوچنے کی بات ہے کہ جب عورت کو لچکدار آواز میں بات کرنے کی اجازت نہیں تو اسلام کیسے پسند کر سکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر گائے، تھرکے، ناچے، ڈرامے میں کبھی بیوی کا کبھی معشوقہ کا پارٹ ادا کرے یا ایئر ہوسٹس بن کر مسافروں کا دل بہلائے، کم از کم یہ قرآن کا کلچر نہیں ہے۔

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ ضرورت پیش آنے پر کسی مرد سے بات کرنے میں مضائقہ نہیں، لیکن ایسے مواقع پر لہجے میں کوئی لوچ نہ ہو، یہ تقویٰ کا تقاضا ہے، تاکہ گندی ذہنیت رکھنے والے آدمی کے دل میں گدگداہٹ اور تحریکِ باطل پیدا نہ ہو، بلکہ لہجے میں روکھا پن ہو یہ بداخلاقی نہیں، بداخلاقی وہ ہے جو دوسرے کی دل آزاری کا سبب بنے۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہارِ تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے (پیغمبر کے) اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دُور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے (۳۳)

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ یہ دوسرا حکم ہے، کہ اے عورتو! تم گھروں میں ٹک کر رہو، اسی میں تمہارا وقار ہے، اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست و معاشی جھمیلے نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری میں رہ کر امور خانہ داری کو انجام دینا ہے، مگر مطلقاً خروج ممنوع نہیں بلکہ وہ خروج ممنوع ہے جس میں تبرج ہو، ''تبرج'' وہ ہے کہ عورت اجنبی مردوں کے سامنے زینت کی نمائش کرتی پھرے، نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے اور سادہ لباس میں باپردہ نکلے، اس آیت کا منشا یہ نہیں کہ وہ ضرورت کے وقت باہر نہیں نکل سکتی۔

﴿تَبَرَّجْنَ﴾ ''تبرج''، برج سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ''ابھرنا'' ہے۔

﴿تَبَرُّج﴾ کے تین مطالب ہو سکتے ہیں:

Scanned by CamScanner

(۱) اپنا جسم اور حسن لوگوں کو دکھائے۔

(۲) اپنے لباس اور زیور کی شان نمایاں کرے، تنگ یا باریک لباس پہنے۔

(۳) اپنی چال ڈھال اور چٹک مٹک سے خود کو نمایاں کرے۔

باہر نکلنے کے شرعی آداب کو ملحوظ رکھیں تو دینی اجتماعات اور باجماعت نمازوں وغیرہ میں شرکت کر سکتی ہیں۔

عورت کے گھر سے باہر نکلنے کے شرائط:

(۱) زیب وزینت اور خوشبو وغیرہ کا استعمال نہ کرے۔

(۲) بجنے والا زیور استعمال نہ کرے۔

(۳) چال ناز ونخرے والی نہ ہو۔

(۴) راستے کے درمیان میں چلنے سے بچتے ہوئے کنارے سے ہو کر چلے۔

(۵) سرپرست کی اجازت سے باہر نکلے۔

(۶) راستے میں اس کی نگاہیں آزاد نہ ہوں۔

(۷) مردوں کی بھیڑ میں نہ گھسے۔

لپ اسٹک اور نیل پالش کا حکم:

"تَحۡمِیۡرُ الشِّفَاہ" (لپ اسٹک لگانا) ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تھا کہ یہ تشبہ بالکفار کے زمرے میں تو نہیں آتا ہے؟ کہتے ہیں کہ تحمیر شفاہ (لپ اسٹک لگانا) میں کوئی حرج نہیں، رہا "طِلَاءُ الاَظَافِر" (نیل پالش) کا مسئلہ تو اس کے بارے میں سعودی کمیٹی کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ناخنوں کی سطح پر پرت آجائے تو بغیر اس کے ازالے کے وضو کافی نہیں ہے، اور اگر پرت نہ آئے تو وضو ہو جائے گا، جیسے مہندی وغیرہ لگانا، اجنبیوں کے سامنے نیل پالش اور لپ اسٹک ظاہر کرنا جائز نہیں، یہ تبرج کے دائرے میں آئے گا۔

﴿تَبَرُّجَ﴾ کہہ دیا جاتا اس کے ساتھ ﴿الۡجَاھِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی﴾ کیوں لایا گیا؟ نکتہ یہ ہے کہ اس کو کتنا ہی ترقی کے نام پر رائج کر دیا جائے، تبرج بہرحال جاہلیت کی ہی یادگار رہے گی۔

﴿الۡجَاھِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی﴾ ابن عطیہ رحمہ اللہ کا قول بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت اولیٰ سے مراد اسلام سے پہلے کا زمانہ ہے اس کو "اولیٰ" زمانہ اسلام کے لحاظ سے کہا گیا ہے، مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلے عورتیں بے محابا مردوں کے سامنے آیا جایا کرتی تھیں۔ پس یہی تبرج ہے، ضرورت شرعیہ کے تحت باہر نکلنا جائز ہے۔

﴿وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ﴾ تیسرا حکم ہے۔

﴿وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ﴾ چوتھا حکم ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ خواتین بھی زکوٰۃ کی مکلف ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ﴾ پانچواں حکم ہے۔

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ یہ آیت باجماع ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رضی اللہ عنہ، رَبِيبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الأحزاب: ۳۳) فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَدَعَا فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَعَلِيٌّ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَجَلَّلَهُ بِكِسَاءٍ ثُمَّ قَالَ: "اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا" قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: وَأَنَا مَعَهُمْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، قَالَ: "أَنْتِ عَلَى مَكَانِكِ وَأَنْتِ عَلَى خَيْرٍ"

(ترمذی 3205 أبواب تفسیر القرآن، صحیح)

نبی کریم ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں فاطمہ، حسن، حسین اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین، ان چاروں کو بلا کر ایک کساء (چادر) میں داخل کر کے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ "اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا" کہ اے اللہ ان کو ازواج مطہرات کی طرح میرے اہل بیت میں شامل فرما دے، مقصد یہ تھا کہ یہ چاروں بھی اس کرامت ونعمت میں شامل ہو جائیں، جیسے بادشاہ کسی سے کہے کہ اپنی بیویوں کو حاضر کرو، ہم انھیں خلعت فاخرہ دینا چاہتے ہیں اور آدمی بادشاہ کے اس لطف وکرم پر نظر کر کے یہ درخواست کرے کہ حضور میری بیٹیوں کو بھی، اس طرح آیات واحادیث میں توفیق ہو جاتی ہے، یعنی اعتدال کی راہ یہ ہے کہ دونوں اہل بیت ہیں، ازواج (بیویاں) تو اس نص قرآنی سے، اور داماد واولادان احادیث کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں۔

﴿وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ تطہیر سے مراد تطہیر شرعی ہے، یعنی اللہ اہل بیت کو اغوائے شیطانی اور معاصی اور دیگر قبائح سے محفوظ رکھے گا، رہا تکوینی تطہیر تو یہ خاصۂ انبیاء ہے، شیعوں نے اسی آیت سے اپنے اماموں کے معصوم ہونے کا دعویٰ نکالا ہے، ﴿وَيُطَهِّرَكُمْ﴾ کی ترکیب سے ان کے دعوے کی تردید ہو جاتی ہے، اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اہل بیت کو پاک کر دیا بلکہ فرمایا اللہ پاک کرنا چاہتا ہے جیسے ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ (سورۂ مائدہ: ٦) میں اہل ایمان کو وضو کا حکم دینے کے بعد ﴿لِيُطَهِّرَكُمْ﴾ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہاں یہ مطلب نہیں کہ تمام اہل ایمان معصوم ہیں، شیعوں نے تطہیر سے مراد عصمت لے کر اہل بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کر دیا اس طرح تمام بدرجۂ اولیٰ بلکہ تمام مومنوں کا معصوم ہونا لازم آئے گا۔

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى﴾ سے معلوم ہوا کہ حدیثیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھی جاتی تھیں۔ کیونکہ آیات اللہ سے قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

عورت کے لیے دس احکام:

(۱) ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾

(۲) ﴿وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوْفًا﴾

(۳) ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾

(۴) ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ﴾

(۵) ﴿أَقِمْنَ الصَّلٰوةَ﴾

(۶) ﴿وَآتِيْنَ الزَّكٰوةَ﴾

(۷) ﴿أَطِعْنَ اللهَ﴾

(۸) ﴿وَرَسُوْلَهُ﴾

(۹) ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللهِ﴾

(۱۰) ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾

سوال: کیا دعوت دین کے لیے عورت بغیر محرم گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

جواب: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: خَرَجَتْ سَوْدَةُ لِحَاجَتِهَا لَيْلًا بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْهِنَّ الْحِجَابُ، قَالَتْ: وَكَانَتْ امْرَأَةً تَفْرَعُ النِّسَاءَ جَسِيمَةً، فَوَافَقَهَا عُمَرُ، فَأَبْصَرَهَا فَنَادَاهَا: يَا سَوْدَةُ، إِنَّكِ وَاللهِ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا إِذَا خَرَجْتِ، فَانْظُرِي كَيْفَ تَخْرُجِينَ، أَوْ كَيْفَ تَصْنَعِينَ؟ فَانْكَفَتُّ، فَرَجَعَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَشَّى، فَأَخْبَرَتْهُ بِمَا قَالَ لَهَا عُمَرُ، وَإِنَّ فِي يَدِهِ لَعَرْقًا، فَأُوحِيَ إِلَيْهِ، ثُمَّ رُفِعَ عَنْهُ، وَإِنَّ الْعَرْقَ لَفِي يَدِهِ، فَقَالَ: لَقَدْ أُذِنَ، لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ (مسند احمد: ۲۴۲۹۰، صحیح)

ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا قد لمبا تھا، ایک رات کسی ضرورت کے لیے وہ باہر نکلیں، عمر رضی اللہ عنہا نے کہا سودہ! میں نے تمہیں پہچان لیا ہے، تب نبی ﷺ نے فرمایا تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ صرف اپنی حاجت کے لیے نکلو (اور دعوت دین حاجت نہیں ہے)

سوال: عورت بغیر محرم کتنے فاصلے تک سفر کر سکتی ہے؟

جواب: عرف عام میں جس کو سفر کا نام دیں گے بغیر محرم کے نہیں جا سکتی، جس مسافت کو سفر نہیں کہتے وہاں بغیر محرم کے جا سکتی ہے۔ (شیخ ابن باز رحمہ اللہ) کچھ سعودی علماء کہتے ہیں کہ اجنبی ڈرائیور کے ساتھ جانے کی بجائے خود ڈرائیونگ کرتے ہوئے جا سکتی ہے کیونکہ اس صورت میں اختلاط کا اندیشہ نہیں رہتا، اکیلی عورت کے لیے پیدل جانے کے مقابلے میں، گاڑی سے جانا زیادہ اچھا ہے، خود کی گاڑی میں جانا احوط ہے، ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں ایمر جنسی کے وقت عورت

Scanned by CamScanner

ڈرائیونگ کرسکتی ہے۔

سوال: کیا عورت کی آواز پردہ ہے؟

صوت المرأة ليس بعورة -وقد كان النساء يسألنَ النبي -صلى الله عليه وسلم- ويسألن الصحابة ولم يُنكر عليهن النبي -صلى الله عليه وسلم- ذلك، وإنما العَورةُ هو خضوعها بالقول وتغنجها، لقوله سبحانه: ﴿يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ فالمشروعُ لها أن يكون صوتُها وسطاً، لا خضوع فيه، ولا فحش فيه، ولهذا قال: وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا فهكذا ينبغي للمرأة أن تكون مُتوسطة في كلامها، لا مفحشة في القول ولا خاضعة فيطمع الذي في قلبه مرض (تطبيقات الشيخ ابن باز رحمه الله)

جواب: عورت کی آواز پردہ نہیں ہے، دلیل یہ ہے کہ عورتیں نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کرتی تھیں، لیکن نبی کریم ﷺ نے اس پر کبھی نکیر نہیں کی، لیکن شرط یہ ہے کہ عورت کی آواز میں لچک نہ ہو، اور سننے والے کو کسی فتنے میں نہ مبتلا کرے، ابن باز رحمہ اللہ کے اس فتوے کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کوئی عورت اگر خواتین کے اجتماع میں وعظ کر رہی ہو اور کچھ مرد اس کی آواز کو سن رہے ہوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

سئل فضيلة الشيخ العلامة ابن عثيمين رحمه الله تعالى —هل صوت المرأة عورة؟ فأجاب قائلاً: من تأمل نصوص الكتاب والسنة وجدها تدل على أن صوت المرأة ليس بعورة، بل بعضها على ذلك بأدنى نظر: فمن ذلك قوله تعالى يخاطب نساء النبي صلي الله عليه وسلم: ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَعْرُوفاً﴾. فإن النهي عن الخضوع بالقول، وإباحة القول المعروف يدل على أن صوتها ليس بعورة إذ لو كان عورة لكان مطلق القول منها منكراً، ولم يكن منها قول معروف، ولكان تخصيص النهي بالخضوع عديم الفائدة. وأما السنة فالأدلة على ذلك كثيرة، فالنساء اللاتي يأتين إلي النبي صلي الله عليه وسلم يخاطبنه بحضور الرجال ولا ينهاهن، ولا يأمر الرجال بالقيام ولو كان الصوت عورة لكان سماعه منكراً ووجب أحد الأمرين، لأن النبي صلي الله عليه وسلم لا يقر منكرا.

وقد صرح فقهاؤنا الحنابلة بأن صوت المرأة ليس بعورة، انظر شرح المنتهى وشرح الإقناع. وأما قول النبي صلي الله عليه وسلم: "إذا نابَكُم شيءٌ في الصلاة فليسبح الرِّجال وليصفق النساء". فهذا مقيد في الصلاة، وظاهر الحديث أنه لا فرق بين أن تكون مع الرجال أو في بيت لا يحضرها إلا النساء أو محارم، والعلم عند الله تعالى.

Scanned by CamScanner

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا عورت کی آواز پردہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ عورت کی آواز پردہ نہیں ہے، اگر عورت کی آواز پردہ ہوتی تو اس کا سننا منکر ہوتا اور اللہ کے رسول کسی منکر کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے، فقہائے حنابلہ کی بھی تصریح یہی ہے کہ عورت کی آواز پردہ نہیں ہے، رہا نماز میں عورت کا تالی بجانا تو یہ نماز کے ساتھ مقید ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں) ان کو یاد رکھو بیشک اللہ باریک بین اور باخبر ہے۔ (۳۴)

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى﴾ سے عورتوں کے لیے مدرسہ دینیہ کھولنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ عورت کے لیے پردے کے حکم میں اس کی عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے جو چیز جتنی زیادہ قیمتی ہوتی ہے اس کو اتنا ہی پوشیدہ رکھا جاتا ہے، آدمی پاؤ بھر گوشت چھپا کر لے جاتا ہے، کیا عورت پاؤ بھر گوشت سے کمتر ہے۔

حکمت کا معنیٰ: قال مجاہد ومالک "انها معرفة الحق والعجل به والاصابة فی القول والعمل"

مجاہد اور مالک کا قول ہے کہ: حق کو پہچاننا اور اس پر عمل کرنا اور قول وعمل میں درستگی کا نام حکمت ہے۔

پردہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

عورت کے پردے پر اعتراض کرنے والے کہتے ہیں:

(۱) پردہ عورت کے لیے قید ہے۔

(۲) پردہ عورت کی صحت کے لیے مضر ہے۔

(۳) پردہ عورت کی ترقی میں مزاحم ہے۔

جواب: پردہ قید نہیں بلکہ عورت کی عصمت کی حفاظت کا قلعہ ہے اور ناپاک نظروں اور ہوس ناک نگاہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، نیز پردہ صحت کے لیے مضر نہیں بلکہ عورت کی فطرت کے مناسب ہے، کیونکہ عورت کے قویٰ کمزور ہیں، وہ مرد کی طرح محنت ومشقت برداشت نہیں کر سکتی، اس کی فطری کمزوری کی رعایت کرتے ہوئے پردہ تجویز کیا گیا ہے، بالفرض مان لیا جائے کہ جسمانی صحت کے لیے مضر ہے تو بے پردگی، روحانی اور اخلاقی صحت کے لیے ہزارہا درجہ بڑھ کر مضر ہے، بے پردگی طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہے، اور عورت کی ترقی یہ ہے کہ وہ عفیفہ و پاکدامن رہے، عصمت کا خاتمہ ہو جائے تو معاشرہ مہذب حیوانوں کی طرح ہو جائے گا، اس شرمناک حالت کا نام ترقی کیسے ہو سکتا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ

وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

(جو لوگ اللہ کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور متقی مرد اور متقی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کیلئے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔(۳۵)

پھر مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کے دس ایسے اوصاف ذکر کیے گئے جو کردار اور اخلاق کو سنوارنے میں بڑا اہم رول ادا کرتے ہیں۔

أن أمّ عمارة الأنصارية رضی اللہ عنہ قالت: قلت: یا رسول اللہ بأبي وأمّي ما بالُ الرجال یُذْكَرون، ولا یُذْکر النساء؟! فنزلت ھذہ الآیۃ (زاد المسیر :۶/ ۳۸۴)

ام عمارہ انصاریہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مردوں کا ذکر قرآن میں ہے عورتوں کا کچھ نہیں۔تب یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ دس صفات ہیں، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اصلاحِ اخلاق وکردار کے تمام پہلو اس کے اندر سمٹ کر آ گئے ہیں، ان میں کچھ کا حقوق اللہ سے تعلق ہے کچھ کا حقوق العباد سے۔

"قنوت" دل کی پوری یکسوئی اور پورے اخلاص و نیاز مندی کے ساتھ ہمیشہ فرمانبرداری کرنے کو کہتے ہیں۔"ذکر اللہ" ان مذکورہ بالا صفات کا محافظ ہے جتنا بندہ اللہ کو یاد رکھتا ہے اتنی ہی یہ صفات اس میں پختہ ہوتی ہیں۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔پھر جب

زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دیدی) تو ہم نے تم سے اُس کا نکاح کر دیا تا کہ مومنوں کے لیے اُن کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کیساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں (یعنی طلاق دیدیں) کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔ (۳۷)

اللہ نے اگر چہ مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے لیکن اسے اس کا استعمال کرتے ہوئے اللہ سے ڈرنا چاہئے، اس کے بے جا اختیار سے عورت کو تکلیف پہونچ سکتی ہے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾

پیغمبر پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جو اللہ نے ان کیلئے مقرر کر دیا اور جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں اُن میں بھی اللہ کا یہی دستور رہا ہے اور اللہ کا حکم ٹھہر چکا ہے (۳۸)

کوئی شبہ کرے کہ اس رسم کو اللہ نے نبی سے کیوں ختم کروایا؟ کسی اور سے یہ کام لے لیتا؟ جواب میں فرمایا گیا کہ اس کام کے کر لینے میں نبی پر کیا تنگی اور ممانعت ہے۔

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ﴾ انبیاء میں دستور چلا آ رہا ہے کہ اللہ ان کے ہاتھوں رسوم جاہلیت ختم کر دیتا ہے کیونکہ نشانۂ ملامت بننا اور لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حق پر جمے رہنا انہی مردان خدا کا کام ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

اور جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ ہی حساب کرنے کو کافی ہے۔ (۳۹)

اس آیت میں رب کا پیغام دوسروں تک پہونچانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۴۰)

Scanned by CamScanner

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں اور جب زید رضی اللہ عنہ کے آپ باپ ہی نہیں تو طعن کیوں؟ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ اللہ کو علم ہے کہ نبی بھیجنا ہے یا نہیں۔

جاہلیت کی ایک رسم ''تبنیت'' تھی، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح کروانا اسی رسم پر ضرب کاری لگانا تھا اور یہ اعلان کرتا تھا کہ منہ بولا بیٹا احکام شرعیہ میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا ہے اور اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔

﴿خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ رسول تو درکنار، کوئی نبی بھی آنے والا نہیں ہے، رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کا یہ فرض ہے کہ اس رسم کا جو حلال ہے اور انھوں نے اس کو خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے، خاتمہ کر دیں۔

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَقُولُ: ''نَزَلَتْ آيَةُ الحِجَابِ فِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، وَأَطْعَمَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ خُبْزًا وَلَحْمًا، وَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّ اللهَ أَنْكَحَنِي فِي السَّمَاءِ'' (بخاری، کتاب التوحید: ۷۴۲۱)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دیگر ازواج سے کہا کرتی تھیں کہ تمہاری شادی تمہارے گھر والوں نے کی ہے، مگر میری شادی اللہ نے ساتویں آسمان کے اوپر کی ہے۔

﴿خاتم النبین الخ﴾ ''ختم الشئ'' کا مطلب چیز پر مہر لگانا نہیں بلکہ شئ کا بالکل خاتمہ ہے، عربی زبان میں ختم یا خاتم آخری عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے، نبی کی مہر سے بہت سے لوگ نبی بنیں گے، یہ عربی زبان کے خلاف ہے، اگر قادیانیوں کا استدلال مان لیا جائے کہ جس طرح ڈاک خانے سے مہر لگ لگ کر خطوط جاری ہوتے ہیں اسی طرح نبی کی مہر سے نبوت عطا ہوتی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ نبی کی مہر کا کیا مطلب؟ وہ آخر کس طرح لگے گی؟ اور جس شخص پر لگے گی اس کا پتہ کیسے چلے گا؟ اب تک ان باتوں کی وضاحت نہیں ہوئی، یہ مفہوم بالکل بے معنی ہے، اس طرح تو ہر شخص نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے، اس کے دعوے کو پرکھنے کے لیے کوئی معیار اور کسوٹی نہیں ہوگی، نیز احادیث جو قرآن کی الہامی تفسیر ہیں ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عاقب ہوں اور عاقب کی تفسیر فرماتے ہوئے کہا: (وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ) عاقب وہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

عَنِ الزُّهْرِيِّ، سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ''أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي، الَّذِي يُمْحَى بِيَ الْكُفْرُ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى عَقِبِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ'' (مسلم، کتاب الفضائل: ۲۳۵۴)

نیز نبی اور رسول کے فرق کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی بہ نسبت رسول کا منصب خاص ہوتا ہے، یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی منصب کے لحاظ سے رسول نہیں ہوتا، لہٰذا مذکورہ بالا آیت سے جب آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی صراحت کر دی گئی، تو آپ ﷺ کا آخری رسول ہونا خود بخود واضح ہو گیا اور آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ

Scanned by CamScanner

کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ کوئی رسول۔

"خاتم" کا مطلب مہر ہے اور مہر لگنے کے بعد کوئی چیز باہر سے اندر اور اندر سے باہر نہیں جا سکتی۔

آپ ﷺ سب نبیوں کی مہر ہیں، آپ ﷺ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی، خط پر مہر اس وقت لگتی ہے جب کتابت ختم ہو جاتی ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی عہدۂ نبوت پر فائز نہ ہوگا۔

عربی کا قاعدہ ہے کہ جب لفظ خاتم جماعت یا قوم کی طرف مضاف ہوتا ہے تو اس سے آخری شخص مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے خاتم القوم یا خاتم الاولاد۔ تو گویا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ قوم اور اولاد اس کی مہر سے بنتی ہے۔

کلامِ عرب میں خاتم دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) حقیقی (۲) مجازی۔

خاتم کے حقیقی معنی آخر کے ہیں۔ یعنی جو سب کے بعد ہو اور مجازی معنی افضل و اکمل کے ہیں اور افضل و اکمل شئی اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی فضیلت اور کمال ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مثل نہ ہو اور وہ لاثانی ہو۔

نکتہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد ظلی اور بروزی نبی آسکتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ آئینہ میں بادشاہ کا عکس پڑتا ہے مگر اس انعکاس سے آئینہ بادشاہ نہیں ہو جاتا اور عکس سے آئینہ میں ذی عکس کی کوئی صفت نہیں آتی اسی طرح یہ کہنا کہ سایہ، ذی سایہ کا عین ہوتا ہے بالکل غلط ہے۔ سایہ کو نبی یا رسول نہیں کہا جا سکتا۔

قادیانیوں کی دلیل یہ ہے کہ سایہ اپنے اصل کا غیر نہیں ہوتا تو سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی روح کسی کے بدن میں آجائے تو کیا وہ بعینہ پہلا شخص ہوگا؟ اور اس کے حقوق پہلے شخص کے حقوق جیسے ہوں گے؟ جیسے کوئی شخص کسی عورت کا شوہر تھا اور دوسرے "جیون" میں آنے کے بعد کسی عورت سے کہے کہ پہلے جیون میں تو میری بیوی تھی، اب چل اور میرا گھر سنبھال کسی عاقل کے نزدیک یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، ظل اور بروز کا یہ عقیدہ بظاہر ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ و حلول سے لیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾

اے اہلِ ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو۔ (۴۱)

قرآن بھی ذکر ہے، اور ذکر کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں۔

﴿ذِكْرًا كَثِيرًا﴾

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ في قوله ﴿اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ يقول: لا يفرض على عباده فريضة إلا جعل لها حدًّا معلوما، ثم عذر أهلها في حال عذر غير الذكر، فإن الله لم يجعل له حدًّا ينتهي إليه ولم يعذر أحدا في تركه إلا مغلوبا على عقله (طبری، تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۴۳۳)

اللہ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اسے یاد کرتے رہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ نے اپنے بندوں پر جو بھی عمل واجب کیا تو اس کی ایک حد مقرر کر دی اور عذر شرعی کی حالت میں بندے کو معذور جانا، سوائے ذکر

الٰہی کے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی اور اسے چھوڑنے والے کو معذور نہیں جانا، الا یہ کہ اس کی عقل خراب ہو جائے تو اللہ نے اسے ذکر سے معذور قرار دیا ہے۔

ذکر: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴾ ''قال شیخ الاسلام رحمه الله الذكر للقلب كالماء للسمك فكيف يكون حال السمك اذا فارق الماء'' امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذکر دل کے لیے ایسے ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی، تو بھلا بتاؤ کہ مچھلی کا کیا حال ہوگا اگر اسے پانی سے نکال لیا جائے۔

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

اور صبح اور شام اُس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ (۴۲)

تسبیح ذکر میں داخل ہے مگر چونکہ ذکر الٰہی میں اسے خصوصیت حاصل ہے، اس لیے اسے بطور خاص ذکر کیا گیا۔ ﴿ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴾ سے مراد بعض نے فجر اور مغرب اور بعض نے فجر و عصر اور بعض نے تمام نمازیں مراد لی ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔ (۴۳)

وہ تمہارے اوپر رحمت کرتا ہے، تمہیں یاد کرتا ہے اور فرشتے اللہ سے تمہارے لیے دعا کرتے رہتے ہیں کہ تمہیں معاصی واخلاق سیئہ اور عقائد فاسدہ کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان، اتباع سنت اور اخلاق حسنہ کے نور سے بہرہ ور کر دے، یہ دنیا کی رحمت ہے اور آخرت میں ﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ﴾ (سورۃ احزاب: ۴۴) ہوگا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي المِيزَانِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ العَظِيمِ

(بخاری، کتاب التوحید: ۷۵۶۳)

دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ ''سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ العَظِيمِ''

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه - وَهَذَا حَدِيثُ قُتَيْبَةَ - أَنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلَى، وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، فَقَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوا: يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ وَلَا نَتَصَدَّقُ، وَيُعْتِقُونَ وَلَا نُعْتِقُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَلَا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ؟ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ

Scanned by CamScanner

مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ" قَالُوا: بَلَى، يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: تُسَبِّحُونَ، وَتُكَبِّرُونَ، وَتَحْمَدُونَ، دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً قَالَ أَبُو صَالِحٍ: فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: سَمِعَ إِخْوَانُنَا أَهْلُ الْأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا، فَفَعَلُوا مِثْلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ" (مسلم، کتاب المساجد: ۵۹۵)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ غریب مہاجرین نے حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ! مالدار لوگ بڑے درجے لوٹ لے گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا؟ کہا وہ نمازیں پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، وہ صدقہ کرتے ہیں مگر ہم صدقہ نہیں دے پاتے ہیں، وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں آزاد کر پاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جس کی وجہ سے تم ان سے بازی لے جاؤ، ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر کہو، تو مالدار لوگ بھی یہ کہنے لگے۔ تو آپ نے فرمایا ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾

﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ﴾

یہاں ظلمات کو جمع اور نور کو واحد کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: کیونکہ روشنی ایک ہوتی ہے اسکا نتیجہ "کشف" اور ظہور پر ہوتا ہے اور اسکے اسباب متعدد ہو جانے سے اسکی حقیقت نہیں بدلتی اور ظلمات کا حال یہ ہے کہ وہ اسباب کی نوعیت بدلنے سے اس میں تبدیلی آجاتی ہے، جیسے

(۱) ظلمت اللیل	رات کی تاریکی
(۲) ظلمت المحابس	جیلوں کی تاریکی
(۳) ظلمت القبور	قبروں کی تاریکی
(۴) ظلمت الغمام	بدلیوں کی تاریکی

غور کریں گے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی کے اسباب بدلنے کی وجہ سے تاریکی حقیقتیں بدل جاتی ہیں، اور نیز یہاں اشارہ امر معنوی کی طرف بھی ہے جیسے ادراک کی تاریکی، جیسے کے حقائق متعدد ہوتے ہیں۔

(۱) ظلمت الانحراف	انحراف کی تاریکی
(۲) ظلمت الاھواء	ھوی کی تاریکی
(۳) ظلمت الشھوات	خواہشات کی تاریکی
(۴) ظلمت الشبہات	شبہات کی تاریکی

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝٤٥﴾

اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (۴۵)

Scanned by CamScanner

نبی ﷺ کی پانچ صفات:

یہاں نبی ﷺ کی پانچ ایسی صفات بیان کی گئی ہیں جو آپ کی پیغام رسانی کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتی ہیں، آپ ﷺ شاہد ہیں یعنی جو آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے قیامت کے دن آپ ﷺ ان کے لیے خیر کی گواہی دیں گے ورنہ ان کی معصیت کی گواہی دیں گے۔ان مومنین اور متقین کے لیے جو ایمان اور عمل کے جامع اور گناہوں سے بچنے والے ہیں ان کو "لَھُمُ البُشریٰ فی الحیاۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ" کی بشارت دینے والے ہیں، اور مجرموں، ظالموں کے لیے دنیوی عقوبات اور آخرت میں طویل اور دردناک عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

﴿شَاهِدًا﴾

بعض مترجمین نے شاہد کا ترجمہ حاضر وناظر کیا ہے، یہ ترجمہ نبی ﷺ کے بارے میں بدعتی عقیدے کی ترجمانی کرتا ہے لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے "الشاهد، العالم الذی یُبیّن ما عَلِمه" کہ شاہد وہ ہے جو وہ بات بیان کرے جو اس نے جان لیا ہے۔

﴿شَاهِدًا﴾

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، يَا رَبِّ، فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ: مَنْ شُهُودُكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَيُجَاءُ بِكُمْ، فَتَشْهَدُونَ"، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ (بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ:۷۳۴۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کیا تم نے پیغام پہنچا دیا؟ وہ کہیں گے ہاں! اے میرے رب۔ پھر ان کی اُمت سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا، تو وہ پوچھے گا تمہارے گواہ کون ہیں؟ تو نوح علیہ السلام کہیں گے محمد ﷺ اور اُن کی اُمت، تو تمہیں لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے، کفار یہ شبہ بھی پیش کریں گے کہ انہوں نے نہ ہمارا زمانہ پایا نہ ہم کو دیکھا پھر ان کی گواہی کیونکر مقبول ہو سکتی ہے امت محمدیہ جواب دے گی ہم کو قرآن اور اس کے رسول ﷺ کے بتلانے سے معلوم ہوا، گواہی دینے سے یہی مراد ہے۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

اور اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔(۴۶)

﴿وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ﴾

مشرکین مکہ جو کسی کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے کیسے جھکتے، جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف نہیں جھکایا بلکہ انھیں اللہ کی طرف جھکنے کی دعوت دی، معلوم یہ ہوا لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا جائے نہ کہ شخصیات کی طرف۔

Scanned by CamScanner

﴿سِرَاجًا مُّنِيرًا﴾

سورج کے لیے عربی میں شمس کا لفظ اور چراغ کے لیے مصباح ہے، مگر سراج کا معنی سورج بھی ہوتا ہے اور چراغ بھی، اگر صرف شمس استعمال ہوتا تو سورج تو دن ہی میں ہوتا ہے، رات میں کسی کو ہدایت کی ضرورت ہوتی تو کہاں جاتا؟ اور اگر مصباح کہہ دیا جاتا تو چراغ تو رات میں جلایا جاتا ہے اگر دن میں کسی کو ہدایت کی ضرورت ہوتی تو کہاں جاتا؟ اس لیے نبی کو سراج کہا گیا کہ اگر دن میں کسی کو ضرورت پڑے تو نبی دن میں سورج بن کر اسے ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور اگر رات میں اسے ہدایت کی ضرورت پڑے تو نبی چراغ بن کر رات میں اس کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔

نبی کی تعلیمات کی موجودگی میں دوسروں کی بات ماننا، سورج کی موجودگی میں چراغ دکھانے کے مترادف ہے، اس میں جہاں اس آدمی کی حماقت ظاہر ہوتی ہے وہیں سورج کی توہین بھی معلوم ہوتی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحْتُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾

مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے اُن کو ہاتھ لگانے (یعنی اُن کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دیدو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ اُن سے عدت پوری کراؤ اُن کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر اچھی طرح سے رخصت کردو۔ (۴۹)

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحْتُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ﴾

﴿فَمَتِّعُوهُنَّ الخ﴾ اگر دخول سے پہلے طلاق دیدی ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، اور اپنی حیثیت کے مطابق سامان ہی "متاع" ہے، یہ آیت "متاع" کے مفہوم کو متعین کر دیتی ہے اور غیر مدخولہ مطلقہ بغیر عدت گذارے فوری بھی کہیں نکاح کرسکتی ہے البتہ دخول سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا تو چار مہینے دس دن عدت گذارنا ہوگا۔

متاع: قرآن نے دنیا کی پونجی کو "متاع" کہا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿إِنَّمَا هَٰذِهِ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا مَتَاعٌ﴾ (سورہ غافر: ۳۹) اسی وجہ سے مطلقات کے سلسلے میں جو "متاع" کا حکم ہے وہ عارضی نفع کی چیز ہے نہ کہ مستقل، مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی کا تنازعہ اگر طلاق پر منتج ہوجائے تو بجائے چیخ وپکار اور بدتمیزی کرنے کے وہ دونوں خوش اسلوبی سے ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور شوہر قانونی حق پورا کرنے کے ساتھ اس کی دلجوئی کی خاطر کوئی چیز بطور تحفہ دے، اسی عارضی تحفے کا نام "متاع" ہے، اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کا رشتہ کوئی پیدائشی رشتہ نہیں ہوتا، کیونکہ پیدائشی طور پر کوئی عورت کسی کی بیوی نہیں اور کوئی مرد کسی کا شوہر نہیں ہوتا، بلکہ یہ رشتہ ایک اجنبی مرد اور ایک عورت کے درمیان عقد نکاح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے، جس طرح دو دھاگے باہم ایک دوسرے کے ساتھ گانٹھ لگا دینے سے جڑ جاتے ہیں اور جب یہ گانٹھ کھول دی جائے تو دونوں الگ الگ ہوجاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مرد عورت جب تک نکاح کے بندھن میں بندھے رہتے ہیں تو شوہر بیوی

Scanned by CamScanner

رہتے ہیں اور جب یہ بندھن کھول دیا جائے تو رشتۂ زوجیت ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا بیوی بیوی نہیں رہ جاتی اور شوہر شوہر نہیں رہ جاتا، گویا دونوں ایک دوسرے کے لیے پہلے کی طرح اجنبی ہو گئے، اب بھلا بتایئے ایک اجنبی عورت ایک اجنبی آدمی سے نفقہ پانے کی کس طرح مستحق ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوا کہ مطلقہ مبتوتہ شوہر سے نفقہ پانے کی قطعاً حقدار نہیں ہوتی۔

﴿فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ زن وشوئی کا تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق ہو گئی تو عدت نہیں۔ اگر مہر متعین تھا تو آدھا دیا جائے گا اور اگر متعین نہیں تھا تو رخصتی ہدیہ پر اکتفا کیا جائے گا۔

عدت کا فلسفہ یہ ہے کہ حمل کا حال معلوم ہو جائے، اگر عورت فوراً نکاح کرلے تو معلوم نہ ہوگا کہ یہ خاوند کا حمل ہے یا دوسرے کا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳

مومنو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کیلئے اجازت دی جائے اور اُس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے لیکن جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں (اور کہتے نہیں) لیکن اللہ سچی بات کے کہنے کے سے شرم نہیں کرتا اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو یہ تمہارے اور اُن کے دونوں کے دلوں کیلئے بہت پاکیزگی کی بات ہے اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر الٰہی کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑا (گناہ کا کام) ہے۔ (۵۳)

زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف لائے جن میں کچھ لوگ کھانے کے بعد بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے جس سے نبی ﷺ کو خاصی تکلیف ہوئی، تاہم اخلاقاً آپ نے انھیں جانے کے لیے نہیں کہا، اس آیت میں دعوت کے آداب بتائے گئے ہیں، اولاً تو بغیر بلائے کھانے کے لیے مت آؤ اور کھانا کھا چکو تو اپنے اپنے گھر چلے جاؤ، ضرورت کی حد تک رکو۔ وہاں بیٹھے ہوئے گفتگو کا ایسا سلسلہ نہ چھیڑ دو جو کبھی ختم نہ ہونے والا ہو، اور بلا اجازت گھر

Scanned by CamScanner

میں داخل نہ ہو، کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ غیر مہذب عادت ہے کہ آدمی کسی کے کھانے کے وقت اس کے گھر پر پہونچے۔ کیونکہ اگر صاحب خانہ کہے کہ یہ میرے کھانے کا وقت ہے تو بے مروتی ہے۔ اور اگر کھلائے تو کتنے آدمیوں کو کھلائے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی اُن پر درود اور سلام بھیجا کرو۔ ۵۶۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں اُن پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کیلئے اُس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۵۷)

قَالَ أَبُو العَالِيَةِ رحمه الله: صَلَاةُ اللهِ: ثَنَاؤُهُ عَلَيْهِ عِنْدَ المَلَائِكَةِ، وَصَلَاةُ المَلَائِكَةِ الدُّعَاءُ (بخاری، کتاب التفسیر)

بخاری رحمہ اللہ نے ابو العالیہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ ''اللہ کے درود'' سے مراد فرشتوں کی محفل میں نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر ہے اور فرشتوں کے درود سے مراد آپ ﷺ کے لیے برکت کی دعا ہے۔

﴿صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

نکتہ عجیبہ: صلوۃ کے معنی رحمت کے مفہوم سے کہیں زیادہ بلیغ ہے ہاں اسکا سرچشمہ رحمت ہی ہے لیکن صلوۃ میں رحم کرنے کے ساتھ مرحوم پر عطف وخلو مائل ہونا اور جھکنا بھی ہے

لفظ آل میں اہل وعیال کے ساتھ وہ آدمی بھی شامل ہوتا ہے جو اس کا ہم خیال ہو اور اسکی پیروی کرنے والا ہو۔ مشبہ کا مشبہ بہ سے کم تر ہونا، متفق علیہ امر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام، محمد ﷺ سے افضل ہیں۔

جواب یہ ہے کہ آل ابراہیم علیہ السلام میں انبیاء بہت پائے جاتے ہیں جب کہ آل محمد ﷺ میں کوئی نبی نہیں پایا جاتا، پس جب محمد ﷺ کے لیے اور ان کی آل کے لیے انبیاء سمیت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام جیسا درود مانگا جائے گا تو آل محمد جو انبیاء کے درجے کے ہیں ان کو درود سے اتنا ہی حصہ ملے گا جو ان کے مناسب حال ہوگا، باقی ماندہ حصہ جو ابراہیم علیہ السلام سمیت سارے انبیاء کا حق ہے وہ صرف محمد ﷺ کو حاصل ہوگا۔

مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ مِنْ أُمَّتِكَ صَلَاةً كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ، وَمَحَا عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ، وَرَفَعَ لَهُ عَشْرَ دَرَجَاتٍ، وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَهَا (مسند احمد: ۵۲ ۱۶۳، ضعیف)

جو آپ پر درود بھیجے اللہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتا ہے اور دس برائیاں مٹاتا ہے اور دس درجات بلند کرتا ہے۔

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ

Scanned by CamScanner

الْجُمُعَةِ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ"، قَالَ: فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ: وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ، وَقَدْ أَرَمْتَ؟- قَالَ: يَقُولُونَ: بَلِيتَ- قَالَ: "إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمْ (ابوداود: ۱۰۴۷، صحیح)

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل دن جمعہ ہے۔ تو اس دن میرے اوپر کثرت سے درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، توصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو بوسیدہ ہو جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اس میں منکرین حدیث کا رد ہے، کہ قرآن میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم ہے، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم رسول نے دیا ہے، اس کا قبول کرنا ہم پر ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ کے تحت فرض ہوا، اسی طرح قرآن میں نماز میں تشہد کا ذکر نہیں ہے، صرف قیام ورکوع وسجود کا ذکر ہے، نیز قرآن میں حائضہ عورت سے صوم وصلوٰۃ ساقط ہونے کا ذکر نہیں ہے، اگر حدیث کا انکار کر دیا جائے تو عورت پر واجب ہوگا کہ بحالت حیض ونفاس بھی صوم وصلوٰۃ کی پابند رہے، تشہد میں "السلام علیک ایھا النبیی" یعنی نبی پر سلام بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے نیز درود تاج اور درود ملوان وغیرہ بعد والوں کے اضافے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔

(بخاری کتاب التفسیر: ۴۸۲۶)

جاہلیت والے کہتے تھے ہائے زمانے کی بربادی اس نے ایسا ایسا کیا اور آج کہا جاتا ہے کہ میرا وقت خراب چل رہا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا مذاق اُڑانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کا احترام نہ کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (منہ) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں یہ اَمر ان کیلئے موجبِ شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی اُن کو ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۵۹)

پردے کی حکمت:

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ اس آیت کریمہ میں پردے کی حکمت اور فائدے کا بیان ہے کہ

Scanned by CamScanner

پردے سے ایک باحیا اور بے حیا عورت کے درمیان پہچان ہوگی، ایک باحیا عورت سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت کسی کو نہ ہوگی، اس کے برعکس بے پردہ عورت، اوباش مردوں کی چھیڑ چھاڑ اور اس کی بوالہوسی کا نشانہ بنے گی۔

چہرہ کا پردہ:

﴿عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ لفظ علیٰ دلیل ہے کہ چہرہ پردہ میں داخل ہے، لٹکانے میں چہرے کے پردے کا معنی خود بخود نکل آتا ہے، اور عقلی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو عورت کی زینت سب سے زیادہ چہرے ہی میں ہوتی ہے، لہٰذا چہرے کے لیے حجاب ضروری ہے، نیز معرفت (Identity) چہرے ہی سے ہوتی ہے لہٰذا چہرہ پردے میں داخل ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ﴾ جلباب ڈال لیا کریں تاکہ شرپسند عناصر چھیڑ چھاڑ نہ کر سکیں، ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ﴾ تاکہ وہ پہچان لی جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ پردہ ایک باعفت خاتون کی پہچان (Identity) ہے، ﴿فَلَا يُؤْذَيْنَ﴾ پتہ چل جائے گا کہ وہ بدکردار نہیں ہے، تو کوئی اسے چھیڑے گا نہیں۔

مثال: ایک لڑکی حجاب میں ہے اور دوسری لڑکی منی اسکرٹ میں، اوباشوں کی نظریں بے حجاب لڑکی ہی کو گھوریں گی۔

عن ابن سيرين رحمه الله قال: سألت عبيدة عن قوله ﴿قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ قال: فقال بثوبه، فغطى رأسه ووجهه، وأبرز ثوبه عن إحدى عينيه (تفسیر طبری: ۲۰/۳۳۵)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ سے ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ کا مطلب پوچھا تو انھوں نے اپنے سر اور چہرے کو چھپا لیا اور ایک آنکھ کھول لی۔

﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ﴾ نمائش کے بغیر نکلنا اعلان ہے کہ وہ ضرورت کے تحت نکلی ہے، تفریح کے لیے نہیں، انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ۵ ہجری میں پردہ کا حکم ہوا، اس وقت میں پندرہ سال کا تھا۔

﴿بَنٰتِكَ﴾ لفظ بَنٰتِكَ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی بیٹیاں تھیں، اس سے شیعوں کا رد ہوا، جو صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۰

اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو (مدینے کے شہر میں) بُری بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تمہیں اُن کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہاں تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔ (۶۰)

اسی سے "رجفة" ہے۔ جس کا معنی زلزلہ اور حرکت کا شدید اضطراب ہے۔ یہاں ﴿مُرْجِفُوْنَ﴾ سے مراد سنسنی خیز

جھوٹی خبریں پھیلانے والے ہیں، کبھی یہ کہتے ہیں کہ مدینہ پر حملہ ہونے والا ہے، کبھی یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا جو دستہ بھیجا گیا تھا وہ شکست کھا کر بھاگ پڑا یا مارا گیا، یہ کام مدینہ کے منافقین کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والے اور غلط سنسنی خیز خبریں پھیلانے والے گروہ منافقین میں سے ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾

اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو اُنہوں نے ہم کو رستے سے گمراہ کر دیا۔ (٦٧)

آنکھیں بند کر کے کسی کی تقلید جائز نہیں۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

اے ہمارے رب! ان کو دُگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔ (٦٨)

آج اپنے قائدین پر تعریف کے ڈونگرے برسا رہے ہیں کل ان پر لعنت کریں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾

مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو اللہ نے اُن کو بے عیب ثابت کیا اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔ (٦٩)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: ”كَانَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجُلًا حَيِيًّا، قَالَ فَكَانَ لَا يُرَى مُتَجَرِّدًا، قَالَ فَقَالَ: بَنُو إِسْرَائِيلَ: إِنَّهُ آدَرُ، قَالَ: فَاغْتَسَلَ عِنْدَ مُوَيْهٍ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ، فَانْطَلَقَ الْحَجَرُ يَسْعَى، وَاتَّبَعَهُ بِعَصَاهُ يَضْرِبُهُ: ثَوْبِي، حَجَرُ ثَوْبِي، حَجَرُ حَتَّى وَقَفَ عَلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَنَزَلَتْ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللهِ وَجِيهًا﴾ (مسلم، کتاب الحیض: ٣٣٩)

موسیٰ علیہ السلام بڑے شرمیلے تھے، انھیں کبھی عریاں نہیں دیکھا جاتا تھا، بنی اسرائیل نے کہا کہ وہ آدر (عظیم الخصیتین) ہیں، ایک دفعہ وہ نہا رہے تھے تو جس پتھر پر انھوں نے کپڑا رکھا تھا وہ پتھر ان کا کپڑا لے کر بھاگنے لگا، موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ اے پتھر میرا کپڑا! اے پتھر میرا کپڑا! اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اندر وہ عیب نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بند حمام میں آدمی عریاں نہا سکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔(۷۰) وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔(۷۱)

اصلاح کے دو طریقے:

(۱) تقویٰ (۲) قول سدید

پہلے کا تعلق قلب سے ہے دوسرے کا زبان سے، قلب و زبان درست ہو جائیں تو اعمال درست ہو جائیں۔ ﴿سَدِيْدًا﴾ "تسدید السھم" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے تیر کو سیدھا کرنا تا کہ وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھے، یہ لفظ لا کر یہ بتایا گیا کہ زبان سے نکلنے والے الفاظ تیر کی طرح ہوتے ہیں، نکل گئے تو پھر واپس نہیں ہوتے، للہذا زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، خانگی زندگی میں بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ اسی تسدید کا نہ ہونا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾

ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین کو پیش کیا تو اُنہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔(۷۲)

یہاں امانت سے مراد اختیاری اطاعت اور تکالیف شرعیہ (فرائض و اجبات) ہیں، جن کے کرنے پر ثواب ہے اور نہ کرنے پر عذاب۔ اس بارِ امانت کو اٹھانے سے آسمان وزمین اور پہاڑ ڈر گئے، عبادت و طاعت ایک تکلیف ہے اور تکلیف خلاف طبیعت کام پر مامور ہونے پر ہوتی ہے، اس قسم کی تکلیف اٹھانے کی صلاحیت آسمان وزمین اور پہاڑوں میں نہ تھی، آسمان سے خلاف طبع کام جو ھبوط (اوپر سے نیچے آنا) ہے نہیں ہوسکتا اور صعود (نیچے سے اوپر جانا) زمین سے نہیں ہوسکتا اور حرکت پہاڑوں سے نہیں ہوسکتی، مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا، اب جو طاعت بجا لایا اس نے امانت ادا کر دی جس نے ادا نہ کی وہ ظلوم وجہول ہے، ظلوم اس لیے کہ اس نے استعداد کو خلافِ بات میں صرف کیا، جہول اس لیے کہ اس نے استعداد کے غلط استعمال کا نتیجہ نہیں جانا یا اپنے علم پر عمل نہ کیا یا اس سے کچھ ثمرہ نہ اٹھایا، یا بارِ امانت اٹھانے کے بعد ظالم اس اعتبار سے ہے کہ وہ اللہ کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور جاہل اس اعتبار سے ہے کہ اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا اور انجام سے بے خبر ہو کر آزادانہ زندگی بسر کرتا ہے، جو طاعت بندوں پر فرض کی گئی وہ واجب الادا ہے، اس وجہ سے اس کو امانت کہا گیا۔ "عھد

Scanned by CamScanner

الست" میں "بلیٰ" کہہ کر جس بات کو انسان نے قبول کیا ہے، وہ امانت ہے بالفاظ دیگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایک امانت ہے، جس کو ایمان لا کر تم نے قبول کیا ہے، لہٰذا اللہ کی امانت (عہد اطاعت) کی حفاظت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اس کا حق ادا کرو، تا کہ مورد عنایات الٰہی بنو اور اس کو ضائع کر کے مستحق عذاب نہ بنو۔

﴿ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ ظلوم اور جہول دونوں الفاظ بظاہر منقصت (توہین) پر دلالت کرتے ہیں، مگر اہل ذوق جانتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ کمال لطف و عنایت پر مبنی ہیں۔ کہ اے انسان اگر چہ تو عدالت اور علم کے ساتھ بالفعل موصوف نہیں مگر تجھ میں عدل و انصاف اور علم و معرفت کی صلاحیت و قابلیت موجود ہے اور تو نے اپنی رضا و رغبت سے اس بار امانت کو اٹھایا ہے۔

❀❀❀

سورة سبأ (مكية)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ②

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے (جو سب چیزوں کا مالک ہے یعنی وہ) کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے سب اُسی کا ہے اور آخرت میں بھی اُسی کی تعریف ہے اور وہ حکمت والا اور خبردار ہے۔ (۱) جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اُس میں سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اُس پر چڑھتا ہے سب اُس کو معلوم ہے اور وہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے۔ (۲)

﴿یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ﴾ جو چیزیں زمین میں داخل ہوتی ہیں اور جو چیزیں نکلتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا علم رکھتا ہے۔

﴿اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ گھڑلیا ہے یا انھیں جنون ہو گیا ہے، یہ بات مشرکین، شک کی بنا پر کہہ رہے ہیں، انہیں یقین ہوتا تو ایک بات کہتے، افتراء اس کذب (جھوٹ) کو کہتے ہیں جو بالقصد ہو اور کذب عام ہے خواہ وہ بالقصد ہو یا بلا قصد دونوں کذب کی صورتیں ہیں، یعنی کذب ہر اس خبر کو کہتے ہیں جو واقع کے خلاف ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ⑩

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان

کا مسخر کر دیا) اور اُن کیلئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ (۱۰)

فضل سے مراد اچھی آواز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اچھی آواز بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

وہ جو چاہتے ہیں یہ اُن کیلئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں۔ اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔ (۱۳)

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ شکر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شکر عملی۔ (۲) شکر قولی۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

پھر جب ہم نے اُن کیلئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے اُن کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو اُن کے عصاء کو کھاتا رہا جب عصاء گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ (۱۴)

﴿فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ﴾ بڑے بڑے پتھروں کو اٹھانے کے لیے اس وقت کرین نہ تھے، یہ کام جنوں سے لیا جاتا تھا، سلیمان علیہ السلام نے جنوں کو کام کی تفصیل بتا دی، پھر اپنی عبادت گاہ میں جا کر اپنے عصا سے ٹیک لگا کر عبادت شروع کر دی، حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت کے لیے مہینوں تخلیہ کرتے تھے، اخیر مرتبہ عصا پر سہارا لے کر عبادت میں مشغول ہوئے، اسی حالت میں اللہ نے آپ کی روح قبض کر لی، جن عبادت گاہ کی کھڑکی سے سلیمان علیہ السلام دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ عبادت میں مشغول ہیں، آخر چار ماہ یا اس سے کم وبیش عرصے میں دیمک نے آپ کے عصا کو چاٹ لیا تو آپ گر پڑے۔

دیمک: انقراض عمر (عمر کا کٹنا) اور منسأۃ (عصا) عمر و اقبال ہے۔ ہر ایک کی حیات میں وقت کی دیمک لگی ہوئی ہے۔ مگر ہر کوئی اس سے بے خبر ہے۔ "مِنْسَاَۃٌ، نسأتُ الغنم" (میں نے بکریوں کو بھگایا) سے ماخوذ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ڛ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

(اہلِ) سبا کے لیے اُن کے مقامِ بود و باش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور

Scanned by CamScanner

(ایک) بائیں طرف۔ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) اللہ بخشنے والا۔(۱۵)

سبا ایک مرد کا نام تھا،جس کے دس بیٹے تھے، چھ یمن میں اور چار شام میں بس گئے،اسی کے نام سے اس شہر کا نام پڑا،سبا کا دارالسلطنت ''مأرب'' تھا،اسی شہر میں وہ مشہور سد تھا جسے سدِ مأرب کہا گیا ہے،سدِ مأرب کی اونچائی ۱۶ میٹر اور چوڑائی ۶۰ میٹر اور لمبائی ۶۲۰ میٹر بتائی جاتی ہے،حمیر زبان میں لکھی ہوئی دستاویزات بتاتی ہیں کہ اس سد نے پورے علاقے کو انتہائی زرخیز بنادیا تھا، یہ یمن کے دارالسلطنت صنعا سے تین رات کی مسافت پر واقع تھا،یہ شہر دونوں طرف تین سو مربع میل میں پھیلا ہوا تھا،ان کے مکانات وادی میں تھے،جن کے دائیں بائیں دور تک پھلدار درختوں کے گھنے باغات تھے،کوئی شخص ان درختوں کے درمیان سے سر پر خالی ٹوکرا لے کر گزر جاتا تو ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا،اس وادی میں مکھی، مچھر، جویں، سانپ، بچھو اور دوسرے کیڑے مکوڑے نہیں پائے جاتے تھے۔ان کی بستی اور ملک شام کے درمیان شہروں اور بستیوں کا ایک سلسلہ قائم تھا، ہر دو بستی کے درمیان کی مسافت آدھے دن کی تھی، جب لوگ تجارت کے لیے نکلتے تو رات ایک بستی میں، دوپہر دوسری بستی میں گذارتے اور جہاں جاتے کھانے پینے کی فراوانی ہوتی،اس طرح چار ماہ کی مدت مسافت راحت کے ساتھ طے کرتے، اپنے ساتھ زادِ راہ نہ ڈھوتے۔انھوں نے اللہ کی اس نعمت کی ناشکری کی،ناشکری یہ تھی کہ وہ غرور میں آکر کہنے لگے کہ یہ کوئی سفر ہے کہ ہر تھوڑی مسافت پر ایک بستی پائی جاتی ہے،مزا تو اس وقت آتا جب چٹیل میدان اور پُر خطر وادیاں ہوتیں۔

﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ﴾ یہاں صفت غفور کیوں لایا گیا۔ماقبل میں ﴿وَاشْكُرُوْا لَهٗ﴾ ہے،اس کے لحاظ سے ''شکور'' لانا چاہئے تھا، جواب اس کا یہ ہے کہ بندوں کے اوپر اللہ نے جو نعمتیں نازل کی ہیں ان کے مقابل میں بندہ جو شکر ادا کرتا ہے ان نعمتوں کی بہ نسبت اس شکر کی کوئی اہمیت نہیں، کیونکہ اللہ ہماری بہت ساری ناشکریوں کو بخش دیتا ہے،آدمی زندگی بھر اپنے رب کا شکر ادا کرتا رہے تب بھی اس کا شکر نہیں ادا کر سکتا،وہ تو اللہ،غفور ہے جو تمہاری ناشکریوں کو نظر انداز کر دیتا ہے،لیکن جب اللہ ناشکری قوم کو سزا دینا چاہتا ہے تو اس سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

تو انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا پس ہم نے اُن پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں اُن کے باغوں کے بدلے ایسے دو باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔(۱۶)

اَلْعَرِم، عرِم الرجل (آدمی بدخلق ہوگیا) سے ماخوذ ہے۔حمیری زبان میں عرم ''بندھ'' کو کہتے ہیں، پتھروں اور

Scanned by CamScanner

یہاں جمع ہو جاتا تھا، اس ڈیم تارکول سے یہ بندھ دو پہاڑوں کے درمیان بنایا گیا تھا، بارش میں یمن کی ساری وادیوں کا پانی یہاں جمع ہو جاتا تھا، اس ڈیم میں اوپر نیچے ترتیب کے ساتھ تین دریچے تھے اور بندھ سے آگے ایک بڑا حوض بنا دیا گیا تھا، اس حوض میں پانی نکلنے کی بارہ موریاں بنائی گئی تھیں، ہر موری ایک دریا کے دہانے پر کھلتی تھی، ضرورت کے وقت جس موری کو چاہتے کھول لیتے تھے، اور جب سینچائی کی ضرورت پوری ہو جاتی تو اس کو بند کر دیتے تھے۔ پہلی کھڑکی کھولی جاتی اس سے پانی نکل کر حوض میں آجاتا تھا، ضرورت ہوتی تو درمیانی کھڑکی کھول دی جاتی پھر اگر ضرورت ہوتی تو نچلا دریچہ کھول دیا جاتا تھا، اس طرح بندھ کا پانی ختم نہ ہونے پاتا کہ دوسرے سال کی برسات کا پانی آکر اس میں جمع ہونے لگتا اور سیل عرم سے مراد سخت بارش کا سیلاب ہے، جس کی وجہ سے پانی، ڈیم کے اوپر سے بہنے لگا اور مسلسل دباؤ کی وجہ سے بند ٹوٹ گیا اور ٹوٹ کر باغوں اور کھیتوں میں گھس پڑا، شدید موجوں سے مکانات غرقاب ہو گئے، آب پاشی کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا، سارے باغات تہس نہس ہو گئے۔ ان کی انجینئر نگ کچھ کام نہ آئی۔

﴿ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴾ "خمط" ہر اس بوٹی کو کہتے ہیں جس کا مزہ تلخ ہو، اور اکل خمط کا مطلب "بدمزہ پھل" ہے اور اصل جھاؤ (Tamarisk) کو کہتے ہیں، یعنی اس طوفانی سیلاب کے بعد کچھ جھاؤ کے اور کچھ سدرہ کے درخت ہی باقی رہ گئے، سدرہ کا مطلب بیری کا درخت ہوتا ہے۔، اس کی دو قسمیں ہیں عمدہ بیری اور ایک جھر بیری، جو انتہائی کڑوی اور کسیلی ہوتی ہے، یہاں وہی مراد ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

کہہ دیجیے کہ جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ بھی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ (۲۲)

کوئی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے یا اس میں شریک ہوتا ہے یا اس میں معاون ہوتا ہے، اس آیت کریمہ میں غیر اللہ سے ان تینوں چیزوں کی نفی کر دی گئی ہے، کہ اللہ کے علاوہ آسمان اور زمین کا کوئی مالک نہیں، نہ ان میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی مددگار ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اس کائنات میں فلاں فلاں کو بعض اختیارات حاصل ہیں، یہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے، اس لیے کہ اس نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ اس نے فلاں فلاں کو کوئی اختیار دیا ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

کہہ دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا اور صاحبِ علم ہے۔ (۲۶)

Scanned by CamScanner

﴿فتاح﴾ کا مطلب ہے فیصلہ چکانے والا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔(۳۹)

جس چیز کا خرچ کم ہو اس کی پیداوار گھٹ جاتی ہے اونٹ، گائے، بکری وغیرہ جتنے کام آتے ہیں، اتنی ہی ان کی پیداوار بڑھتی ہے، جب کہ کتے اور بلیوں کی نسل کو دیکھئے کہ یہ کئی کئی بچے پیدا کرتے ہیں، تو ان کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے لیکن ایسا نہیں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾

کہہ دیجیے کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو تمہارے رفیق کو سودا نہیں وہ تمہیں سخت عذاب (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرنے والے ہیں۔(۴۶)

انسان کی دو حالتیں ہیں:

(۱) تنہا غور و فکر کرنا یہ ﴿بِوَاحِدَةٍ﴾ سے معلوم ہوا۔

(۲) چند اشخاص کا مل کر غور و فکر کرنا یہ ﴿اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ﴾ سے معلوم ہوا

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ﴾ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایک شاندار استدلال ہے، کہ آپ کہہ دیجئے میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، کیا میں دیوانہ ہوں، نہیں! تو عاقل ایسی جھوٹی بات کا مدعی کیسے ہو سکتا ہے جس سے اس کو دنیا کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہو بلکہ اسے سیکڑوں مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾

کہہ دیجیے کہ میں نے تم سے کچھ صلہ مانگا ہو تو وہ تم ہی کو (مبارک رہے) میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔(۴۷)

Scanned by CamScanner

دوسرے ﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ﴾ اس کے بدلے میں، میں کچھ مانگتا نہیں۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

ان میں اوران کی خواہش کی چیزوں میں پردہ حائل کردیا گیا جیسا کہ پہلے ان کے ہم جنسوں سے کیا گیا وہ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے۔ (۵۴)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ شَرِبَ مَاءً بَارِدًا فَبَكَى، فَقِيلَ لَهُ: مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: ذَكَرْتُ آيَةً فِي كِتَابِ اللهِ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ فَعَرَفْتُ أَنَّ أَهْلَ النَّارِ لَا يَشْتَهُونَ إِلَّا الْمَاءَ الْبَارِدَ وَقَالَ اللهُ: أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ (تفسیر ابن ابی حاتم) (الزهد لأحمد بن حنبل: ٦٨٢)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک دن ٹھنڈا پانی پی رہے تھے اچانک دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، پوچھا گیا کیوں رو رہے ہو؟ کہا قرآن کی ایک آیت ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ الخ﴾ یاد آ گئی، کہنے لگے کہ میں جان گیا کہ جہنمی ٹھنڈے پانی ہی کی خواہش کریں گے اس لیے اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ﴾ (تفسیر ابن ابی حاتم)

نکات سورہ سبا

﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

(اور کافروں نے کہا کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئے گی، آپ فرما دیجیے! ہاں میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی، میرا رب عالم الغیب ہے، اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی چیز مگر کتاب مبین میں موجود ہے)

﴿لَا يَعْزُبُ﴾ (غائب نہیں) یہ صفات سلبیہ میں سے ہے، صفات ثبوتیہ صفات کمال ہیں اور صفات سلبیہ، صفات کمال کی تاکید ہیں۔

﴿فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ اس میں اللہ کے علم کامل کا اثبات ہے کیونکہ کتابت بغیر علم ممکن نہیں۔

﴿لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ خطاب کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اس میں صراحت ہو کہ نبی کے ساتھ امت بھی مراد ہے۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ﴾ (طلاق:۱)

(۲) صراحت ہو کہ نبی کے ساتھ خاص ہو۔ مثال ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (انشراح:۱)

(۳) کوئی دلالت یا قرینہ نہ پایا جائے کہ یہ خطاب نبی کو ہے یا امت کو ہے۔

Scanned by CamScanner

بلاغیوں نے خبر کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) آدمی خالی الذہن ہو تو ''تاکید'' کی ضرورت نہیں۔

(۲) متردد ہو تو ''تاکید'' مستحسن ہے۔

(۳) منکر ہو تو ''تاکید'' واجب ہے۔

﴿لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ عمل صالح دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) الاِخْلاصُ لِلّٰهِ۔

(۲) مُتَابَعَۃُ الرَّسُول۔

اگر ان دونوں میں ایک نہ رہے تو عمل صالح نہ ہوگا بلکہ مردود ہوگا۔

متابعۃ الرسول کے لیے چھ شرطیں ہیں:

(۱) سبب (۲) جنس (۳) قدر (۴) کیفیت (۵) زمان (۶) مکان

﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ﴾ کشادہ لمبی زرہیں بناؤ جو زمین پر گھسٹتی چلیں۔

﴿وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ کڑیاں اور کیلیں خاص تناسب سے بناؤ۔ ﴿سردٌ﴾ کا مطلب کھال کو سینا ہے یہاں زرہ بُننا مراد ہے۔

﴿يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾ اے پہاڑو! مع پرندوں کے داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھو۔

﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ ہم نے ان (داؤد علیہ السلام) کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، آپ کے ہاتھ میں آتے ہی لوہا موم کی طرح ہو جاتا تھا۔

﴿غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ (اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کیا، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا اور اس کا شام کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا) صبح سے زوال تک اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے برابر تھی اور زوال سے مغرب تک اس کی رفتار ایک ماہ کے برابر تھی۔

﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔

﴿وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ حکم رب سے جن آپ کی خدمت میں کام کرتے تھے۔

﴿يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ﴾ جن ان کے لیے محاریب یعنی مضبوط فصیلوں والی بلند عمارتیں بناتے تھے، جواب، جابیۃ کی جمع ہے جس کے معنی بڑے حوض کے ہیں، جفان، جَفْنَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی ''حوض جیسے بڑے بڑے لگن'' ہیں۔ اور ''قدورِ راسیات'' کا مطلب ''ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں'' ہیں۔ تماثیل، تمثال کی جمع ہے۔ ''فکل ماصور علی مثال شیئ آخر فانہ یقال تمثال لہ'' ہر وہ چیز جو کسی دوسری چیز کی

صورت پر بنالی جائے تو اسے تمثال کہا جاتا ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ "لم یکن اتخاذُ الصور حراماً فی شریعته" کہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصویریں بنانا حرام نہ تھا۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا کہ ضروری نہیں کہ یہ جانداروں کی تصویریں رہی ہوں، ہوسکتا ہے کہ یہ درختوں اور دیگر بے جان چیزوں کی تصویریں رہی ہوں جیسے تلوار کی صورت، محل کی صورت کھجور کے درخت وغیرہ کی صورت۔

﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ "القِيامُ بِطاعَةِ المُنْعِمِ فی القَلْبِ واللسانِ والجَوارحِ" دل، زبان اور اعضاء بدن سے محسن ومنعم کی اطاعت کرنا "شکر" ہے۔

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ﴾ ہر زندہ کو مرنا ہے چاہے وہ کتنی بڑی حکومت کا مالک ہو۔

﴿مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ﴾ چیز کی اضافت "سبب معلوم" کی طرف کی جاسکتی ہے۔

﴿دَآبَّةُ الْاَرْضِ﴾ اللہ کی سنت یہ ہے کہ معمولی چیز سے غیر معمولی نتیجہ برآمد ہوجاتا ہے۔

﴿سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ عرم کے معنی "سد" کے ہیں۔ یہ "اضافة الصفت الی الموصوف" کی قبیل سے ہے یعنی السیل العارم، اس واقعہ میں درس یہ ہے کہ معاصی زوال نعمت کا سبب ہیں۔

"السَّيْلُ هُوَ اجْتِماعُ المَطَرِ حتّٰى يتدَفَّقَ" بارش کا پانی جمع ہوکر پھوٹ نکلے تو اسے سیل کہتے ہیں۔

﴿لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ﴾ رات اور دن کبھی بھی سفر کرو، کوئی خوف نہ تھا، مگر اس نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے انھوں نے ﴿رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ (اے ہمارے رب! ہمارے سفروں میں دوری پیدا کردے) کہا، جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ (سورہ بقرہ:۶۱) (ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کرسکتے) جب کہ انہیں من وسلویٰ بلا محنت کے مل رہا تھا۔

﴿فَاتَّبَعُوْهُ﴾ ابلیس تمام گمراہوں کا امام ہے اور سارے گمراہ اس کے مقتدی ہیں۔

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾

(۱) کسی چیز کا مستقل مالک

(۲) ملکیت میں شریک ہو۔

(۳) مستقل مالک نہ ہو، ملکیت میں شریک بھی نہ ہو بلکہ معاون ومددگار ہو۔

(۴) سفارشی ہو، اس آیت میں غیر اللہ سے ان چاروں چیزوں کی نفی کردی گئی ہے تو مشرکین کا ہر وسیلہ اور سہارا ختم ہوگیا۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾

﴿كَبِيْرُ﴾ عظیم سے عام ہے۔ کبیر کا معنی ذوالکبریاء ہے اور اس کا معنی ہے "لا يُماثِلُهُ شَيئٌ فی ذاتِهِ"۔ اس کی ذات میں کوئی چیز اس کا مماثل نہیں، جیسے ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک ہتھیلی میں ہوں اور دوسری ہتھیلی میں رائی کا ایک دانہ ہو، اور تمام مخلوقات اللہ کے مقابلے میں "لیس بشیئی" (کچھ نہیں) ہیں۔ یہ "تمثیل علی سبیل التَّقْريب" ہے

Scanned by CamScanner

ورنہ اللہ اعظم واجل ہے، کسی مخلوق کو اس سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔

﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اس آیت میں غور کرو۔ پورے انصاف کی بات کہی گئی ہے۔ یہ نہیں کہا گیا میں ہدایت پر ہوں اور تم گمراہی پر ہو بلکہ کہا گیا کہ یا تم حق پر ہو یا میں حق پر ہوں یا تو میں حق پر ہوں اور تم باطل پر ہو۔

یہ مناظرہ کے باب میں "سبر" اور "تقسیم" ہے۔ "سبر" کا معنی (تَتَبُّع الشیئی) ہے۔ "والتقسیم یعنی الترديد بين هذا او هذا"۔ ﴿وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ یعنی ہم میں سے ہر ایک کی حالت دو حال سے خالی نہیں، ہدایت یا گمراہی اور وہ یا تو ہمارے لیے ہے یا تمہارے لیے ہے، یہاں تیسری کوئی چیز نہیں، "نحن على الهدى وانتم على الضلال۔ نحن على الضلال وانتم على الهدى"۔ ہم ہدایت پر ہیں اور تم ضلالت پر ہو، ہم ضلالت پر ہیں اور تم ہدایت پر ہو۔

﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ (مریم:۷۸)

(کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے یا رحمن سے کوئی عہد لے رکھا ہے) غیب پر مطلع ہو گیا اور جان لیا کہ اسے مال اور اولاد ملے گی؟ اللہ نے اسے بتایا ہے اور عہد کر لیا کہ وہ اسے مال و اولاد دے گا؟ یعنی یا تو علم غیب ہے یا عہد من اللہ ہے۔ پھر ﴿كَلَّا﴾ (ہرگز نہیں) کہہ کر دونوں کا رد کر دیا کہ یہ بھی نہیں اور وہ بھی نہیں۔ باقی کیا بچا؟ باقی بچا کہ یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾

(ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے) سوال یہ ہے کہ جس تک رسالت نہیں پہنچی اس کا کیا حکم ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر وہ حق کی تلاش میں کوتاہی کرنے والا ہے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں اور اگر کوتاہی کرنے والا نہیں ہے اور رسالت کے بارے میں اس کے پاس کوئی چیز نہیں پہنچی تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

﴿قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ عذاب کا ایک وقت مقرر ہے کسی کے جلد طلب کرنے سے عذاب جلدی سے نہیں آتا اور مؤخر کر دینے کی درخواست سے وہ مؤخر نہیں ہوتا۔

نکتہ عجیبہ: ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (انہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے) گویا وہی عمل ہی بدلے میں دے دیا جائے گا یہ اسلوب عدل میں زیادہ بلیغ ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، کسی پر روزی تنگ کر دیتا ہے اور کسی پر کشادہ کر دیتا ہے، اللہ نے اپنے فعل کو اپنی مشیت سے مقید کیا ہے اور اللہ کی مشیت محض مشیت نہیں بلکہ وہ حکمت سے مربوط ہوتی ہے، اس کی حکمت مقتضی ہوتی ہے، تو رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور حکمت مقتضی ہوتی ہے تو روزی تنگ کر دیتا ہے۔

﴿بِمَا عَمِلُوْا﴾ جنت عمل کا عوض نہیں بلکہ اس کا سبب ہے۔ یہاں "ب" سببیہ ہے۔ باء معاوضہ نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ﴾ کافر کو دنیا میں کتنی ہی نعمتیں حاصل ہو جائیں وہ قلبی الم اور عذاب میں رہتا ہے کیونکہ وہ دنیا سے آسودہ ہی نہیں ہوتا اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے چلے جانے کا خوف بھی رہتا ہے اور جو اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اسے پانے کی طلب میں ہمیشہ غمزدہ رہتا ہے۔

﴿مُحْضَرُوْنَ﴾ ایسا نہیں کہا کہ وہ عذاب میں حاضر ہوں گے بلکہ یہ کہا گیا کہ وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ اس سے ذہن میں جو منظر ابھرتا ہے وہ خوفزدہ کرنے کے لیے کافی ہے، جیسے حاضر، غائب کی ضد ہے، گویا، مجرمین، جرم کر کے غائب ہونا چاہ رہے تھے مگر انھیں راہ فرار نہ ملی اور انہیں پکڑ کر عذاب میں حاضر کر دیا گیا جیسا کہ اللہ نے فرمایا۔

﴿سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ "السحر فی اللغة۔ الشی الخفی الذی یخفی امرہ وسببہ، وسمی سحرا المطابقتہ السحر وھو آخر اللیل، لان آخر اللیل تقع فیہ الاشیاء خفیۃً لکون الناس مستترین فی بیوتھم"۔ لغت میں سحر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا معاملہ اور سبب چھپا ہوا ور سحر (رات کا آخری پہر) سے اس کی موافقت کی وجہ سے اسے سحر کہا جاتا ہے، چونکہ رات کے آخری پہر میں لوگ اپنے گھروں میں پوشیدہ ہوتے ہیں اس وجہ سے رات کے آخری پہر میں چیزیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

﴿اِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾ تراشیدہ جھوٹ۔

﴿مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾ "افک" کا معنی ہے کسی چیز کو صحیح رخ سے پھیر دینا، الٹ دینا، الزام لگانا۔ "افتراء" کسی کے متعلق جھوٹی بات کہنا افتراء ہے۔ منکرین نے اس میں رسول پر طعن کیا، قرآن پر طعن کیا اور اللہ پر بھی طعن کیا۔

(۱) قرآن کو جھوٹ کہا۔

(۲) رسول کو کاذب (جھوٹا) کہا۔

(۳) نبی کو جھوٹا کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ نبی، اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے۔

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ﴾ اس میں نبی کی تحقیر کی گئی۔ ﴿هٰذَا﴾ استعمال کیا گیا جو موجود کے لیے آتا ہے، اگرچہ آپ غائب تھے دوسرے رجل نکرہ لائے۔ گویا نبی اجنبی شخص ہیں اور وہ انہیں جانتے ہی نہیں۔

﴿يُرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ﴾ اس کا کام اصلاح کا نہیں ہے، وہ بس اس چیز سے روک رہا ہے جس کی عبادت تمہارے آباء واجداد کرتے تھے۔

﴿عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ﴾ کہا عما کنتم تعبدون نہیں کہا اس میں ان کی حمیت وغیرت کو ابھارنا ہے کہ دیکھو یہ تمہارے آباء واجداد کو غلط ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔

﴿اِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾

(۱) رسول پر طعن کیا کہ اس کا مقصد اصلاح نہیں۔

Scanned by CamScanner

(۲) قرآن پر طعن کیا کہ یہ ﴿اِفۡكٌ مُّفۡتَرًى﴾ (تراشیدہ جھوٹ) ہے۔

(۳) اللہ پر طعن کیا کیونکہ قرآن اللہ نے اتارا اور اسی نے محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا اور تائید کر رہا ہے کہ یہ نبی برحق ہے اور جو کچھ اتارا جا رہا ہے وہ بھی برحق ہے۔

﴿سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ﴾ کھلا ہوا جادو کہا، کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ جادو ہے، لہٰذا اس کے بارے میں بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿وَمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ يَّدۡرُسُوۡنَهَا﴾ یہاں کفار کے دعویٰ کا رد کیا گیا ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو جھٹلایا تو آپ کی تکذیب میں انھوں نے کسی علم کا سہارا نہیں لیا ہے، نہ کتابوں سے، نہ وحی سے، کہ کتابوں کو پڑھتے اور جان لیتے کہ جو آپ کہہ رہے ہیں وہ کتابوں کے مخالف ہے اور نہ تو ان کے پاس کوئی نذیر آیا جس نے ان کو خبردار کر دیا کہ محمد ﷺ جو کچھ لائے ہیں وہ جھوٹ ہے لہٰذا ان کی اطاعت نہ کرنا، تو جب کتابیں یہ بیان نہیں کرتیں کہ آپ باطل پر ہیں اور نہ کسی نبی نے انہیں بتایا ہے تو ان کا دعویٰ سراسر باطل ٹھہرا، اس لیے کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔

﴿وَكَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ فَكَذَّبُوۡا رُسُلِىۡ﴾ طاقت میں، طول عمر میں، کثرت میں ان کے مقابلے میں انھیں دسواں حصہ بھی نہیں ملا ہے۔ تو جب ان کو تباہ کر دیا گیا تو ان کی کیا اوقات ہے؟ اس میں نبی کے لیے تسلی اور جھٹلانے والوں کے لیے دھمکی اور ڈراوا ہے کہ جنھوں نے رسولوں کو جھٹلایا ان کے اوپر عذاب ضرور آئے گا۔

﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا﴾ یکسوئی کے ساتھ سوچو، ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کرو تو تصویر حق تمہارے سامنے آجائے گی کہ یہ رسول پاگل نہیں ہے، ان کی عقل، صحیح فہم، سلیم اور فکر درست ہے، اس کا انکار وہی کرے گا جو خود پاگل ہو یا محض عناد کا مظاہرہ کر رہا ہو، نیز کوئی عقلمند آدمی ایسا کام نہیں کرتا جس سے سارے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں، یہ اس وقت تک نہیں کرتا جب تک اسے اپنی حقانیت کا یقین نہ ہو جائے، کوئی عقلمند اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھاتا ہے تو بے مقصد اور فضول میں نہیں اٹھاتا، اس کے پیش نظر حصول منفعت یا دفع مضرت ہوتا ہے اور اس رسول کے پیش نظر یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں، کیونکہ دنیوی منفعت کے بارے میں آپ نے کہہ دیا "قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ من اجر"۔ رہا دفع مضرت تو یہ بھی ان کے پیش نظر نہیں کیونکہ ان کے دعوے سے سارے لوگ ان کے دشمن اور ان کے درپے آزاد ہو گئے ہیں۔

مسئلہ: کیا قرآن کے عوض میں اجرت لینا جائز ہے؟

جواب: جائز ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کو نکاح کا عوض بتایا اور عوضِ نکاح "اجر" ہے۔ حدیث "زوجتکها بما معک من القرآن" لیکن قرآن کی تعلیم اگر واجب ہے جیسا کہ اسلام کے شروع میں تھی تو اجرت لینا حرام ہے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا کہ امام و موذن کی تنخواہ، اذان اور امامت پر بیت المال سے دی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر کوئی اجر اوفیٰ (آخرت کا اجر) کو اجر ادنیٰ (دنیا کا اجر) کے مقابلے میں اختیار کرے تو یہ عزیمت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿يَقْذِفُ بِالْحَقِّ﴾ (انبیاء:۱۸) میرا رب حق کی چوٹ باطل پر لگاتا ہے اور باطل کو چکنا چور کر دیتا ہے، اس میں اسلام کو غالب کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے، روئے زمین پر کوئی گھر خواہ وہ مٹی کا ہو یا اون کا خیمہ ہو، ایسا نہ بچے گا جس کے اندر کلمۂ اسلام داخل نہ کردے خواہ عزت والے کی عزت کے ساتھ، یا ذلت والے کی ذلت کے ساتھ، یعنی جو لوگ اسلام قبول کریں گے اللہ ان کو عزت دے گا اور جو نہیں مانیں گے وہ ذلیل ہو کر کلمۂ اسلام کی اطاعت کریں گے۔

﴿وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ باطل نہ کرنے کا رہا، نہ دھرنے کا رہا، یعنی فنا ہو گیا، یہ عرب کا ایک اسلوب ہے جو کسی چیز کے عدم وجود یعنی نہ ہونے کا کنایہ ہے۔ "فَهُوَ مَوْجُوْد كَالْهَالِكِ" موجود تو ہے مگر حقیقت میں موجود نہیں ہے۔ یعنی "ان الباطل سيضمحل فلا يبقى له ظهور لا ابتداءً ولا اعادةً"

﴿اِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ سوال یہ ہے کہ اللہ جب عرش پر مستوی ہے تو وہ بندے سے قریب کیسے ہوا؟ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک قاعدہ بتایا ہے کہ "كُلُّ فِعْلٍ أَوْ وَصْفٍ تَحْمِلُ ضَمِيْرًا يَعُوْدُ الَى اللّٰهِ فَالْمُرَادُ بِهِ ذَاتُ اللّٰه" ہر فعل اور صفت جس میں ایسی ضمیر ہو جو اللہ کی طرف لوٹتی ہو تو اس سے مراد ذات اللہ (اللہ کی ذات) ہوتی ہے۔ پس وہ اللہ مع علوہ (اپنے بلند ہونے کے باوجود) قریب بذاتہ ہے۔

اور اس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقیدہ واسطیہ میں لکھا ہے "هُوَ عَلِيٌّ فِى دُنُوِّهٖ، قَرِيْبٌ فِى عُلُوِّهٖ" وہ بلند ہے اپنے قریب ہونے میں اور قریب ہے اپنے بلند ہونے میں، اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرب اور علو میں تناقض ہے یہ تناقض مخلوق کے حق میں تو ہو سکتا ہے مگر خالق کے حق میں یہ لازم نہیں آتا کیونکہ وہ ﴿ليس كمثله شيئ﴾ ہے۔ لہٰذا وہ ہر رات سماء دنیا پر اترتا ہے جب کہ وہ عرش پر مستوی ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ محال ہے، یہ مخلوق کی نسبت تو محال ہے مگر خالق کی نسبت محال نہیں، قرب اور علو کے جمع ہونے کی مثال مخلوقات میں پائی جاتی ہے کہ کوئی چیز بلند ہوتے ہوئے بھی قریب ہوتی ہے جیسے چاند کہ وہ بلند ہے، لیکن قریب ہے جیسے وہ آپ کے ساتھ ہو، یہ مثال تقریب الی الفہم کے لیے ہے ورنہ اللہ اس سے اعظم و اجل ہے۔

﴿فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ﴾ انسان کو چاہئے کہ غلطی کو اپنی طرف منسوب کرے، اور صحیح کو اللہ کی طرف منسوب کرے، کیونکہ وہ اللہ کی نعمت ہے اور ضروری ہے کہ ہم نعمت کو اس کے منعم کی طرف اور غلطی کو اپنی طرف منسوب کریں کیونکہ ہم اس کا سبب ہیں۔ اسباب موثر ہوتے ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں تاثیر رکھی ہے جیسے اس بات کی دلیل کہ آگ جلاتی ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو اللہ نے فرمایا ﴿كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا﴾ تو وہ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو گئی تو سبب موثر کی تاثیر اللہ کے حکم سے زائل ہو گئی۔

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ﴾ (کاش آپ دیکھتے جب یہ گھبرائے پھر رہے ہوں گے، پس وہ کہیں بھاگ نہ سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے) کہ آپ حیرت سے دیکھیں گے کہ وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے پھر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ ہوگی اس وجہ سے وہ پاس ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔

Scanned by CamScanner

﴿التَّنَاوُشُ﴾

"اَخْذُ الشَّيئِ من بعيد" کیونکہ وہ لوگ آخرت میں ہیں اور ایمان کی جگہ دنیا ہے اور یہ بعید ہے، ان کا ایمان انھیں نفع نہیں پہونچائے گا کیونکہ وہ اس کو دور کی جگہ سے لینا چاہ رہے ہیں، جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو گھبرا کر "آمَنَّا بِالله" کہیں گے۔

﴿وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ جو شخص بن دیکھی چیز پر دور سے پتھر چلائے اور نشانہ لگنے کی خواہش کرنے لگے تو ایسے شخص سے ان کافروں کو تشبیہ دی گئی جو بلا تحقیق اللہ اور رسول اور آخرت اور قرآن کے بارے میں رائے زنی کرتے ہیں۔

﴿فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ﴾

شک اور ریب: ﴿شك﴾ "تردد فی الامر" یعنی کسی معاملے میں پس و پیش ہو کہ اسے کروں یا نہ کروں تو اس کو شک کہتے ہیں۔ اور ریب میں تردد کے ساتھ دماغی الجھن (تشویش فکری) قلق نفسی (دلی بےکلی) ہوتی ہے۔

﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ ان کے اور ان کے مطلوب کے درمیان آڑ کر دی جائے گی، یہاں ﴿مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ (تمنا) سے مراد ایمان کی قبولیت ہے۔

❀❀❀

سورۃ فاطر (مكية)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱)

بعض فرشتوں کے دو دو پَر اور بعض کے تین تین اور بعض کے چار چار اور بعض کے اس سے بھی زیادہ ہیں۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال أنہ ﷺ رأى جبريل له ستمائة جناح

(بخاری، کتاب بدء الخلق: ۳۲۳۲)

معراج میں نبی ﷺ نے دیکھا کہ جبرئیل کے چھ سو پر تھے۔

Scanned by CamScanner

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَٰلِقٍ غَيْرُ ٱللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ
ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۝٣

لوگو! اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں ان کو یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے جو تم کو
آسمان اور زمین سے رزق دے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟ (۳)

﴿تُؤْفَكُونَ﴾ "افک" سے ماخوذ ہے۔ اور "افک" کہتے ہیں معاملے کو الٹ دینا، اللہ کی نعمت کی اس سے بڑی
ناشکری اور کیا ہوسکتی ہے کہ بندہ کھائے کسی کا اور گائے کسی کا۔

أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًا ۖ فَإِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِى مَن
يَشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَٰتٍ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝٨

بھلا جس شخص کو اس کے اعمالِ بد آراستہ کر کے دکھائے جائیں اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے تو (یا وہ نیکوکار
آدمی جیسا ہوسکتا ہے؟) بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ان
لوگوں پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے واقف ہے۔ (۸)

(شیطان نمونہ (بال، گال، خال) اچھا دکھاتا ہے مگر مال گندہ دیتا ہے۔

مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ فَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ
يَرْفَعُهُۥ ۚ وَٱلَّذِينَ يَمْكُرُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُو۟لَٰٓئِكَ هُوَ يَبُورُ ۝١٠

جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت تو سب اللہ ہی کے لئے ہے اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے
ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں اور جو لوگ بُرے بُرے مکر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب
ہے اور ان کا مکر نابود ہو جائے گا۔ (۱۰)

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ﴾ عزت کا منبع رب کائنات کی ذات اقدس ہے۔ اب جسے عزت حاصل کرنا ہو وہ وہیں
سے حاصل کرسکتا ہے۔ کوئی اللہ کا جتنا قریب ہوگا وہ اتنا ہی عزت والا ہوگا۔

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ﴾ جو عزت کا طالب ہو وہ سمجھ لے کہ عزت اللہ ہی
کے پاس ہے۔ پھر عزت وقوت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا، جس کے دو اجزاء ہیں۔ (۱) کلم طیب (۲) عمل صالح۔

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ ٱلْكَلِمُ ٱلطَّيِّبُ وَٱلْعَمَلُ ٱلصَّٰلِحُ يَرْفَعُهُۥ﴾ اس آیت میں ایک اصول بتایا گیا ہے۔ دعا
بمطابق عمل ہو، آدمی متقی بننے کی دعا کرے مگر اس کے مطابق عمل نہ کرے تو وہ کلم طیب تو ہے مگر اس کو عمل صالح کا سپورٹ نہیں

Scanned by CamScanner

ہے، جیسے پتنگ ہے اور اس کو ڈوری کا سپورٹ نہ ہو تو وہ اُڑ نہیں سکتی، اسی طرح عمل صالح کے بغیر کلمۂ ایمان مرجھا جاتا ہے، کلمہ انگور کی بیل ہے اس کی ثمر باری کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کو کوئی سہارا ملے، جس پر وہ چڑھے اور پھلے پھولے۔ جس طرح بیل سہارے کے بغیر سکڑ جاتی ہے اسی طرح ایمان عمل صالح کے بغیر مرجھا جاتا ہے، اس میں کلم طیب کے بعد عمل صالح کا ذکر ہے، یعنی اللہ کے یہاں کوئی بھی قول مقبول نہ ہوگا جب تک کہ عمل اس کی تصدیق نہ کرے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

اور اللہ ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تم کو جوڑا جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ اللہ کو آسان ہے۔(۱۱)

موت کے بعد زندگی پر دلیل:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَأْكُلُهُ التُّرَابُ، إِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ مِنْهُ، خُلِقَ وَفِيهِ يُرَكَّبُ“۔ (مسلم، کتاب الفتن: ۲۹۵۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے اس کے ”عَجْبَ الذَّنَب“ کے۔ اسی سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی سے اس کو مرکب کیا جائے گا۔ ”عَجْبَ الذَّنَب“ دُمچی کی ہڈی (Coccyx) کو کہتے ہیں۔ Vertebral Column کے اندر Spinal Cord ہوتا ہے اس کے نچلے حصے میں ﴿عَجْبَ الذَّنَب ہوتا ہے جس کو انگلش میں coccyx (کوک سکس) کہتے ہیں۔ اس کی حیثیت بدن انسانی میں ویسے ہی ہے جیسے ہوائی جہاز میں بلیک باکس ”سیاہ ڈبہ“ (ہوائی جہاز میں پرواز کا ریکارڈ رکھنے والا باکس)۔ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، شہداء اور کسی نیک بندے کی لاش کو مٹی کو نہ کھانے دے، یہ کچھ عرصے تک تو ہوسکتا ہے مگر قیامت تک کے لیے اللہ نے صرف انبیاء کے اجساد کو مٹی پر حرام قرار دیا ہے۔ بقیہ شہداء وغیرہ کے بارے میں کسی صحیح حدیث میں ہمیں یہ خبر نہیں دی گئی ہے کہ ان کی لاشوں کو مٹی نہیں کھاتی ہے۔

وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

اور دونوں دریا (مل کر) یکساں نہیں ہو جاتے یہ تو میٹھا ہے پیاس بجھانے والا جس کا پانی خوشگوار

Scanned by CamScanner

ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا اور سب سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو اور تم دریا میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ (پانی کو) پھاڑتی چلی آتی ہیں تا کہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو۔ (۱۲)

ترکی کے امیر البحر علی رئیس نے اپنی کتاب مرأۃ الممالیک میں لکھا ہے کہ خلیج فارس میں آب شور (کھارا پانی) کے نیچے آب شیریں (میٹھا پانی) کے چشمے ہیں، جہاں میں خود اپنے بیڑے کے لیے پینے کا پانی حاصل کرتا ہوں، ایسی حالت میں دھارے میں موجود پانی کا ٹمپریچر اور کثافت اور نمکیات کا تناسب، سمندر کے عام پانی سے مختلف ہوتا ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو (اے پیغمبر!) تم انہی لوگوں کو نصیحت کر سکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لئے پاک ہوتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۱۸)

جو غیب میں اللہ سے ڈرتا ہے وہ لازماً نماز کا اہتمام کرتا ہے جو نماز سے بے پرواہے وہ اللہ سے بے پرواہے۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور نہ زندے اور مُردے برابر ہو سکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔ (۲۲)

سوال: مردے سنتے نہیں تو قبرستان میں سلام کا حکم کیوں؟

جواب: مردوں کے لیے سلام ان کے حق میں دعائیہ کلمہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ سلام کا جواب ہی دیا جائے۔ اس کی مثال نماز میں تشہد کے وقت التحیات میں "السلام علیک ایھا النبی" اور درود کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ مگر اس سلام کا کوئی جواب نہیں دیتا کیونکہ وہ دعائیہ ہے۔ اسی طرح قبرستان میں بھی یہ سلام، جملہ دعائیہ ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۗ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾

ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں مگر اس میں

Scanned by CamScanner

ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔(۲۴)

اللہ نے انسان کو عقل وتمیز دی تا کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے ،مگر چونکہ عقل کافی نہ تھی اس لیے اس کی امداد کے لیے نذیر بھیجے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔(۲۸)

اس آیت سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے،اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل علم وہی ہے جو انسان میں خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے، جو علم خشیت الٰہی پیدا نہ کرے وہ علم نہیں ضلالت ہے،علم انسان میں جستجو اور فکر کی عادت ڈالتا ہے، جب انسان آفاق وانفس میں غور کرتا ہے تو خالق کی لامحدود قوتوں کا معترف ہوتا چلا جاتا ہے، پھر جس قدر غور کرتا ہے اسی قدر اس کے دل میں اللہ کی محبت اور خشیت بیٹھتی چلی جاتی ہے، محبت اس لیے کہ اللہ نے کائنات کی ہر شئی اس کی خدمت میں لگا چھوڑی ہے اور اس نے طاقت کے باوجود کسی پر ظلم نہیں کیا اور خشیت اس لیے کہ جب وہ کائنات کی وسعت پر اور خالق کی طاقت پر غور کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی ناتوانی کا احساس کرتا ہے تو خشیت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

﴿ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں،عالم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) "عالم باللہ وعالم بامر اللہ": اللہ سے ڈرتا ہے اور حدود وفرائض کو جانتا ہے۔

(۲) "عالم باللہ" لیس بعالِم بأمر اللهِ: اللہ سے ڈرتا ہے مگر حدود وفرائض سے بے خبر ہے۔

(۳) "عالم بامر اللہ" لَیْسَ بعالِم باللہ (دارمی:۳۶۷): حدود وفرائض سے باخبر ہے مگر خشیت الٰہی سے عاری ہے۔

﴿عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ یہ رب سے ڈرنے کی علت ہے کہ وہ قادر ہے کہ نافرمان کو سزا دے اور تائب کو معاف کردے۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾

خوف: کسی ہولناک اور ڈورونی چیز سے قلب کا اضطراب یعنی دل کی گھبراہٹ۔

خشیت: ایسا خوف جو معرفت کے ساتھ ہو اس حالت میں سکون واطمنان پایا جاتا ہے،جیسے جو شخص دشمن یا سیلاب وغیرہ کو دیکھتا ہے اسکی دو حالتیں ہیں۔

(۱) بھاگنے کے لئے حرکت کرتا ہے یہ خوف کی حالت ہے۔

(۲) کسی ایسی جگہ پناہ لینا جہاں دشمن یا سیلاب نہ پہونچ سکے یہ خشیت ہے۔

(۳) "رھبة" ناپسندیدہ سے بھاگنے میں پوری قوت صرف کردینا رہبت کہلاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

(۴) "وجل" سراپا غلبہ وغیرہ کے ڈر سے دل کا کانپ جانا وجل کہلاتا ہے۔

(۵) "هيبة" ایسی خوف جس کے ساتھ تعظیم کی آمیزش ہو۔

خوف :- عام مومنوں کا شیوہ ہے

خشیۃ :- علماء کا نشان ہے۔

ہیبت :- اہل محبت کی علامت ہے۔

(۶) اشفاق : اس خوف کو کہتے ہیں جس میں رحمت کی آمیزش ہو یعنی ڈرنے والا جس سے ڈر رہا ہے اسی سے رحمت وشفقت کا تعلق ہے۔

خوف کے تین درجے ہیں :

(۱) سزا کا خوف

(۲) یہ خوف کہ اللہ کی یاد سے جو مٹھاس ملی وہ خود پسندی میں مبتلا نہ کردے۔

(۳) اللہ سے مناجات کرتے وقت اسی بات کا خوف کہ کہیں اسکی ہیبت اور جلال اس سلسلے کو ختم منقطع نہ کردے۔

صاحب خوف اور صاحب خشیت میں فرق :

(۱) صاحب خوف بھاگنے میں پناہ ڈھونڈے گا۔

(۲) صاحب خشیت علم کے قلعے کو اپنی پناہ گاہ بناتا ہے

پہلا مرض سے بچنے کے لئے بھاگنے کی راہ اختیار کرتا ہے اور دوسرا دواؤں اور علاج کے ذریعے اس بیماری کو دور کرتا ہے۔ خشیت الٰہی کے لیے اللہ کی عظمت کا علم ضروری ہے، یہ علم خواہ تعلّم سے حاصل ہو یا کسی کے فیض صحبت سے یا حق تعالیٰ کی توفیق سے، یا کسی باطنی جذبہ سے، عزیز (زبردست ہے) لہٰذا ڈرو، جو ڈرتا ہے اسے بخش دیتا ہے، عزیز کے لفظ سے خشیت کی ضرورت کو بیان کیا، ﴿غَفُوْرٌ﴾ سے خشیت کے ثمرہ کو بیان کیا، ﴿عزیز﴾ کے بعد ﴿غَفُوْرٌ﴾ کا لفظ فرمایا تا کہ غلبہ خوف سے ناامیدی کی کیفیت نہ پیدا ہو، اس سے بچنے کے لیے اپنی مغفرت کی امید دلائی۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ﴾ میں عمل قلب یعنی قلبی عبادت کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت (کے فائدے) کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ (۲۹)

Scanned by CamScanner

ان آیات میں علماء حق کی ایک صفت خشیت کا ذکر ہے جس کا تعلق قلب سے ہے۔ پھر چند ایسی صفات کا تذکرہ ہے جن کا تعلق اعضاء و جوارح سے ہے۔ ان میں پہلی صفت تلاوت قرآن ہے یعنی تلاوت قرآن پر مداومت (ہمیشگی) کرنا۔ لفظ ﴿يَتْلُوْنَ﴾ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری صفت اقامت صلوٰۃ (نماز قائم کرنا) ہے۔ تیسری صفت اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، ان صفات مذکورہ کے پابند لوگ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جن میں گھاٹا نہیں ہوتا، تجارت میں نفع و نقصان کا احتمال لگا رہتا ہے، مگر آخرت کی تجارت میں نقصان وخسارے کا کوئی احتمال نہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ﴾ میں عمل لسان کی طرف اشارہ ہے، جو لسانی عبادت ہے۔

﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ میں اعضاء بدن کے عمل کی طرف اشارہ ہے، جو بدنی عبادت ہے۔

﴿اَنْفَقُوْا﴾ میں مالی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔

﴿تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ﴾ ایسی صفات پر مبنی بزنس ہے جس میں کبھی کوئی نقصان ہونے والا نہیں۔ اس میں جو پرافٹ (منافع) ہے یعنی دس سے سات سو گنا، وہ تو ملے گا ہی اس کے بعد بھی اللہ اپنے فضل سے جتنا دینا چاہے دے سکتا ہے یعنی Bonus بھی پکا ہے۔

﴿وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ صرف اجر ہی نہیں دے گا اپنے فضل و کرم سے مزید دے گا۔

عدل، فضل اور رحمت میں فرق:

طے شدہ مزدوری پوری دے دی جائے، یہ عدل ہے، اور اگر مزدور کسی دن ڈیوٹی پر نہ آئے تب بھی اس کو طے شدہ مزدوری دے دی جائے، تو یہ فضل ہے اور کبھی غلطی سے کوئی نقصان کر دے تو اس کو نوکری سے نہ نکالا جائے بلکہ اس کو معاف کر دیا جائے، یہ رحمت ہے۔

﴿وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ اپنی مہربانی سے کچھ زیادہ دیدے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي وَهُوَ بِطَرِيقٍ إِذِ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا، فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ، ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ: لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي بَلَغَنِي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ مَاءً، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ حَتَّى رَقِيَ بِهِ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ" (بخاری، کتاب المظالم: ٢٤٦٦)

ایک شخص نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں کنویں سے پانی بھر کر اس کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہوگیا، اللہ نے اس عمل کی اتنی قدر کی کہ اسے بخش دیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ" (بخاری کتاب المظالم: ٢٤٧٢)

ایک شخص جارہا تھا اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک ٹہنی دیکھی اس نے راہ سے ہٹادی اللہ نے اسے بخش دیا۔

وَالَّذِيٓ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ مِنَ الۡكِتٰبِ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيۡرٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿۳۱﴾

اور یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے برحق ہے اوران (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار (اوران کو) دیکھنے والا ہے۔(۳۱)

قرآن آسمانی کتاب ہے۔اس کی دو دلیلیں دی گئیں:

(۱) ﴿الحقُّ﴾ یعنی تمام مطالب پر غور کروگے تو اسے حق ہی پاؤگے۔

(۲) ﴿مُصَدِّقاً لِمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ﴾ اس کی کوئی بات اگلی کتابوں کے برخلاف نہیں۔

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ﴿۳۲﴾

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رَو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔(۳۲)

یہ تین قسم کے لوگ جنت میں جائیں گے:

عَنۡ أَبِي سَعِيدٍ الخُدۡرِيِّ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذِهِ الآيَةِ: ﴿ثُمَّ أَوۡرَثۡنَا الكِتَابَ الَّذِينَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِنَفۡسِهِ وَمِنۡهُمۡ مُقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌ بِالخَيۡرَاتِ﴾ قَالَ: "هَؤُلَاءِ كُلُّهُمۡ بِمَنۡزِلَةٍ وَاحِدَةٍ، وَكُلُّهُمۡ فِي الجَنَّةِ" (ترمذی،ابواب تفسیر القرآن: ۳۲۲۵،صحیح)

اس آیت میں تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔تینوں جنت میں جائیں گے:

فَأَمَّا السَّابِقُ بِالۡخَيۡرَاتِ، فَيَدۡخُلُهَا بِغَيۡرِ حِسَابٍ، وَأَمَّا الۡمُقۡتَصِدُ فَيُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا، وَأَمَّا الظَّالِمُ لِنَفۡسِهِ فَيُصِيبُهُ فِي ذَلِكَ الۡمَكَانِ مِنَ الۡغَمِّ وَالۡحَزَنِ (اخرجہ الطبری فی تفسیرہ، ۴۷۰/۲۰)

(۱) سابقین۔بلاحساب وکتاب، جنت میں جائیں گے۔

(۲) مقتصدین۔حساب کتاب کے بعد۔آسان حساب کے بعد جنت میں جائیں گے۔

(۳) ظالم لنفسہ شفاعت یا عذاب بھگتنے کے بعد، جنت میں جائیں گے۔

Scanned by CamScanner

﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کو مقدم رکھا اور ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ﴾ کو بعد میں لایا گیا جب کہ ﴿سَابِقٌ﴾ کا مقام بہتر تھا۔

جواب: تا کہ ظالم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور سابق کو مؤخر کیا تا کہ وہ اپنے عمل پر مغرور نہ ہو۔ یہ نکتہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے۔

سب سے زیادہ تعداد ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کی ہوگی، دوسرے نمبر پر ظاہر ہے کہ ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ ہوں گے اور ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ﴾ چونکہ بہت کم ہیں اس لیے ان کا تذکرہ آخر میں کیا گیا ہے۔

(۱) واجبات میں کوتاہی اور محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ ﴿ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ کا گروہ ہے۔

(۲) واجبات شرعیہ کو پورا کرتے ہیں، مکروہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور گناہ صغیرہ کرتے ہیں۔ یہ ﴿مُّقْتَصِدٌ﴾ کا گروہ ہے۔

(۳) واجبات کو پورا کرتے ہیں اور محرمات سے بچتے ہیں۔ یہ ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ﴾ کا گروہ ہے۔ پہلے کی مغفرت ہوگی، دوسرا جنت میں جائے گا، تیسرا درجہ عالیہ پر ہوگا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دُور کیا بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا (اور) قدردان ہے۔ (۳۴) جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اتارا یہاں نہ تو ہم کو رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں تکان ہی ہوگی۔ (۳۵)

﴿نَصَبٌ﴾: روحانی اور ذہنی تھکن۔ ﴿لُغُوْبٌ﴾ جسمانی تھکن۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ انہیں موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا ہم ہر ایک ناشکرے کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ (۳۶)

ایک اعتراض: جرم کا ارتکاب تو دنیا کی عمر تک ہے۔ پچاس یا ساٹھ سال یا کم و بیش، اس پر جہنم کا دائمی عذاب ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (سورۂ شوریٰ) کے خلاف ہے یعنی محدود گناہ کے مقابلے میں لامحدود سزا کیوں؟

جواب: وہ علام الغیوب ہے وہ جانتا ہے کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ رہتے تو اسی کفر پر جمع رہتے، اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ﴾ (سورۃ انعام)

﴿وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا﴾ عام اور خاص میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ عام یہی ہے کہ کافروں کے لیے عذاب میں تخفیف نہیں الا یہ کہ کسی نص سے کسی کی تخصیص ہو۔ جیسے ابوطالب۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَنْ عَمَّرَهُ اللهُ سِتِّينَ سَنَةً، فَقَدْ أَعذرَ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ " (صحیح ابن حبان: ۲۹۷۹)

جسے اللہ نے ساٹھ سال کی عمر دی تو اللہ اس کا کوئی بہانہ قبول نہیں کرے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

بھلا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین سے کونسی چیز پیدا کی ہے یا (بتاؤ کہ) آسمانوں میں ان کی شرکت ہے یا ہم نے ان کو کتاب دی ہے تو وہ اس کی سند رکھتے ہیں (ان میں سے کوئی بات بھی نہیں) بلکہ ظالم جو ایک دوسرے کو وعدہ دیتے ہیں محض فریب ہے۔ (۴۰)

مشرک کا سارا کاروبار جھوٹی کہانیوں اور افواہوں پر چلتا ہے۔ جو قبروں کے مجاورین اور ان کے چیلے چاٹے اپنے مفادات کے لیے پھیلاتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل نہ جائیں اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے بیشک وہ بُردبار (اور) بخشنے والا ہے۔ (۴۱)

نکتہ: سائنس داں کی نگاہ کشش ثقل (Gravity) تک رہ گئی۔ مگر کشش ثقل (Gravity) کو کون سنبھال رہا ہے؟ وہ اللہ ہے۔

اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

Scanned by CamScanner

یعنی (انہوں نے) ملک میں غرور کرنا اور بُری چال چلنا (اختیار کیا) اور بُری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے یہ اگلے لوگوں کی روِش کے سوا اور کسی چیز کے منتظر نہیں سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔ (۴۳)

﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ جو شخص دوسروں کا برا چاہتا ہے وہ خود برائی کا شکار ہو جاتا ہے۔

دین حق وہی ہے جو نبی لے کر آیا ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے، باطل ہے۔ اپنی پوری زندگی میں اسی کا عملی مظاہرہ کرے اور آخرت میں شہادت دے کہ جو پیغام اس کے سپرد کیا گیا تھا اس نے اسے بلا کم و کاست لوگوں تک پہونچا دیا۔

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا﴾ سنت الٰہی یہی ہے کہ اللہ معاندین حق کا سر کچل دیتا ہے۔ اللہ کی اس سنت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ حق کے بجائے باطل کی حمایت کرنے لگے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے سو جب ان کا وقت آ جائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) اللہ تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ (۴۵)

اس آیت میں منکرین کے اس شبہ کا جواب ہے کہ اگر ہم گمراہ ہیں تو ہمیں سزا کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: اللہ لوگوں کو ان کے گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ ورنہ پوری نوع انسانی کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں جس سے کوئی قصور سرزد نہ ہوتا ہو۔ اللہ انھیں موقع دیتا ہے، کہ وہ اپنے رویے کو درست کر لیں، لیکن جب مہلت ختم ہو گی تو اللہ دیکھ لے گا کہ بندوں نے کیا کیا اور ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جانا چاہئے۔

نکات سورہ فاطر

﴿اَجْرٌ﴾ اجر مختلف ہوں گے، یعنی عمل کے اعتبار سے اجر مختلف ہوں گے جیسے:

أَيُّ العَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: "الصَّلاَةُ عَلَى وَقْتِهَا" (بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ: ۵۲۷)

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا اور عامل کے اعتبار سے اجر مختلف ہوں گے جیسے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا

Scanned by CamScanner

أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ"
(مسلم، کتاب فضائل الصحابہ: ۲۵۴۰)

اور محل کے اعتبار سے اجر مختلف ہوں گے جیسے رشتہ دار پر صدقہ، صدقہ اور صلہ رحمی دونوں ہے۔ اور اتباع کے اعتبار سے مختلف ہوں گے، عبادت جتنی اللہ کے حکموں کے تابع ہوگی اتنی ہی زیادہ کامل ہوگی۔

تزیینِ اعمال کی وضاحت:

﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾

تزئین کی نسبت کبھی اللہ نے اپنی طرف کی ہے جیسے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (نمل) اور کبھی اس کی نسبت شیطان کی طرف کی ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ (نمل) اور بعض آیات نسبت کے متعلق ابہام ہے جیسے ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ (آل عمران) خوش نما بنا دی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بھاری مال سونے کے اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ۔

ان کے درمیان تطبیق اس طرح ہوگی کہ براہ راست مُزین (زینت دینے والا) شیطان ہے اور اللہ مزین بالتقدیر ہے یعنی اللہ ہی شیطان پر مقدر کر دیا ہے کہ وہ ان کے لیے اعمال کو مزین کرے اور یہ معلوم ہے کہ اللہ ہی شیطان کا خالق ہے تو جو عمل اس سے نکلے گا وہ اللہ کی طرف منسوب ہوگا۔ جیسے ہم انسان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس کے اعمال اللہ کی مخلوق ہیں۔ تزئین اعمال کا مطلب ہے کہ شیطان خوشنما بنا دیتا ہے کہ وہ جو کام کر رہا ہے بہت اچھا کام ہے۔

۱) ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ پس (اے پیغمبر) ان پر غم و افسوس میں اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔ کسی کو ہدایت دینا نبی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کا کام صرف راستہ دکھا دینا ہے۔

﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ اللہ عرش کے نیچے سے ایک بھاری بارش بھیجے گا جو جسموں تک پہونچ جائے گی تو لوگ قبروں سے اس طرح اُگیں گے جیسے زمین سے سبزیاں اُگتی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ" قَالُوا: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالُوا: أَرْبَعُونَ شَهْرًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالُوا: أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَبَيْتُ، "ثُمَّ يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ، كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ" قَالَ: "وَلَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلَى، إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا، وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (مسلم، کتاب الفتن: ۲۹۵۵) اس سے قیاس کی مشروعیت بھی معلوم ہوئی۔

Scanned by CamScanner

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ جوکوئی عزت چاہتا ہوتو (وہ جان لے کہ) عزت توسب اللہ ہی کے پاس ہے۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عُمَرُ رضی الله عنه الشَّامَ أَتَتْهُ الْجُنُودُ وَعَلَيْهِ إِزَارٌ وَخُفَّانِ وَعِمَامَةٌ وَأَخَذَ بِرَأْسِ بَعِيرِهِ يَخُوضُ الْمَاءَ, فَقَالُوا لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ, تَلْقَاكَ الْجُنُودُ وَبِطَارِقَةُ الشَّامِ وَأَنْتَ عَلَى هَذَا الْحَالِ, قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ رضی الله عنه: "إِنَّا قَوْمٌ أَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ, فَلَنْ نَلْتَمِسَ الْعِزَّ بِغَيْرِهِ"

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۴۷۵۴)

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایسی قوم ہیں جنہیں اللہ نے اسلام کی وجہ سے عزت عطا فرمائی، تو اسلام کے علاوہ کہیں اور عزت نہیں تلاش کریں گے۔

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتے ہیں۔ "ان العمل الصالح لا یقبل الا بالاسلام والعمل الصالح یرفع الکلم الطیب لان الکلم الطیب بدون عمل لا ینفع صاحبہ" بغیر اسلام کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں کیا جائے گا، اور نیک عمل اور عمل صالح، کلم طیب کو بلند کرتا ہے، کیونکہ بغیر عمل، کلم طیب نفع بخش نہیں۔

انسان جب اچھی بات کہتا ہے تو وہ اللہ کی طرف چڑھتی ہے اور اللہ اسے قبول کرتا ہے، پھر نیک عمل کو بلند کردیتا ہے، کلم طیب کے مقابلے میں دو کلام:

(۱) خبیث اور بیکار کلام (۲) نہ خبیث ہے نہ طیب ہے۔

یہ دونوں کلام اللہ کی طرف بلند نہیں کئے جاتے، معلوم ہوا کہ قول چڑھتا ہے اور عمل بلند کیا جاتا ہے کیونکہ رفع عمل، کلم طیب کی جزا کی طرح ہے اور اللہ صالح عمل ہی کو بلند کرتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ ایک آیت میں ہے کہ اللہ نے انسان کو تراب سے پیدا کیا ہے اور دوسری آیت میں کہ طین سے پیدا کیا اور تیسری آیت میں ہے کہ ﴿صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ سے پیدا کیا اور چوتھی آیت میں ہے کہ ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ سے پیدا کیا ہے تو اس تبدیلی کا کیا جواب ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ ذات کا نہیں وصف کا تغیر ہے یعنی ایک ہی موصوف کی متعدد صفات ہیں۔ اصل مٹی ہے اس میں پانی ملا دیا تو طین ہو جاتا ہے یعنی اس میں بو آجاتی ہے تو ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ اور یہ مٹی سوکھ جائے تو ﴿صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ اس میں روح پھونک دے تو انسان بن جاتا ہے۔

﴿وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ نیکی سے عمر بڑھتی ہے اور برائی سے عمر گھٹتی ہے۔ یہ گھٹنا بڑھنا حقیقی بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور معنوی بھی۔ یعنی حقیقت میں اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ یا اس میں برکت ہوتی ہے۔

Scanned by CamScanner

عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا یَزِیدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ" (صحیح الجامع: ۷۶۸۷ حسن)

﴿إِلَّا فِیْ كِتٰبٍ﴾

قدر کے تین مراتب ہیں:

(۱) العلم (۲) کتابت (۳) خلق

﴿حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا﴾ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ موتی اور مونگے کھارے پانی ہی سے نکلتے ہیں اور ﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ کواس پر محمول کیا ہے کہ کھارے اور میٹھے پانی کے مجموعے سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں ہر ایک سے نہیں نکلتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ دونوں سے نکلتے ہیں یہی قرآن کا ظاہر ہے۔

دریا کے فوائد:

(۱) گوشت کا حصول

(۲) زیورات کا حصول

(۳) کشتیوں کا پانی کو پھاڑتے ہوئے گذرنا۔

﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾

"توکل" اور "تواکل" میں فرق: اسباب اختیار کرنا توکل ہے اور یہ کہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں گا اور میرا رزق میرے پاس آجائے گا اور میں اللہ پر توکل کرتا ہوں تو یہ توکل نہیں تواکل ہے۔

﴿مِنْ قِطْمِیْرٍ﴾

"قطمیر" "لفافة النواة" (گٹھلی کا چھلکا) کو کہتے ہیں کیونکہ گٹھلی میں تین چیزیں ہوتی ہیں جو حقارت میں ضرب المثل ہیں۔ (۱) قطمیر (۲) نقیر (۳) فتیل۔

﴿لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ﴾ عربوں میں مثل ہے کہ جب کسی چیز کی تاکید کرتے ہیں تو کہتے ہیں ﴿لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ﴾ (خبر رکھنے والے کے برابر تجھے کوئی نہیں بتا سکتا) اور کبھی "علی الخبیر سقطتَّ" کہتے ہیں کہ تم ایسے علم یقینی پر پہنچ گئے ہو تو تجربے سے صادر ہے۔

﴿هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ اس میں حصر ہے کہ اللہ ہی غنی اور حمید ہے کیونکہ انسان کی مالداری کبھی محمود نہیں ہوتی یا تو بخیلی کی وجہ سے۔ اور کبھی مالدار ہوتا ہے مگر جائز طریقے سے مالدار نہیں ہوتا۔

﴿وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ﴾ یہاں ظلمت کو جمع اور نور کو مفرد لایا گیا ہے کیونکہ کفر کے راستے متعدد ہیں اور ایمان کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ "وصول الی اللہ" (اللہ تک پہونچنا) ہے جب کہ کافر کے مقاصد کثیر ہیں۔ اور وہ متعدد

Scanned by CamScanner

اور منحرف سمتوں میں چلتا ہے۔

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَآءُ ۖ وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾

(اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے سنوا دیتا ہے، اور آپ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں) کتاب وسنت کے ذخیرے میں کوئی دلیل ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مردے سنتے ہیں لہٰذا مردوں کا سننا دلیل سے خالی ہونے کی وجہ سے غیر ثابت ہے۔

دلیل:

عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ" (نسائی، کتاب الشھود: ۱۲۸۱)

زمین میں اللہ کے فرشتے گردش کرتے رہتے ہیں اور امت کا سلام آپ کو پہونچاتے ہیں۔ اس میں نبی نے دور و نزدیک کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی۔ اس حدیث سے سماع کی نفی ہوتی ہے کیونکہ اگر براہ راست سن سکتے تو فرشتوں کی سلام پہونچانے کی ذمہ داری بے معنی ہو کر رہ جاتی۔ سماع موتی کے قائلین کے پاس جتنی دلیلیں ہیں وہ سب کی سب غیر صحیح اور باطل ہیں۔ سوائے دو دلیلوں کے مگر ان سے استدلال باطل ہے۔

قلیب بدر کا واقعہ:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: وَقَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَلِيبِ بَدْرٍ فَقَالَ: "هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا" ثُمَّ قَالَ: "إِنَّهُمُ الآنَ يَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ"، فَذُكِرَ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، فَقَالَتْ: إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّهُمُ الآنَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّ الَّذِي كُنْتُ أَقُولُ لَهُمْ هُوَ الحَقُّ" ثُمَّ قَرَأَتْ ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى﴾ (بخاری، کتاب المغازی: ۳۹۸۰)

اس حدیث میں لفظ "الآن" بتاتا ہے کہ یہ سماع وقتی تھا اور ان کے ساتھ خاص تھا۔ لہٰذا اسے عموم پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری حدیث کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد جب لوگ پلٹتے ہیں تو مُردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ یہ حدیث بھی اسی وقت کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں بھی عموم نہیں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ" (ابوداود کتاب السنۃ: ۴۷۵۲، صحیح)

﴿بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ جس نے قبول کیا اسے خیر کی بشارت دیتے ہیں اور جس نے نافرمانی کی اسے عذاب سے ڈراتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾

اس میں علم کی فضیلت ہے کہ یہ اللہ کی خشیت کا سبب ہے۔خشیت ایسی صفت ہے جس کے اثرات بہت اچھے ہیں کیونکہ انسان جب ڈرے گا تو گناہوں سے بچے گا اور نیک کام کرے گا۔ نیز خشیت ایمان اور عمل صالح کا سبب ہے۔ یہ ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ (سورہ بینہ:۸) سے معلوم ہوا۔ اللہ نے یہاں پہاڑوں اور جانوروں اور ان کی مختلف اقسام اور الوان کا ذکر فرمایا جو اللہ کی صفت کمال پر دلیل ہیں اس کے بعد ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ فرمایا۔یعنی ان کا جاننے والا ہی اللہ سے ڈرتا ہے۔ جہّال (جاہل لوگ) علماء کی ضد ہیں اور یہاں جہالت سے مراد جہالت علم نہیں بلکہ جہالت تصرف ہے کیونکہ کافر کے پاس علم ہوتا ہے مگر اپنے طغیان پر قائم رہتا ہے اور ایمان نہیں لاتا۔ ''فکل کافر فھو فی الحقیقة جاھل'' ہر کافر حقیقت میں جاہل ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ﴾ تلاوت،قرأت سے عام ہے،عملی تلاوت معنی کے فہم کو مستلزم ہے کیونکہ عمل کرنا بغیر سمجھے ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ، رسول اللہ ﷺ سے دس آیتیں پڑھتے تھے،تو دوسری دس آیتیں اس وقت تک نہیں لیتے تھے جب تک انھیں معلوم نہیں ہو جاتا کہ اس میں علم کیا ہے اور عمل کیا ہے انھوں نے کہا کہ ہم نے علم اور عمل ایک ساتھ سیکھا۔

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ رضی اللہ عنہ قَالَ: حَدَّثَنَا مَنْ كَانَ يُقْرِئُنَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُمْ كَانُوا "يَقْتَرِئُونَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ آيَاتٍ"، فَلَا يَأْخُذُونَ فِي الْعَشْرِ الْأُخْرَى حَتَّى يَعْلَمُوا مَا فِي هَذِهِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، قَالُوا: فَعَلِمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ (مسند احمد: ۲۳۴۸۲،حسن)

﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ﴾

علانیہ (انفاق) خرچ کرنے اور چھپا کر خرچ کرنے میں افضل کون سا ہے؟ جواب یہ ہے کہ حسب حال افضل ہوگا۔ کبھی چھپا کر دینا افضل ہے کبھی علانیہ دینا افضل ہے۔مگر صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے اس لیے کہ صدقہ ایک طرح کا احسان ہے اور مستحق کو علانیہ صدقہ دینے سے وہ اور ٹوٹ جاتا ہے۔

﴿غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ﴾

﴿غفور﴾ ''ان اللہ یستر الذنوب ویتجاوز عن العقوبة'' اللہ گناہوں کو چھپاتا ہے اور سزا سے درگذر کرتا ہے۔

﴿شَكُوْرٌ﴾ ''یشکر من عمل العمل الصالح ومن شکرہ ایاہ انہ یضاعف لہ الاجر'' وہ عمل صالح کی قدر کرتا ہے،اور جو اس کا شکر ادا کرتا ہے اس کا اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ﴾ پچھلی کتابوں نے قرآن کی تصدیق کی۔اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) قرآن ان کتابوں کے مطابق نازل ہوا۔جیسے اللہ نے فرمایا ﴿وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾ یعنی قرآن ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ وہ عنقریب نازل ہوگا۔

Scanned by CamScanner

(۲) پچھلی کتابوں نے قرآن کی خبر دی ہے تو قرآن کا نزول ان کتابوں کی تصدیق ہوگی۔

قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) قرآن نے کہا کہ وہ سچی کتابیں ہیں اور ان پر ایمان لانا واجب قرار دیا۔

(۲) ان کتابوں نے جو خبر دی قرآن نے اس کی تصدیق کی۔ معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان لانے والا پچھلی کتابوں پر ایمان لانے والا ہے۔

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ﴾ اللہ نے کتاب کے وارثین کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) سابق بالخیرات۔ (۲) مقتصد۔ (۳) ظالم لنفسہ۔

﴿لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ﴾ لغوب، تعب کا نتیجہ ہے۔ جب آپ کوئی مشقت طلب کام کرتے ہیں تو کام کرتے وقت آپ کو "تعب" لاحق ہوتا ہے اور جب کام ختم ہوتا ہے تو آپ کو کمزوری کا احساس ہوتا ہے، یہ لغوب ہے۔ تو گویا لغوب، تعب کا نتیجہ ہے یعنی تعب سے پیدا ہوتا ہے۔

﴿دَارَ الْمُقَامَةِ﴾ جنت دار الاقامۃ ہے۔ کوئی انسان وہاں سے ہٹنے کی تمنا نہیں کرے گا اور اس جگہ پہنچنا صرف اللہ کے فضل سے ہوگا۔

﴿يَصْطَرِخُوْنَ﴾ یہ "صرخ "(چیخنا) سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ قاعدہ اکثر یہ ہے مازاد فی المبنی زاد فی المعنی لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی کی دلیل ہے یعنی جہنمی بہت زور زور سے چیخیں گے۔

﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ وہ چیخیں گے اور کہیں گے کہ انھیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تا کہ وہ نیک عمل کریں تو جواب میں ڈانٹ کر کہا جائے گا ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا، اور تمہارے پاس ایک ڈرانے والا بھی آیا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

غیب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **غیب مطلق:** "ماغاب عن الخلق مطلقا" یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) **غیب نسبی:** یہ کچھ لوگوں کے لیے پوشیدہ اور کچھ لوگوں کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے جو ہمارے سامنے ہے ہمیں اس کا علم ہے لیکن ہمیں علم نہیں کہ بازار میں کیا ہے مگر بازار والوں کو اس کا علم ہوتا ہے۔

﴿اِلَّا مَقْتًا﴾ اللہ کی صفات کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ذاتیہ (۲) فعلیہ (۳) خبریہ

(۱) صفات ذاتیہ وہ صفات ہیں جو ذات باری سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ وہ ہمیشہ ان سے متصف رہا اور رہے گا جیسے حیات،

Scanned by CamScanner

علم، قدرت، سمع، بصر، عزت اور حکمت۔

(۲) صفات فعلیہ وہ صفات ہیں جو اللہ کی مشیت سے متعلق ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو کیا اور نہیں چاہا تو نہیں کیا۔ جیسے محبت، کراہت، رضا، بغض، ضحک، استواء، نزول۔

(۳) صفات خبریہ وہ صفات ہیں جن کے مسمی کی نظیر ہمارے لیے ابعاض ہیں جیسے چہرہ، دو ہاتھ، آنکھ، ساق، انگلی وغیرہ۔ ہم انھیں اللہ کی نسبت اجزا نہیں کہتے ہیں۔ اور وہ ہمارے لیے اجزاء ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا ہاتھ ہمارے جسم کا جز ہے اسی طرح پیر ہمارا جز ہے مگر اللہ کی نسبت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چہرہ اللہ کا جز ہے اور ہاتھ اللہ کا جز ہے۔

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمْ﴾ مناظرہ کا ایک اسلوب تردید اور تقسیم ہے اس اسلوب میں قرآن بے نظیر ہے۔ اس آیت میں تین چیزوں کا چیلنج کیا گیا:

(۱) کیا انھوں نے زمین کی کوئی چیز پیدا کی ہے۔

(۲) کیا وہ آسمان میں شرکت رکھتے ہیں۔

(۳) کیا ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی کتاب آئی ہے کہ یہ بت نفع ونقصان کے مالک ہیں اور یہ جنھیں اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں وہ زمین وآسمان کی تخلیق میں اللہ کے شریک ہیں۔ یہ تینوں چیزیں منتفی ہوگئیں تو واضح ہوگیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مناظرے میں وہ تمام اقسام ذکر کی جائیں جو ذہن میں آسکیں۔ پھر مخالف کے دعویٰ کو ایک ساتھ باطل کر دیا جائے، ایسا نہیں کہ ایک چیز ذکر کرو پھر اس کو باطل کرو، پھر ایک چیز لاؤ پھر اس کو باطل کرو۔

﴿حَلِیْمًا غَفُوْرًا﴾ "الحلم هو تاخير العقوبة عن مستحقها تاخير عقوبة وليس ترك عقوبة لان ترك العقوبة عفو ولكن تاخير العقوبة عن المسيئ يسمّٰى هذا حلماً" مستحقِ سزا سے سزا کو چھوڑ نا نہیں بلکہ کچھ دیر کے لیے ٹال دینا "حلم" کہلاتا ہے کیونکہ سزا کو چھوڑ دینا "عفو" ہے لیکن خطا کار سے سزا کو ٹال دینا "حلم" کہلاتا ہے۔

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ قسمیں، کمیت، کیفیت، زمان ومکان اور ہیئت کے اعتبار سے پکی کی جاتی ہیں۔

(۱) کمیت: جیسے کہے "واللہ واللہ الذی لا الہ الا هو العظيم العزيز الغالب" وغیرہ

(۲) کیفیت: شدید تاثر کے ساتھ قسم کھائے۔

(۳) زمان: جیسے عصر کی نماز بعد وغیرہ۔

(۴) مکان: جیسے مسجد یا فلاں جگہ۔

(۶) ہیئت: مثلاً کھڑے ہو کر وغیرہ۔

﴿اَلْمَكْرُ السَّیِّئُ﴾ اسباب خَفِیہ کے ذریعے دشمن یا مخالف پر اثر ڈالنا "مکر" ہے اور اگر اسباب ظاہر یہ ہوں تو "مکر" نہیں کہا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکر، حَسَن بھی ہوتا ہے۔ ﴿ماکر﴾ نہیں کہا ﴿الا باهله﴾ کہا۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس جرم کا ارتکاب انھوں نے کیا ہے اس کی وجہ سے وہ اس بات کے اہل ہیں کہ ان کو ان کا مکر گھیر لے۔

Scanned by CamScanner

﴿مَكْرَ السَّيِّئِ﴾۔ ”اضافۃ الصفۃ الی الموصوف“ کی قبیل سے ہے جیسے ”ھذا مسجد الجامع“ اصل میں ”ھذا المسجد الجامع“ ہے۔

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ اللہ کی سنت، عذاب کے مستحق لوگوں سے تبدیل نہیں کی جاتی یعنی اٹھائی نہیں جاتی۔

﴿يُبَدَّل﴾ ای یرفع یعنی جو عذاب آنے والا ہے اس کو ہٹا کر دوسرا نہیں لایا جاتا۔ اور تحویل بھی نہیں کی جاتی کہ دوسرے لوگوں کی طرف پھیر دی جائے اور جو اس کے مستحق ہیں وہ بچ جائیں بلکہ اس کے مستحقین ہی کے ساتھ وہ سنت ادا ہوتی ہے۔

”الشیئ الذی یستمر ویوخذ بہ یسمی سنۃ“ وہ چیز جو مسلسل رہے اور اسے اختیار کیا جائے اسے سنت کہتے ہیں۔

قدرت اور قوت میں فرق:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ﴾ ”العلم ادراک الشیئ علی ماھو علیہ“ حقیقت کا ادراک ”علم“ ہے۔ اور کسی کام پر بلا عجز قادر ہونا ”قدرت“ ہے اور کسی فعل پر بلا ضعف قادر ہونا قوت ہے۔ تو قوت، قدرت سے ایک وجہ سے خاص ہے گویا قدرت اور قوت میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ یعنی قدرت میں بے بسی نہیں ہوتی اور قوت میں کمزوری نہیں ہوتی۔

❀❀❀

سورۃ یٰس (مکیۃ)

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ②

یٰسٓ۔(۱) قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے۔(۲)

روحانی زندگی کا مدار، ایمان پر ہے۔ جس کے اہم ترین اصول تین ہیں:

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔ ایمان کے ان تین اہم اصولوں کو جو دین کی روح ہیں اس سورہ میں نہایت مفصل و مدلل بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ قسم ہے قرآن حکیم کی، اس سے کفار کا رد مقصود ہے جو قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ رسول نہیں ہے۔ تو جواب میں قسم کھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بیان کیا گیا۔ یعنی قرآن حکیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے اور جو رسول ہو گا وہ راہ راست پر ہو گا۔ اور نبی کا کام انذار ہے، اجبار نہیں۔

Scanned by CamScanner

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) بیشک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔ (۳)

﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اللہ نے کسی دوسرے نبی کی توثیق کے لیے اپنی کتاب کی قسم نہیں کھائی۔

﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ (سورۂ رعد) قریش کہا کرتے تھے کہ اے محمد! آپ رسول نہیں ہیں، اس کی تردید کرتے ہوئے ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ فرمایا گیا۔ یہاں ایک تاکید "قسم" ہے دوسری تاکید "اِنَّ" ہے تیسری "لَ" (لامِ تاکید) ہے۔ قَالَ النَّقَّاشُ: لَمْ يُقْسِمِ اللّٰهُ تَعَالٰى لِأَحَدٍ مِنْ أَنْبِيَائِهِ بِالرِّسَالَةِ فِي كِتَابِهِ إِلَّا لَهُ (قرطبی) نقاش کا قول ہے کہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے نبی کی رسالت پر اپنی کتاب کی قسم نہیں کھائی ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے ہیں) تو ان کے سر اُلٹ گئے ہیں۔ (۸)

پہلی مثال: منہ اوپر کی طرف ہو گیا ہے نہ نیچے کی طرف دیکھ پاتے ہیں نہ ادھر ادھر دیکھ سکتے ہیں ایسے لوگ کبھی بھی نیچے کی طرف دیکھ کر راہ راست پر نہیں چل سکتے، ایسا آدمی گھڑے میں گر جائے گا۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ دیکھ نہیں سکتے۔ (۹)

﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾

دوسری مثال:

ان کے آگے اور پیچھے رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ آگے دنیا کی رکاوٹ ہے کہ دنیا کے سوا انھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا اور ان کے پیچھے انکار آخرت کی رکاوٹ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔

امام رازی رحمہ اللہ نے کہا کہ نظر (دیکھنا) سے مانع (رکاوٹ) دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مانع ہوتا ہے کہ خود آدمی اپنے وجود کو نہ دیکھ سکے، گردن نہ جھکے تو اپنے وجود کو نہیں دیکھ سکتا۔ دوسرا اپنے گرد و پیش نہ دیکھ سکے۔ پہلی مثال پہلے مانع کی ہے اور دوسری مثال دوسرے مانع کی ہے۔

Scanned by CamScanner

وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ⑩

اور آپ ان کو نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(۱۰)

﴿وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ﴾ یہ وہی حالت ہے جسے اللہ نے مہر لگنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مسلسل ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دل قبولِ حق کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

انذار کے بعد لوگوں کی دو قسمیں ہو گئیں۔

(۱) نذارۃ (ڈراوا) کو قبول نہیں کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ "ای نفذ فیھم۔ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ" کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اکثریت پر قول حق جاری ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ نے ان کی فطرت میں خیر و شر کی تمیز رکھی، انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ (۲) جنہوں نے نذارۃ کو قبول کیا۔ وہ ان دو باتوں سے متصف ہوں۔

(۱) ﴿اتَّبَعَ الذِّكۡرَ﴾ (قرآن کی اتباع)

(۲) ﴿خَشِيَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ﴾ (بغیر دیکھے اللہ کا خوف)

﴿مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ﴾ یعنی انسان کے اعمال کا مفصل ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ ٹیپ ریکارڈر اور کمپیوٹر کی ایجاد سے اس پر یقین کرنا کچھ مشکل نہیں رہا۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡيِ الۡمَوۡتٰى وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَكُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ⑫

بیشک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور (جو) ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلمبند کر لیتے ہیں اور ہر چیز جو ہم نے کتابِ روشن (یعنی لوحِ محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔(۱۲)

﴿وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ﴾ اعمال اور اعمال کے آثار بھی لکھے جا رہے ہیں جیسے کسی نے کوئی کتاب تصنیف کی جس سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا یا اس کا فائدہ دوسروں کو پہنچایا۔ جہاں تک اس کے عمل خیر کے آثار پہنچیں گے اور جب تک پہنچیں گے سب اس کے اعمال نامے میں لکھے جائیں گے۔

﴿وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡيَةِ﴾ ان آیات میں ایک تاریخی واقعہ بیان ہوا ہے کہ رسول کے منکرین سبق لیں۔ واقعہ کے صرف وہ اجزا لیے گئے ہیں جو عبرت پذیری کے لیے کافی ہو سکتے تھے۔ یہ بستی کون سی تھی؟ کن رسولوں کو بھیجا گیا؟ اور واقعہ کب پیش آیا؟ قرآن نے اس کی کوئی صراحت نہیں کی۔ ایک بستی میں تین رسولوں کو بھیجنے کی حکمت و مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو قوم ہٹ دھرمی میں مبتلا ہو جاتی ہے وہ ایک نہیں، تین تین رسولوں کو جھٹلانے میں تامل نہیں کرتی۔ یہ تین رسول کون تھے؟ مفسرین نے ان کے مختلف نام بتائے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے۔

Scanned by CamScanner

بعض مفسرین نے بستی کا نام انطاکیہ بتایا ہے۔ لیکن شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اس قول کو ضعیف کہتے ہیں۔ اس بستی میں پہلے دو رسول بھیجے گئے۔ پھر ان کی تائید و توثیق کے لیے تیسرا رسول بھیجا گیا۔ پھر تینوں نے بستی والوں کو خطاب کر کے کہا ﴿اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ﴾ اس ناصحانہ تبلیغ کے جواب میں مشرکین نے تین باتیں کہیں:

(۱) تم تو ہمارے جیسے انسان ہو ہم تمہاری بات کیوں مانیں؟

(۲) رحمٰن نے تمہارے اوپر کوئی پیغام نہیں اتارا۔

(۳) تم جھوٹ بولتے ہو۔ رسولوں نے جواب دیا ہم جھوٹے نہیں ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم مرسل ہیں۔ ہمارا جو کام تھا وہ کر چکے۔ تمہیں اختیار ہے مانو یا نہ مانو۔

﴿قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ﴾ انبیاء کی دعوت کے نتیجے میں چونکہ دو گروہ بن جاتے ہیں ایک نبی پر ایمان لانے والا، دوسرا اس کی مخالفت کرنے والا۔ اسی کشمکش میں بھائی بھائی میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا سبب یہ انبیاء کو قرار دیتے ہیں۔ یہاں اشتعال انگیزی کا کوئی تاثر نہیں ہے، پھر مشرکین نے کہا تم منحوس ہو۔ جواب ہونا چاہئے تھا کہ تم خود منحوس ہو۔ مگر رسولوں نے مجمل انداز میں ﴿طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ﴾ (یہ مصیبت تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے) کہا۔ ان کے منحوس ہونے کی تصریح نہیں کی۔

انہوں نے اصحاب یٰسین سے کہا کہ:

(۱) تم ہماری طرح بشر ہو۔

(۲) اور بشر نبی نہیں ہوتا۔

(۳) تم جھوٹے ہو۔

(۴) اللہ نے کچھ نہیں اتارا، یعنی انہوں نے تمام کتابوں کا انکار کر دیا۔

(۵) تم لوگ منحوس ہو۔

(۶) اگر تم لوگ باز نہیں آئے تو ہم تمہیں رجم کر دیں گے۔

(۷) تم نے یہاں آ کر ہمارے معبودوں کے خلاف باتیں شروع کر دیں اس لیے وہ ہم سے ناراض ہو گئے اور یہ آفت (قحط وغیرہ) ہمارے اوپر نازل ہو گئی۔

وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۲۱﴾

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔ (۲۰) ایسوں کی جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں۔ (۲۱)

Scanned by CamScanner

نومسلم نے اپنی قوم کو دو باتیں بتا کر رسولوں کی بات ماننے کی دعوت دی:

(۱) ﴿مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا﴾ یہ بے غرض ہیں

(۲) ﴿وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ان کی سیرت بے داغ ہے۔نومسلم نے بڑی ہی خوبصورتی سے ایک ہی فقرے میں نبوت کی صداقت پر سارے دلائل سمیٹ دیئے۔

﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ﴾

شہر کے آخری سرے سے آنے والے نومسلم مردمومن نے اپنی قوم کو دو باتیں بتا کر رسولوں کی بات ماننے کی دعوت دی اول یہ کہ ذرا سوچو یہ دور سے چل کر تمہیں نصیحت کرنے آئے ہیں، تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم سے کچھ مانگتے بھی نہیں۔ دوسرے یہ جو بات کہہ رہے ہیں، وہ ہدایت کی بات ہے اور عقل و انصاف کے مطابق ہے۔

﴿الْمَدِيْنَةِ﴾ لفظ مدینہ کہا جو بڑے شہر کے لیے آتا ہے۔اور بستی کا تعین قرآن سے، نہ کسی صحیح حدیث سے اور نہ کسی مستند ذریعے سے ثابت ہے، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ تینوں رسول کون تھے؟ قرآن نے ان کو مبہم رکھا ہے۔تو کیا ضرورت ہے کہ ان کی تعیین پر زور صرف کیا جائے؟

﴿اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ اس فقرے میں نبوت کے صداقت پر اس اللہ کے بندے نے سارے دلائل سمیٹ دیئے۔ نبی کی صداقت دو ہی باتوں سے جانچی جاسکتی ہے: بے غرض ہونا، سیرت کا بے داغ ہونا۔اس شخص کا استدلال نقل کر کے اللہ نے لوگوں کے سامنے ایک معیار رکھ دیا کہ محمد ﷺ کی نبوت کو پرکھنا ہو تو اسی معیار پر پرکھ کر دیکھو کہ نبی کی صداقت کے دو معیار ہیں، ایک اس کا قول و فعل دوسرے اس کا بے غرض ہونا۔یعنی ان کی سیرت بے داغ ہے اور ان کی سعی و جہد کے پیچھے کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔﴿وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ کوئی آدمی بے غرض اور نیک نیت ہو تب بھی اس کی بات دلیل کے معیار پر پرکھی جائے گی۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۲۳

سورۃ یٰسٓ

(آیت: ۲۲)

تا

سورۃ الزمر

(آیت: ۳۱)

مُجَمَّعُ بِلقِيسَ لِلْبُحُوثِ الإِسْلَامِيَّةِ
حَيْدَرَآبَاد، الْهِنْد

Scanned by CamScanner

تیئیسواں پارہ

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾ ءَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ
الرَّحْمَٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنقِذُونِ ﴿٢٣﴾ إِنِّي إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ
مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿٢٥﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي
يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۲) کیا میں ان کو چھوڑ کر اَوروں کو معبود بناؤں اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے۔ (۲۳) اور نہ وہ مجھ کو چھڑا ہی سکیں تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ (۲۴) میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو۔ (۲۵) حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا بولا کاش میری قوم کو خبر ہو۔ (۲۶) کہ اللہ نے مجھے بخش دیا ار عزت والوں میں کیا۔ (۲۷)

﴿وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ﴾ پھر نومسلم اپنی قوم کو تبلیغ کرتا ہے کہ خالق کی بندگی کرنا تو سراسر عقل وفطرت کا تقاضا ہے۔

توحید پر موت سعادت ہے:

نامعقول بات تو یہ ہے کہ آدمی ان کی بندگی کرے جنہوں نے اسے پیدا نہیں کیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر جن معبودوں کو تم پوج رہے ہو اگر اللہ تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں سزا دینا چاہے تو ان کے اندر یہ زور نہیں کہ اپنے بل بوتے پر تمہیں چھڑا لیں۔ قوم نے اسے قتل کر دیا۔ اللہ نے اسے اسی وقت جنت میں ڈال دیا۔ مرد مومن نے وہاں پہنچ کر اپنی تمنا کا اظہار کیا کہ کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا اور وہ بھی ایمان لا کر اللہ کی مغفرت اور اس کی نعمتوں کی مستحق بن جائے۔ اس طرح اس شخص نے مرنے کے بعد بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی۔ ایک مومن صادق کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی خیر خواہی کرے اور ان کی صحیح رہنمائی کرے، چاہے لوگ اس کے ساتھ کیسا بھی سلوک کریں۔

Scanned by CamScanner

اس مردمومن نے جنت میں پہنچ کر اس عنایت رب پر مسرت کا اظہار کیا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا اور وہ ایمان لے آتی۔ اللہ نے اس مومن کی تمنا قرآن پڑھنے والوں تک پہونچا دی۔ توحید پر مرنا کتنی بڑی سعادت ہے۔

قال عروة بن مسعود الثقفي رضي الله عنه لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ابْعَثْنِي إِلَى قومي أدعوهم إِلَى الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوك" فَقَالَ: لَوْ وَجَدُونِي نَائِمًا مَا أَيْقَظُونِي، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسلم: "انطلق" فَانْطَلَقَ، فَمَرَّ عَلَى اللَّاتِ وَالْعُزَّى، فَقَالَ: لَأُصَبِّحَنَّكَ غدا بما يسوؤك، فَغَضِبَتْ ثَقِيفُ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ ثَقِيفٍ إِنَّ اللَّاتَ لَا لَاتَ وَإِنَّ الْعُزَّى لَا عُزَّى، أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا، يَا مَعْشَرَ الْأَحْلَافِ إِنَّ الْعُزَّى لَا عُزَّى وَإِنَّ اللَّاتَ لَا لَاتَ، أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا، قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَرَمَاهُ رَجُلٌ فَأَصَابَ أَكْحَلَهُ فَقَتَلَهُ، فَبَلَغَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "هَذَا مَثَلُهُ كَمَثَلِ صَاحِبِ يس" قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ

(تفسیر ابن کثیر، ج۔۶ صفحہ ۵۵۲)

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ آئے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اپنی قوم کی طرف بھیج دیں کہ اسلام کی دعوت دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوكَ﴾ انھوں نے کہا لوگ میرا اتنا احترام کرتے ہیں کہ سویا پائیں تو مجھے جگاتے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انطلق (جاؤ) عروہ نے کہا اے گروہ ثقیف! لات کوئی لات نہیں اور عزیٰ، کوئی عزیٰ نہیں، اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے۔ تین بار کہا۔ ایک تیر آیا اور شہید ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذَا مَثَلُهُ كَمَثَلِ صَاحِبِ "يس" ﴿قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ﴾ اس واقعہ میں عقیدۂ تناسخ کا رد موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ قیامت سے پہلے جزا اور سزا کیسے ملتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کو اس کے جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا لیکن قیامت سے پہلے جزا یا سزا کا صرف تھوڑا سا حصہ ملتا ہے۔

تناسخ کا عقیدہ غیر منطقی ہے:

تناسخ کا معنی ہے بصورت توالد کسی روح کا قانون پیدائش کے ماتحت نیا جسم اختیار کرنا۔ یعنی جس طرح کسی نوع کے پیدا ہونے کا قانون ہے مثلاً انسان اور گائے اور بھینس وغیرہ کے بچے کا ماں کے پیٹ سے اور مرغ و کبوتر وغیرہ کے بچے کا انڈے سے پیدا ہونا قانون قدرت ہے، اسی طرح کسی روح کا پہلے جسم کو چھوڑ کر نیک و بد اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے نئے جسم میں داخل ہونا تناسخ کہلاتا ہے۔ رہا ارواح شہداء کا جنتی طیور کے اندر داخل ہونا، تو وہ اس کیفیت سے نہیں بلکہ وہ پرندے پہلے سے موجود ہیں۔ ان سے ارواح شہداء کا تعلق صرف تفریح ہے۔ ان کی ارواح پرندوں کے لیے روح حیات نہیں۔ آواگون (reincarnation) کا عقیدہ (concept) غیر منطقی (illogical) ہے۔ فرض کرو ایک اونچی ذات (Higher

Scanned by CamScanner

جانور رکیا اچھے کام کرے گا کہ ہائر کاسٹ (caste) کا آدمی برائی کرتا ہے اور اگلے جنم میں وہ ایک جانور بن جاتا ہے۔ اب یہ جانور کیا اچھے کام کرے گا کہ ہائر کاسٹ میں پہونچ جائے۔ غلط اور صحیح کے درمیان تمیز کرنا یہ انسان کی مخصوص صفت ہے جو اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اکثریت تو برے لوگوں کی ہے۔ اس طرح انسانی آبادی گھٹنی چاہئے۔ جب کہ وہ بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اور جو جانور ہمارے اردگرد ہیں ان کو کھانا وغیرہ نہیں دینا چاہئے کیونکہ اللہ کا غضب ان پر ہے۔

وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ۚ اَحْیَیْنٰھَا وَاَخْرَجْنَا مِنْھَا حَبًّا فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور ایک نشانی ان کے لیے زمین مُردہ ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ (۳۳)

بعث بعد الموت پر دو مشاہداتی دلیلیں:

﴿وَاٰیَۃٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ﴾ یہ بعث بعد الموت کی پہلی اور مشاہداتی دلیل ہے کہ (۱) زمین جو پاؤں کے نیچے بچھی ہے، یہ مردہ ہوتی ہے۔ بارش بھیج کر ہم اسے زندہ کر دیتے ہیں۔ یعنی زمین خشک پڑی تھی، بارش سے سرسبز ہوگئی۔ اسی طرح جو اللہ مردہ زمین میں جان ڈال سکتا ہے وہ قدرت رکھتا ہے کہ انسانوں کو ان کے مرنے کے بعد زندہ کر سکے۔

(۲) ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اس آیت میں دنیا میں جاری ایک قانون، قانون تزویج (جوڑے کا قانون) سے بعث بعد الموت پر استدلال کیا گیا ہے۔ کہ دنیا میں ہر چیز کا جوڑا ہے اور ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر مقصد کو پورا کرتی ہے تو لازم ہے کہ دنیا کا کوئی جوڑا ہو ورنہ دنیا بالکل عبث اور بے مقصد ہو جائے گی اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ کوئی بے مقصد کام کرے۔ اس آیت کریمہ کو لفظ سبحٰن سے شروع کیا گیا ہے۔ جس سے اشارہ کیا گیا کہ دنیا کی ہر چیز کا جوڑا ہے مگر اللہ کا جوڑا نہیں ہے۔ جوڑا ہونا عیب ہے اس سے وہ پاک ہے۔ جب اس کی بیوی نہیں تو کوئی اس کا کوئی ولد (بچہ) نہیں۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾

اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ (۳۹)

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ﴾ چونکہ چاند ایک مہینے میں اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے، اس لیے اس کی منزلیں انتیس (۲۹) یا تیس (۳۰) ہوتی ہیں مگر ہر مہینہ چونکہ چاند ایک دن غائب رہتا ہے اس لیے عموماً اس کی منزلیں اٹھائیس (۲۸) کہی جاتی ہیں۔ عُرْجُوْنِ: پتلی سوکھی خمدار ٹہنی، باریک اور ٹیڑھے ہونے میں چاند کو اس سے تشبیہ دی گئی۔ سورج اگر معبود ہوتا تو ایک خاص حرکت کا پابند نہ ہوتا اور اگر اتفاق حادثہ کے طور پر وجود میں آ گیا ہوتا تو یہ

باقاعدگی نہ ہوتی۔اور غریب چاند کی بے بسی کا یہ حال ہے کہ ہر ماہ اسے مختلف فلکی منازل طے کرنی پڑتی ہے۔جس سے وہ سوکھ
کے کانٹا اور خمیدہ کمر ہوجاتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۟ؕ﴿۳۸﴾

اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔(۳۸)

سورج کا دوران:

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ قرآن اس نظریے کے حق میں ہے کہ سورج متحرک ہے۔جدید سائنسی تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور سورج اپنے نظام شمسی کو لیے ہوئے حرکت کر رہا ہے۔سائنسدانوں کا اندازہ ہے کہ ۲۵۰ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے اس کی محوری گردش تقریباً ۲۷ دن میں پوری ہوتی ہے اور مداری گردش دوسو پچاس ملین سالوں میں پوری ہوتی ہے۔سویڈن اور ہالینڈ کے سائنسدانوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ سورج میں جل رہا ہائیڈروجن پانچ بلین سالوں میں ختم ہوجائے گا اور تب سورج بے نور ہوجائے گا۔

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ مستقر سے زمانی اور مکانی دونوں مستقر مراد ہوسکتے ہیں۔مستقر کا ایک مطلب مدار (orbit) ہوسکتا ہے۔مستقر زمانی سے مراد یوم قیامت ہے۔یعنی سورج پر وقت گذر رہا ہے جیسے آدمی پر وقت گزر رہا ہے جیسے آدمی ایک دن مرجاتا ہے، ایسے ہی سورج بھی ایک دن بے نور ہوجائے گا۔

زمین کی گردش کا نظریہ:

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ زمین کی گردش کا نظریہ قرآن کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ اس نے پہاڑوں کو زمین میں میخوں کی طرح پیوست کر دیا تا کہ وہ ہل نہ سکیں۔یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے۔میخوں کی طرح پیوست ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ زمین متحرک نہیں ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ ایک کشتی سمندر میں تیر رہی ہے اور سمندری لہروں سے ہچکولے کھا رہی ہے۔کسی نے ہچکولوں سے اسے محفوظ کرنے کے لیے اس پر بڑی بڑی وزنی چیزیں رکھ دیں۔اس دباؤ سے کشتی کی اضطرابی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔اس کے باوجود وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتی ہے۔ زمین کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔(۴۰)

﴿یَّسْبَحُوْنَ﴾ لفظ یسبحون سے معلوم ہوا کہ تمام اجرام سماویہ کو چلنے کی کیفیت ایسے ہے جیسے کوئی پانی میں تیر رہا

Scanned by CamScanner

ہو۔ یعنی آسمان دریا کی طرح ہے اور ستارے اس میں تیرتی مچھلیوں کی طرح ہیں۔ اور جدید ترین (Latest) تحقیق یہ ہے کہ پورا نظام شمسی خلا کے اندر تیر رہا ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ (۴۱)

﴿حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ بھری کشتی کو حاملہ عورت کے پیٹ سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح پیٹ میں بچہ ہوتا ہے اسی طرح کشتی میں کشتی کے سوار ہوتے ہیں۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریادرس ہو اور نہ ان کو رہائی ملے۔ (۴۳)

﴿فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ﴾ صریخ، کے معنی فریادرس کے ہیں۔ اور یہی معنی غوث کے بھی ہیں۔ یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی غوث نہیں اور نہ کوئی کشتی کو پار لگانے والا۔ ولیوں کو غوث سمجھنا مشرکانہ عقیدہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ بھلا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا تم تو صریح غلطی میں ہو۔ (۴۷)

اللہ نے غریب روزی نہیں دی تو ہم کیوں دے؟

مشرکین بطور طعن کہتے ہیں کہ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ ہی سب کو روزی دیتا ہے تو جب اللہ نے ان غریبوں کو روزی نہیں دی تو ہم کیوں دیں؟ اگر اللہ کو دینا ہوتا تو خود دے دیتا، ہم تو اللہ کی مشیت پر چلتے ہیں۔ اے مسلمانو تم ہم کو مشیت الٰہی کے خلاف کرنے کا حکم دیتے ہو۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ان کا کوئی بچہ بھوکا ہو تو اسے بھی کھانا نہیں دینا چاہئے کہ اللہ کھلانا چاہے گا تو کھلا دے گا۔ اللہ کی مشیت اور اس کی شریعت میں فرق ہے۔ جیسے اس دنیا میں عطر و گلاب بھی ہے اور پاخانہ و پیشاب بھی۔ سب اللہ کی مشیت سے ہے۔ لیکن پاک کو استعمال کرنے کا حکم اور ناپاک کو استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ بندہ کا کام ہے کہ اللہ کے حکم پر چلے نہ کہ اس کی مشیت کو اپنے برے فعل کے لیے بہانہ بنائے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا﴾ اللہ کا ایک حکیمانہ قانون ہے کہ ایک انسان کو دے کر اس کو دوسروں کے لیے واسطہ بناتا ہے۔ حالانکہ وہ قادر ہے کہ بلاواسطہ رزق دے دے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات میں کوئی مالدار اور کوئی غریب نہیں۔ اس

وجہ سے انہیں رزق بلا واسطہ مل رہا ہے۔ مگر انسانوں میں نظام معیشت اور باہمی تعاون کی روح پیدا کرنے کے لیے بعض کو بعض کے لیے واسطہ بنایا گیا ہے۔ اسی تعاون باہمی پر سارا نظام عالم قائم ہے۔ اور یہ جبھی باقی رہ سکتا ہے جب کہ ایک کو دوسرے کی حاجت ہو۔ غریب کو مالدار کے پیسے کی ضرورت ہے اور مالدار کو غریب کی محنت کی ضرورت ہے۔ غور کیجئے کسی کا کسی پر احسان نہیں ہے۔ ہر شخص مطلب کے لیے دیتا ہے۔ مالدار کو ثواب ملتا ہے غریب اس کا احسان مند ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سوال کہ غریبوں کو دے کر اللہ کی مشیت کے خلاف کیوں کریں؟ یہ صحیح ہے کہ غربت و ناداری اللہ کی مشیت سے ہے۔ لیکن غریبوں کی امداد کا حکم دینے والا بھی تو اللہ ہے۔ اس کی رضا ہے کہ غرباء کی مدد کی جائے۔ اس لیے کہ مشیت اور چیز ہے رضا اور چیز۔ مشیت کا تعلق امور تکوینی سے ہے اور رضا کا تعلق امور تشریعی سے ہے۔ جن کو بجالانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے تا کہ ہمیں اللہ کی رضا حاصل ہو۔

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۶۰﴾

اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (۶۰)

﴿اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ﴾ شیطان کے حکم پر آنکھیں بند کر کے چلنے والا شیطان کا عابد ہے جیسے جیسے حدیث میں ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمِ، وَالْقَطِيفَةِ، وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ" (بخاری: کتاب الرقاق: ۶۴۳۵) دینار اور درہم کا بندہ ہلاک ہو۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ فَاِذَا هُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمۡ يَنۡسِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾

اور (جس وقت) صُور پھونکا جائے گا یہ قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ (۵۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ وابی بن کعب رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں کہ نفخہ اولی سے نفخہ ثانیہ کے دوران ان سے عذاب دور کر دیا جائے گا وہ سو جائیں گے پھر حشر برپا ہوگا تو یہ کہیں گے۔

قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۲﴾

کہیں گے کہ ہائے! ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا؟ یہ وہی تو ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔ (۵۲)

﴿يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا﴾ "ای من منامنا فی القبور" یعنی قبروں میں ہماری نیند سے ہمیں کس نے جگایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ" قَالَ:

Scanned by CamScanner

قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: ''ثُمَّ يُنْزِلُ أَرْبَعُونَ يَوْمًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: أَرْبَعُونَ شَهْرًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: ''ثُمَّ يُنْزِلُ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلَى، إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ
عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (بخاری: کتاب التفسیر: ۴۸۱۴)

دونوں صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس کی مدت ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیا چالیس دن؟ انہوں نے انکار کیا۔ راوی نے کہا کیا چالیس سال تو انھوں نے انکار کیا۔ راوی نے کہا چالیس مہینے تو انہوں نے اس کا بھی انکار کیا اور کہا کہ انسان کی ہر چیز دُمچی (coccyxbone) کے علاوہ سڑ جائے گی، جس سے انسان کا تمام جسم جوڑا جائے گا۔

عَنْ أَبِي صَالِحٍ رضی اللہ عنه {يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا} قَالَ: كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ الْعَذَابَ يُخَفَّفُ عَنْ أَهْلِ الْقُبُورِ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ، فَإِذَا جَاءَتِ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ قَالُوا: يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا (مصنف ابن ابی شیبہ)

دونوں نفخوں کے درمیان قبر والوں پر عذاب ہلکا کر دیا جائے گا۔ اور جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو کہیں گے ہائے! ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے جگایا؟

﴿مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ عذاب حشر کے مقابلے میں قبر کا عذاب خواب محسوس ہوگا۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے۔ (۶۵)

کٹر مجرم اللہ کے یہاں مکر جائیں گے بلکہ قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ انہوں نے جرم نہیں کیا۔ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (سورہ انعام)

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا (کر اندھا کر) دیں پھر یہ رستے کو دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے۔ (۶۶)

ایک سوال: بندے کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی گئیں تو ہدایت پانے کا اسے اختیار نہ رہا۔
جواب ایک عجیب برہان سے دیا گیا ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ﴾ ان کی ظاہری آنکھوں سے ان کا ظاہری راستہ پانا دلیل ہے کہ جس طرح ظاہری آنکھیں دی ہیں، انھیں باطنی آنکھیں بھی دی ہیں، مگر شیطان نے ان کی آنکھوں پر لذات فانیہ کے حجابات ڈال رکھے ہیں۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾

Scanned by CamScanner

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہ پر ان کی صورتیں بدل دیں پھر وہاں سے نہ آگے جا سکیں اور نہ (پیچھے) لوٹ سکیں۔ (۶۷)

﴿مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ان کے چلنے پھرنے کی قوت سلب نہیں کی تو ان کے باطنی قویٰ بھی معطل نہیں کئے۔ لیکن یہ گمراہی میں آپ ہی گرتے ہیں۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۞

اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں تو کیا یہ سمجھتے نہیں؟ (۶۸)

﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ﴾ بچپن کے بعد جوانی آتی ہے اور جوانی میں انسان طاقتور ہوتا ہے۔ پھر بڑھاپا آتا ہے جس میں بچپن کی تمام کمزوریاں لوٹ آتی ہیں۔ تو جو اللہ ایک بار جوانی کی طاقت دے کر بڑھاپے کی شکل میں بچپن والی کمزوریاں لوٹا سکتا ہے تو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتا؟

﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ (عمر زیادہ ہوئی تو سارے کمالات چھن جاتے ہیں) یہ جملہ سن کر کفار کہنے لگے یہ جملہ تو بالکل شاعرانہ ہے۔ تو جواب دیا گیا ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۞

(مگر) وہ ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔ (۷۵)

﴿وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ﴾ یہ مشرکین ان بتوں کے حاضر باش لشکر ہیں۔ لشکر کا کام مدافعت کرنا، لڑنا ہوتا ہے۔ یعنی یہ بت ان کی کیا مدد کریں گے۔ ان بتوں کی کوئی مذمت کرے تو ان کی حمایت میں یہی سرگرم ہوتے ہیں نہ کہ خود ان کے معبود۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۞

اور ہمارے ہاں میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ (۷۸)

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ﴾ بے جان مادہ سے وہ ابتدائی جرثومہ حیات پیدا کیا جو اس کی تخلیق کا سبب بنا، اب ہمارے سامنے باتیں چھانٹ رہا ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۞

(وہی ہے) جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر ان) سے آگ نکالتے ہو۔ (۸۰)

تمہیں یہ شبہ ہے کہ راکھ اور مٹی سے زندگی کیسے نمودار ہوگی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ وہ ہرے درخت سے اگر آگ نکال سکتا ہے تو اس کے لیے کیا بعید ہے کہ مٹی اور راکھ سے زندگی نمودار کردے۔

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴿۸۲﴾

اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔(۸۲)

﴿اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ موجود علمی سے کہتا ہے "ہو جا" تو وہ فوراً موجود ہو جاتی ہے۔ اللہ کو مخلوق پر قیاس نہ کرو۔ انسان کسی چیز کو بنانے میں کئی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔(۱) قوت (۲) اعضاء بدنیہ (۳) آلات (۴) مادہ (۵) زمانہ (۶) موانع کا نہ ہونا (۷) علم۔ مثلاً ایک آدمی ایک کرسی بنانا چاہے تو اس کے وجود کے لیے وہ ان تمام چیزوں کا محتاج ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۸۳﴾

وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔(۸۳)

﴿وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ اسی کے پاس جانا ہے کسی اور کے پاس نہیں۔ صیغہ مضارع مجہول یہ بتا رہا ہے کہ حال میں بھی تم اسی کے پاس چلے جا رہے ہو اور یہ عمر تمہارا ایک سفر ہے اور تم از خود نہیں جا رہے ہو بلکہ تمہیں کوئی لیے جا رہا ہے۔

نکاتِ سورہ یٰسین:

﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

الصراط. المرور بسرعة صراط کا معنی "تیزی سے گزرنا" ہے۔ کہا جاتا ہے "صرط اللقمة ای ابتلعه" یعنی لقمے کو جلدی سے نگل لیا۔

لا تکون الطریق صراطا حتی تتضمن خمسة امور: (۱) الاستقامة (۲) الایصال الی المقصود (۳) القرب (۴) سعته للمارین علیه (۵) تعینه طریقا للمقصود کسی راستے کو اس وقت تک صراط نہیں کہتے جب تک اس کے اندر پانچ چیزیں نہ پائی جائیں۔(۱) سیدھا ہو۔ (۲) منزل تک پہنچانے والا ہو۔ (۳) نزدیک ہو۔ (۴) تمام گزرنے والوں کے لیے کشادہ ہو۔ (۵) متعین ہو۔

"لان الخط المستقیم هو اقرب خط فاصل بین نقطتین و کلما تعوج طال و بعد۔ واستقامته تتضمن ایصاله الی المقصود ونصبه لجمیع المارین علیه یستلزم سعته واضافته الی المنعم علیهم۔ ووصفه بمخالفة صراط اهل الغضب یستلزم تعینه طریقا"

Scanned by CamScanner

دو نقطوں کے درمیان سب سے سیدھا خط سب سے چھوٹا ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ ٹیڑھا ہوتا جاتا ہے وہ طویل اور بعید ہوتا جاتا ہے اور استقامت (سیدھا ہونا) منزل تک پہونچانے کو متضمن ہے۔ اور تمام گزرنے والوں کے لیے اس کو قائم کرنا، اس کے وسیع ہونے کی دلیل ہے۔ اور اس کی نسبت منعم علیھم (جن پر انعام کیا گیا) کی طرف اور اہل غضب (یہود) کے راستے کی مخالفت کے ساتھ اس کو موصوف کرنا اس راستے کے متعین ہونے کو مستلزم ہے۔

﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ کوئی انسان کسی قوم کے پاس آتا ہے اور چلا کر کہتا ہے العدو، العدو (دشمن دشمن) تو ایسے آدمی کو منذر یا نذیر کہا جاتا ہے۔ یہاں منذر کا ذکر کیا مبشر کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مخاطب، مخالف اور طاغی قوم تھی۔

﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ﴾ بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھوڑیوں تک (اڑ گئے) ہیں اس لیے ان کے سر اٹھے رہ گئے ہیں۔ اغلال، غل کی جمع ہے۔ غل ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ یہاں گردن کا تذکرہ کر کے یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ہاتھ کو گردن سے باندھ دیا جائے گا جو ٹھوڑی پر تنگ ہو جائے گا جس سے سر اوپر اٹھ جائے گا جسے وہ جھکا نہیں پائیں گے۔ اگر اس منظر کا تصور کریں گے تو آپ کے ذہن میں ایک انتہائی بدصورت تصویر آئے گی۔ ہاتھوں کو باندھ کر ٹھوڑی کے پاس سے گردن تک پہنچا دیا جائے گا۔ اذقان، ذقن کی جمع ہے۔ ذقن، دونوں جبڑوں کے مجمع کو کہتے ہیں۔ ہاتھوں سے کوئی تصرف نہیں کر سکتے نہ لے سکتے ہیں نہ دے سکتے ہیں اور سر کو نیچے بھی نہیں کر سکتے۔

ان کے آگے پیچھے دیوار کھڑی کر دی ہے نہ آگے جا سکتے ہیں، نہ پیچھے جا سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ حق کو نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں وہ حق کے سامنے نہیں جھک سکتے۔ ان کے آگے پیچھے دیوار ہے۔ یہ حق تک نہیں پہونچ سکتے ہیں۔ اور نہ حق ان تک پہونچ سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے وہ حق کو نہیں دیکھ سکتے۔

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ انذار (ڈراوا) سے فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو ذکر (قرآن) کی اتباع کرتے ہیں۔

خشیت کا معنیٰ:

﴿خَشِيَ الرَّحْمٰنَ﴾ "الخشیة ھی۔ الخوف عن علم بالمخوف وعظمته"۔ خشیت اس ڈر کو کہتے ہیں جو مخوف (جس سے ڈرا جائے) کی عظمت کے علم سے ہو۔

﴿وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ آدمی، داعی کے حالات ایسے وصف کے ساتھ بیان کر سکتا ہے جو داعی کی بات کو قبول کرنے پر لوگوں کو آمادہ کرے۔ اسی وجہ سے صاحب یٰس نے پیغمبروں کا وصف مُّهْتَدُوْنَ بیان کرنے کے ساتھ ﴿اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ کہا۔

﴿وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ کمال دعوت یہ ہے کہ حکم کو اس کی دلیل کے ساتھ بیان کرے۔

Scanned by CamScanner

﴿لَا يُنْقِذُوْنِ﴾ اگر اللہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرلے تو اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ایک آدمی پانی میں گر گیا۔ ایک شخص آکر اسے بچالیتا ہے۔ یہ بچانا اللہ کی تقدیر سے ہے۔

﴿اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اللہ کے سوا معبود بنانا سب سے بڑی گمراہی ہے۔

﴿اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ﴾ کسی انسان کو تکلیف پہونچانے کا ارادہ کبھی کبھی اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

﴿وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ﴾ (حالانکہ اسے ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا) ہم قادر نہیں ہیں کہ ان پھلوں کو پیدا کر سکیں۔ نہ یہ ہماری کاریگری ہے۔ یہ محض اللہ کے فضل سے ہے۔ اگر دنیا کے تمام انسان مل کر ایک کھجور یا انگور کا ایک دانہ نکالنا چاہیں تو نہیں نکال سکتے۔

﴿نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ﴾ "ان الاصل هو الظلام وان النهار طاری علیه" اصل تاریکی ہے دن اس پر طاری ہوتا ہے یعنی "النهار یسلخ من اللیل"، جیسے بکری کی کھال کھینچی جائے تو دھیرے دھیرے اس کا چمکدار گوشت دکھائی دینے لگتا ہے۔

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ (اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے) "الجری، المشی بشدۃ۔ جری" کا مطلب "تیزی سے چلنا" ہے۔ سورج چل رہا ہے اور اس کی رفتار بڑی تیز ہے۔

﴿لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ جیسے ہر شئی کی انتہا ہے اسی طرح سورج کی بھی انتہا ہے۔

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ﴾ چاند اور انسان کی حالت ایک جیسی ہے۔ پہلے چاند کمزور ہوتا ہے پھر دھیرے دھیرے اس کی قوت بڑھتی ہے یہاں تک کہ جب قوت مکمل ہو جاتی ہے تو پھر اس میں ضعف اور نقص آجاتا ہے۔ انسان کی حیات ایسے ہی ہوتی ہے۔

"وما ینبغی۔ ای لا یمکن، الممتنع غایة الامتناع۔ ان ذلک مستحیل" عربی میں "وما ینبغی" کا مطلب ہوتا ہے، ایسا ممکن نہیں۔ ایسا ہوتا ہی نہیں ہے۔ یکسر محال ہے۔

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ یہ ممکن نہیں کہ سورج چاند کو پالے اور چاند کے ساتھ رات میں جمع ہو جائے۔ یعنی جب سورج ڈوبتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ رات کے وقت نکل آئے۔ ہاں، قیامت کے دن دونوں اکٹھا ہو جائیں گے اور نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ﴾ "ان اللیل لا یاتی قبل انتهاء النهار" دن کے ختم ہونے سے پہلے رات نہیں آتی۔

﴿فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ اللہ نے نوح اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو باقی رکھا۔ اگر انھیں باقی نہ رکھتا تو زمین سے بشریت ختم ہو جاتی۔ معلوم ہوا کہ جتنے باقی بچے تھے وہ نوح کی نسل تھی۔ اسی وجہ سے نوح کو "ابو البشر ثانی" کہا جاتا ہے۔

﴿اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ﴾ (کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو کھلا دیتا) "کلمة حق

Scanned by CamScanner

اریدبھاالباطل" کی قبیل سے ہے۔ یعنی کلمہ تو حق ہے مگر اس سے باطل کا ارادہ کیا جارہا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو انھیں کھلاتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ ان کو غریب بناتا اور تمہیں امیر بناتا کیونکہ اللہ کی مشیت محض مشیت نہیں بلکہ اس کی مشیت مقرون بالحکمۃ (حکمت کے ساتھ ملی ہوئی) ہوتی ہے۔

﴿اِلٰی رَبِّهِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ﴾ (اپنے رب کی طرف تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے) نسل کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا کسی چیز سے جدا ہو جانا۔ اولاد کو نسل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ باپ ہی سے جدا ہوتی ہے۔

﴿مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا﴾ مرنے والے کو سونے والے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ کیونکہ مرقد، خوابگاہ (سونے کی جگہ) کو کہتے ہیں۔ گویا قبر میں مردے کی مثال سونے والے کی طرح ہے۔ جس طرح سونے والا جب کوئی خواب دیکھتا ہے تو اس کا جسم اسے پوری طرح محسوس کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح مردہ جسم ثواب وعقاب کو پوری طرح محسوس کرتا ہے اور اگرچہ دو زندگیاں اور دو موتیں اپنی جگہ اٹل حقیقت ہیں لیکن اس قاعدہ کلیہ سے مستثنٰی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خواب کی حالت میں بدن کو روح کے واسطے سے تکلیف پہونچتی ہے اسی طرح قبر میں روح کے واسطے ہی سے بدن کو تکلیف پہونچتی ہے۔ عذاب قبر کی روایات بے شمار ہیں۔ ان سب کا یکسر انکار محض مکابرہ ہے۔ اور چونکہ قبر کے عذاب وثواب کا معاملہ سمعیات سے تعلق رکھتا ہے اور اس معاملے میں عقلیات کا کوئی دخل نہیں کیونکہ احوال برزخ عقل کا دائرہ کار ہی نہیں، لہٰذا اس معاملے میں سمعیات پر اعتماد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور اس معاملے میں عقلی پیچیں لڑانا عقل وشرع دونوں کے ساتھ مذاق ہے۔ شرع کا مذاق تو ظاہر ہے، رہا عقل کے مذاق کا معاملہ تو یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی احمق کان سے سننے کی بجائے آنکھ اور دیگر حواس سے سننے کی کوشش کرے۔

جدال کے اقسام: ﴿خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ﴾ (تو یکایک وہ کھلا ہوا جھگڑالو ہو گیا)

(۱) جدال ممدوح: جس سے اثبات حق اور ابطال باطل مقصود ہو۔

(۲) جدال مذموم: جس سے باطل کو حق اور حق کو باطل کرنا مقصود ہو۔

(۳) جدال بین بین: نہ حق کا حکم دیتا ہے نہ اس سے منع کرتا ہے۔

Scanned by CamScanner

سورة الصّٰفّٰت (مكية)

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔ (۱)

قسم کھانے کا مقصد:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا﴾ قسم ہے حکم الٰہی کی تعمیل میں یا عبادت کے لیے صف بستہ فرشتوں کی۔ قسم کھانے میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ غنی الاغنیاء ہے اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی کو یقین دلانے کے لیے قسم کھائے۔ جواب یہ ہے کہ شفقت علی الخلق کے لیے، کہ وہ کسی طرح حق کو قبول کرلیں اور عذاب سے بچ جائیں۔ اللہ نے کہیں ذات حق کی قسمیں کھائی ہیں وہ قرآن میں سات جگہوں پر ہیں۔ کہیں اپنے افعال وصفات کی جیسے ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ (الشمس۔۵) اور بیشتر قسمیں اپنے مفعول ومخلوق کی کھائی ہیں۔ جو معرفت الٰہی کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اسی کی ذات کی طرف راجع ہوجاتی ہیں۔

کہیں کسی چیز کی عظمت بیان کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی ہے۔ جیسے ﴿لعمرك﴾ (الحجر۔۷۲) (اے میرے نبی تیری زندگی کی قسم) کبھی کسی چیز کے کثیر المنافع ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی۔ جیسے ﴿والتين﴾ (التین۔۱) (انجیر کی قسم) اس لیے کہ یہ معرفت صانع عالم کا اہم ذریعہ ہیں۔ ہاں انسان کو اللہ کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾

پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر۔ (۲)

﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا﴾ شیاطین کو ڈانٹنے والے۔ یا بادلوں کو ہانکنے والے فرشتے۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾

پھر ذکر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی (غور کر)۔ (۳)

Scanned by CamScanner

﴿فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ ذکر الٰہی میں مصروف یا قرآن کی تلاوت کرنے والے فرشتے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۞

جو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں سب کا مالک ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے مقامات کا بھی مالک ہے۔(۵)

علم الافلاک (Astronomy) کی روشنی میں آج یہ سمجھنا آسان ہوگیا ہے کہ سورج پورے سال طلوع کی سمت اور غروب کی سمت بدلتا رہتا ہے چنانچہ کئی مشرق اور مغرب ہوئے اور جس طرح زمین پر سورج کے طلوع وغروب سے مشرق ومغرب بن جاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر سیاروں کا بھی مشرق ومغرب ہے، اس سے اشارہ کر دیا گیا کہ کائنات بے حد وسیع ہے۔

﴿الْمَشَارِقِ﴾ کرۂ ارض پر مشرق ہر مقام کی نسبت سے مختلف ہوگا۔ ترکی کا مشرق، مغربی علاقوں کی نسبت سے، ان کے مشرق میں ہے، مگر ترکی کا مشرق درحقیقت ایران کا مغرب ہے۔ اس لیے مشرق کا نظریہ کرۂ ارض کے ہر مقام پر مختلف ہے۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ۞

کہہ دیجئے ہاں اور تم ذلیل ہوگے۔(۱۸)

﴿قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ﴾ (ہاں! اور (بلکہ تم ایسے حال میں اٹھائے جاؤ گے کہ) تم ذلیل وخوار بھی ہو گے) دیکھنے میں تو یہ ایک حاکمانہ جواب ہے جو ایک ہٹ دھرمی کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ ایک پوری دلیل ہے کہ جو بات عقلاً ممکن ہو اس کا واقعۃً وجود میں آنا کسی مخبر صادق (سچی خبر دینے والا) کی خبر سے ثابت ہوسکتا ہے۔ اب کسی نبی کا صرف اتنا کہہ دینا کہ ہاں تم دوبارہ زندہ ہوگے، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ واقعہ ضرور پیش آ کر رہے گا۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ۞

جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے ہم جنسوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے (سب کو) جمع کرلو۔(۲۲)

﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ ہم جنسوں کا ایک ساتھ حشر ہوگا۔ جیسے زانی، زانی کے ساتھ، سود خور، سود خور کے ساتھ وغیرہ۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ۞

اور ان کے پاس نیچی نظروں، بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔(۴۸)

Scanned by CamScanner

جنتی عورتوں کی صفات:

﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ سے جنتی عورتوں کی عفت و پاکدامنی اور حیا کو بیان کیا گیا۔ اور عین یعنی بڑی بڑی آنکھوں والی (غزال چشم) سے ان کے حسن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ گویا وہ حسن وعفت دونوں کی جامع ہوں گی اور ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ سے ان کے رنگ اور ان کی لطافت ونزاکت بیان کیا گیا۔

﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ گویا کہ وہ چھپائے ہوئے شترمرغ کے انڈے ہیں۔ شترمرغ اپنے انڈے پروں کے نیچے چھپائے رکھتا ہے۔ جس سے وہ گرد وغبار سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ انڈے انتہائی خوبصورت رنگ (زردی مائل) کے ہوتے ہیں۔ اللہ نے جنت کی حوروں کو انھیں انڈوں سے تشبیہ دی ہے۔

عَنْ قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ قال "الْبَيْضُ الَّذِي لَمْ تَلُوْثْهُ الْأَيْدِي" (تفسیر عبد الرزاق)

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے وہ انڈے مراد ہیں جن کو ہاتھوں نے کبھی چھوا نہیں۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي عَنْ قَوْلِهِ ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ قَالَ: "رِقَّتُهُنَّ كَرِقَّةِ الْجِلْدَةِ الَّتِي رَأَيْتَهَا فِي دَاخِلِ الْبَيْضَةِ الَّتِي تَلِي الْقِشْرَ وَهِيَ الْغِرْقِيءُ"

(المعجم الاوسط، ۳/۲۷۸)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اللہ کے قول ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ کے بارے میں بتلایئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ سے مراد جنت کی حوروں کی نزاکت وحسن کو اس جھلی سے تشبیہ دی گئی ہے، جو انڈے کے چھلکے کے نیچے چھپی ہوتی ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال (وجواب) کریں گے۔ (۵۰)

عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ شَرِيكَيْنِ لَهُمَا ثَمَانِيَةُ آلَافِ دِينَارٍ وَقِيلَ: كَانَا أَخَوَيْنِ وَرِثَا مِنْ أَبِيهِمَا ثَمَانِيَةَ آلَافِ دِينَارٍ فَاقْتَسَمَاهَا فَعَمَدَ أَحَدُهُمَا فَاشْتَرَى أَرْضًا بِأَلْفِ دِينَارٍ فَقَالَ صَاحِبُهُ: اللَّهُمَّ إِنَّ فُلَانًا قَدِ اشْتَرَى أَرْضًا بِأَلْفِ دِينَارٍ فَإِنِّي أَشْتَرِي مِنْكَ أَرْضًا فِي الْجَنَّةِ بِأَلْفِ دِينَارٍ فَتَصَدَّقَ بِأَلْفِ دِينَارٍ ثُمَّ إِنَّ صَاحِبَهُ بَنَى دَارًا بِأَلْفِ دِينَارٍ فَقَالَ هَذَا: اللَّهُمَّ إِنَّ فُلَانًا بَنَى دَارًا بِأَلْفِ دِينَارٍ فَإِنِّي أَشْتَرِي مِنْكَ دَارًا فِي الْجَنَّةِ بِأَلْفِ دِينَارٍ فَتَصَدَّقَ بِذَلِكَ ثُمَّ تَزَوَّجَ صَاحِبُهُ امْرَأَةً فَأَنْفَقَ عَلَيْهَا أَلْفَ دِينَارٍ فَقَالَ هَذَا الْمُؤْمِنُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَخْطُبُ إِلَيْكَ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ الْجَنَّةِ بِأَلْفِ دِينَارٍ فَتَصَدَّقَ بِأَلْفِ دِينَارٍ ثُمَّ اشْتَرَى صَاحِبُهُ خَدَمًا وَمَتَاعًا

Scanned by CamScanner

بِأَلْفِ دِينَارٍ فَقَالَ هَذَا: اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْتَرِي مِنْكَ مَتَاعًا وَخَدَمًا فِي الْجَنَّةِ بِأَلْفِ دِينَارٍ فَتَصَدَّقَ بِأَلْفِ دِينَارٍ ثُمَّ أَصَابَتْهُ حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ فَقَالَ: لَوْ أَتَيْتُ صَاحِبِي لَعَلَّهُ يَنَالُنِي مِنْهُ مَعْرُوفٌ فَجَلَسَ عَلَى طَرِيقِهِ حَتَّى مَرَّ بِهِ فِي حَشَمِهِ فَقَامَ إِلَيْهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ الْآخَرُ فَعَرَفَهُ فَقَالَ: فُلَانٌ؟ قَالَ: نَعَمْ فَقَالَ: مَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: أَصَابَتْنِي حَاجَةٌ بَعْدَكَ فَأَتَيْتُكَ لِتُصِيبَنِي بِخَيْرٍ فَقَالَ: مَا فَعَلَ مَالُكَ وَقَدِ اقْتَسَمْنَا مَالًا وَاحِدًا وَأَخَذْتَ شَطْرَهُ؟ فَقَصَّ عَلَيْهِ قِصَّتَهُ فَقَالَ: وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ بِهَذَا؟ اذْهَبْ فَلَا أُعْطِيكَ شَيْئًا فَطَرَدَهُ فَقُضِيَ لَهُمَا أَنْ تُوُفِّيَا فَنَزَلَ فِيهِمَا: "فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ" (تفسیر البغوی)

دو تاجرین کا واقعہ:

دو آدمی کاروبار میں شریک تھے، آٹھ ہزار کی آمدنی ہوئی۔ چار چار ہزار دونوں نے آپس میں بانٹ لیے، کافر ساتھی نے ایک ہزار میں ایک زمین خرید لی، دوسرا ساتھی نیک تھا، اس نے دعا کی اے اللہ! میرے ساتھی نے ایک ہزار دینار میں زمین خرید لی ہے میں ایک ہزار کے عوض جنت کی زمین خریدتا ہوں اور اس نے ایک ہزار صدقہ کر دیا، پھر کافر نے ایک ہزار میں گھر تعمیر کیا، نیک دوست نے کہا میں ایک ہزار میں جنت کا ایک گھر خریدتا ہوں اور ایک ہزار صدقہ کر دیا۔ کافر نے ایک ہزار میں ایک عورت سے شادی کر لی۔ نیک آدمی نے کہا میں جنتی حور کو پیغامِ نکاح دیتا ہوں اور ایک ہزار صدقہ کر دیا، کافر ساتھی نے ایک ہزار میں غلام اور سامان خریدا۔ نیک آدمی نے کہا کہ میں ایک ہزار کے عوض جنت کے غلام اور سامان خریدتا ہوں۔ اس کے بعد دونوں مر گئے۔ تو نیک ساتھی جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے کہنے لگا ﴿اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ﴾ کیا اب موت نہیں آئے گی؟

تفسیر اسمٰعیل سدی اور تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بنی اسرائیل کا ایک قصہ اس آیت کے متعلق جو لکھا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی تجارت میں دو شخص ساجھی تھے جس میں ایک شخص مشرک تھا اور ایک مسلمان تھا، یہ مسلمان شخص اکثر اپنے دین کے کاموں میں مصروف رہ کر تجارت کے کاموں سے بے خبر رہتا تھا۔ اس مشرک ساجھی نے اپنے اس مسلمان ساتھی کا یہ حال دیکھ کر اپنے ساجھے سے اس کو الگ کر دیا، اس ساجھی کے الگ ہونے کے وقت دونوں شخصوں کے حصہ میں چار چار ہزار اشرفیاں آئیں۔ اس مشرک شخص نے تو اپنی اشرفیاں دنیا کے طرح طرح کے کاموں میں لگائیں اور مسلمان شخص نے رفتہ رفتہ وہ اپنی سب اشرفیاں عاقبت کے اجر کے خیال سے اللہ کی راہ میں خیرات کر ڈالیں اور تنگ حال ہو گیا۔

ایک روز اس مشرک نے اس مسلمان کو تنگ دست دیکھ کر اس کے حال پر بڑا افسوس کیا اور اس سے پوچھا کہ تیری اشرفیاں کہاں گئیں، پہلے تو اس مسلمان نے اپنی اشرفیوں کا حال اس مشرک سے چھپایا لیکن جب اس مشرک شخص نے بہت کھوج کھوج کر پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ وہ اشرفیاں عاقبت کے اجر کے خیال سے میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں، اس مشرک نے عاقبت اور عاقبت کے اجر کا نام سن کر اس مسلمان کو بہت برا بھلا کہا۔ قیامت کے دن اس مسلمان کو

جنت میں اور مشرک کو دوزخ میں جب اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا۔ تو یہ مسلمان شخص اپنے مشرک ساجھی کا عاقبت کا انکار کرنا اور برا کہنا یاد کر کے جنت میں سے جھانک کر اس کو دیکھے گا اور طرح طرح کے عذاب میں گرفتار پا کر یہ کہے گا کہ اگر دنیا میں تیرا کہنا میں مان لیتا تو آج میں بھی اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔

جنت میں موت نہیں:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جنت کے مکانوں کی دیواروں میں کھڑکیاں ہوں گی جن میں سے اہل جنت اہل دوزخ کا حال دیکھ کر اپنے عیش و آرام کی بڑی قدر کریں گے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ دوسرے کی مصیبت دیکھ کر آدمی کو اپنے آرام کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ اس مسلمان جنتی شخص کے کلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ شخص جنت کی نعمتوں کی قدر اور اپنی خوشی ظاہر کرنے کی باتوں میں یہ بھی کہے گا کہ یہ بھی بڑی مراد پوری ہونے کی بات ہے۔ کہ جنتی لوگ سدا اسی عیش میں رہیں گے اور دنیا میں ایک دفعہ کی موت کا مزا چکھ لینے کے بعد اب ہم کو کبھی موت نہیں آئے گی اس کی تفسیر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیحین کی روایت میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہو جانے کے بعد جنت اور دوزخ کے مابین میں موت کو ذبح کر دیا جائے گا اور پھر فرشتے پکار کر اہل جنت اور اہل دوزخ کو سنائیں گے کہ اب جو جس حال میں ہے، ہمیشہ وہ اسی حال میں رہے گا۔ اب کسی کو موت نہیں ہے۔ اس خبر کو سن کر اہل جنت اپنے عیش و آرام سے ہمیشہ رہنے کی بڑی خوشی کریں گے اور اہل دوزخ اپنا عذاب میں ہمیشہ رہنے کا حال دیکھ کر بڑا رنج کریں گے جس خوشی کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ وہی خوشی ہے جس کا تذکرہ اس جنتی شخص نے اپنی خوشی اور مراد پانے کی باتوں میں کیا ہے۔

غرض جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے نرالی ہیں۔ پھر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ وہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گی، نہ ان نعمتوں کو زوال کا خلل ہے، نہ بیماری کا اور نہ موت کا کچھ کھٹکا۔ دنیا کی نعمتوں کو زوال کا، بیماری کا، موت کا ہر طرح کا کھٹکا لگا ہوا ہے جس کے سبب سے یہ کہنا چاہئے کہ دنیا کی بادشاہت اور وزارت یہاں تک کہ کوئی نعمت پائیدار نہیں۔ کیونکہ زبان حال سے دنیا کی ہر نعمت یہ پکار رہی ہے۔ کہ آج ہے، کل نہیں ہے۔ عاقبت میں اس کے برخلاف معاملہ ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے لوگوں کو فرشتے ہر وقت پکار پکار کر سنا دیں گے کہ جنت کی زندگانی کو موت نہیں اور جوانی کو بڑھاپا نہیں۔ صحت کو مرض نہیں۔ خوشی کو رنج نہیں۔

﴿لمدینون﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کیا مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد ہم پھر دوبارہ زندہ ہوں گے؟ اور ہماری نیکی بدی کا حساب و کتاب ہوگا۔ منکرین حشر کے اس عقلی اعتراض کا جواب عقلی طور پر اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں جو دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ خود دنیا کا موجودہ انتظام اس بات کو چاہتا ہے۔ کہ دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد قیامت کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے حاکم بھی فرمانبردار اور نافرمان رعایا کو ایک حالت پر رکھنا ناانصافی جانتے ہیں۔ پھر اس احکم الحاکمین کے انصاف سے یہ بعید ہے کہ اس کی بارگاہ میں نہ نیکی کا کچھ ثمرہ ہو نہ بدی کی کچھ پرسش۔ دنیا کی حالت سب کی آنکھوں کے

Scanned by CamScanner

سامنے ہے۔ کہ یہاں بہت سے نیک لوگ تنگ دست ہیں اور برے لوگ خوش حال ہیں۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ دنیا میں جزاوسزا کا موقعہ نہیں۔ بلکہ اس کے لیے ایک دوسرا جہان ہے۔ جس کا حال وحی کے ذریعہ سے انبیاء کو معلوم ہوا ہے اور عقل بھی اس کا انکار نہیں کر سکتی۔ (بحوالہ تفسیر الدر المنثور: ۵/۷۵، تفسیر ابن کثیر: ۹/۴) (صحیح مسلم مع شرح نودی باب جہنم اعاذنا اللہ منہا: ۲/۳۸۲) (صحیح مسلم مع شرح نودی باب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واھلہا: ۲/۲۳۸)

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ کَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ﴿۵۱﴾

ایک کہنے والا ان میں سے کہے گا کہ میرا ایک ہمنشین تھا۔ (۵۱)

"ای قال قائل من اھل الجنۃ" آپس میں گفتگو کرنے والے اہل جنت میں سے ایک بولے گا، یا کہے گا۔ میرا ایک ساتھی تھا۔ اس جملہ کا عطف ﴿یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ (۴۵)﴾ پر ہے دونوں کے درمیان کی عبارت بطور "جملہ معترضہ" ہے۔

قرین۔ یہ "قرنت البعیر مع البعیر" (میں نے دو اونٹوں کو ایک رسی سے باندھ دیا) سے ماخوذ ہے۔ "ازدواج" کی طرح "اقتران" کے معنی بھی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے کسی معنی میں باہم مجتمع ہونے کے ہیں۔ وہ آدمی جو دوسرے کا ہم عمر ہو یا بہادری وقوت اور دیگر اوصاف میں اس کا ہم پلہ ہو اسے اس کا قرین کہتے ہیں۔ یہاں آیت میں قرین بمعنی ساتھی یا ہمنشین آیا ہے۔ قرین کی جمع قرناء ہے۔

ان دو اشخاص کا ذکر کرنے سے قرآن کا اصل منشاء لوگوں کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ وہ اپنے حلقۂ احباب کا جائزہ لے کر یہ دیکھیں کہ اس میں کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو انہیں کشاں کشاں دوزخ کی طرف لے جا رہا ہو۔ بری صحبت سے جو تباہی آسکتی ہے اس کا صحیح اندازہ آخرت ہی میں ہوگا اور اس وقت تباہی سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ اس لیے دنیا میں تعلقات دیکھ بھال کر قائم کرنے چاہئیں۔ بسا اوقات کسی نافرمان شخص سے تعلقات قائم کرنے کے بعد انسان غیر محسوس طریقے پر اس کے افکار ونظریات اور طرز زندگی سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ چیز آخرت کے انجام کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔

اَذٰلِکَ خَیۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَۃُ الزَّقُّوۡمِ ﴿۶۲﴾

بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا تھوہر کا درخت۔ (۶۲)

﴿زَقُّوۡمِ﴾ یہ درخت جہنم کی آگ میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آگ تو پیڑ کو کھا جاتی ہے نہ کہ پیڑ اُگاتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایک کیڑا جس کا نام سمندل ہے وہ آگ ہی میں رہتا ہے، اگر اسے آگ سے نکال لیا جائے تو وہ مر جائے گا۔ جب ایک ادنیٰ کیڑا آگ میں رہ سکتا ہے تو یہ درخت کیڑے کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے۔ اس میں وہ بدرجۂ اولیٰ رہ سکتا ہے۔

﴿شَجَرَۃُ الزَّقُّوۡمِ﴾ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک پودا ہے جس کا کتابی نام ستیہ ناسی ہے یہ صرف کڑاکے کی دھوپ میں پیدا ہوتا ہے اور جیسے ہی ماحول ٹھنڈا ہو جاتا ہے وہ مر جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

اِنَّا جَعَلۡنٰهَا فِتۡنَةً لِّلظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۳﴾

ہم نے اس کو ظالموں کے لیے عذاب بنا رکھا ہے۔ (۶۳)

﴿ اِنَّا جَعَلۡنٰهَا فِتۡنَةً لِّلظّٰلِمِيۡنَ ﴾ فتنہ کا مطلب ہے کہ دیکھیں کون باور کرتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام اللہ کی تجلی برداشت نہ کر سکے۔ نبی ﷺ کو معراج لے جایا گیا، جنس دونوں کی ایک ہی ہے (بشریت) مگر دونوں کی کیمسٹری الگ الگ ہے۔

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾

اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ (۶۵)

﴿ طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴾ عرف میں بری چیز کو شیطان سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ ایک تخیلی تشبیہ ہے کہ وہ درخت انتہائی بدصورت ہوگا، کسی چیز کی انتہا درجے کی بدصورتی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو لوگ اسے بھوت سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ﴿۸۴﴾

جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے۔ (۸۴)

﴿ اِذۡ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ﴾ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قلب سلیم سے "شرک سے پاک دل" مراد ہے۔

فَقَالَ اِنِّىۡ سَقِيۡمٌ ﴿۸۹﴾

اور کہا میں تو بیمار ہوں۔ (۸۹)

توریہ کا مفہوم:

﴿ فَقَالَ اِنِّىۡ سَقِيۡمٌ ﴾ اس آیت میں توریہ کا جواز نکلتا ہے۔ توریہ کا مطلب ہے، ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو اور باطنی مراد مطابقِ واقعہ ہو۔ ایک توریہ عملی ہوتا ہے یعنی ایسا عمل کرنا کہ دیکھنے والا اس کا مقصد کچھ سمجھے اور حقیقت میں اس کا مقصد کچھ اور ہو۔ ستاروں کی طرف دیکھنا ایہام تھا۔ اور اپنے آپ کو بیمار بتانا "توریہ"۔

یہ دونوں قسمیں خود رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہیں۔

فَيَلۡقَى الرَّجُلُ أَبَا بَكۡرٍ رضی الله عنه فَيَقُولُ يَا أَبَا بَكۡرٍ رضی الله عنه مَنۡ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَيۡنَ يَدَيۡكَ؟ فَيَقُولُ: هَذَا الرَّجُلُ يَهۡدِينِي السَّبِيلَ، قَالَ: فَيَحۡسِبُ الحَاسِبُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَعۡنِي الطَّرِيقَ، وَإِنَّمَا يَعۡنِي سَبِيلَ الخَيۡرِ (بخاری)

ہجرت میں ایک شخص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے آگے کون ہیں؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "هَذَا الرَّجُلُ

Scanned by CamScanner

يَهْدِيْنِي السَّبِيْلَ" (یہ میرے رہنما ہیں) سننے والے نے راہ کا رہنما سمجھا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد روح کا رہنما تھا۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾

پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔ (۹۳)

﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو داہنے ہاتھ سے توڑا، معلوم ہوا کہ نیک کام داہنے ہاتھ سے کرنا چاہئے۔ اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال اور اسحاق علیہ اسلام کی پیدائش کے وقت ر ۹۹ تھی۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچے تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیے گا۔ (۱۰۲)

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ میں ﴿مَعَهُ﴾ (اس کے ساتھ) کیوں لایا گیا؟ جواب یہ ہے کہ باپ، بیٹے کے ساتھ رہا کرے۔ بچے کی تربیت میں باپ کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ آج تو باپ کے پاس وقت ہی نہیں ہے، جب باپ بچوں کے لیے وقت دے گا اور اچھی تربیت کرے گا، تب بیٹا ﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ جواب دے گا۔ ابراہیم کی دعا مقبول ہوئی اور اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی گئی اور جب اسماعیل علیہ السلام ۱۳ ر سال کے ہوئے تو قربانی کا حکم ہوا۔ یہ حکم خواب میں دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کوئی تاویل کر سکتے تھے مگر وہ صداقت شعار تھے۔ تعبیر نکالنے کے بجائے من و عن تعمیلِ حکم پر آمادہ ہو گئے۔ ذبح کے وقت بیٹے کا چہرہ سامنے نہ رہے اس وجہ سے ان کو پیشانی کے بل لٹا دیا کیونکہ یہ سجدہ کی ہیئت ہے جو اللہ کے قرب کی سب سے محبوب ہیئت ہے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾

جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔ (۱۰۳)

ذبیح کون؟

تل اور طل دونوں الفاظ قریب المخرج ہیں اور دونوں کے معنی ٹیلے کے ہیں۔ یہ لفظ اس جگہ کی جغرافیائی حیثیت کو متعین کر دیتا ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس لفظ سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ذبیح کون تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل کو مکہ میں

Scanned by CamScanner

آباد کیا اور اسحاق علیہ السلام کو یروشلم میں آباد کیا اور یہ معلوم ہے کہ یروشلم میں ٹیلے نہیں ہیں اور مکہ میں بہت زیادہ ٹیلے ہیں، تو معلوم ہوا کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں، اسحاق علیہ السلام ذبیح نہیں ہیں۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾
تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔(۱۰۵)

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ خواب سچ کب ہوتا، جب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیا جاتا مگر ذبح ہونے سے پہلے ہی قرآن نے ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں جو بیٹے کی محبت تھی، اس پر انھوں نے چھری پھیر دی۔ اہم بھی یہی ہے، مطالبہ بھی یہی تھا کیونکہ اللہ کو دیکھنا یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام پر بیٹے کی محبت غالب ہے یا اس کے حکم کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو سمجھ گئے کہ اللہ کی طرف سے ان کا امتحان مقصود ہے۔ بیٹے سے اس وجہ سے پوچھا تاکہ دنیا والے آپ پر قتل اولاد کا الزام نہ لگا دیں۔ اللہ کی سرکار بھی کتنی عالی ہے، وہ کسی کی جان اور مال لیتا نہیں بلکہ دیکھتا ہے۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾
کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟(۱۲۵)

بعل کیا ہے؟

﴿اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا﴾

"بعل" یہ ۲۲ ر ہاتھ کا سونے کا بت تھا۔ اس کے ۴۵۰ پجاری تھے۔ خلقت ان سے مدد مانگنے آتی تھی اور نذریں چڑھاتی تھی۔ اس کی ایک پرتکلف درگاہ بنا رکھی تھی۔ اس کی تعظیم کے قاعدے بھی مقرر تھے۔ یہ مجاور اس بت کی کرامات پھیلاتے تھے۔ الیاس میں اور پجاریوں میں امتحان ٹھہرا کہ کس کا معبود قدرت دکھاتا ہے۔ آخر الیاس غالب آئے۔ مسیح سے ۹۱۰ ر برس پہلے تھے جلعاء شہر کے رہنے والے تھے جو شام میں ہے۔ اخی اَب بادشاہ کے عہد میں تھے جو والی شہر سمرون تھا۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾
اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔(۱۳۹) جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔(۱۴۰)

﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

﴿اَبَقَ﴾ آبق بھگوڑے غلام کو کہتے ہیں۔ بتایا گیا کہ انسان کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو وہ اللہ کا غلام ہی ہوتا ہے۔
چھٹا قصہ یونس کا ہے یہ بھاگ کر شہر ترسیس کو چلے اور یافہ سے جو کشتی ترسیس جا رہی تھی اس میں سوار ہوئے تو یہ واقعہ

Scanned by CamScanner

پیش آیا۔﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء:۸۷) اسی تسبیح کی برکت کی وجہ سے یونس کو شکم ماہی سے جلدی رہائی حاصل ہوئی۔ پیٹ میں زندہ رہنا کوئی امر محال نہیں۔آخر بہت سے آدمیوں اور جانوروں کے بچے پیٹ ہی میں تو زندہ رہتے ہیں۔

نکتہ: یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گئے تو بمنزلۂ جنین ہو گئے۔ پھر چند روز بعد مچھلی کے پیٹ سے نکلنا بمنزلۂ ولادت ثانیہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے لغزش کا اثر و نشان نہ رہا۔

لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اسی کے پیٹ میں رہتے۔(۱۴۴)

﴿لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے بھی یونس علیہ السلام اللہ ہی کو پکارتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی پریشانی میں اللہ کو پکارے اور آسانی میں اس کو بھلا دے تو اس کا انجام فرعون کا سا ہو گا کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو "آمنتُ" کہا تو اللہ نے کہا﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ﴾ (یونس: ۹۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالكُرَبِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ" (ترمذی، ۳۳۸۲، ابواب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جسے یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ مصیبت اور سختی میں اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہیے کہ راحت کی حالت میں بکثرت دعا کرے۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾

اور ان پر کدو کا درخت اگایا۔(۱۴۶)

کدو کے فوائد:

﴿یَقْطِیْنٍ﴾

کدو کا مزاج سرد ہوتا ہے اور رحم مادر گرم ہوتا ہے۔ اس کو کھانے سے پیشاب کی جلن ختم ہو جاتی ہے۔ کدو سے شکر کا لیول کنٹرول میں رہتا ہے۔ پھوڑے پھنسیوں کے لیے بہترین دوا ہے۔ شاید یونس کے بدن پر گرمی کی وجہ سے پھوڑے ہو گئے تھے، ایک خاصیت ہے جہاں پر کدو کی بیل رہتی ہے مکھیاں نہیں آتیں۔ پھوڑے کا علاج بھی اور مکھیوں سے بچاؤ بھی کیا جا سکتا ہے لہٰذا کدو ہی اُگایا۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے؟(۱۵۰)

Scanned by CamScanner

﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ﴾ یہ آیت کریمہ دلیلِ مشاہداتی ہے۔ کہ کیا تم نے فرشتوں کو تخلیق ہوتے دیکھا ہے؟ جس سے فرشتوں کا مونث ہونا معلوم ہو سکتا۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟ (۱۵۳)

﴿اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ﴾ مشرکین کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

کسی دعوے کو ثابت کرنے کے لیے تین قسم کے دلائل ہو سکتے ہیں: (۱) مشاہدہ (۲) نقلی دلیل (۳) عقلی دلیل

﴿فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ نقلی دلیل تمہارے پاس ہے نہیں۔

﴿اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ﴾ عقلی دلیل بھی تمہاری تائید نہیں کرتی کہ بیٹیاں خود تمہارے خیال میں بیٹوں سے کم رتبہ رکھتی ہیں۔ اب کائنات سے افضل ذات اپنے لیے کم رتبہ والی چیز کیسے پسند کر سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ الزامی جواب دینا ان لوگوں کو مناسب ہے جو ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ الزامی جواب کا مطلب ہے مخالف کے دعوے کو خود اسی کے کسی دوسرے نظریے سے باطل کیا جائے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

اور (فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ایک کا ایک مقام مقرر ہے۔ (۱۶۴)

﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ ہر فرشتے کا درجہ اور مقام (کھڑے ہونے کی جگہ) متعین ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحبِ عزت ہے اس سے پاک ہے۔ (۱۸۰)

صفاتِ الٰہی کی تین قسمیں:

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾

(۱) تمام عیوب سے پاک جاننا اس لیے ﴿سُبْحٰنَ﴾ لایا گیا۔

(۲) اس کے لائق صفات الوہیت سے واقف ہونا ﴿رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ﴾ لایا گیا۔ ربوبیت اور رحمت اسکی قدرت کی دلیل اور ﴿عِزَّةِ﴾ کمال قدرت پر دلیل ہے۔

(۳) اپنی الوہیت میں شریک سے پاک ہے۔ اس کے لیے ﴿عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ لایا گیا۔

سوال یہ ہے کہ کن کا طریقہ ہے جس پر چل کر سعادت دارین ملے؟

جواب: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ وہ نبیوں کا طریقہ ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ نعمت توحید اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس پر ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

نکاتِ سورۂ صافات:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا﴾ ان فرشتوں کی قسم جو عبادت کے لیے صف بستہ رہتے ہیں، بادلوں کو چلاتے ہیں۔ کافروں کی روحوں کو ڈانٹتے ہیں کہ وہ نکلیں۔ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہاں فرشتوں کے لیے مونث کی صفتیں اس لیے لائی گئیں کہ ان کی مختلف جماعتیں ہیں اور سب کے الگ الگ وظائف ہیں بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ فرشتے مونث ہیں یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ نے ان کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے ان کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے استغفار کرتے ہیں جو ایمان لائے۔ اس آیت کریمہ میں ﴿يَحْمِلُوْنَ ،يُسَبِّحُوْنَ، يُؤْمِنُوْنَ ، يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ سب مذکر کے صیغے ہیں۔

﴿وَرَبُّ الْمَشَارِقِ﴾ مشارق سے مراد ہر دن طلوع کا مقام ہے جو بدلتا رہتا ہے اور مقامات طلوع کے اختلاف کے مطابق غروب کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے صرف مشارق کا ذکر کیا۔ نیز آفتاب کے طلوع سے اللہ کی نعمت وقدرت اور عظمت کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اس لیے مشارق کا ذکر کیا۔ ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ (ان کو ہدایت کے راستے پر چلادو) یہاں ہدایت سے مراد ہدایت دلانا ہے۔

صراط کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صراط حسی (۲) صراط معنوی۔

"صراط حسی وهو ما تمشی علیه الاقدام وصراط معنوی تمشی علیه القلوب" جس راستے پر قدم چلیں وہ صراط حسی ہیں۔ اور جس راستے پر دل چلیں وہ صراط معنوی ہے۔ پس جو شخص اللہ کے دین پر صراط معنوی میں قائم رہا وہ قیامت کے دن صراط حسی (پل صراط) پر قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے، کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔ کفار نے نبی کو شاعر اور مجنون کہا۔ "الشاعر من یقول الشعر والمجنون ضد العاقل" شاعر وہ ہے جو شعر کہتا ہے اور مجنوں، عاقل کی ضد ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ بلکہ جھوٹ ہونے کے ساتھ متناقض بھی ہے۔ تناقض کی وجہ یہ ہے کہ ایک پاگل شاعر کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ پاگل ٹھیک سے نثر نہیں بول سکتا تو جذبات کو ہلانے والے کلام کیسے لاسکتا ہے۔ سچ ہے، اندھا پن اگر دل میں اتر جائے تو انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا بول رہا ہے۔ دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔

Scanned by CamScanner

﴿لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ﴾ نہ اس سے دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔

"غول، غال یغول" سے ہے، خرابی ہونا۔ یعنی شراب میں کوئی خرابی نہ ہوگی۔ نہ پیٹ میں اینٹھن ہوگی نہ دردِ سر ہوگا، نہ قے ہوگی۔ ﴿يُنْزَفُوْنَ﴾ "انزف الشارب" (پینے والے کی عقل یا شراب ختم ہوگئی) سے ماخوذ ہے۔

﴿عِيْنٌ﴾ بڑی بڑی آنکھوں والی۔ ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ﴾ ان کے پاس شراب کا ایسا جام لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا ہوا ہوگا۔ ﴿مَّعِيْن﴾ "عان الماء" (پانی پھوٹ نکلا) سے ماخوذ ہے۔ نہروں میں بہتی شراب کو ﴿معین﴾ کہا گیا ہے۔

﴿بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ حد درجہ لذیذ ہونے کی وجہ سے اسے بعینہ "لذت" قرار دیا گیا۔

﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ﴾ (ان کا بے داغ وجود) ایسا لگے گا جیسے وہ (گرد وغبار سے) چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہوں۔ بَيْضٌ، بیضۃ کی جمع ہے۔ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یقیناً یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ "ان الفوز ھو حصول المطلوب وزوال المرھوب" مقصود کے حصول اور مرہوب (جس سے ڈرا جائے) کے زوال کو "فوز" کہتے ہیں۔ یہی وہ کامیابی ہے جس کے لیے نفوس، انفاس اور نفائس سب قربان کر دینا چاہیے۔

﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر وہ داہنے ہاتھ سے ان پر مارتے ہوئے پل پڑا۔ لفظ "راغ، روغۃ الثعلب" سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے لومڑی کا چالاکی سے مڑ جانا۔ بغوی نے لکھا ہے: "وَلَا يُقَالُ رَاغَ حَتّٰى يَكُوْنَ صَاحِبُهُ مُخْفِيًا لِذَهَابِهِ وَمَجِيْئِهِ" (تفسیر بغوی) کہ "راغ" صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب مڑنے والا اپنی آمد و رفت پوشیدہ رکھے۔

﴿اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ﴾ (بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟) ﴿شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ﴾ "شجرۃ خبیثۃ المنظر، کریھۃ الرائحۃ، مرۃ الطعم" زقوم کا درخت ایسا درخت ہے کہ اگر انسان اس کو دیکھے تو اسے اچھا نہ لگے۔ سونگھے تو بدبودار لگے اور اگر چکھے تو کڑوا لگے۔

﴿فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (تو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟) کیا تم لوگ اللہ کو ناقص سمجھتے ہو کہ وہ اکیلا عبادت کا مستحق نہیں؟ یا کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ اس بات سے راضی ہے کہ اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کی جائے؟ جب یہ سب نہیں ہے تو تمہارا گمان، غلط گمان ہے۔

﴿فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ﴾ (اس پر ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے) اہل باطل اپنے مقصد کے حصول کے لیے تیزی اختیار کرتے ہیں تو اہل حق کو حق کے معاملے میں ان سے زیادہ تیزی دکھانی چاہیے۔

﴿قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾ (ابراہیم نے کہا: کیا تم ان (بتوں) کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو؟) تمہیں اس کو تراشتے ہو اور تمہیں اسے بناتے ہو اس کے بعد تم اسے پوجتے ہو کیا عقلی ناچیے سے ایسا نہیں ہے کہ یہ بت ہی تمہاری

عبادت کر رہا ہے کیونکہ تمہیں نے انھیں تراشا اور ایجاد کیا ہے۔

بتوں شاباش دنیا میں ترقی اس کو کہتے ہیں
نہ ترشے تھے تو پتھر تھے جو ترشے تو خدا ٹھہرے

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ وہ تمہارا اور تمہارے عملوں کا بھی خالق ہے۔ تو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اس کی عبادت چھوڑ کر تم اس کی عبادت کرتے ہو جس نے تم کو نہیں پیدا کیا۔

﴿قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ﴾ (ان لوگوں نے کہا: ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایک عمارت بناؤ، اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو) انھوں نے ایک عمارت بنائی اس کے بیچ میں آگ جلائی جو باہر سے دکھائی نہیں دیتی تھی۔

﴿فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ (اس طرح انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ایک برا منصوبہ بنانا چاہا، لیکن ہم نے انہیں نیچا دکھا دیا) اس آیت میں کید کا یہی معنی ہے کہ انھوں نے اصحاب اخدود کی طرح زمین نہیں کھودی بلکہ انہوں نے ایک مکان بنایا کہ کوئی باہر سے اسے دیکھتا تو سمجھتا کہ وہ ایک مکان ہے لیکن حقیقت میں وہاں بھڑکتی ہوئی آگ تھی۔

﴿رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دیدے جو نیک لوگوں میں سے ہو) "الصالح هو الذی صلح ظاهره و باطنه وهو ضد الفاسد" صالح وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن اچھا ہو۔ اس کی ضد فاسد آتی ہے۔ پس انسان کی صلاح یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکموں کی تعمیل کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔

﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ "البشارة هی الاخبار بما یسر او بما یسوء" اچھی یا بری خبر دینے کو بشارت کہتے ہیں۔

حلیم کا معنی:

"حلیم" صفت "مشبہ" ہے یعنی ان کی دائم صفت "حلم" ہے۔ "والحلم هو التانی وعدم التسرع فی مقابلة الامور" جو چیزوں کا سامنا کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ پورے سکون و اطمینان کے ساتھ اس کا سامنا کرے، اسے حلیم کہتے ہیں۔ اور حلیم کی ضد سریع الغضب (جلدی بھڑک اٹھنے والا) اور سریع الانفعال (جلدی متاثر ہو جانے والا) ہے۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں (اسماعیل و اسحق علیہما السلام) میں سے ایک کو یعنی اسماعیل علیہ السلام کو صفت حلم سے موصوف کیا اور اسحق علیہ السلام کو صفت علم سے موصوف کیا۔

﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اگر اللہ یہ کہہ دے کہ تمہارا لڑکا مر جائے گا تو یہ بڑی مصیبت ہے لیکن اگر حکم دیدے کہ تم خود اس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرو تو یہ بہت ہی بڑی آزمائش ہوگی اور اس پر صبر بھی بڑا سخت ہوگا۔ اور یہ موت پر صبر سے زیادہ افضل ہوگا۔ اور خاص طور سے جب باپ بوڑھا ہو اور ایک ہی بچہ اس کے بڑھاپے کا سہارا ہو۔

﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ انسان کو چاہئے کہ مستقبل کے ہر معاملے کو اللہ کی مشیت پر معلق کر دے۔

Scanned by CamScanner

﴿یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، اب سوچ کر بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟

خواب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) رویا (۲) حلم (۳) حدیث النفس

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ أَنْ تَكْذِبَ، وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا، وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرَى مِنَ اللّٰهِ، وَالرُّؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَرُؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ بِهِ الْمَرْءُ نَفْسَهُ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ، فَلْيَقُمْ، فَلْيُصَلِّ وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا النَّاسَ" قَالَ: "وَأُحِبُّ الْقَيْدَ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ، وَالْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ" قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ يَعْنِي إِذَا اقْتَرَبَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ يَعْنِي يَسْتَوِيَانِ" (ابوداود، کتاب الادب، ۵۰۱۹)

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (یقینا تو نے خواب سچا کر دکھایا، بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں) انبیاء کرام کا خواب، وحی ہوتا ہے۔ اور انبیاء کے علاوہ کا خواب اگر نصوص شرعیہ کے موافق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے استاذ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات پوچھے جو ان کے لیے مشکل تھے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ کچھ جنازے لائے جاتے ہیں مگر معلوم نہیں ہوتا کہ وہ مسلمان ہیں یا کافر ہیں، تو کیا کیا جائے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: "علیک بالشرط یا احمد" اے احمد! (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) تیرے لیے شرط لازم ہے، مثلاً نماز جنازہ میں اس طرح دعا کر "اللھم ان کان مومنا فاغفرله وارحمه" کہ اے اللہ اگر یہ مومن ہے تو اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما۔ یہ خواب شریعت کے مطابق ہے کیونکہ معلق دعا کا جواز قرآن سے ثابت ہے جیسے سورۂ نور میں مسئلہ لعان میں ہے ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (النور: ۹) (اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔)

﴿وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے جلاء الافہام میں لکھا ہے کہ تَرَكْنَا کا "مفعول بہ" اگلا جملہ ﴿سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ﴾ (سلام ہو ابراہیم پر) ہے۔ یعنی قیامت تک ابراہیم کی تعریف کی جاتی رہے گی اور وہ درود ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ﴾ (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر احسان کیا) "المنة هی العطاء بلا ثمن" بلا قیمت کوئی چیز دینا منت (احسان) ہے۔

﴿وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ﴾ (اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا) "أَنَا ابْنُ الذَّبِيحَيْنِ" (المستدرک علی الصحیحین للحاکم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں۔

Scanned by CamScanner

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ﴾ اگر انسان نماز میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" کہتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ فَقَدْ سَلَّمْتُمْ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" (بخاری) اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے زمین اور آسمان میں اللہ کے ہر نیک بندے کے اوپر سلامتی بھیجی۔

﴿وَاٰتَیْنٰهُمَا الْکِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ﴾ (اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی) ﴿الْمُسْتَبِیْنَ﴾ کے معنی واضح کے ہے اور اس میں ﴿مُبِیْن﴾ اور ﴿بَیِّن﴾ سے زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اکثر، کثرت حروف، کثرت معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ کتاب مستبین سے مراد توراۃ ہے اور کتاب اس وجہ سے کہا کیونکہ اللہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ دلیل، ﴿کَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ﴾ (اور ہم نے اس کے لیے لکھ دی تختیوں میں) ہے۔

﴿اِنَّا کَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (بیشک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں)۔ "وَأَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" (مسند احمد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر کے ساتھ مدد ہے اور پریشانی کے ساتھ آسانی ہے۔ اللہ کی نعمت کی قدر پہچانو کہ اس نے تمہارے اوپر دو احسانات کئے ہیں۔ احسان سابق کہ تمہیں ہدایت کی توفیق دی اور ہدایت دی۔ اور احسان لاحق، ثواب عظیم ہے۔ جیسے آپ قرآن پڑھنے کے لیے کسی جگہ گئے تو احسان سابق یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے وہاں جانا سہل اور آسان فرمایا اور اس کی توفیق دی۔ پھر قرآن پڑھنے کا ثواب عظیم بھی عطا کیا۔ اکثر لوگ بھلائی کا کام کرنے پر اپنے اوپر بھروسہ کرتے ہیں اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت نہیں دیکھتے۔

مسئلہ: کوئی نذر مانے کہ پہلا بچہ لڑکا ہوا تو میں اس کو اللہ کے لیے ذبح کر دوں گا چونکہ یہ نذر معصیت ہے لہٰذا اس کا پورا کرنا حرام ہے۔ ہاں راجح یہ ہے کہ اس پر وہ قسم کا کفارہ دے۔

﴿اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (درحقیقت وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے) ہر شخص عبد (غلام) ہوتا ہے۔ یا تو وہ اپنی خواہشات کا عبد ہوتا ہے یا وہ اپنے آقا کا عبد ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کے لیے ایک ارادہ ہوتا ہے اور ہر انسان حرکت کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ارادہ کیا ہے اور کس طرف حرکت کرتا ہے؟ اگر ارادہ، اللہ کے لیے اور حرکت اس کے دین کے لیے ہے تو یہ حریت (آزادی) ہے اور اگر ارادہ غیر کے لیے اور حرکت اللہ کی شریعت کے علاوہ کی طرف ہے تو یہ رِق (غلامی) ہے۔ ہم دیکھتے ہیں فوضوی (لاقانون) لوگ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ لاقانون ہو جائیں۔ ان کی نظر میں یہی آزادی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں یہی لوگ غلامی میں مبتلا ہیں۔

﴿وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الیاس علیہ السلام الیسع علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ شہر بعلبک کی طرف بھیجے گئے۔ وہاں کا بادشاہ بت پرست تھا اور بعل نامی بت کی پوجا کرتا تھا اور بنی اسرائیل کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، بعل بت، دس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے، یہ سونے کا بت تھا، اسی بت کے نام پر ان کے شہر کا نام بعلبک رکھا گیا۔ مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ یمنی زبان میں بعل کا معنی "رب" ہوتا ہے۔ الیاس کو الیاسین بھی کہا جاتا ہے جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ لوط کی قوم جس فاحشہ میں مبتلا تھی وہ زنا کے فاحشہ سے بڑی تھی کیونکہ یہ قلب فطرت (فطرت کے خلاف) تھا۔

﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ﴾ (اور بیشک تم صبح کو بھی ان (بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو) جب تم ملک شام کا سفر کرتے ہو تو سدوم سرراہ واقع ہوتا ہے۔

﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ﴾ (یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے) فرشتے افضل ہیں یا ایک نیک انسان؟ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: "البشر افضل باعتبار النهاية والملائكة افضل باعتبار البداية لان البشر خلقوا من طين والملائكة من نور والنور اشرف من الطين" انسان انتہا کے اعتبار سے افضل ہے اور فرشتے ابتداء کے اعتبار سے افضل ہیں۔ کیونکہ انسان مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور نور مٹی سے اشرف ہے۔ مگر جب انسان جنت میں داخل ہوں گے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ،سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ (سورۂ رعد) اور ان پر ہر دروازے میں سے فرشتے داخل ہوں گے۔ (یہ کہتے ہوئے کہ) تم پر سلامتی ہو۔

﴿مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا﴾ (سورۃ الزخرف ۱۵) (لوگوں نے اس کے کچھ بندوں کو اس کا جز بنا ڈالا) اگر اللہ کی کوئی اولاد ہو تو وہ اللہ کا جز ہوگی اور وہ عبادت کا مستحق ہوگا جیسا کہ اس کا باپ عبادت کا مستحق ہے۔ دوسرے اگر اللہ کی کوئی اولاد ہے تو حادث ہوگی اور جو حادث ہو اس کا اللہ کا جز ہونا محال ہے۔ کیونکہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اگر اس کی اولاد مان لی جائے تو یہ اولاد حادث ہوگی۔ تو حادث اللہ کا جز کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اولاد، والد کا جز ہوتی ہے۔ تیسرے اولاد اپنے والد کے مشابہ ہوتی ہے اور اللہ کے مشابہ کوئی نہیں۔ چوتھے اولاد وہی بناتا ہے جو اپنی نسل کی بقا کے لیے اس کا محتاج ہو اور کسی کا محتاج اللہ نہیں ہو سکتا ہے۔

﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (مگر اللہ کے وہ بندے جو چن لیے گئے ہیں)

عبودیت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عبودیۃ القدر (۲) عبودیۃ الشرع

عبودیۃ القدر، سب کے لیے عام ہے ہر شخص اللہ کی قدر کے سامنے سرنگوں ہے۔ اس کی دلیل ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمان کے پاس عبد (غلام) بن کر آنے والا ہے۔) کائنات کی ہر شئی اس کی عابد ہے۔ اور عبودیۃ الشرع مومنین کے لیے خاص ہے۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں) یہاں عبودیت سے مراد عبودیۃ الشرع ہے یعنی وہ لوگ اللہ کی شریعت پر عمل کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مطیع ہوتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

سورۃ ص (مکیۃ)

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾

جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔(۲۲)

دروازے پر پہرہ دار تھے دو آدمی دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔ داؤد علیہ السلام بتقضائے بشریت گھبرا گئے، آنے والوں نے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہمارے درمیان ایک جھگڑا ہے، ہم آپ سے فیصلہ کروانے آئے ہیں۔ آپ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں۔ ڈرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ دروازے کے بجائے دیوار پھاند کر آئے۔ نیز انھوں نے اتنا بڑا اقدام کرتے ہوئے بادشاہ وقت سے خوف محسوس نہیں کیا۔ خوف کھانا انسان کا طبعی تقاضا ہے۔ یہ منصب نبوت کے منافی ہے نہ توحید کے۔ توحید کے منافی وہ خوف ہے جو ماورائے اسباب ہو۔

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾

(کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔(۲۳)

مدعی کہنے لگا کہ یہ میرا بھائی ہے اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے۔ یہ کہتا ہے یہ ایک دنبی بھی میری دُنبیوں میں شامل کر دے تا کہ میں اس کا کفیل بن جاؤں، اکیلے اس ایک دُنبی کو کہاں چرائے گا اِسے میری دنبیوں میں

Scanned by CamScanner

شامل کردے۔ یہ چرب زبان ہے، جس سے لوگوں کو قائل کر لیتا ہے۔ اور بڑی شخصیت کا مالک ہے اور میں غریب ہوں۔ میرے اندر اتنی سکت نہیں کہ میں اس کا مطالبہ رد کردوں۔ مدعا علیہ خاموش رہا یہ خاموش فرار کے درجے میں تھی، داؤد سمجھ گئے زیادتی دولت مند کی ہے۔ اس کی نیت ٹھیک نہیں۔ یہ ننانوے کو سو بنانا چاہتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾

انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دُنبی مانگتا ہے کہ اپنی دُنبیوں میں ملا لے بیشک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔ (۲۴)

داؤد علیہ السلام کا فیصلہ:

داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شریک دوسرے شریک پر زیادتی کرتا ہے تاکہ اس کا حصہ ہڑپ کر جائے مگر اس کوتاہی سے ایمان والے محفوظ ہیں، تاہم ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کے دنبی مانگنے کو ظلم کیوں قرار دیا؟ حالانکہ بظاہر کسی سے کوئی چیز مانگنا جرم نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ جس قولی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جا رہا تھا، اس دباؤ کی وجہ سے اس کی حیثیت غصب کی سی ہوگئی۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ دباؤ کے ساتھ چندہ لینا بھی جائز نہیں، بلکہ یہ ظلم ہے۔ یہ دو آدمی جو داؤد علیہ السلام کے پاس اپنا مقدمہ فیصل کرانے کے لیے آئے تھے، اس میں سے جو مدعی تھا، اس نے جھگڑے کے باوجود دوسرے کو اخی (اپنا بھائی) کہا۔ نکتہ یہ ملا کہ اگر دو مومنوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے اور ایک دوسرے پر زیادتی بھی کردے تب بھی اخوت ختم نہیں ہونا چاہئے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ﴾

داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ شرکاء عام طور سے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ یہ اشارہ تھا کہ اس غریب کی دنبی کو اپنے مال میں شریک کرنے کا مطالبہ اس کو ہڑپ لینے کی ایک تدبیر ہے۔ گستاخی کرنے اور بے قاعدہ دادخواہی کے لیے آنے پر سلاطین گستاخی کی سزا دیتے ہیں۔ ﴿وَلَا تُشْطِطْ﴾ کے جملے سے گستاخی جھلک رہی ہے۔ بعض جاہل لوگ مقدمات کے وقت حکام سے اپنے خیالات کے بھروسے ایسے بے باکانہ الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ظلم نہ کرنا۔ جب شرکت کا

معاملہ ہوتو بڑی احتیاط کی ضرورت ہے،ایک دوسرے کی حق تلفیاں ہوجاتی ہیں لہٰذا شریک (پارٹنر) نیک آدمی کو بنانا چاہئے۔

﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ دونوں کے دیوار کو پھاند کر آنے اور عبادت میں مخل ہونے اور ان کے طرز تکلم سے اپنی طبعی ناگواری کا اظہار کیا۔ شاید آپ نے ان دونوں کو اس حرکت پر ڈانٹا بھی ہوگا جو مقتضائے بشریت ہے۔ مگر داؤدعلیہ السلام نے اسے اپنی کوتاہی پر محمول کیا۔ انہوں نے اپنے رب سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھے لوگ ذراسی بات کو پہاڑ سمجھا کرتے ہیں۔

﴿وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس مشکل مقام کی بڑی اچھی تفسیر فرمائی ہے کہ یہ سارا واقعہ داؤدعلیہ السلام کو مقدمات فیصل کرنے کا طریقہ سکھانے کے لیے تھا۔ داؤدعلیہ السلام سے کوتاہی یہ ہوئی کہ مدعی کا بیان سن کر فیصلہ کر دیا اور مدعاعلیہ کی بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اسی لغزش کی معافی کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ مقدمات فیصل کرنے کی صلاحیت ﴿فَصْلَ الْخِطَابِ﴾ کہا گیا۔

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى﴾ کسی شخص کو قاضی (جج) یا افسر بنانے سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے دل میں اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں؟ اور اس کے اخلاق وکردار کا کیا حال ہے؟ اگر اس کے دل پر اللہ کے خوف کے بجائے خواہشات نفسانی کی حکمرانی ہے تو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ ڈگریاں رکھتا ہو اور اپنے فن میں کتنا ہی ماہر ہو، وہ اسلام کی نظر میں کسی اونچے عہدہ کا مستحق نہیں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔(۲۹)

نزول قرآن کے مقاصد:

اس آیت کریمہ میں نزول قرآن کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ﴿مُبٰرَكٌ﴾ (تبرک)

(۲) ﴿لِّيَدَّبَّرُوْٓا﴾ (تدبر)

(۳) ﴿لِيَتَذَكَّرَ﴾ (تذکر) آج امت قرآن کو صرف تبرک کے لیے استعمال کر رہی ہے، باقی دو مقاصد کو نظر انداز کر دیا۔

رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

(بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔(۳۳)

Scanned by CamScanner

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے:

﴿مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ گھوڑوں کے معائنے میں سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر فوت ہوگئی۔جس پر انہیں بہت صدمہ ہوااور انہوں نے کہا کہ ایسی بات گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے ہوئی اس کی تلافی کے لیے انہوں نے سارے گھوڑے ذبح کرڈالے اور غریبوں میں تقسیم کروادیئے۔اس تفسیر کو امام شوکانی نے پسند کیا ہے۔سلیمان علیہ السلام کے عہد میں فلسطینی،مصری اور بابل کے بت پرست بادشاہوں کا چاروں طرف سے ان پر نرغہ تھا۔سلیمان علیہ السلام ان سے جنگ کے لیے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔اس لیے انھوں نے ایک بار گھوڑوں کا جائزہ لینا چاہااور فرمایا میں ان گھوڑوں کو اللہ کی خاطر محبوب رکھتا ہوں،دنیا کے لیے نہیں ﴿عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ﴾ پھر گھوڑوں کو سامنے لانے کا حکم دیا۔مقصد گھوڑوں کی روانی دیکھنا تھا۔سوار گئے اور جب نظروں سے اوجھل ہو گئے تو پھر انھیں حکم دیا کہ لوٹو،تاکہ آنے جانے میں گھوڑوں کا حسن و قبح معلوم ہو جائے۔پھران پر ہاتھ پھیرنے لگے تاکہ دشمنوں کو یہ معلوم ہو کہ سلیمان علیہ السلام بڑے مستعد ہیں اور غافل نہیں۔

﴿عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ﴾ "ای عن اجل ذکر ربی" یعنی میں اپنے رب کی یاد کی وجہ سے گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں۔یعنی جب میں ان گھوڑوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے اللہ یاد آتا ہے۔اس توجیہ کو طبری نے پسند کیا۔معلوم ہوا کہ دنیا اگر آخرت کے لیے فتنہ بننے لگے تو دنیا کو قربان کردینا چاہئے یہ پہلی تفسیر کے مطابق جسے شوکانی نے پسند کیا۔دوسرے اگر دنیا کو آخرت کے لیے استعمال کیا جائے تو دنیا فتنہ نہیں نعمت ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔(۳۴)

بیٹے کی جانشینی:

حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ایک ہے اور حتمی طور پر اس کی تفسیر بیان کرنے کی کوئی یقینی بنیاد نہیں ملتی لیکن سلیمان علیہ السلام کی دعا کے الفاظ کہ "مجھ کو ایسی بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لیے سزاوار نہ ہو۔" بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں خواہش تھی کہ آپ کے بعد آپ کا بیٹا جانشین ہو،تاکہ حکومت انھیں کی نسل میں باقی رہے،اسی کو اللہ نے فتنہ کہا۔سلیمان علیہ السلام اس وقت اس پر متنبہ ہوئے جب ولی عہد رحبعام ایسا نالائق نوجوان بن کر اٹھا جس کے طور طریقے بتارہے تھے کہ وہ حکومت کو چار دن نہ سنبھال سکے گا۔سلیمان علیہ السلام اسے اپنی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے مگر وہ کندۂ ناتراش نکلا۔انہوں نے اپنی خواہش سے رجوع کرلیا۔انہوں نے اپنے بعد جانشینی کی وصیت نہ کی۔آپ کے بعد اعیان سلطنت نے رحبعام کو تخت پر بٹھایا مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔دشمنوں نے یورش کرکے اس سے بیشتر علاقے چھین لیے۔یہ امتحان تھا،جس امتحان نے ان کو تخت پر بالکل جسد بے جان بنا کر ڈال دیا تھا۔

Scanned by CamScanner

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

(اور) دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ (۳۵)

سلیمان علیہ السلام کی دعاء سلطنت:

ظاہراً اس دعا سے حرص وحسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقع میں یہ دعا ضعفاء کے حق میں ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی۔ جس کی توجیہ یہ ہے کہ ﴿مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ میں بعدیت زمانی مراد نہیں بلکہ بعدیتِ رتبیہ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ مجھ کو ایسا ملک عطا فرما کہ مجھ سے کم درجہ والوں کے لیے مناسب نہ ہو۔ کیونکہ ایسی سلطنت مل جانے سے وہ کفر اور تکبر میں مبتلا ہو سکتے ہیں یہ دعا ان کی زبان پر آئی کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بڑے جبار اور متکبر بادشاہ تھے اور اللہ کی یہ سنت ہے کہ جو پیغمبر جس زمانے میں مبعوث ہوا اس کی مناسبت سے معجزہ عطا ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کی اس سلطنت سے مقصود اللہ کی مخلوق کی اصلاح تھی۔ اس دعا کے پیچھے حبِ جاہ نہیں، بلکہ کلمہ حق کو سربلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔ یعنی میرے زمانے میں ایسی سلطنت کسی کو عطا نہ کر۔ یعنی ﴿مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ کا مطلب میرے سوا ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے اللہ) شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ (۴۱) (ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)۔ (۴۲)

﴿نُصْبٍ﴾ سے جسمانی تکلیف اور عَذَابٍ سے، مالی ابتلاء، مراد ہے۔

﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴾ دنیا میں سب سے مبارک، بہتر اور کثیر الفوائد ماء (پانی) آبِ زمزم ہے۔

پانی کم پینے سے آدمی کمر درد کے عارضے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو آدھے سر کا درد ہوتا ہے یا انھیں گیس کی بیماری ہوتی ہے تو ان لوگوں کے لیے سادہ پانی بہت مفید ہے۔ ٹھنڈے تازہ پانی میں غسل بعض بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بیشک ہم نے ان کو ثابت قدم پایا بہت خوب

Scanned by CamScanner

بندے تھے بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔(۴۴)

ایوب علیہ السلام اور ان کی کی خدمت گذار بیوی کا قصہ:

ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ان کی صحت و عافیت کی شدید خواہش تھی۔وہ ہر دم دوا کی تلاش میں رہتی تھیں۔ایک دن شیطان نے شفا کے لیے کسی شرکیہ عمل کی دعوت دی تو انھوں نے آکر شوہر کو خبر دی تو ایوب علیہ السلام نے کہا کہ وہ شیطان تھا۔ اور ناراض ہوکر قسم کھائی کہ اگر اللہ نے شفا دی تو بیوی کو سو کوڑے ماریں گے کہ وہ شیطان کی باتوں میں کیوں آ گئی۔کفارہ اس شریعت میں نہ تھا ورنہ کفارۂ قسم دیدیتے۔قسم پوری کرنے کے لیے مارنا ضروری تھا تو اللہ نے فتویٰ دیا کہ ایوب علیہ السلام اپنی نیک بیوی سے معذور آدمی جیسا برتاؤ کریں اور سو تنکوں والی جھاڑو لے کر ایک مرتبہ بیوی کو ماردیں قسم پوری ہوجائے گی۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ بَيْنَ أَبْيَاتِنَا رَجُلٌ مُخْدَجٌ ضَعِيفٌ، فَلَمْ يُرَعْ إِلَّا وَهُوَ عَلَى أَمَةٍ مِنْ إِمَاءِ الدَّارِ يَخْبُثُ بِهَا، فَرَفَعَ شَأْنَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رضی اللہ عنہ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "اجْلِدُوهُ ضَرْبَ مِائَةِ سَوْطٍ" قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، هُوَ أَضْعَفُ مِنْ ذَلِكَ، لَوْ ضَرَبْنَاهُ مِائَةَ سَوْطٍ مَاتَ، قَالَ "فَخُذُوا لَهُ عِثْكَالًا فِيهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوهُ ضَرْبَةً وَاحِدَةً"

(ابن ماجہ، ۲۵۷۴_صحیح کتاب الحدود)

ایک معذور اور کمزور زانی کو سو کوڑوں کی جگہ سو تنکوں کی جھاڑو مار کر سزا دی۔معلوم ہوا کہ بیوی کو مارنا نہیں چاہئے اور اگر قسم کھالے تو قسم کا کفارہ ادا کرے۔مگر عورت پر ہاتھ نہ اٹھائے۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہوگی ان کو خوشی نہ ہو یہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔(۵۹)

پیشواؤں سے کہا جائے گا کہ تم اکیلے نہیں، تمہارے ساتھ تمہارے متبعین کی یہ فوج بھی داخل ہوگی۔ان کے پیشوا، متبعین سے ناخوش ہوکر کہیں گے ﴿لَا مَرْحَبًا بِكُمْ﴾ یہ دلخراش بات سن کر متبعین کہیں گے ﴿بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ﴾ تم پر اللہ کی مار!تم نے ہمیں اس بری جگہ پہونچایا۔پھر اللہ سے التجا کریں گے کہ ان کا عذاب زیادہ کردے۔ایک ان کے گمراہ ہونے کا اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔پھر یہ لوگ ان غریب مسلمانوں کے بارے میں جن کا یہ تمسخر کرتے تھے، اور انھیں شریر اور فتنہ باز کہتے تھے،کہیں گے کہ وہ کہاں ہیں؟ نظر نہیں آرہے ہیں؟اور جب ان سے کہا جائے گا کہ وہ جنت میں ہیں، تو انھیں اور بھی رنج ہوگا۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾

جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر

پڑنا۔(۷۲)تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔(۷۳)

(۱) ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾ قصہ ابلیس و آدم سے بنی آدم کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ شیطان کی اتباع سے بچو تا کہ ملأ اعلیٰ کا تم پر اعتراض صحیح نہ ہو۔

(۲) پھر غیرت دلائی کہ تم اس باپ کے بیٹے ہو جس کے آگے اللہ نے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ پھر تم کیسے ناخلف ہو۔

(۳) کوئی حکم الٰہی کے برخلاف کرتا ہے تو وہ خود رسوا ہوتا ہے۔

(۴) شیطان نے انسان کو برباد کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے مگر افسوس کہ بیشتر انسان اسی کے راستے پر چل رہے ہیں۔

﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اللہ کے علم میں ابلیس کافر تھا۔ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ انکار کرے گا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾

کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔(۸۲)

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اس نے قسم کھائی کہ اے میرے رب! تیری عزت کی قسم، میں ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ اور اس میں وہ کامیاب ہو گیا کیونکہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ﴾ (سورہ سبا:۲۰) کہ شیطان نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾

اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔(۸۶)

﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ میں تصنع اور بناوٹ نہیں کر رہا ہوں کہ جھوٹ کا شبہ ہو۔

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾

اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔(۸۸)

﴿نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ﴾ موت کے بعد قرآن کی صداقت تم کو معلوم ہو جائے گی۔

نکاتِ سورۂ ص:

﴿فِي عِزَّةٍ﴾ یہاں عزت سے مراد تکبر ہے جو حق سے روک دیتا ہے۔ یہ عزت مذموم ہے۔

﴿شِقَاقٍ﴾ شق سے مشتق ہے، گویا یہ ایک طرف ہیں اور نبی ایک طرف ہیں۔

﴿ذِي الذِكر﴾ یعنی قرآن نصیحت کرتا ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت دونوں میں نفع بخش ہے۔

﴿كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ﴾ قرن بمعنی امت ہے کہ ہم نے ان کفار سے پہلے بہت سی امتوں کو

Scanned by CamScanner

ہلاک کر دیا اور جب ان پر عذاب آیا تو ایک دوسرے کو چلا چلا کر مدد کے لیے پکارتے تھے کہ میری مدد کرو، میری مدد کرو، اسی طرح عذاب آ جانے کے بعد وہ اللہ کو پکارتے تھے۔

﴿فَلَمَّا رَاَوْ بِاسَنَا قَالُوا آمنَّا باللّٰهِ وحْدَهٗ﴾ کہ ہم صرف اللہ پر ایمان لائے۔

﴿ولاتَ وَحِیْنَ مَنَاصٍ﴾ یعنی انہوں نے ایسے حال میں پکارا جب پکارنا ان کو کوئی فائدہ دینے والا نہ تھا۔ رہائی اور خلاصی کا وقت نکل چکا تھا۔ یعنی اللہ نے ان سے پہلے مکذبین کو ہلاک کر دیا تو انہیں بھی ہلاک کر سکتا ہے۔

﴿وعجبوا﴾ تعجب کبھی استحسان کے طور پر ہوتا ہے اور کبھی استنکار کے طور پر۔ استحسان میں رضا ہوتی ہے اور استنکار میں ردّ اور انکار ہوتا ہے، یہاں "عجبِ استنکار" ہے۔ انہیں تعجب اس بات پر ہے کہ ڈرانے والا انہیں میں سے آیا ہے۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اس طرح کا تعجب کفر ہے۔

نکتہ: رسول مبشر اور منذر دونوں ہوتا ہے۔ یہاں کفار کی حالت کی مناسبت سے صرف منذر لایا گیا۔

﴿سَاُحِرٌ کَذَّابٌ﴾ ساحر کہا کہ یہ لوگوں کے دلوں اور عقلوں کو قید کر لیتا ہے اور کذاب ہے کہ اس کی بات خلاف واقع اور خلافِ حقیقت ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کو جن اوصاف سے انہوں نے موصوف کیا اس میں یہ خود جھوٹے ہیں۔ اور تعجب تو ان پر ہے کہ سب سے سچے کو سب سے جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول کے دشمنوں کو نبیوں سے ذاتی عداوت نہ تھی بلکہ ان کی دشمنی معنوی دشمنی تھی اور یہ دشمنی رسالت کی وجہ سے تھی۔

﴿اجَعَلَ الاٰلِهَةَ اِلَٰها وَاحِدا﴾ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے معبود کو ایک بنا دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ حالانکہ ایک اللہ کا انکار ان کی جہالت اور حماقت تھی۔ کیونکہ ان سے کہا جاتا تھا کہ خالق کون ہے تو کہتے تھے اللہ ہی ہے۔ تو جب خالق اللہ ہے اور وہ تمہارے ہی کہنے کے مطابق ایک ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ کہ معبود ایک ہی ہے۔ تم اقرار بھی کرتے ہو کہ تمہارے معبودوں نے کچھ پیدا نہیں کیا تو وہ مستحق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب خلق ایک ہی ذات پر منحصر ہے تو عبادت بھی ایک ہی ذات میں منحصر ہونی چاہیے۔

انھوں نے عجیب نہیں عجاب کہا، جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کو اس سے بڑا تعجب ہو ہی نہیں سکتا۔

﴿انطلقَ الملا الخ﴾ تو بڑے لوگ چل چل کر لوگوں سے کہتے تھے کہ اپنے راستے پر چلتے رہو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو اس خوف سے کہ کہیں اتباع رسول سے ان کی سرداری خطرے میں نہ پڑ جائے۔

﴿شیئی یرُاد﴾ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی مطلب کی بات ہے۔ یعنی لگتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب و عجم کی حکومت کے طلبگار ہیں اور اس کی خواہش و تمنا تو ہر ایک کو ہوتی ہے، ایک مطلب یہ بھی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات صرف زبان ہی سے نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اپنے ارادے میں پکے ہیں کہ جو کہہ رہے ہیں اس کو نافذ بھی کریں گے۔

﴿الملة الاخرة﴾ عیسیٰ علیہ السلام کی ملت مراد ہے۔ کافر یہ کہہ رہے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو تم سے تھوڑا پہلے گذری ہے۔ اور وہ ملت نصرانیہ ہے اس کے ماننے والے بھی توحید کے قائل نہیں بلکہ ثالث ثلثہ کے

Scanned by CamScanner

قائل ہیں۔لہٰذا تمہاری یہ بات اختلاق یعنی جھوٹ ہے۔

﴿أنزل عليه الذكر﴾ یہ نہ رتبے میں ہم سے بڑا ہے نہ مال و دولت میں ہم سے زائد ہے۔تو اس پر نزول قرآن کیسے ہوا؟ بلکہ یہ لوگ قرآن کی طرف سے شک میں ہیں۔شک کی بنیاد تو یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور یقینی انکار کی بنیاد محض ان کی ضد، ہٹ اور جہل مرکب ہے۔

ادراک کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) حقیقت کا ادراک، علم ہے۔

(۲) خلاف حقیقت کا ادراک جہل مرکب ہے۔

(۳) اور کسی چیز کا بالکلیہ ادراک نہ ہونا، جہل بسیط ہے۔

(۴) ادراک اگر راجح ہے تو، ظن ہے۔

(۵) ادراک اگر مرجوح ہے تو وہم ہے۔

(۶) ادراک اگر مساوی ہے تو، شک ہے۔

﴿فُواق﴾ "المدة بين الحلبتين" دومرتبہ دوہنے کے درمیان کی مدت کو فواق کہتے ہیں۔یہاں بہت ہی قلیل مہلت مراد ہے۔

﴿ذوالاوتاد﴾ مجاہد کا بیان ہے کہ جس شخص کو سزا دینی ہوتی فرعون اس کو زمین پر چت لٹا دیتا اور اس کے ہاتھ پاؤں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر ان میں کیل ٹھونک دیتا تھا۔

﴿داؤد ذالأيد﴾ "اید، ید" کی جمع نہیں ہے بلکہ "آدَّ یئید یداً" (ض) کا مصدر ہے اور اید کے معنی قوت کے ہیں۔یہاں عبادت میں قوت مراد ہے یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔آدھی رات کو قیام کرتے، رات کے تہائی حصے میں سوتے اور چھٹے حصے میں قیام کرتے۔

﴿وان كثيرا من الخلطاء﴾ خلطاء، خلیط کی جمع ہے۔اور خلیط کا معنی پارٹنر ہے۔عجیب بات ہے کہ انسان کسی کے قریب جتنا ہوتا جاتا ہے تو بعید سے زیادہ اس قریب سے ظلم و زیادتی کی توقع رکھتا ہے مگر سارے پارٹنر ایسے نہیں ہوتے اور جیسے جیسے انسان کا ایمان قوی ہوتا جاتا ہے اور اس کا عمل صالح ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ ظلم و زیادتی سے دور رہتا ہے۔

داؤد علیہ السلام کی آزمائش:

﴿وظن داؤد انما فتناه الخ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلاء ایک طرح کے اعجاب کی بنا پر پیش آیا۔صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی۔اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد علیہ السلام کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت میں مشغول نہ رہتا ہو۔انہوں نے شب

Scanned by CamScanner

وروز کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں میں نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تا کہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے۔ اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر ہماری توفیق و مدد نہ ہوتو، تُو اس بات پر قدرت نہیں پا سکتا۔ قسم ہے مجھے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا یعنی میں اپنی مدد ہٹالوں گا۔ دیکھیں اس وقت تو کہاں اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا ہے؟ اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے؟ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے، بس اسی دن فتنے میں مبتلا ہو گئے۔ پھر دیکھیں کہ کس بے قاعدہ طریقے سے آپ کے ''محرابِ اعتکاف'' میں دو آدمی داخل ہو گئے اور داؤد علیہ السلام کو عبادت سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا۔

﴿ولیتذکر اولو الالباب﴾ جو قرآن پر غور کرے وہ صاحب عقل ہے اور جو غور نہ کرے اس کے پاس عقل و رشد نہیں کیونکہ اللہ نے تذکر والوں کو عقل کے ساتھ متصف کیا ہے۔

اوّاب کے معنی ''رجّاع الی اللہ'' کے ہیں۔ یعنی اللہ کی طرف بہت پلٹنے والا، خواہ ذکر کے ساتھ آواز کی ترجیع (لوٹانا) ہو یا اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کرنا۔

الصفنٰت الجیاد سے مراد:

﴿اذعرض علیه بالعشی الصفنٰت الجیاد﴾ زوال کے بعد غروب شمس تک کا دورانیہ ''عَشِیّ'' کہلاتا ہے۔ اس پورے وقفے میں گھوڑے سلیمان علیہ السلام پر پیش کئے جاتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے بہت زیادہ تھے۔ ﴿صفنٰت﴾ صافنہ کی جمع ہے۔ ''وھی القائمة علی ثلاث'' یعنی تین پیروں پر کھڑے ہوں اور چوتھا پیر اٹھائے ہوئے ہوں، ان گھوڑوں کو ﴿صفنٰت﴾ کہا جاتا ہے۔ جوان گھوڑوں کی قوت اور خوبصورتی پر دلالت کرتا ہے۔

الجیاد، جواد کی جمع ہے۔ ریس کرنے والا، یہ کہ روکا جائے تو رک جائے اور ایڑ لگائی جائے تو ہوا سے باتیں کرنے لگے اور جیاد سے ان کے جیّد (عمدہ اور خوبصورت) ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ گھوڑے ظہر کے بعد ہی سے پیش کئے جانے لگے اور دن کے آخر میں یہ گھوڑے جن کی دو صفتیں ﴿صفنٰت﴾ جیاد بیان کی گئیں، پیش کئے گئے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تیار کیے گئے۔ گھوڑوں سے چونکہ سلیمان کو خاص تعلق خاطر تھا، اس لیے اس کی وجہ سے وہ عصر کی نماز پڑھنا بھول گئے۔ بعض علماء نے ''احببت حب الخیر عن ذکر ربی کا مطلب آثرت حب الخیر عن ذکر ربی'' بتلایا ہے کہ میں نے اپنے رب کے ذکر پر مال کو ترجیح دی۔ یہ گھوڑے چھپ گئے یعنی دور چلے گئے اور نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ لفظ توارت (چھپ گئے) سے معلوم ہوا۔

توارت بالحجاب سے مراد:

﴿بالحجاب﴾ حجاب سے مراد ''زمین'' ہے۔ جس سے اس کا کروی ہونا معلوم ہوا۔ کیونکہ سورج جب زمین کا دوران کرتا ہے اور جانب منحنی پہونچتا ہے تو اسے غائب ہونا ہی ہے۔ پھر وہ رفتہ رفتہ ہر قوم سے غائب ہوتا رہتا ہے یہاں تک

Scanned by CamScanner

کہ اس قوم پر طلوع ہوتا ہے جس سے پہلے پہل غائب ہوا تھا۔

﴿ردوھا علیّ﴾ سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو لوٹانے کا حکم دیا۔ پھر ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ پھر اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے جو گھوڑوں سے تعلق کی وجہ سے اللہ کے ذکر سے اعراض کر بیٹھنا تھا، گھوڑوں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ نیز اس سے گھوڑوں کی مسابقت کا بھی ثبوت ملا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی وجہ سے اللہ کے ذکر سے غفلت مذموم ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر اللہ کو دنیوی امور پر مقدم رکھنا چاہیئے،

﴿حتی توارت بالحجاب﴾ کے جملے سے معلوم ہوا کہ سورج مسلسل چلتا رہتا ہے وہ غائب اس معنی میں ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے۔

﴿ردُّوھا﴾ سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر اور خدام کثیر تھے۔

﴿ولقد فتنا سلیمن﴾ یہ فتنہ کیا تھا اور اس کی نوعیت کیا تھی اللہ نے اسے مبہم رکھا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کو مبہم ہی سمجھیں۔ اس سلسلے میں بہت سی اسرائیلی روایات ذکر کی گئی ہیں جو مقام نبوت کے منافی ہیں۔

اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ہماری شریعت اس کے باطل ہونے کی گواہی دے تو باطل ہے۔

(۲) ہماری شریعت اس کے صدق کی گواہی دے تو حق ہے۔

(۳) ہماری شریعت اس کے خلاف گواہی نہ دے تو توقف اختیار کریں گے ﴿لا نصدق ولا نکذب﴾ (نہ ہم تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب کریں گے)

﴿رب اغفرلی وھب لی ملکا﴾ انبیاء و صالحین پہلے استغفار کرتے ہیں پھر اللہ سے کچھ مانگتے ہیں۔ اس استغفار و انابت کے بعد اللہ نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا اور فتنہ کوئی بھی رہا ہو ہمیں اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو آدمی اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور توبہ و انابت اور اصلاح عمل کی طرف لوٹے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی نعمتیں بندے کی کسی حرکت کی وجہ سے چھین لی جاتی ہیں اور یا تو ان کے درجے کی بلندی کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء اور عام لوگوں میں فرق یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہی ہیں۔ جب کہ ان کے علاوہ لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مگر وہ اللہ کی طرف نہیں پلٹتے اور انبیاء امور آخرت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے سلیمان علیہ السلام نے پہلے مغفرت طلب کی پھر بادشاہت مانگی، اور یہ کہ انبیاء ارباب نہیں ہوتے بلکہ وہ بھی مربوب ہوتے ہیں۔

﴿تجری بامرہ﴾ ہواؤں کو بھی شعور و اختیار ہے۔ کائنات کی ہر شئی کو اس کے مناسب شعور و ارادہ ہے۔

﴿رخاء﴾ سلیمان علیہ السلام کے اس تخت (جہاز) کے لیے ہوا کبھی مخالف نہیں ہوتی تھی جیسا کہ دنیا کی جہازوں کے لیے ہو جاتی ہے اور وہ تخت پر ایسے بیٹھے رہتے تھے جیسے زمین پر بیٹھے ہوں۔ جس سے تخت کے انتہائی آرام دہ اور اس کی سرعت رفتار کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہوائی جہاز تھا جو بغیر پٹرول چلتا تھا اور ہوا کبھی اس جہاز کے مخالف نہیں ہوتی تھی۔

Scanned by CamScanner

﴿مسنی الشیطن﴾ ایوب علیہ السلام کو شیطان نے ''مس'' کیا (چھولیا) جس کی وجہ سے وہ بدنی اور نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ پتہ چلا کہ انبیاء پر بھی مصیبتیں آتی ہیں اور اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے۔ حالات کتنے ہی خراب ہوں کشادگی کا انتظار اور اس کی امید رکھنا چاہئے۔ ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ اپنا پیر زمین پر ماریئے جب کہ اللہ پیر مارے بغیر ان کے لیے زمین سے چشمہ نکال سکتا تھا مگر اس میں سبق ہے کہ انسان کو سبب اختیار کرنا ہوگا۔

ایوب علیہ السلام کا صبر:

(۱) شیطان کی طرف سے ''مس'' پر صبر۔

(۲) اللہ کی تقدیر پر صبر۔

(۳) اللہ کی نافرمانی سے صبر کیونکہ انہوں نے جزع نہیں کیا۔

(۴) اللہ کی اطاعت پر صبر۔

نکتہ: اکثر دعا، ''دواءِ حسی'' سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ ایوب کے واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء نفع و نقصان کے مالک نہیں ہوتے۔ نیز انبیاء شدائد اور تکالیف میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

نکتہ: کبھی کبھی اللہ سبب ضعیف کو بھی سبب موثر بنا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ سبب موثر کو غیر موثر بنا سکتا ہے۔ جیسے عام طور پر پیر مارنے سے چشمہ نہیں نکلتا مگر ایوب کے پیر مارنے سے چشمہ نکل آیا۔

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثاً﴾ جائز حیلوں کا استعمال مباح ہے۔ جیسے کوئی آدمی قسم کھالے کہ ایک شخص کو سو مرتبہ مارے گا اور وہ شخص سو مرتبہ کی ضرب کا متحمل نہیں ہے تو سو تیلیاں لے کر ایک مرتبہ اسے مار دے۔

قسم میں حانث ہونے کی پانچ قسمیں:

(۱) واجب (۲) حرام (۳) مکروہ (۴) مستحب (۵) مباح۔

(۱) **واجب:** کوئی قسم کھالے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھے گا وہ کفارہ یمین دے اور نماز با جماعت ادا کرے۔ کوئی قسم کھالے کہ شراب پئے گا تو واجب ہے کہ شراب چھوڑ دے اور کفارۂ یمین دے۔

(۲) **حرام:** قسم کھالے کہ شراب نہیں پئے گا تو اگر پئے گا، تو فعل حرام کا ارتکاب کرے گا۔

(۳) **مستحب:** قسم کھالے کہ ظہر کی نفل نہیں پڑھے گا، اسی طرح قسم کھالے کہ مسجد میں جانے کے لیے لہسن اور پیاز نہیں کھائے گا۔

(۴) **مکروہ:** قسم کھالے کہ پیاز اور لہسن ہی نہیں کھائے گا۔

(۵) **مباح:** اگر برائی اور اچھائی مصلحت اور مفسدہ برابر ہو تو مباح ہے۔

﴿اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ﴾ ہم نے ان کو ایک خاص بات کے لیے مخصوص کر لیا تھا اور وہ بات تھی آخرت کی یاد۔ یعنی ہمیشہ دار آخرت کی یاد رکھنے کے لیے اور لوگوں کو یاد دلانے کے لیے ہم نے ان کو مخصوص کر لیا تھا۔

Scanned by CamScanner

انبیاء کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ یادِ آخرت خلوص طاعت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔صرف ''الدار'' بول کر دارِ آخرت مراد لینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حقیقت میں رہنے کا گھر تو آخرت کا گھر ہے۔ دنیا تو ایک گذرگاہ اور پل ہے، رہنے کا مقام نہیں۔ اس کو دار کہا ہی نہیں جا سکتا۔ مالک بن دینار رحمہ اللہ نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور اس کی یاد نکال دی اور آخرت کی یاد اور محبت کے لیے ان کو خاص کر لیا۔ انبیاء کے پیش نظر اللہ سے ملنا اور مقام قرب میں پہونچنا ہوتا ہے اور یہ آخرت میں ہوگا۔

﴿وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ انھم میں ''ھم'' کی ضمیر تین پیغمبروں ابراھیم، اسحٰق اور یعقوب کی طرف لوٹتی ہے کہ تینوں اللہ کے منتخب اور برگزیدہ تھے۔ مصطفی کا مطلب مختار (چنا ہوا) ہے یعنی انہیں عبادت، علم اور رسالت کے لیے چن لیا تھا اور اخیار، خیّر (بروزن فَیعِل) کی جمع ہے جیسے اموات ، میّت کی جمع ہے۔ جس کا مطلب کثیر الخیر ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تین رسول (ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب) علیہما السلام بڑے خیر والے ہیں کہ انہیں کی نسل سے سارے معزز رسول آئے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نیک لوگوں کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان لوگوں کا ذکر زندہ رکھا جائے تا کہ ان کی فضیلت واضح ہو۔ اور ان کے لیے دعا کی جائے۔ دوسرے ان چیزوں میں ان کی اقتدا کی جائے جن کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق ہوئے۔

﴿وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيلَ واليسع﴾ اس آیت میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر الگ سے کیا گیا کیونکہ ان کی نسل اسحاق و یعقوب کی نسل سے الگ ہے۔ اسحاق و یعقوب کی نسل بنو اسرائیل ہیں اور اسماعیل کی نسل عرب ہیں۔

﴿هذا ذكر﴾ یہ ذکر تمام لوگوں کے لیے ذکر ہے۔ تو انسانوں کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔ (۱) متقی اور (۲) غیر متقی۔ چونکہ ان دونوں کے راستے الگ الگ ہیں لہٰذا ان دونوں کی منزلیں بھی الگ الگ ہیں۔ متقی کی منزل جنت اور غیر متقی کی منزل جہنم ہے۔ پھر مناسب ہوا کہ دونوں ٹھکانوں کی کچھ اہم تفصیلات بیان کر دی جائیں تا کہ لوگ جنت کی طرف رغبت کریں او رجہنم سے بچنے کی کوشش کریں۔

﴿هذا ذكرٌ﴾ قرآن کو ذکر کہا گیا کیونکہ اس کی تلاوت سے اللہ یاد آتا ہے۔ اور قرآن سے انسان اپنی دنیا اور آخرت، معاش اور معاد کے تعلق سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں کو تذکیر ہوتی ہے۔

﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ﴾

﴿عندھم﴾ کا نکتہ۔ بعض مرتبہ بیوی آدمی کے پاس ہوتی ہے اور کبھی ناراض ہو کر اپنے میکے چلی جاتی ہے لیکن جنت میں ہمیشہ یہ عورتیں اپنے شوہروں کے پاس ہی رہیں گی۔ اسی وجہ سے ﴿عندھم﴾ جو خبر ہے اسے مقدم کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے حصر کا معنی پیدا ہو گیا ہے۔

﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ کا نکتہ۔ یہ اپنی نگاہوں کو صرف اپنے شوہروں پر مقصور اور مرکوز رکھیں گی۔ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی طرف نہیں دیکھیں گی اور شوہر بھی ان کے علاوہ دوسری عورتوں کو نہیں دیکھے گا۔ کیونکہ اس کی آنکھیں انہیں سے

Scanned by CamScanner

آسودہ رہیں گی اور اس کا دل انہیں سے بھرا ہوا رہے گا۔

﴿قصرات﴾ لفظ "قصر" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب محدود ہونا، مرکوز ہونا ایک ہی جگہ جم جانا ہوتا ہے۔

﴿اتراب﴾ اور شوہر اور بیوی دونوں اخلاق اور عمر اور حسن میں مساوی ہوں گے تا کہ کوئی کسی کو غیرت نہ دلائے۔

﴿جھنم یصلونھا﴾ جہنم کا نام جہنم اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ جہنم روشنی نہ ہونے اور انتہائی گہری ہونے کی وجہ سے ﴿جُهمة﴾ (تاریکی) پر مشتمل ہوگی۔

﴿مقتحم﴾ "ای داخل بمشقة۔ لان الاقتحام لابدان یکون هناک ازدحام شدید" وہ بڑی مشقت اور تکلیف سے داخل ہوں گے کیونکہ وہاں بہت بھیڑ ہوگی۔

﴿وقالوا مالنا لانری رجالا کنا نعدھم من الاشرار﴾ آج بھی کفار سمجھتے ہیں کہ مومنین اشرار اور گمراہ ہیں۔

﴿من روحی﴾ "من الارواح التی خلقتها" ان ارواح میں سے جن کو میں نے پیدا کیا۔ اس میں آدم کا دو طریقے سے شرف ہے:

(۱) اللہ نے روح خود پھونکا، کسی فرشتے کو پھونکنے کے لیے نہیں کہا۔

(۲) روح کی نسبت اپنی طرف کی۔ العالین یعنی ان کے مرتبے اتنے بڑے ہیں کہ ان کو سجدے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ ثابت ہوا کہ اللہ کے دو ہاتھ ہیں اور دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔

﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ﴾ جس نے عقلیات کو سمعیات پر مقدم کیا وہ ابلیس کا متبع ہے۔ نیز ابلیس نے خود اقرار کیا کہ اس کا خالق اللہ ہی ہے اور ابلیس اللہ کی صفات کے حقائق سے اکثر معطلہ سے زیادہ عالم ہے۔ ابلیس ہر شر کا مبدأ ہے اور اللہ نے اسے حکمت کے تحت پیدا کیا اور باقی رکھا ہے کیونکہ اگر ابلیس نہ ہوتا تو زمین پر کوئی گنہ گار نہ ہوتا اور کوئی گنہ گار نہ ہوتا تو لوگ ایک امت ہو جاتے اور ایمان کی کوئی خصوصیت نہ رہ جاتی۔

والحق اقول. اللہ نے جو بھی مقدر کیا ہے سب حق ہے۔ خواہ وہ انسان کے مناسب ہو یا نامناسب ہو۔

﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ "وما انا المتقولین القرآن من تلقاء نفسی" یعنی میں قرآن کو اپنی طرف سے گھڑنے والا نہیں ہوں۔ متقولین کے بجائے متکلفین کہا۔ اس لیے کہ انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ قرآن کے مثل لا سکے۔ خواہ وہ کتنا ہی تکلیف اٹھائے اور کوشش صرف کرے۔ ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ میں واقعی نبی ہوں۔ میری نبوت کا دعویٰ جھوٹا نہیں۔

﴿وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ﴾ قرآن میں جو وعدے اور وعیدیں ہیں تھوڑے عرصہ بعد یقیناً تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک ﴿بعد حین﴾ سے مراد "مرنے کے بعد" ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورۃالزمر (مکیۃ)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے ہے۔(۱)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن خود نہیں بنایا، اللہ عزیز ہے، اسے تمہارے انکار کی پرواہ نہیں، قرآن دنیا میں ضرور شائع ہوگا، مخالفین لاکھ کوشش کرلیں، وہ قرآن کی اشاعت کو نہیں روک سکتے اور قرآن سراپا حکمت ہے، دیکھو گے تو خود تمہارا اس میں فائدہ ہے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے (زیبا ہے) اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا بیشک اللہ اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔(۳)

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ آج ہر جگہ دین کی باتیں ہو رہی ہیں، دینِ خالص کی بات نہیں ہو رہی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کو صرف دین خالص ہی مطلوب ہے اور دین خالص وہ ہے جو شرک و بدعت کے تمام شوائب سے پاک ہو۔

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ﴾

وسیلہ:

مشرکین کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے فرشتوں کا وسیلہ ضروری ہے، وہ سمجھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، انہوں نے دربار الٰہی کو بادشاہوں پر قیاس کرتے ہوئے سمجھا کہ جیسے شاہی مقرب کسی سے

Scanned by CamScanner

خوش ہوں تو بادشاہ کے پاس ان کی سفارش کردیں گے، ایسے ہی فرشتے شاہی درباریوں کی طرح جس کی چاہیں سفارش کر سکتے ہیں، جو توجیہ مشرکین مکہ کرتے تھے وہی توجیہ قبر پرست لوگ اولیاء اور پیروں کے بارے میں کرتے ہیں کہ ہم ان کی نذرونیاز اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی ہو۔

نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اتفاق و اتحاد صرف توحید ہی میں ممکن ہے، شرک میں کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا، دنیا کے مشرکین اس بات پر کبھی متفق نہیں ہوئے کہ اللہ کے یہاں رسائی کا ذریعہ آخر کون سی ہستیاں ہیں؟ کسی کے یہاں چاند اور سورج اور کسی کے یہاں وفات شدہ بزرگ لوگ ہیں اور ان کے درمیان بھی اختلافات ہیں۔ کوئی کسی بزرگ کو مان رہا ہے اور کوئی کسی کو، یہ عقیدہ محض اندھی عقیدت کی بنا پر پھیلا ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے فہرست نہیں آئی ہے کہ فلاں فلاں ہمارے مقرب ہیں۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ﴾ کے بعد ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ﴾ اس وجہ سے کہا گیا کہ دنیا میں کوئی مشرک یہ نہیں مانتا کہ وہ شرک کر رہا ہے یا وہ حق پر نہیں ہے، تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کردے گا۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہماری سفارش کر کے اللہ سے قریب کردیں، قرآن نے ان کی اس تاویل کے باوجود انہیں کافر کہا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ﴾

﴿كٰذِبٌ﴾ ان کے اس جھوٹ کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کے معبودان باطلہ کی رسائی اللہ تعالیٰ تک کرادیں گے، یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم خالق تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں اور اصل معبود اسی کو سمجھتے ہیں لیکن اس کی بارگاہ بہت اونچی ہے۔ ہم ان بزرگ ہستیوں کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ یہ ہماری التجائیں اور دعائیں اللہ تعالیٰ تک پہنچادیں۔

﴿كَفَّارٌ﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انتہائی بے اختیار ہستیوں کو معبود سمجھتے ہیں، سب کچھ اللہ دے رہا ہے مگر وہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کر رہے ہیں، یہ کتنی بڑی ناشکری ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝

اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ (۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کروی (گول) ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرمائی کہ وہ مکمل کروی نہیں بلکہ شبہ الکرۃ (نیم کروی) ہے، فرمایا ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ (سورۂ نازعات: ۳۰) یعنی زمین بیضوی ہے اور یہ

Scanned by CamScanner

حالت زمین کو محور کے گرد گھومنے سے پیدا ہوئی ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٦﴾

اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں (پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں بناتا ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ (٦)

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾

یہ توحید کی ایک دلیل ہے کہ وہ انسان کو ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں میں کھلا رہا ہے تو باہر دوسرا کوئی رب کیسے ہو گیا، اسی وجہ سے آگے ﴿فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ کہا گیا کہ کہاں بہک رہے ہو۔

﴿ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾

(تین تاریکیاں):

(۱) پیٹ کی (۲) رحم کی (۳) مشیمۃ کی (جھلّی کی)

اللہ تعالیٰ عام صنعت کاروں کی طرح کھلی جگہ اور روشنی میں نہیں بلکہ تین اندھیریوں میں انسان کی تخلیق کرتا ہے، جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں ہے۔

پیدائش میں تدریج اختیار کی، کہ عورت، جس کے پیٹ میں عالم اصغر (انسان) بن رہا ہے، وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ اٹھانے کی عادی ہو جائے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾

اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر

Scanned by CamScanner

تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تم کو بتائے گا وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے۔(۷)

﴿وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہوتا، ایک شخص حرام کے ذریعے سے رزق حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی ذریعے سے رزق دیتا ہے، یہ اس کی مشیت ہے مگر چور، ڈاکو، سودخور اور رشوت خور کو رزق دینے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ چوری اور ڈاکے وغیرہ اسے پسند ہیں۔

﴿يَخْلُقُكُمْ﴾ خلق کے معنی ہیں ''کسی شئ کو عدم محض سے ذاتی قدرت کے بل پر وجود میں لانا'' اس لیے یہ صفت اللہ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا ہمارے زمانے میں جو یہ رواج چل پڑا ہے کہ اہل قلم کے مضامین، شاعروں کے اشعار اور مصوروں کی تصاویر کو ان کی تخلیقات کہہ دیا جاتا ہے، یہ بالکل درست نہیں، بلکہ ان کے رشحات قلم کو کاوش کہنا چاہئے، تخلیق نہیں۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾

پھر تو تو دوزخیوں میں ہوگا (بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔(۹)

قرآن کے نزدیک اہل علم وہی ہیں جن کی تعریف اس آیت میں بیان ہوئی ہے، جن کے اندر یہ صفت نہیں، وہ علم سے عاری ہیں، خواہ وہ چاند اور مریخ تک سفر کر آئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کی رہنمائی کے لیے اصل علم یہ ہے کہ انسان کو پتہ ہو کہ یہ دنیا کہاں سے آئی ہے؟ کہاں منتہی ہوگی؟ اس کے ساتھ انسان کا کیا تعلق ہے؟ اور اس کا خالق کون ہے؟ اگر انسان یہ علم حاصل نہ کر سکا تو وہ اندھیرے میں ہے۔

﴿يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق، متوازن اس وقت تک رہتا ہے، جب تک وہ خوف ورجاء (امید وبیم) کے بین بین رہے، اگر ان میں سے کسی ایک کا غلبہ ہو جائے تو توازن بگڑ جاتا ہے، رجائیت غالب ہو تو انسان، اللہ تعالیٰ کے عدل سے غافل ہو جاتا ہے اور اگر خوف غالب ہو تو اس کے اندر قنوطیت (مایوسی) در آتی ہے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقل والے ہیں۔(۱۸)

Scanned by CamScanner

﴿فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ مثلاً انتقام اور عفو دونوں جائز ہیں۔مگر عفو، احسن (زیادہ اچھا) ہے، بہت سی ایسی دو چیزیں ہیں کہ قرآن نے اختیار دیا ہے کہ انسان دونوں میں سے جو چاہے اختیار کر لے، مگر ایک کو احسن کہا، اس کو اختیار کیا جائے۔، بہت سی چیزوں میں رخصت ہے مگر عزیمت پر عمل کرنے کو احسن کہا۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہوسکتا ہے) پس ان پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔(۲۲)

﴿فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ذکر نہ کرنے سے دل سخت ہوجاتا ہے اور سخت دل اللہ تعالیٰ سے دور ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہوکر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہوجاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔(۲۳)

انسان جو کچھ بولتا ہے ان میں ''احسن الکلام'' قرآن ہے۔

قرآن کریم کی صفات:

(۱) قرآن کی پہلی صفت ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا﴾ ہے، یعنی یہ کتاب اول سے آخر تک ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظام فکر و عمل پیش کرتی ہے۔اس کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی توضیح کرتا ہے، اور معنی و بیان دونوں کے لحاظ سے اس میں کامل یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(۲) ﴿مَّثَانِيَ﴾ یہ دوسری صفت قرآنی ہے، مواعظ کو بار بار نئے نئے اسالیب میں ذکر کیا گیا ہے، اور اس کے مضامین بار بار

Scanned by CamScanner

مختلف پیرایوں میں بیان کیے گئے ہیں، چونکہ یہ کتاب نصیحت ہے اور ناصح یہ چاہتا ہے کہ میری بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے، اسی لیے قرآن میں ایک مضمون کو ذہن نشین کرانے کے لیے اسے بار بار دہرایا جاتا ہے۔

(۳) ﴿مُتَشَابِهًا﴾ (ملتی جلتی) یعنی بے تضاد بات کہ ایک خبر دوسری خبر سے متصادم نہیں ہوتی، یہ صفت بتاتی ہے کہ قرآن ''کتاب حقیقت'' ہے۔

(۴) ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے قرآن پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے بدن کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خشیت کا آخری درجہ، بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجانا ہے، وجد، صوفیوں کی اختراع ہے، قرآن اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خالی ہے، قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں اولیاء کی صفت بیان کی گئی ہے، کہ ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں، اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، نہ کہ مدہوش وحواس باختہ ہوجاتے ہیں، جیسا کہ بدعتیوں کی قوالیوں میں ہوتا ہے، اہل ایمان کا سماع، قرآن اور کفار کا سماع، غنا (گانا) ہے۔

(۵) ﴿تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ وعید سن کر روئیں کھڑے ہوجاتے ہیں اور رحمت ومغفرت کی آیات پڑھ کر اور سن کر دل، بدن، نرم ہوجاتے ہیں، یا آیات پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے ہیں۔ ﴿اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ حسن اپنی طرف کھینچتا ہے اس میں ایک کشش ہوتی ہے، جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ﴿الْحَدِيْثِ﴾ کوئی سوال کرے کہ آپ اہلحدیث ہیں تو کیا آپ قرآن کو نہیں مانتے؟ تو جواباً یہ کہا جائے کہ آپ اہل سنت ہیں تو کیا آپ فرض کو نہیں مانتے؟

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی (آدمی) شریک ہیں (مختلف المزاج) اور بدخواور ایک آدمی خاص ایک شخص کا (غلام) ہے بھلا دونوں کی حالت برابر ہے؟ (نہیں) الحمدللہ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۲۹)

ایک غلام کے متعدد (کئی) مالک ہوں اور ان کے درمیان نزاع بھی ہو تو ذرا سوچئے کہ اس غلام کا کیا حال ہوگا؟ وہ کس کو خوش کرے گا؟ ہر ایک کو خوش کرنا سخت پریشانی کا موجب ہے، موحد اس ذہنی پریشانی سے بچ جاتا ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۲۴

سورۃ الزمر

(آیت: ۳۲)

تا

سورۃ حٰمٓ السجدہ

(آیت: ۴۶)

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ

حیدرآباد، الہند

Scanned by CamScanner

چوبیسواں پارہ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں؟ (۳۲)

قیامت کی عدالت میں سزا پانے والے کون؟

جنہوں نے جھوٹے عقیدے گھڑے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات واختیارات اور حقوق میں دوسری ہستیوں کو شریک کیا، اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ ان کے سامنے جب سچائی پیش کی گئی تو الٹا سچائی پیش کرنے والے ہی کو جھوٹا قرار دے دیا۔

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ﴾

اس سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے اختیارات اپنے کچھ پیاروں کو سونپ دیئے ہیں اور توحید کو جھٹلا دے، اگر کذب علی اللہ (اللہ پر جھوٹ باندھنا) اور تکذیب بالحق (حق کو جھٹلانا) دونوں کا جامع ہو تو ظلم علی ظلم ہے، جھوٹ خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں۔ جیسے یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر وناظر ہیں، وہ عالم الغیب ہیں اور تمام مذاہب اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور اس نے اولیاء کو تصرف کے اختیارات دے رکھے ہیں، وہ فریادرسی کرتے ہیں، ایسا شخص بہت بڑا ظالم ہے، جتنے مظالم ہیں وہ سب عملی گناہ ہیں کفر نہیں ہیں، اور عملی گناہوں کی سزا محدود ہے، بخلاف ایمان کہ وہ ایک غیر محدود عمل ہے، لہٰذا اس کی جزا بھی غیر محدود (ہمیشہ جنت میں رہنا) ہے۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ (۳۳)

Scanned by CamScanner

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ "يقول: اتقوا الشرك" (تفسیر طبری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شرک سے بچ گئے۔ جب داعی کی ساری دلیلیں مدعو پر بے اثر ثابت ہوتی ہیں تو اس کے پاس کہنے کے لیے جو بات ہوتی ہے وہ یہ ہوتی ہے ﴿قُلْ يَٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾

ما من عبد مسلم يدعو لاخيه بظهر الغيب الا قال الملك ولك بمثل (مسلم، کتاب الذکر والدعاء، ۲۷۳۲)

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾

کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟ اور یہ تم کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (یعنی غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (۳۶)

قبروں کے گدی نشین لوگوں کو ڈراتے ہیں کہ اگر بزرگوں کا انکار کرو گے تو وہ تمہیں تباہ کر دیں گے ایسی باتوں سے بدعقیدہ اور احمق لوگ ڈر جاتے ہیں یہاں تک کہ قبروں کی طرف پیٹھ کر کے درگاہ سے باہر نہیں آتے، اگر اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل ہے تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ اس ایک جملے میں دنیا کے ہر قسم کے شرک کی تردید ہے، یہ ایک سوال ہے، مشرک اس کا جواب دے کہ کیا اللہ تعالیٰ کافی نہیں ہے کہ دوسروں کے در پر جا کر ذلیل ہو رہا ہے؟

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ﴾ آج کے نام نہاد مسلمانوں کا شرک کفارِ مکہ کے شرک سے بڑھ کر ہے کہ وہ کم سے کم مصیبتوں میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے، لیکن آج کا کلمہ گو مشرک مصیبتوں میں بھی غیر اللہ کو پکارتا ہے۔

یہ شعر دیکھئے اور سر دھنئے

بگرداب بلا افتاد کشتی — مدد کن یا معین الدین چشتی

میری کشتی مصیبتوں کے بھنور میں پھنس گئی ہے، اے معین الدین چشتی میری مدد کیجئے۔

"کفار مخاوف" (خوف کے وقت) میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے مگر مسلمان ایسی حالت میں بھی غیر اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، تو یا علی اور یا خواجہ کہتا ہے۔ کچھ لوگ یا وارث کا وظیفہ پڑھتے ہیں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ وارث اللہ تعالیٰ کا نام ہے، بھلا آپ کو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے یہی نام ملا، انہوں نے وظیفے کے لیے اس نام کو اس لیے منتخب کیا کیونکہ اس نام کو ان کے پیر کے نام سے مناسبت ہے، تو کیا اس طرح کا وظیفہ شرک نہیں؟ اسی طرح یا رسول اللہ! کا نعرہ استعانت اور استغاثہ کے ارادے سے یا حاضر و ناظر کے اعتقاد سے لگانا شرک ہے، اسی طرح تصور شیخ بھی، جس کا مطلب ہے کہ میرا قلب

Scanned by CamScanner

پیر کے قلب کی طرف متوجہ ہے، شرک ہے، جب کہ مراقبہ میں تو یہ خیال ہونا چاہئے کہ میرا قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے، جیسا کہ آیت کریمہ کے اس ٹکڑے ﴿ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ﴾ سے ظاہر ہے، اسی طرح غیر اللہ کے نام نذر و نیاز کا معاملہ ہے۔ کہ اے فلاں بزرگ اگر میرا یہ کام ہوگیا تو میں آپ کے نام سے کھانا کھلاؤں گا اور آپ کی قبر پر چادر چڑھاؤں گا، یہ بھی شرک ہے کیونکہ نذر (منت ماننا) عبادت ہے اور عبادت میں کسی کو شریک کرنا صریح شرک ہے۔

﴿ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ مذہب بیزار لوگ مومن کو ڈراتے ہیں کہ اگر تم نے فلاں حرام کام نہ کیا تو تمہارے افسران تم سے ناراض ہوجائیں گے، اس آیت میں ہدایت ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لیے کافی نہیں! اگر اللہ تعالیٰ کے لیے تم نے گناہ سے اجتناب کیا اور افسران کی پرواہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی، زائد از زائد ملازمت چھوٹ جائے گی، اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کردے گا، یا بتوں سے مشرکین ڈراتے تھے کہ اگر ہمارے بتوں کی بے ادبی کی، تو نقصان اٹھاؤ گے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہہ دیں کہ اللہ نے کہو کہ بھلا دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں یا اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دو کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۳۸)

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ اس آیت میں مشرکین کے تضادِ فکر کو بیان کیا گیا ہے، کہ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو فوراً جواب دیں گے "اللہ" تو پھر یہ خالق کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟

﴿ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ رحمہ اللہ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ - رَفَعَ الْحَدِيثَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: "مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَعَزَّ النَّاسِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَقْوَى النَّاسِ فيتوكل على الله فَلْيَكُنْ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ أَوْثَقَ بِمَا فِي يَدَيْهِ. وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أغنى الناس فليكن بما في يد الله أغنى منه بما في يده فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ (سلسلہ ضعیفۃ ۵۴۲۱ ضعیف جداً)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو یہ چاہے کہ سب لوگوں سے طاقتور ہوجائے اسے

Scanned by CamScanner

چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کرے اور جو شخص یہ چاہے کہ سب سے غنی ہوجائے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پہ تکیہ کرلے اور جو شخص یہ چاہے کہ سب سے زیادہ باعزت ہوجائے اسے چاہئے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔

عن الحسن، أنه قال: قال عامر بن قيس: ما أبالي ما أصابني من الدنيا وما فاتني منها، بعد ثلاث آيات ذكرهن لله تعالى في كتابه قوله ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ﴾ وقوله: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ﴾ :وقوله: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (تفسیر سمرقندی)

عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین آیتوں نے مجھے دنیا جہان سے بے نیاز کردیا: ﴿وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ (سورۂ یونس:۱۷) ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۂ ھود:۶) ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ (سورۂ فاطر:۲)

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۴۰

کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔(۴۰)

مجرم کو دو قسم کی سزا:

(۱) دنیا میں مجرم کی ذلت ورسوائی ﴿عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ﴾ سے دنیا کے عذاب کا ذکر کیا گیا

(۲) آخرت کا عذاب ﴿وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ سے بیان فرمایا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۲

اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کرلیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحیں سوتے میں (قبض کرلیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کرچکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔(۴۲)

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ﴾

نیند وفات صغریٰ ہے اور موت وفات کبریٰ۔

نیند میں شعور کہاں جاتا ہے؟ قرآن اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبض کرلیتا ہے۔

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ﴾ یہ بعث بعد الموت کی دلیل بھی ہے کہ عارضی طور پر نیند میں اللہ تعالیٰ تمہاری جان کو اپنے

Scanned by CamScanner

قبضے میں لے کر چھوڑ تا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ جان کیوں نہیں ڈال سکتا؟۔

نفس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) نفس الحیاۃ (۲) نفس التمیز

نفس الحیاۃ جس سے زندگی قائم رہتی ہے اور نفس التمیز سے ادراک اور احساس وشعور قائم رہتے ہیں، مرنے والے کی نفس الحیاۃ اور سونے والے کی نفس التمیز اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھالیتا ہے، یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اور زجاج رحمہ اللہ نے اسے اختیار کیا ہے، اس تفسیر کی بنیاد پر نفس اور روح دونوں دو چیزیں ہیں، مگر صحیح احادیث اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ قبض کا لفظ روح اور نفس دونوں کے لیے آیا ہے، اب رہی یہ بات کہ نیند میں "توفّی" (وفات) ہوتی اور موت کے وقت بھی حالانکہ نیند کے وقت جان باقی رہتی ہے اور موت کی حالت میں جان نہیں رہتی، ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس کے جواب میں علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے جیسے سورج کی شعاع کہ وہ زمین پر پڑتی ہے اور سورج کے ساتھ قائم ہے اور موت کے وقت وہ تعلق قائم نہیں رہتا جیسا کہ قیامت کے دن سورج کو بے نور کر دیا جائے گا۔ (احسن الفوائد)

روح کی دو قسمیں ہیں:

(۱) روح حقیقی (۲) روح حیوانی

روح حقیقی نیک و بد کا شعور رکھتی ہے اور روح حیوانی وہ ہے جسے جان کہتے ہیں، خواب میں روح حقیقی کو نکال لیا جاتا ہے، مگر جان اپنی جگہ موجود رہتی ہے اس لیے خواب میں روح کے قبض پر کوئی تکلیف نہیں ہوتی مگر موت کے وقت حقیقی روح کے ساتھ جان بھی نکلتی ہے، ساری تکلیف اسی جان کے نکلنے کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ عین ممکن ہے کہ جان پہلے نکل جائے روح بعد میں نکلے اسی وجہ سے الیکٹرو اِنسیفلو گرافی (E.E.G.) سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے مرنے کے تین منٹ کے بعد انسان کا دماغ مرتا ہے، اسی طرح بعض اوقات روح پہلے نکل جاتی ہے اور جسم آہستہ آہستہ مرتا ہے، اکثر روح اور جان کی علیحدگی ایک ساتھ ہوتی ہے اسی کا نام جان کنی ہے، اگر روح جان کے مکمل طور سے جسم سے نکلنے سے پہلے جسم سے باہر آجائے تو ممکن ہے اس طرح مرتے وقت تکلیف کا احساس کم ہوتا ہو۔

جس طرح موت کے بعد روح، قفس عنصری اور عالم زمان و مکان سے آزاد ہو کر عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، قریب قریب اسی طرح خواب کی حالت میں روح اپنے قفس عنصری اور عالم زمان و مکان کی حدود سے نکل کر دیگر جہانوں کی سیر کرتی ہے، بوقت خواب، روح کا رابطہ بدستور اپنے بدن سے قائم رہتا ہے، اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے جیسے ہوائی جہاز کا اپنے مدار ارضی سے لاکھوں میل دور نکل جانے کے باوجود اپنے زمینی کنٹرول روم سے رابطہ قائم رہتا ہے، روح کو اپنی سیر میں بعض اہم واقعات و مشاہدات پیش آتے ہیں، ان واقعات کو روحانی مشاہدات یا واردات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اکثر عالم خواب میں روح کو ایسے واقعات کا مشاہدہ ہوتا ہے جو گردش لیل و نہار کے حساب سے مستقبل قریب و بعید میں وقوع پذیر ہونے والے

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں، ایسے خوابوں کو رویائے صادقہ کہتے ہیں، خواب جھوٹے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے خوابوں کو احلام کہا جاتا ہے، احلام میں روح کے بجائے نفس نظارہ کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو عموماً تمثیلی انداز میں مُصوّر و متشکل دیکھتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں؟ کہہ دیجیے کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔ (۴۳)

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ﴾ کافر کہتے ہیں کہ ہم بتوں کی عبادت اس لیے نہیں کرتے کہ وہ خالق و مالک ہیں بلکہ محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے اس آیت میں اس خیال کا ابطال ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے اوروں کو سفارشی بنا لیا ہے جب کہ سفارش بھی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جب تک وہ اجازت نہ دے کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ (۴۵)

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ﴾ ان کا یہ بیان غلط ہے کیونکہ اگر وہ اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ مانتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے متنفر کیوں ہوتے ہیں؟ اور جب اس کے ساتھ اوروں کو شریک کیا جاتا ہے تو خوش کیوں ہو جاتے ہیں؟ مشرکین کی بدنصیبی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے، جب چھوٹے معبودوں کا نام لیا جائے تو خوشی کے مارے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں، ان کی بدنصیبی دیکھئے کہ وہ دونوں حالتوں میں انتہا کو پہونچے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے تو فرطِ غم سے چہروں کا رنگ بدل جاتا ہے اور جب جھوٹے معبودوں کا نام لیا جاتا ہے تو پھولے نہیں سماتے۔

﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ﴾ یہ کیفیت بہت سے ان مسلمانوں کی ہے جو اولیاء پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کے سامنے خالص توحید کا ذکر ہو تو ان کے دل بھینچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور اولیاء کا منکر ہے اور جب اولیاء کی جھوٹی کرامات اور من گھڑت قصے سنائے جاتے ہیں تو ان کے دل کی کلی کھل جاتی ہے، صرف ''یا اللہ المدد'' کہو تو سیخ پا ہو جاتے ہیں لیکن جب ''یا علی اور یا رسول اللہ اور یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ'' کہا جاتا ہے تو ان کے دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہے، امام کا تذکرہ آجائے تو خوشی سے ان کے چہرے دمکنے لگتے ہیں اور نبی کا تذکرہ آجائے تو ان کے دل تنگ ہو جاتے

Scanned by CamScanner

ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصلی محبت اللہ اور اس کے رسول سے نہیں بلکہ غیر اللہ سے ہے۔ جب کہ مومنوں کی صفت ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:١٦٥) ہے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے (میرے) علم (ودانش) کے سبب سے ملی ہے (نہیں) بلکہ وہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔(۴۹)

مشرک انسان کی قبیح صفت یہ ہے کہ کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو اپنے جھوٹے معبودوں سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ بطور آزمائش اس کی دعا سن لیتا ہے اور کسی نعمت سے نوازتا ہے تو کہتا ہے میں اس نعمت کا حقدار تھا۔

﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الخ﴾ دنیا کی نعمتیں لیاقت کا انعام نہیں بلکہ آزمائش ہیں، اگر دنیاوی نعمتوں کو اپنی لیاقت کا نتیجہ سمجھے گا تو اس کے اندر گھمنڈ کی نفسیات پیدا ہوگی۔ اور آزمائش سمجھے گا تو شکر اور تواضع کے جذبات ابھریں گے۔

﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ﴾

"خَوَّلَ ای الاعطاء بدون مقابل وبالتکرار ومرۃ بعد مرۃٍ"، "خَوَّلَ" کا مطلب ہے بلا عوض، مسلسل اور بار بار دینا، پورے قرآن میں یہ لفظ صرف تین بار آیا ہے اور تینوں جگہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے لیے استعمال کیا ہے۔ (الانعام ۹۴) (زمر ۸ اور ۴۹) مطلب یہ کہ دنیا میں جب بھی کوئی کسی کو کچھ دیتا ہے تو مقابلے میں کوئی عوض مقصود ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ بغیر عوض دیتا ہے اور دیتا ہی رہتا ہے، جیسی ضرورت پڑتی ہے، یکے بعد دیگرے دیتا ہے، اسی سے حدیث ہے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ، كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا، قال وانی اتخولکم بالموعظۃ کما کان النبی ﷺ یتخولنا بھا مخافۃ السامۃ علینا" (بخاری: کتاب العلم ۷۰) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نصیحت کرنے کے لیے کچھ دن مقرر کر دیئے تھے، ہمارے اُکتا جانے کے ڈر سے ہر روز وعظ نہیں فرماتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین احسانات کا ذکر فرمایا:

(۱) بلا عوض دیتا ہے۔ (۲) دیتا ہی رہتا ہے۔ (۳) حسب ضرورت دیتا ہے۔

اب اس کے بعد انسان کا رویہ کیا ہے؟

(۱) وہ بھول جاتا ہے (۲) دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے۔ (۳) لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔(۵۲)

رزق کی کشادگی اور تنگی میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل ہیں یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا تصرف ہے، اس لیے جس کو چاہتا ہے رزق فراواں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگدستی وفقر میں مبتلا کر دیتا ہے اس میں نہ کوئی دخل اندازی کر سکتا ہے، نہ اس میں کوئی کسی قسم کا ردوبدل کر سکتا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

(اے پیغمبر! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔(۵۳)

عیسائیوں کے یہاں ورثہ کا گناہ رحمت کی چادر کے نیچے نہیں آسکتا، جب تک اس کا بدلہ نہ دیا جائے، عیسائیوں کے یہاں رحمت کا تصور معدوم ہے، مثلاً نماز میں پوری توجہ قائم نہ رہی تو مومن یہ سمجھے گا کہ میری نماز بیکار نہیں ہوئی اور کمی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نظر انداز کر دے گا، اس کی وجہ سے انسانی قلوب میں بشاشت رہتی ہے، پھر کسی انسان کے دل میں آسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دو گناہوں کو معاف کر دے اور اگر بہت سے گناہ ہو گئے تو نہ معاف کرے، اس کی تسلی کے لیے ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الخ﴾ کہا گیا، مزدور کام کرے اور اجرت لے لے یہ بدلہ تو ہے مگر رحم نہیں، رحمت کی مثال پنشن کی ہے کہ کام کا بدلہ نقد بھی ملا اور آئندہ بھی ملتا رہے، محدود کام بندہ کرے، لامحدود بدلہ اللہ تعالیٰ دے۔ جسے ﴿اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ (سورۂ تین:۶) (نہ کٹنے والا اجر) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اسلام نے اس کے لیے توبہ کے مسئلے کو پیش کیا ہے کہ کوئی گناہ ہو جائے تو ضروری نہیں کہ سزا ملے۔ اگر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لے تو گناہ کی بنا پر ترقی کے دروازے بند نہیں ہوتے۔

آیت کریمہ کے نکات:

(۱) گنہگاروں کو بندہ کہا ہے۔

(۲) اپنا بندہ کہا ہے۔

(۳) ﴿لَا تَقْنَطُوْا﴾ (مایوس مت ہو) سے امید دلائی ہے۔

Scanned by CamScanner

(۴) ﴿مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ﴾ کہ "من رحمتی" نہیں کہا۔اس میں اپنی رحمت کا آسرا دلایا ہے۔

(۵) ﴿اِنَّ﴾ لا کر تاکید کی ہے۔

(۶) ﴿اللّٰهَ﴾ اسم ظاہر ذکر کیا۔

(۷) ﴿الذُّنُوۡبَ﴾ میں "ال" استغراق کا ہے جس میں تمام گناہوں کی معافی کا اعلان ہے۔

(۸) ﴿جَمِيۡعًا﴾ لا کر یہ بتایا گیا کہ تمام گناہوں کو اکٹھے معاف کر دے گا۔

(۹) ﴿اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ﴾ کہہ کر مزید تاکید کی۔

اسراف کا مطلب حد سے تجاوز کرنا ہے، یہاں اسراف کے ساتھ ﴿عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ﴾ لا کر یہ بتایا گیا کہ نفس کی جائز حد یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کام کرے، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور انسانی نفس کی حد یہ ہے کہ وہ اطاعت الٰہی میں مصروف رہے، لہٰذا ہر معصیت اس حد سے تجاوز ہے، اس لیے یہاں اسراف لایا گیا۔

﴿لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، کا کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد والی آیت میں اس کا مطلب بتایا گیا ہے یعنی زبانی دعویٰ نہ کیا جائے بلکہ اس کی جانب رجوع کیا جائے اور اس کی تابعداری کی جائے۔ ﴿وَاَنِيۡبُوۡۤا اِلٰى رَبِّكُمۡ﴾ سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یعنی وہ ۹۹ پھر سو آدمیوں کے قاتل کو معاف کر دیتا ہے۔ اور اگر گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، تب بھی معاف کر دیتا ہے، شرط یہ ہے کہ آدمی توبہ کرے، پھر عمل صالح کا اہتمام کرے، یعنی ہر گناہ حتیٰ کہ کفر و شرک کو بھی اللہ تعالیٰ توبہ سے معاف کر دیتا ہے، مگر یاد رہے کہ توبہ کا وقت غرغرہ آنے سے پہلے پہلے ہے، اس کے بعد توبہ یا اپنے کیے پر حسرت سے کوئی فائدہ نہیں۔

عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَقۡبَلُ تَوۡبَةَ الۡعَبۡدِ مَا لَمۡ يُغَرۡغِرۡ" (ترمذی: ابواب الدعوات، ۳۵۳۷ حسن)

اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ ۝۵۶

کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو ہنسی کرتا رہا۔ (۵۶)

﴿اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطۡتُّ فِىۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ﴾ مختلف لوگ مختلف قسم کی تمنائیں کریں گے، کوئی اظہار حسرت کرے گا کہ کاش میں نے اطاعت الٰہی میں کوتاہی نہ کی ہوتی، کسی چیز کی جہت محسوسہ (پہلو) کو جنب کہتے ہیں، جس کا اطلاق اطاعت پر ہوتا ہے، اطاعت کو جہت سے تشبیہ دی گئی ہے، دونوں میں وجہ شبہ وہ "تعلق" ہے جیسے اطاعت کرنے والے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے، ویسے ہی جہت کا تعلق کسی سے ہوتا ہے، پہلو انسان سے جڑا رہتا ہے، پہلو اور اطاعت میں وجہ شبہ تعلق ہے، ﴿نَفۡسٌ﴾ کو نکرہ اس وجہ سے لایا گیا کیونکہ اس سے کافر کا نفس مراد

Scanned by CamScanner

ہے، بعض نفوس یعنی کافرین۔

﴿وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ﴾ واؤ حالیہ کی وجہ سے پورا جملہ حال واقع ہے کہ ایک تو میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سلسلے میں کوتاہی کی اور حالت یہ تھی کہ اس کے دین کا مذاق اُڑاتا تھا۔

عَنْ قَتَادَةَ رحمہ اللہ، فِي قَوْلِهِ: ﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَا عَلَى مَا فَرَّطْتُ فِي جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ﴾ قَالَ: "فَلَمْ يَكْفِهِ أَنْ ضَيَّعَ طَاعَةَ اللهِ حَتَّى جَعَلَ يَسْخَرُ بِأَهْلِ طَاعَةِ اللهِ، قَالَ: هَذَا قَوْلُ صِنْفٍ مِنْهُمْ:" (تفسیر طبری)

امام قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی کیا کم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا تھا، مزید مذاق بھی اُڑاتا تھا، چوری اوپر سے سینہ زوری۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔ (۵۷)

﴿اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ﴾ اور کوئی تقدیر پر الزام ڈالے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں متقی ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہی نہیں تو میں کیا کروں؟

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔ (۵۸)

کوئی یہ تمنا کرے گا کہ مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے کہ سچا پکا مسلمان بن جاؤں، "رجعةً الی الدنیا" دنیا میں لوٹ کر میں محسنین میں سے، یعنی مخلصین میں سے ہو جاتا یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے لیے عبادتیں کرتا، سورۂ شعراء میں اللہ نے ارشاد فرمایا﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ، وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ، فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ معلوم یہ ہوا کہ انسان کو متقین مومنین کو اپنا دوست بنانا چاہئے، اس لیے کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ متقین اپنے قریبی لوگوں کی سفارش کریں گے اور جب یہ منظر کفار دیکھیں گے تو بے ساختہ کہہ اٹھیں گے ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ، وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی مغفرت بہت وسیع ہے مگر یہ جبھی حاصل ہو سکتی ہے جب مرنے سے پہلے انسان توبہ کرلے، ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد پچھتائے اور آخرت میں ان فضول قسم کی تمناؤں اور حسرتوں میں مبتلا ہو۔

تین تمنائیں:

فجار قیامت کے دن تین تمنائیں کریں گے۔

۱) کوئی اظہار حسرت کرے گا کہ افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی نہ کی ہوتی۔

Scanned by CamScanner

۲) کوئی اپنا الزام تقدیر پر ڈالے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا تو میں بھی متقین میں سے ہوتا۔
۳) کوئی تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دنیا میں بھیج دیا جاتا کہ میں سچا پکا مسلمان بنتا۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾
(اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور شیخی میں آ گیا اور تو کافر بن گیا۔(۵۹)

﴿بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ﴾ میں اسی کا جواب ہے کہ اللہ نے رسولوں اور کتابوں کو بھیج کر پوری ہدایت کر دی تھی ہاں ہدایت کا راستہ بتانے کے بعد نیکی پر کسی کو مجبور نہیں کیا بلکہ بندہ کو اختیار دیا۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾
اور جو پرہیزگار ہیں ان کی (سعادت اور) کامیابی کے سبب اللہ ان کو نجات دے گا نہ تو ان کو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔(۶۱)

﴿وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾
سوء کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن کا تعلق ماضی سے ہے کہ آدمی کو مستقبل کا اندیشہ نہ رہے تو انسان فارغ البال رہے گا اور ماضی کا کوئی غم نہ رہے تو انسان کا دل پرسکون و مطمئن رہے گا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾
اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگران ہے۔(۶۲)

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ بیٹے اور بیوی اگر اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو بیٹے اور بیوی نہیں، اور اگر خود پیدا ہوئے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ پھر تو معبود کے برابر ہیں، بیٹا اور بیوی بن کر کم مرتبہ رہنے کی کیا وجہ ہے؟
اپنے معاملات دوسرے پیاروں کے سپرد کر دے اپنا کچھ نہیں کرتا ﴿وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ سے اس کا جواب دیا گیا۔
بعض کہتے ہیں ہماری روزی فلاں کے ہاتھ میں ہے تو ان کا رد ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (۶۳) سے فرمایا۔
کمال دو قسم کا ہوتا ہے۔(۱) خود اچھا بننا۔(۲) دوسروں کو اچھا بنانا۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾

Scanned by CamScanner

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے۔ (۶۵)

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ شرک تمام اچھے اعمال کو کھا جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۷

اور انہوں نے اللہ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔ (۶۷)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَوْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ إِنَّ اللهَ تَعَالَى يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلَى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ، فَيَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الْمَلِكُ، فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَجُّبًا مِمَّا قَالَ الْحَبْرُ، تَصْدِيقًا لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (مسلم: كتاب صفة القيامة، ۲۷۸۶)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک عالم آیا اور کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور گیلی مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھالے گا پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ یہ سن کر آپ ہنسے (کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں) ۔آپ نے اس عالم کے قول کی تصدیق کی پھر یہ آیت پڑھی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝۶۸

اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہے پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ (۶۸)

Scanned by CamScanner

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾

نفخہ کتنی بار ہوگا؟

کم از کم دو مرتبہ تو اسی آیت سے ثابت ہے، سورۂ نمل کی آیت ۸۷ میں ایک تیسرے نفخہ کا اشارہ ملتا ہے، جسے نفخہ فزع کہا گیا ہے، اس نفخے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے دوسرا نفخہ صعق ہے جس سے لوگ مر جائیں گے، تیسرا نفخہ قیام لرب العالمین ہوگا، صعق سے مراد وہ شدید دھاکہ ہے جو ہر جاندار کو مار ڈالے گا، یہ اس سائنسی حقیقت کو بیان کرتا ہے، جس کی نقل کی کوشش آج جدید فزکس کر رہی ہے کہ ایک خاص فریکوئنسی (تعدد ارتعاش) کی حامل کی آواز کی لہریں جاندار کو ہلاک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، ایک خاص قسم کے کچھوے اپنے انڈوں پر نظریں جمائے رکھتے ہیں، ان کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعوں میں انڈوں کو پکانے کی خاصیت ہوتی ہے، ہمارے دوبارہ جی اٹھنے کی کنجی دوسرے صور کی صوتی لہروں کے ذریعے مردہ اجسام میں جان ڈال دینے پر مشتمل ہے۔

﴿اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں موت نہیں آئے گی جیسے جبرئیل، میکائیل، بعض کہتے ہیں جنت و دوزخ پر مقرر دارو غے۔

﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ بعض کے نزدیک چار نفخے ہیں۔(۱) نفخہ صعق، (۲) نفخہ فنا، (۳) نفخہ بعث، (۴) نفخہ قیام لرب العالمین۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۹

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور (اور) گواہ حاضر کئے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔(۶۹)

﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ﴾ نئی زمین سورج سے نہیں بلکہ اللہ کے نور سے روشن ہوگی۔

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ، أَنَّهُ نَظَرَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ كَيْفَ يَحْكِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَأْخُذُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ سَمَاوَاتِهِ وَأَرَضِيهِ بِيَدَيْهِ، فَيَقُولُ: أَنَا اللّٰهُ - وَيَقْبِضُ أَصَابِعَهُ وَيَبْسُطُهَا - أَنَا الْمَلِكُ" حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى الْمِنْبَرِ يَتَحَرَّكُ مِنْ أَسْفَلِ شَيْءٍ مِنْهُ، حَتَّى إِنِّي لَأَقُولُ: أَسَاقِطٌ هُوَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ (مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ: ۲۷۸۸)

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ۔ نبی ﷺ اپنی انگلیوں کو ہلاتے ہوئے آگے پیچھے لے جاتے رہے پھر میں نے دیکھا کہ منبر لرزنے لگا، ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں آپ گر نہ پڑیں۔

Scanned by CamScanner

﴿وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ﴾

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ، فَقَالَ: "هَلْ تَدْرُونَ مِمَّ أَضْحَكُ؟" قَالَ قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "مِنْ مُخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ، يَقُولُ: يَا رَبِّ أَلَمْ تُجِرْنِي مِنَ الظُّلْمِ؟ قَالَ: يَقُولُ: بَلَى، قَالَ: فَيَقُولُ: فَإِنِّي لَا أُجِيزُ عَلَى نَفْسِي إِلَّا شَاهِدًا مِنِّي، قَالَ: فَيَقُولُ: كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيدًا، وَبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ شُهُودًا، قَالَ: فَيُخْتَمُ عَلَى فِيهِ، فَيُقَالُ لِأَرْكَانِهِ: انْطِقِي، قَالَ: فَتَنْطِقُ بِأَعْمَالِهِ، قَالَ: ثُمَّ يُخَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَلَامِ، قَالَ فَيَقُولُ: بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا، فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ" (مسلم، کتاب الزهد والرقائق: ۲۹۶۹)

بندہ کہے گا میں اپنے علاوہ کسی کی گواہی نہیں مانوں گا، پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اس کے اعضاء سے کہا جائے گا بولو! اس کے اعضاء بولیں گے۔

نکاتِ سورۂ زمر

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾ "مخلصاً للعبادۃ" نہیں کہا کیونکہ "الدين يطلق على العمل الذي يراد به المكافاة ويطلق على نفس المكافاة وهي الثواب على العمل"۔ کیونکہ دین کا اطلاق ایسے عمل پر ہوتا ہے جس سے بدلہ چاہا جائے اور عمل کے ثواب پر بھی بولا جاتا ہے۔

﴿اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ انسان کی حقیقت میں عمر وہی ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزاری، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت ﴿خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا) بیان کی ہے کیونکہ انہوں نے کوئی بھلائی نہیں کی۔

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾

متشابہ کا مطلب: ایک متشابہ وہ ہے جو محکم کے مقابلے میں ہے محکم کا مطلب "واضح المعنى" (جس کا مفہوم واضح ہو) ہے، اور ایک متشابہ کا مطلب خفي المعنى (جس کا مفہوم واضح نہ ہو) ہے۔ یہاں سورۂ زمر میں متشابہ کا مطلب۔ "يشبه بعضه بعضاً في الكمال والجودة" (کمال اور عمدگی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) ہے۔

﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ﴾ اگر قرآن کی وعیدیں پڑھ کر اور سن کر مومن کا بدن نہ کانپے تو اس کا ایمان کمزور ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن دلوں کے نرم کرنے کا سبب ہے۔

﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾

"فعل العبد واقع بمشيئته لكن مشيئته تحت مشيئة الله، فاذا شئتُ أنا شيئا فانّني اعلم أن الله شاء ه ولا يمكن ان اعلم بان الله شاء شيئا الا بعد ان يقع لان قضاء الله سر مكتوم لا نعلم عنه لكن اذا وقع علمنا بان الله شاء ه فانا لا اشاء الا ما شاء الله ولكنني في نفس الوقت لي حرية ان اشاء ما شئت الا انني او من

Scanned by CamScanner

بان مشیئتی ھذہ کانت بمشیئۃ اللہ"

بندے کا فعل اس کی مشیت سے واقع ہوتا ہے، لیکن اس کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتی ہے جب میں نے کوئی چیز چاہی تو مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے چاہا اور یہ ممکن نہیں کہ اس کے واقع ہونے سے پہلے میں جان لوں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز چاہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قضا ایک چھپا ہوا راز ہے، جس کے بارے میں ہم نہیں جان سکتے لیکن جب وہ واقع ہو جائے تو ہمیں علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے چاہا تو میں وہی چاہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا لیکن ساتھ ساتھ مجھے آزادی ہے جو میں نے چاہا، وہ چاہوں مگر میرا ایمان یہ ہوتا ہے کہ میری یہ مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ﴾

اور یہ معلوم ہے کہ جب خصومت (مقابلہ) مومن اور کافر کے درمیان ہو تو غالب ہونے والا مومن ہی ہوگا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کفر و شرک، اہل توحید و ایمان کے خصوم (مقابل) ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کو ایک دن موت آجائے گی جیسا کہ نبی کے خصوم (مخالفین) کو موت آجائے گی۔

﴿وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ﴾

قرآن اپنے خبر دینے کے اعتبار سے صدق ہے اور احکام کے اعتبار سے عدل ہے۔

﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ مومن جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا کیونکہ جہنم مومن کا ٹھکانہ (مثویٰ) نہیں ہے، بلکہ اپنے گناہ کے بقدر وہ جہنم میں رہے گا، پھر اس کا مآل جنت ہے۔

﴿وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ "کل من سوی اللہ فھو دون اللہ" ہے۔ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے وہ "دون اللہ" کے دائرے میں آتی ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ﴾

﴿اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ﴾ اور ﴿اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ﴾ میں فرق:

"انا انزلنا الیک تفید ان غایۃ الانزال الی رسول اللہ۔ لا یتجاوزہ الی غیرہ۔ انا انزلنا الیک" کا مفاد یہ ہے کہ اس کتاب کے نازل کرنے کی انتہا رسول ﷺ پر ہو گئی، آپ ﷺ سے متجاوز ہو کر کسی اور کی طرف نہیں گئی۔ اس میں اس گمراہ فرقے کا رد ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن فلاں شخص کے اوپر اترنے والا تھا نعوذ باللہ غلطی سے نبی کریم ﷺ تک پہنچ گیا، اس میں حلولیہ کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں "ان اللہ بذاتہ فی کل مکان" کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے کیونکہ نزول اوپر سے ہوتا ہے جو مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے علو کو ثابت کرتا ہے۔

"انا انزلنا علیک الکتاب تفید ان الانزال علی النبی حتی تشربہ کانہ نزل فی نفس الرسول"۔ اور ﴿انا انزلنا علیك﴾ کا مفاد یہ ہے کہ گویا کہ یہ کتاب رسول کے دل میں نازل ہوئی۔

﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کا ایک معنیٰ "صدق فی الاخبار" (خبر دینے میں سچا) اور "عدل فی الاحکام" (اور احکام میں

Scanned by CamScanner

اعتدال) ہے اور حق کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کا نزول حق ہے، اس میں کوئی چیز باطل نہیں ہے۔

﴿فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ﴾ نزول قرآن کے بعد لوگوں کی دو قسمیں ہوگئی، ایک قسم جس سے قرآن سے ہدایت حاصل کی اور نفع پایا یا دوسرا گمراہ ہوا اور ہلاک ہوا۔

﴿اهْتَدٰى﴾ ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ہدایت علمیہ (۲) ہدایت عملیہ۔

قرآن کو یاد کیا اور اس پر غور کیا، یہ ہدایت علمیہ ہے، اور اس کو زندگی میں نافذ کیا۔ یہ ہدایت عملیہ ہے۔

﴿وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ جو گمراہ ہوتا ہے وہ خود کو نقصان پہنچاتا ہے۔ وہ غیر کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

﴿لِلنَّاسِ﴾ قرآن لوگوں کے فائدے کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس لیے کہ ﴿لِلنَّاسِ﴾ میں لام انتفاع (فائدہ) کے لیے ہے۔

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ شریعت کے مبلغ نے جب شریعت کو اس طرح پہنچا دیا جیسا کہ اسے حکم دیا گیا تھا تو وہ اپنے ذمہ سے بری ہو گیا۔

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

آیت میں بتایا گیا کہ وفات دو نفسوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک کو چھوڑ دیتا ہے دوسرے کو پکڑ لیتا ہے۔

آیت میں چار چیزیں ہیں:

(۱) "وفاۃ الموت" (موت والی وفات)

(۲) "وفاۃ النوم" (نیند والی وفات)

(۳) "امساک المیت" (مرنے والے کو روک لینا)

(۴) "امساک النائم" (سونے والے کو چھوڑ دینا)

جب مومن کی موت ہوتی ہے تو فرشتے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں کیونکہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت کی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اگر وہ کھڑا ہوتا تو باللہ، للہ، فی اللہ کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے تو باللہ، للہ فی اللہ بیٹھتا ہے۔

﴿لِلّٰهِ﴾ کا مطلب: اللہ کے لیے یعنی اخلاص کے ساتھ، باللہ کا مطلب یعنی اللہ کی مدد سے، فی اللہ کا مطلب فی سبیل اللہ یعنی اس کی شرع اور حکم میں۔

سورۃ فاتحہ میں دیکھیں یہ تسلسل کے ساتھ موجود ہے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ یہ اخلاص یعنی ﴿للہ﴾ ہے۔ ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتا ہے یعنی باللہ ہے۔ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ شریعت میں یعنی ہم صراط

Scanned by CamScanner

مستقیم پر رہیں یہ ﴿فی اللہ﴾ ہے۔

﴿منامھا﴾ (سونے والا) کا اس کے عمل پر مواخذہ نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوم (نیند) کو وفات کہا ہے اور انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اس نماز کا اجر نہیں ملے گا اور اگر وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ کسی کو قتل کر رہا ہے تو اس پر گناہ نہیں لکھا جائے گا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی صفات کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) صفت، اللہ تعالیٰ کے اسم سے سمجھی جائے جیسے مغفرت ﴿الغفور﴾ سے اور رحمت ﴿الرحیم﴾ سے۔

(۲) اس پر بذاتہ نص ہو اور اسماء میں سے نہ ہو جیسے ﴿استویٰ علی العرش﴾ تو استواء صفت ہے اسم نہیں ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ اللہ کے اسماء میں سے نہیں ہے۔

(۳) کتاب وسنت میں مذکور نہیں۔

نکتہ: جب کوئی کسی پر زیادتی کرتا ہے تو جس پر زیادتی کی جاتی ہے وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ موجود ہے، ایسا نہیں کہنا چاہئے کیونکہ یہ قول اس میں سے ہے جس پر مدد نہیں کی جاتی بلکہ اسے یہ کہنا چاہئے اللہ حَکَم ہے یا عَدْل ہے، جیسے آپ کہیں کہ حاکم موجود ہے تو کیا وہ آپ کی مدد کرے گا؟ جواب: کبھی کرے گا، کبھی نہیں کرے گا، تو لفظ ''موجود'' کا مطلب مدد نہیں ہوتا، اسی وجہ سے ایسے وقت میں انسان کو متنبہ رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ موجود ہے نہیں کہنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ حکم ہے اور عدل ہے ایسا کہنا چاہئے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس کے اسماء وصفات میں تفکر کرنا چاہئے مگر ذات اور صفات کی حقیقت میں غور نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ چیز آدمی کو تشکیک اور تعطیل تک پہنچادیتی ہے۔

''تفکر فی الذات'': جب ذات الٰہی کا احاطہ ممکن نہیں تو اس میں غور کرنا فضول ہے اور تضیع اوقات ہے۔

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا﴾

شفاعت کی تین شرطیں ہیں:

(۱) اذن اللہ (اللہ کی اجازت) ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۵۵)

(۲) رضاہ عن الشافع۔ (سفارش کرنے والے سے اللہ کا راضی ہونا) ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ (سورۂ نبا: ۳۸)

(۳) رضاہ عن المشفوع۔ (جس کی سفارش کی جائے اس سے اللہ راضی ہو) ﴿لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی﴾ (سورۂ نجم: ۲۶)

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

﴿فَاطِرُ﴾ ''مبدع علی غیر مثال سبق'' فاطر کا مطلب سابقہ کسی مثال کے بغیر ایجاد کرنے والا۔

''مشتق من فطَر البئر اذا حفرہ لاول مرۃ'' لفظ فاطر، ''فطَر البئر'' سے مشتق ہے، اس کا مطلب ہے کہ کنوئیں کو پہلی مرتبہ کھودا۔

Scanned by CamScanner

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ﴾ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے دیوی دیوتا انہیں بخشوالیں گے "وظنوا ظنونا كثيرة ولكن لم تنفعهم هذه" انہوں نے بہت سے گمان کیے لیکن ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ﴾

"تخویل": نعمت کا دیا جانا یہ آزمائش ہے، جب تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی نعمتوں کی بارش کر رہا ہے اور وہ معصیت پر قائم ہے تو جان لو کہ یہ استدراج ہے اور جب یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں عطا کر رہا ہے اور وہ اطاعت پر قائم ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

﴿اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اس میں علم کی فضیلت ہے کہ جو علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے تو اس سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

سوال: بندے کو کیسے معلوم ہو کہ یہ امتنان (احسان) ہے یا امتحان ہے؟

جواب: اگر وہ اطاعت پر قائم ہے تو امتنان ہے اور اگر الٹا ہے تو امتحان ہے۔

﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

روزی کی کشادگی اور تنگی دونوں آزمائش ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی مشیت میں حکمت ہوتی ہے محض مشیت نہیں ہوتی۔

﴿اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ انسان پر واجب ہے کہ اپنے نفس کی کما حقہ رعایت کرے یعنی ایسی چیزوں سے دور رہے جو نفس کو خراب کر دیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس نے اپنے نفس پر اسراف کیا۔

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾

"القنوط" کا مطلب ہے "مایوسی کا اپنی انتہا کو پہنچ جانا،" اسی وجہ سے کہا جاتا ہے "الیاس مفتاح الترک" (مایوسی چھوڑ دینے کی کنجی ہے) مثال سے اس طرح سمجھیں کہ آپ ایک دھاگے کی گرہ کو کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ گرہ نہیں کھل رہی ہے تو آپ مایوس ہو کر اسے چھوڑ دیں گے۔

﴿يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ﴾ مغفرت کا مطلب "چھپانا" ہے اور جب آپ "اللهم اغفرلی" کہتے ہیں، تو آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کو دوسروں سے چھپا دے، معاف کر دے اور نظر انداز کر دے۔

انسان کے انجام کی دو حالتیں ہیں:

(۱) توبہ: اس سے گناہ معاف ہو جاتا ہے چاہے جتنا بڑا ہو۔

(۲) عدم توبہ: اگر وہ شرک پر ہے اور توبہ نہیں کرتا تو کبھی نہیں بخشا جائے گا اور اگر شرک کے علاوہ ہے تو وہ اللہ کی مشیت کے تحت ہے، رحمت سے مطلوب حاصل ہوتا ہے اور مغفرت سے مرھوب (گناہ) زائل ہو جاتا ہے۔

﴿اَلْغَفُوْرُ﴾ سے مرھوب کا زوال ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اَلرَّحِيْمُ﴾ سے مطلوب کا حصول ہے۔

سوال: کیا انسان کو یقین ہوتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا؟

جواب: ہاں اگر اس نے توبۂ نصوح کی ہے۔

رحمت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مخلوق (۲) غیر مخلوق

اگر وہ اللہ کا احسان وانعام ہے تو وہ مخلوق ہے اور اگر وہ اللہ کی صفت ہے تو غیر مخلوق ہے۔

متعدی اسمائے الٰہیہ پر ایمان تین چیزوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

(۱) الایمان بالاسم

(۲) الایمان بما تضمنه من صفة

(۳) الایمان بالحکم المترتب علی تلک الصفة الذی یطلق علیه بعضهم الأثر۔

مثلاً ﴿اَلْغَفُوْرُ﴾ اسم ہے اور مغفرت صفت ہے۔ ﴿يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ﴾ (وہ گناہوں کو معاف کرتا ہے) یہ اثر یا حکم ہے۔

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ "الانابة۔ الرجوع التام الی اللہ من المعصیة الی الطاعة" تو ﴿اَنِيْبُوْٓا﴾ کا مطلب ہے ﴿ارجعو﴾ (پلٹو) اور ﴿اَسْلِمُوْا لَهٗ﴾ کا مطلب ہے "اخلصو العمل له" (اللہ کے لیے عمل کو خالص کرو) تو انابت فعل قلب ہے اور اسلام فعل جوارح ہے، اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس پر عذاب نازل نہیں ہوگا۔

﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور سب منزل من اللہ میں سب سے احسن، قرآن ہے، لہٰذا قرآن کی اتباع کرو۔

﴿اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ﴾

واقع ہونے کے اعتبار سے عذاب دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) "العذاب المباغت" (ناگہانی عذاب) اس میں آدمی تیاری نہیں کر پاتا ہے کیونکہ یہ عذاب اچانک اور حالت غفلت میں جاتا ہے۔

(۲) "عذاب غیر المباغت"۔ (غیر ناگہانی عذاب) اس میں انسان تیاری کر لیتا ہے تو پہلا عذاب دوسرے عذاب کے مقابلے میں سخت ہے۔

عذاب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عذاب حسی (۲) عذاب معنوی

اگر اس سے دین بگڑ جائے تو عذاب معنوی ہے اور اگر دنیا بگڑ جائے تو عذاب حسی ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ﴾ ساخر کا مطلب ہے "مستهزی" (مذاق اڑانے والا) ہے، اللہ تعالیٰ کے دین کا مذاق اُڑانے والا، اس کے اصولوں کا مذاق اڑانے والا، اس کی کتاب کا مذاق اُڑانے والا اور اس کے رسول کا مذاق اُڑانے والا، قیامت میں ایسے لوگوں کی حسرت وندامت کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

﴿رَاَوُا الْعَذَابَ﴾ وہ لوٹنے کی تمنا کریں گے مگر دنیا کے تمتع اور تلذذ کے لیے نہیں بلکہ نیک کام کرنے کے لیے۔

﴿لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بلیٰ کہہ کر جواب دیا "کیوں نہیں" ہدایت دے کر رسول تو بھیجے گئے تھے، کتابیں بھی نازل کی گئی تھیں اس کے علاوہ تمہیں عقل بھی دی گئی تھی، نیز میرے وجود اور میری توحید کی نشانیاں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔

﴿لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ گناہ پر تقدیر کو دلیل بنانا شرعاً اور عقلاً باطل ہے۔

شرعاً: ﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اگر تقدیر سے احتجاج نافع ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ چکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں ہی چکھنا پڑتا ہے جن کے پاس دلیل نہیں ہے۔

عقلاً: آپ کو کس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں یہ لکھ دیا ہے کہ تم گناہ کرو، اس لیے کہ معصیت کے وقوع سے پہلے اس کا جاننا ممکن نہیں کیونکہ تقدیر ایک راز پنہاں ہے جو مقدور کے وقوع سے پہلے نہیں جانا جا سکتا۔

عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور لایا گیا آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، چور نے کہا میں نے چوری تقدیر کی وجہ سے کی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تیرا ہاتھ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کاٹ رہا ہوں۔

مثال: آپ کسی شخص سے کہیں کہ دو، شہر ہیں، ایک امن وامان والا ہے۔ دوسرا خوف والا ہے۔ تو کیا آپ خوف والے شہر میں جائیں گے؟ اور تقدیر سے احتجاج کریں گے؟ یا پہلے شہر میں جائیں گے اور آپ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل دی ہے اس وجہ سے میں امن وامان والے شہر میں جاؤں گا۔

﴿وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اللہ کی آیات کو جھٹلانا کفر ہے۔

نکتہ: کوئی شخص خبر متواتر کی تکذیب یا خبر آحاد کی تکذیب کرے تو کافر ہو جائے گا، لیکن خبر آحاد میں تکفیر کی شرط یہ لگائی جائے گی کہ وہ کہے کہ رسول نے یہ کہا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، تو کافر ہے، اور اگر یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کہا ہے اس لیے کہ وہ خبر آحاد ہے، تو ہم اس پر کفر کا حکم نہیں لگائیں گے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے یہ انکار اس لیے کیا ہو کہ اس کے پاس اس کا ثبوت نہیں ہے۔

﴿مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ تکبر حرام ہے۔ "والتکبر علی الخلق تکبر عن الحق" (مخلوق سے تکبر کرنا اللہ سے تکبر کرنا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ حق اور مخلوق کے سامنے متواضع رہو۔

﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ گزشتہ پر حزن نہ کریں گے اور مستقبل کے لیے غم نہیں کریں گے، تب نعمت مکمل ہوگی، اگر مستقبل کے لیے ھم وغم ہو یا ماضی پر حزن ہو تو نعمت ناقص ہوگی۔

Scanned by CamScanner

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اس میں قدریہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے کیونکہ اعیان واوصاف دونوں پر شئی کا اطلاق ہوتا ہے۔

اب کوئی یہ سوال کرے کہ قرآن مخلوق ہے اس لیے کہ قرآن شئی ہے اور اللہ بھی مخلوق ہے اس لیے کہ وہ بھی شئی ہے۔ (معاذ اللہ)

جواب: قرآن مخلوق نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت مخلوق نہیں بلکہ اللہ اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے رہا ہے اور رہے گا، اور رہا اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہونا تو وہ ظاہر ہے کہ خالق کبھی مخلوق نہیں ہوتا، اور ﴿كُلِّ شَیْءٍ﴾ کے کلمہ میں عموم نہیں۔ ہے اس کی دلیل ﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ اور ظاہر ہے اس عذاب نے زمین اور آسمان کو نہیں تباہ کیا جب کہ ﴿كُلِّ شَیْءٍ﴾ میں زمین اور آسمان بھی داخل ہیں۔

"فی عرصات القیامة قصاص تخلیة وقصاص تنقیة عند قنطرة"۔ قیامت کے میدان میں قصاص تخلیہ (چھٹکارے کا بدلہ) ہوگا اور جنت سے پہلے ایک پل پر قصاص تنقیہ (صفائی کا بدلہ) ہوگا۔

میدان حشر کے قصاص کے بعد وہ جنت میں ڈائریکٹ داخل نہیں ہوں گے بلکہ:

عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ، فَيُحْبَسُونَ عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتَّى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى بِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا" (بخاری کتاب الرقاق ۶۵۳۵)

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾

شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شفاعت کبریٰ۔ لوگ جب سارے انبیاء کے پاس جائیں گے اور انہیں ان سے "نا" کا جواب ملے گا تو پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں گے۔

(۲) "شفاعته لفتح ابواب الجنه بعد عبور القنطره" یعنی پل صراط عبور کرنے کے بعد جنت کے دروازے کھولنے کے لیے شفاعت کریں گے۔

﴿تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے کا انجام قیامت میں یہ ہوگا کہ ان کے چہرے کالے ہوں گے اگرچہ وہ دنیا میں گورے رہے ہوں گے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر علم فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ جو شخص بلا علم فتویٰ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر ایسی چیزیں کہتا ہے جس کا اسے علم نہیں اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

﴿بِمَفَازَتِهِمْ﴾ مکان فوز (کامیابی کی جگہ) جنت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت علم ہے اور غیر اللہ کی عبادت جہل ہے، لہٰذا دعاۃ شرک وکفر (شرک وکفر کی طرف بلانے والے) سے محتاط رہنا چاہئے اور شرک محبط عمل (عمل کو تباہ کرنے والا) ہے کیونکہ تمام گناہوں میں سب سے افسد (خراب) ہے، لہٰذا یہ تمام اعمال کو تباہ کر دیتا ہے۔ کفار دنیا میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں، مگر حقیقت میں دنیا اور آخرت دونوں میں خاسر ہیں کیونکہ دنیا میں وہ جس چیز کے لیے پیدا کئے گئے تھے، اس سے انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔

قیامت کو قیامت کہنے کی وجہ!

﴿قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کو قیامت تین وجہوں سے کہا جاتا ہے۔

(۱) "لقیام الناس من قبورھم لرب العالمین" (لوگوں کے اپنی قبروں سے نکل کر رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کی وجہ سے)

(۲) "لاقامۃ العدل" (انصاف قائم کرنے کے لیے)

(۳) "لقیام الأشھاد" (گواہ قائم کرنے کے لیے)

﴿عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی تمثیل مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہے، کیونکہ کامل کی تمثیل، ناقص کے ساتھ اسے ناقص بنا دیتا ہے۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل علیہ السلام ہے اور صور پھونکتے ہی فوراً لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے یہ "اذا مفاجاتیۃ" سے مستفاد ہے، اور سب ایک ہی ساتھ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔

سوال: روحوں کا صور سے کیا تعلق ہے؟

جواب: یہ صور، مجتمع الارواح ہے، اس میں ساری مخلوقات کی روحیں جمع ہیں اور جیسے صور پھونکا جائے گا ساری روح اڑیں گی اور ہر روح اس جسم میں داخل ہو جائے گی جس میں وہ دنیا کے اندر رہتی تھی۔

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا﴾ زمر کا مطلب ہے جماعات متفرقۃ (مختلف جماعتیں) اور یہ جماعتیں امتوں کے اعتبار سے اور اعمال کے اعتبار سے ہوں گی، امتوں کے اعتبار سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ﴾ (سورہ اعراف:۳۸) اور اعمال کے اعتبار سے جیسے پہلے کافر و مشرک لوگ، پھر اس کے بعد اس سے نیچے کے لوگ پھر اس سے نیچے کے لوگ وغیرہ۔

﴿وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ﴾ حَقَّتْ کا معنی وجبت ہے اور ﴿كَلِمَةُ الْعَذَابِ﴾ کا مطلب وہ کلمہ ہے جس سے لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔

اس کلمہ کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ (سورۂ سجدہ:۱۳) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کا پیٹ بھرنے کا وعدہ فرمایا ہے تو ضروری ہوا کہ اس کے لیے مخلوق بھی پیدا کرتا اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور پھر جہنم کے مستحق ہوئے یہ کلمہ ان پر ان کے کفر کی وجہ سے واجب ہوا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا قول ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۂ یونس:۹۴) ہے۔

جہنمیوں کو دو قسم کا عذاب ہوگا۔ بدنی عذاب، وہ ظاہر ہے اور روحانی عذاب، فرشتوں کی ڈانٹ پھٹکار اور ایسے عذابات ہیں، جن سے آدمی کو روحانی تکلیف ہوگی۔

﴿اَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ﴾ رسول کی تعریف قرآن میں یہ ہے کہ جسے کتاب دی گئی ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ﴾ (سورۂ حدید:۲۵)

﴿يُنْذِرُوْنَكُمْ﴾ رسول یوم آخرت پر زیادہ توجہ دیتے تھے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں لوگوں کو لوٹایا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد ایسا کوئی دن آنے والا ہے تو وہ ضرور اس دن کی تیاری کرے گا۔

﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ جہنمیوں کا جواب ﴿بَلٰى﴾ ہے۔

﴿نَعَمْ﴾ اور ﴿بَلٰى﴾ کا فرق:

﴿بَلٰى﴾ حرف جواب "لاثبات النفی المصدّر بالاستفهام" "بلیٰ" سوال سے پیدا ہونے والی نفی کے اثبات کے جواب میں آتا ہے، مثلاً جب آپ یہ کہیں "أليس زيد قائماً" (کیا زید کھڑا نہیں ہے) اس کے جواب میں بلیٰ کہا جائے تو مطلب ہوگا "انه قائم" یعنی وہ کھڑا ہے۔ لیکن اگر آپ "نعم" (ہاں) کہیں تو معنی ہوگا "لم یکن قائما" (وہ کھڑا نہیں ہے) اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے جواب میں لوگ نعم کہتے تو انکار ہو جاتا لیکن انہوں نے بلیٰ کہا۔

نحوی قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ "النفی المسبوق بالاستفهام یجاب فی الاثبات وفی النفی" یعنی ایسا جملہ جس میں نفی اور استفہام ہو اس کے جواب میں "بلیٰ" اور "نعم" دونوں آسکتے ہیں کیا: "بَلٰى" آئے تو اقرار اور "نعم" آئے تو انکار ہے۔ "بلیٰ" کا معنیٰ "کیوں نہیں" اور "نعم" کا معنیٰ "ہاں" ہے۔

﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾ جہنم کے سات دروازے ہیں ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ﴾ اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ، لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ" (بخاری، کتاب بدء الخلق ۳۲۵۷)

﴿فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ جہنم بہت بری اور خوفناک جیل ہے، حق اور خلق کے لیے تواضع سے پیش آنے والوں کا ٹھکانہ جنت اور حق اور خلق سے تکبر کرنے والے اسی جہنم میں ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

تکبر اور تواضع میں فرق:

تکبر ایک رذیل عادت ہے، تجربہ کر کے دیکھ لو اگر تواضع اختیار کرو گے تو دل میں سکون، راحت اور طمانیت کا احساس ہو گا، اور اگر تکبر کرو گے پھر عقل سے کام لو گے تو انتہائی نادم اور پشیماں ہوں گے۔

نکتہ: تواضع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ، انسان کو بلند کرتا ہے، نیز لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت گھر کر جاتی ہے، مگر ہُشیار باش! یہ تواضع للہ ہونا چاہئے، اگر آدمی مخلوق کے لیے، کسی لالچ کی خاطر کرتا ہے تو یہ تواضع اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی قدر و قیمت کی حامل نہیں۔

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ القَمَرِ لَيْلَةَ البَدْرِ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ عَلَى أَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، لاَ يَبُولُونَ وَلاَ يَتَغَوَّطُونَ، وَلاَ يَتْفِلُونَ وَلاَ يَمْتَخِطُونَ، أَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ، وَرَشْحُهُمُ المِسْكُ، وَمَجَامِرُهُمُ الأَلُوَّةُ الأَنْجُوجُ، عُودُ الطِّيبِ وَأَزْوَاجُهُمُ الحُورُ العِينُ، عَلَى خَلْقِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، عَلَى صُورَةِ أَبِيهِمْ آدَمَ، سِتُّونَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ" (بخاری، کتاب الاحادیث الانبیاء، ۳۳۲۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے پھر جو ان کے بعد جنت میں جائیں گے تو ان کے چہرے اس چمکدار ستارہ کی طرح ہوں گے جو آسمان میں بہت روشن ہے، نہ پیشاب کریں گے نہ پاخانہ، نہ تھوک آئے گا نہ ناک کی ریزش، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اس کا پسینہ مشک (جیسا خوشبودار) ہوگا ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگتا رہے گا ان کی بیویاں بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (باہمی الفت کی وجہ سے) سب ایک جان ہوں گے اور سب لوگ اپنے باپ آدم کی شکل پر ساٹھ گز لمبے ہوں گے آسمان میں۔

﴿وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا﴾

وحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ فَيَقُولُ الْخَازِنُ مَنْ أَنْتَ فَأَقُولُ مُحَمَّدٌ فَيَقُولُ بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ

(مسلم، کتاب الایمان: ۱۹۷)

عمرو بن محمد ناقد، زہیر بن حرب، ہاشم بن قاسم، سلیمان بن مغیرہ، ثابت، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اسے کھلواؤں گا، جنت کا داروغہ کہے گا آپ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا محمد! وہ کہے گا کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی کے لیے دروازہ کھولنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

تقوی کا مفہوم:

انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالے اور یہ دو ہی چیزوں سے حاصل ہوسکتا ہے، (۱) فعل مامور (۲) اجتناب نواہی، کیونکہ اگر کوئی سوال کرے کہ کون سی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے گی؟ تو آپ کا ایک ہی جواب ہوگا، "امتثال لامرہ" (اس کے حکموں کا بجالانا) اور "اجتناب نھیہ" (اس کی منع کردہ چیزوں سے بچنا)

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ جنت دارالسلام ہے یہاں ہر قسم کی تکلیف سے سلامتی ہے۔

﴿طِبْتُمْ﴾ سے یہ بتایا گیا کہ ان کے احوال اچھے رہیں گے اور ان کے اوقات بہت اچھے گزریں گے۔

﴿حَيْثُ نَشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو اتنا دے گا کہ وہ اس پر راضی اور مطمئن ہوگا اس سے اوپر کی تمنا نہ کرے گا، اگر وہ اپنے سے اعلیٰ کو دیکھے گا تو یہ دیکھنا حِساً ہوگا قلباً نہ ہوگا۔ یعنی اسے دیکھ کر اس کے دل میں حسرت یا جلن نہ ہوگی، جنت میں حسرت بمعنی ندامت اور انقباض (کڑھن) نہ ہوگی۔

﴿فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو مہمیز ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس کی یہ جزا ہو۔

نکتہ: اجر (مزدوری) کو ثواب سے تعبیر کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ عامل (مزدور) کی مزدوری (اجرت) کو اس نے اپنے اوپر لازم اور ثابت اجرت بنالی ہے، یعنی مزدور نے اگر مزدوری کی ہے تو مالک پر مزدوری دینا ثابت اور لازم ہوجاتا ہے۔

﴿حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: "اَلْكُرْسِيُّ مَوْضِعُ الْقَدَمَيْنِ، وَالْعَرْشُ لَا يُقَدِّرُ أَحَدٌ قَدْرَهٗ" (تفسیر عبدالرزاق)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کرسی دونوں قدموں کی جگہ ہے اور عرش کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا۔

﴿وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قیل کا فاعل مبہم رکھا گیا تاکہ عموم میں زیادتی کا فائدہ ہو، یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت ہر ایک کی طرف سے تعریف پائے گا اور ہر ایک جہت اور جانب سے اس کی تعریف کی جائے گی، ملائکہ، انسان، جن، جانور، چرند اور پرند سب کی جانب سے تعریف ہوگی۔

مدح اور حمد میں فرق:

"ان المدح وصف بالكمال لكن لا يستلزم المحبة أما الحمد وهو وصف للكمال مستلزم للمحبة لأن المدح هو مطلق الثناء وأما الحمد فهو ثناء مقرون بالمحبة والتعظيم"

مدح صفت کمال ہے لیکن اس میں محبت ہونا ضروری نہیں، مگر حمد صفت کمال ہے جس میں محبت ہونا ضروری ہے کیونکہ مدح صرف تعریف کا نام ہے اور حمد ایسی تعریف کو کہتے ہیں جو محبت اور تعظیم کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔

﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ "العالم، کل من سوی اللہ" اللہ کے علاوہ تمام چیزوں کو عالم کہا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَقُضِيَ بَيۡنَهُمۡ﴾

قضا کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قضاء کونی (۲) قضاء شرعی

دونوں میں فرق:

(۱) "انّ الکونی فیما یحب وفیما لا یحب والشرعی فیما یحب" قضاء کونی میں پسند اور ناپسند دونوں چیزیں ہوتی ہیں، اور قضاء شرعی میں پسندیدگی ہوتی ہے۔

(۲) "انّ الکونی لابدمن وقوع المقضی والشرعی لا یلزم منه وقوع المقضی فقدیقع وقد لا یقع" قضاء کونی میں جس کا فیصلہ کیا گیا ہے اس کا ہونا ضروری ہے اور قضاء شرعی میں اس کا ہونا ضروری نہیں، کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔

❀❀❀

سورۃ غافر (مکیة)

حٰمٓ ۝١ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ۝٢ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ۝٣

حٰمٓ۔ (۱) اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب ودانا کی طرف سے ہے۔ (۲) جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور سخت عذاب دینے والا اور صاحبِ کرم ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ (۳)

اللہ کی چند صفات:

یہاں پے در پے اللہ کی چند صفات بیان ہوئی:

(۱) پہلی صفت: ﴿عَزِيۡزِ﴾ ہے (غالب زبردست) اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

(۲) دوسری صفت: ﴿عَلِيۡمِ﴾ ہے۔ وہ جو باتیں بتا رہا ہے وہ علم صحیح پر مبنی ہیں۔

(۳) تیسری صفت: ﴿غَافِرِ الذَّنۡۢبِ﴾ ہے۔ جو اب تک سرکشی کرتے رہے وہ مایوس نہ ہوں اپنی روش پر نظر ثانی کریں۔

(۴) چوتھی صفت: ﴿شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ﴾ وہ خطا معاف کرتا ہے سرکشی نہیں۔

Scanned by CamScanner

(۵) پانچویں صفت: ﴿ذِي الطَّوْلِ﴾ (فیاض) ہے بندوں کو جو کچھ مل رہا ہے اسی کے کرم سے مل رہا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝

جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گردا گرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں (یعنی فرشتے) وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے رستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے۔(۷)

﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ﴾

عرش الٰہی کو اٹھانے والے اور اس کے ارد گرد موجود فرشتے دعا کرتے ہیں، عرش کو اس وقت اٹھانے والے فرشتے چار ہیں، قیامت میں آٹھ ہو جائیں گے اور ان فرشتوں کی دعائیں ان کے لیے ہیں جو بدعقیدگی اور بدعملی سے توبہ کرلیں، فرشتے اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ مجرد کسی کے طفیل سے کسی کو جنت حاصل ہونے والی نہیں۔

یہ فرشتے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے ایمان کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اور دعا کرتے ہیں۔

فرشتوں کی دعاء:

(۱) اے اللہ تو ایمان لانے والوں کو بخش دے۔

(۲) وہ لوگ جو توبہ کریں انہیں بخش دے۔

(۳) اور جو تیرے راستے پر چلیں انہیں بخش دے۔

(۴) اور انہیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

(۵) انہیں ہیشگی کی جنت میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

(۶) ان کے نیک باپ داداؤں کو جنت میں داخل فرما۔

(۷) ان کے نیک شوہروں اور بیویوں کو جنت میں داخل فرما۔

(۸) ان کی نیک اولاد کو جنت میں داخل فرما۔

(۹) ان کو تمام برائیوں سے بچا۔

(۱۰) اور جن کو تو نے برائیوں سے بچالیا اس کے اوپر تیرا رحم ہوا اور اس کو عظیم کامیابی ملی۔

Scanned by CamScanner

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جائے گا آج (کسی کے حق میں) بے انصافی نہیں ہوگی بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔(۱۷)

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اربوں کھربوں انسانوں کا حساب لینے میں اسے دیر نہ لگے گی کیونکہ وہ اربوں کھربوں مخلوقت کو بیک وقت رزق دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔تو بیک وقت اس کے لیے حساب لینا کی مشکل ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

اور ان کو قریب آنے والے دن سے ڈراؤ جب کہ دل غم سے بھر کر گلوں تک آ رہے ہوں گے (اور) ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات قبول جائے۔(۱۸)

﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ﴾

"کظم" کسی چیز کے امساک اور حبس پر دلیل ہے، مشکیزے میں اتنا پانی بھر گیا کہ اس میں اور پانی داخل ہونے کی جگہ نہیں، یعنی ڈر کی وجہ سے سانسیں تھم جائیں گی، اسی وجہ سے ﴿كٰظِمِيْنَ﴾ لایا گیا۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔(۱۹)

آنکھوں سے جو کرتا ہے وہ تو دکھائی دیتا ہے مگر اللہ دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے، وسوسے اگر لمحہ گزراں کی طرح ہیں تو قابل مواخذہ نہیں، اور اگر عزائم کا روپ دھار لیں تو پھر ان پر مواخذہ ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِىْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

اور فرعون بولا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلا لے مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارے دین کو (نہ) بدل دے یا ملک میں فساد (نہ) پیدا کر دے۔(۲۶)

موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سراسر اصلاح کی دعوت تھی مگر فرعون نے ان پر جھوٹا الزام لگایا کہ وہ ملک میں فساد کرنا چاہتے ہیں۔آج کے دور میں اللہ سے بیزار حکومتوں کے سوچنے کا انداز یہی ہے کہ وہ کسی ابھرتی اسلامی دعوت کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتیں انہیں اس میں فرقہ واریت کی بو محسوس ہونے لگتی ہے اور اسے امن عامہ کے لیے خطرہ ہونے کا پروپیگنڈہ کرتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کہ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا ضرر اسی کو ہوگا اور اگر سچا ہوگا تو کوئی عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا بیشک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہو۔ (۲۸)

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ﴾ فرعون کے شاہی خاندان سے ایک نہایت حق پسند اور خداترس شخص تھے، جن کی ساری ہمدردیاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھیں، جب موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی مارا گیا اور اعیان حکومت نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مشورے شروع کر دیئے تو موسیٰ علیہ السلام کو ان کے ارادے سے باخبر کرنے والے یہی تھے، انہوں نے ایک عرصہ تک ایمان کو پوشیدہ رکھا شاید اس خیال سے کہ ایمان کو پوشیدہ رکھ کر وہ دین کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں مگر دین و ایمان کے معاملے میں مصلحت اس وقت تک جائز ہے جب تک اس سے دین کو نفع پہنچنے کی توقع ہو مگر کوئی فیصلہ کن مرحلہ آجائے تو ایمان کا چھپانا منافقت بن جاتا ہے، جب انہوں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے تو مصلحت کا نقاب اتار پھینکا اور حمایت کا سرِ دربار اعلان کر دیا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

تو جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے کہ (مبادا) تم پر اور امتوں کی طرح کے دن کا عذاب آجائے۔ (۳۰)

﴿وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ﴾ آلِ فرعون کے مومن نے فرعونیوں کو سمجھانا شروع کیا، انہوں نے دنیا کی بے ثباتی، اور دارِ آخرت کا نقشہ ان کی نظر میں کھینچ دیا اور راہِ ہدایت پر چلنے والوں کے مراتب اور اہل ضلالت کے برے نتائج ان کو سمجھائے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾

اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کرآئے تھے تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ اللہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو۔ (۳۴)

﴿حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ﴾ یہاں یوسف علیہ السلام کی موت کو ''ہلاکت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور آج کے کچھ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کا انتساب گستاخی تصور کرتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے کا) مقدور نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ (۴۳)

﴿لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا﴾ اگر غیر اللہ سے کوئی دعا کرے تو ہرگز ان کو دعا کے قبول کرنے کا اختیار نہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بت پرست اپنے معبودان باطلہ سے حاجتیں طلب کرتے ہیں اور وہ پوری ہو جاتی ہیں درحقیقت ان کو اللہ ہی پورا کرتا ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ (۴۴)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فِي بَعْضِ نَوَاحِي الْمَدِينَةِ وَمَعَهُ أَصْحَابٌ لَهُ، وَوَضَعُوا سُفْرَةً لَهُ، فَمَرَّ بِهِمْ رَاعِي غَنَمٍ، قَالَ: فَسَلَّمَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ: "هَلُمَّ يَا رَاعِي، هَلُمَّ"، فَأَصِبْ مِنْ هَذِهِ السُّفْرَةِ، فَقَالَ لَهُ: إِنِّي صَائِمٌ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: "أَتَصُومُ فِي مِثْلِ هَذَا الْيَوْمِ الْحَارِّ شَدِيدٍ سُمُومُهُ وَأَنْتَ فِي هَذِهِ الْجِبَالِ تَرْعَى هَذَا الْغَنَمَ؟" فَقَالَ لَهُ: أَيْ وَاللهِ أُبَادِرُ أَيَّامِي الْخَالِيَةَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ وَهُوَ يُرِيدُ يَخْتَبِرُ وَرَعَهُ: "فَهَلْ لَكَ أَنْ تَبِيعَنَا شَاةً مِنْ غَنَمِكَ هَذِهِ فَنُعْطِيكَ ثَمَنَهَا وَنُعْطِيكَ مِنْ لَحْمِهَا فَتُفْطِرَ عَلَيْهِ؟" فَقَالَ: إِنَّهَا لَيْسَتْ لِي بِغَنَمٍ، إِنَّهَا غَنَمُ سَيِّدِي، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ: "فَمَا عَسَى سَيِّدُكَ فَاعِلًا إِذَا فَقَدَهَا، فَقُلْتَ: أَكَلَهَا الذِّئْبُ" فَوَلَّى الرَّاعِي عَنْهُ وَهُوَ رَافِعٌ أُصْبُعَهُ إِلَى السَّمَاءِ وَهُوَ يَقُولُ: أَيْنَ اللهُ، قَالَ: فَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يُرَدِّدُ قَوْلَ الرَّاعِي وَهُوَ يَقُولُ: قَالَ الرَّاعِي: فَأَيْنَ اللهُ؟ قَالَ: فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ بَعَثَ إِلَى

Scanned by CamScanner

مَوْلَاہُ فَاشْتَرَى مِنْهُ الْغَنَمَ وَالرَّاعِيَ فَأَعْتَقَ الرَّاعِيَ، وَوَهَبَ لَهُ الْغَنَمَ
(شعب الایمان للبیہقی: ج: ۷/۲۲۳)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دن مدینہ کے قریب اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحرا میں تھے اور بیٹھے کھانا کھا رہے تھے وہاں سے ایک چرواہے کا گزر ہوا، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے کھانے کی دعوت دی، چرواہے نے کہا میں روزے سے ہوں، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیران ہو کر کہا کہ اتنی شدت کی گرمی ہے اور تم نے روزہ رکھا ہوا ہے؟ اور تم بکریاں بھی چرا رہے ہو؟ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس کی دیانتداری اور تقویٰ کا امتحان لینا چاہا اور کہا: کیا تم ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمیں بیچ سکتے ہو؟ ہم تمہیں اس کی قیمت بھی دیں گے اور کچھ گوشت بھی دیں گے جس سے تم اپنا روزہ بھی افطار کر سکتے ہو، چرواہا بولا: یہ میری بکریاں نہیں ہیں، یہ میرے مالک کی بکریاں ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: اپنے مالک سے کہنا کہ ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا، چرواہا غصے میں اپنی انگلی آسمان کی طرف کر کے یہ کہتے ہوئے چل دیا: "پھر اللہ کہاں ہے"۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بار بار چرواہے کی بات کو دہراتے جا رہے تھے کہ: اللہ کہاں ہے اللہ کہاں ہے اور روتے جا رہے تھے اور جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچے اور چرواہے کے مالک سے ملے، اُس سے بکریاں اور چرواہا خریدا اور اُسے آزاد کر دیا اور بکریاں بھی اُسے دے دیں، اور اُس سے کہا کہ تمہارے ایک جملے (اللہ کہاں ہے؟) نے تمہیں آزاد کروا دیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ تمہیں قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے بھی آزاد کرے۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾

ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کو بھی)۔(۵۱)

اللہ اپنے خاص بندوں اور سرکشوں کے معاملات میں غیر جانبدار تماشائی کی طرح نہیں ہے، آج کل یہود و نصاریٰ عروج پر ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے بندے سرکش ہو گئے ہیں لہٰذا، اللہ غیر جانبدار ہو گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾

جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادۂ) عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں تو اللہ کی پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔(۵۶)

جو لوگ دین میں کسی دلیل و سند کے بغیر مجادلہ کرتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک بہت مبغوض ہیں، منکرین کے انکار کی اصل

Scanned by CamScanner

علت ان کا کبر ہے، یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حق بتانے والے کی بات کو تسلیم کرنا اس کی برتری کو تسلیم کرنا ہے، جس سے ان کا پندار سیاست مجروح ہوتا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۵۷)

﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ﴾

کائنات کی موجودہ تخلیق انسان کے تخلیق ثانی کے امکان کو ثابت کر رہی ہے اس کے علاوہ انسانی سماج کو دیکھا جائے تو اس میں کچھ لوگ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ برے ہوتے ہیں، اخلاقی احساس یہ کہتا ہے کہ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہونا چاہئے۔ گویا آخرت کا ظہور، عقلی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے ممکن ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے ازراہِ تکبر کنیاتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (۶۰)

کچھ لوگ زندہ یا مردہ ہستیوں اور کچھ لوگ بتوں میں اٹکے ہوئے ہیں، یہ شرک ہے اور کچھ لوگ اپنی ذات میں اٹکے ہوئے ہیں یہ کبر ہے، بعض مرتبہ انسان دیکھتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہو رہی ہے تو اس کو یہ گمان نہیں رکھنا چاہئے کہ ﴿اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ کا وعدہ پورا نہیں ہو رہا ہے بلکہ سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے دعا میں روح نہ ہو جو تضرع ہے، جب روح نہ ہوگی تو اثر نہ ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کے جو دعا اس نے مانگی اللہ کے نزدیک خود اس کے لیے بہتر نہ ہو کیونکہ انسان کا علم بھی قاصر اور فہم بھی قاصر ہے، بندے کی دعا اگر اس کے لیے مضر ہو تو اللہ کی رحمت یہ ہوتی ہے کہ وہ دعا قبول نہ ہو اور ممکن ہے آداب دعا کی رعایت نہ ہو رہی ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تقدیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس نے خود اللہ کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں اور دعاؤں کے قبول کرنے کے اختیارات سلب ہو گئے ہوں، بندے تو بلا شبہ اللہ کے فیصلوں کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر خود اللہ طاقت رکھتا ہے کہ کسی بندے کی دعائیں سن کر اپنا فیصلہ بدل دے، دوسری بات جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ دعا خواہ قبول ہو یا نہ ہو بہر حال ایک بڑے فائدہ سے خالی نہیں وہ یہ کہ بندہ اس سے دعا مانگ کر اپنی بندگی اور عاجزی کا اقرار کرتا ہے، یہ اظہار عبودیت کے علاوہ بجائے خود ایک عبادت بلکہ جان عبادت ہ، جس کے اجر سے بندہ کسی حال میں محروم نہیں رہے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۱

Scanned by CamScanner

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا (کہ اس میں کام کرو) بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔(۶۱)

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا﴾ نیند (موت کی طرح) انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾

یہ اس کا بدلا ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر (یعنی اس کے خلاف) خوش ہوا کرتے تھے اور اس کی (سزا ہے) کہ تم اترایا کرتے تھے۔(۷۵)

﴿ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ مال و دولت پر فخر وغرور میں مبتلا ہو کر دوسرے کے حقوق میں تعدی کرنا ''مرح'' ہے۔ یہ مطلقاً مذموم وحرام ہے مگر فرح میں تفصیل یہ ہے کہ مال و دولت کے نشے میں اللہ کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا حرام ہے مگر دنیا کی راحتوں پر خوشی ومسرت کا اظہار کرے تو یہ جائز ہے، اسی وجہ سے مرح کے ساتھ کوئی قید نہیں مگر فرح کے ساتھ بغیر الحق کی قید لگا کر بتا دیا کہ ناجائز لذتوں پر خوش ہونا حرام ہے اور اللہ کی نعمتوں پر بطور شکر، خوش ہونا عبادت ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تا کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا (حالانکہ) وہ ان سے کہیں زیادہ اور طاقتور اور زمین میں نشانات (بنانے) کے اعتبار سے بہت بڑھ کر تھے تو جو کچھ وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔(۸۲)

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ایک قوم خواہ مادی وتہذیبی ترقی کی کتنی ہی منزلیں طے کر لے وہ زوال و بربادی سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ محض ترقی کسی قوم کی بقا کی ضمانت نہیں ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا۔(۸۳)

﴿فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ اپنے علم کو انبیاء کے لائے

ہوئے علم سے بہتر اور حق سمجھ کر ان کے کلام کا رد کرنے لگے۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ گئے۔ (۸۵)

﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ﴾ موت کے وقت چونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا اس لیے وہ معتبر نہیں۔

نکاتِ سورۂ غافر

﴿اَلْعَزِیْزُ﴾ عزت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عزة القدر کا مطلب ہے عزت وشرف والا۔

(۲) عزة القهر کا مطلب ہے غلبہ والا۔

(۳) عزة الامتناع کا مطلب ہے ہر نقص وعیب سے بری۔

﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ﴾ کا مطلب ہے مومنوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا۔

﴿وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ ان کی توبہ قبول کرنے والا۔

﴿شَدِیْدِ الْعِقَابِ﴾ کافروں کو سخت سزا دینے والا۔

﴿ذِی الطَّوْلِ﴾ الطول کا معنی (الانعام الواسع) یعنی وسیع انعام والا۔

﴿مَا یُجَادِلُ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ﴾

﴿یجادل﴾ جدل سے مشتق ہے جس کا مطلب "فتل الحبل" ہے، کیونکہ ہر متنازع اپنے مقابل کے خلاف گویا رسی بٹتا ہے، کفار یہ چاہتے تھے کہ حق کو مجادلہ سے باطل ثابت کریں اور جب اس سے عاجز رہے تو قتال کے ذریعے حق کو باطل ثابت کرنا چاہا۔

مسئلہ: ہم یہ کہہ سکتے ہیں "کل کافر فی النار"، لیکن جس کو دعوت نہیں پہونچی اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جہنمی ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ﴾

Scanned by CamScanner

رحمٰن کا عرش تمام مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے، اس کا اندازہ اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں، ہمیں یہ معلوم نہیں کہ کس چیز سے بنا ہے؟ اس کا رنگ کیا ہے؟ نرم ہے یا سخت ہے؟ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہ عظیم عرش ہے جو تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہے اور اس پر رحمٰن مستوی ہے، اس وقت اسے چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، قیامت میں اسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، ان چار حملۃ العرش (عرش کو اٹھانے والے) فرشتوں میں ایک اسرافیل ہیں جو صور پھونکنے پر متعین ہیں، حملۃ العرش کے علاوہ عرش کے چاروں طرف بھی فرشتے ہیں یہ تمام فرشتے اللہ کی تسبیح وتحمید کر رہے ہیں، یعنی وہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں، ان کا عمل دائم اور مستمر ہے، یہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم ہر شئ کو وسیع ہے، جہاں بھی اس کا علم پہونچتا ہے اس کی رحمت بھی پہونچتی ہے، یہ درحقیقت وسیلہ ہے یعنی اپنے مطلوب تک پہونچنے کے لیے اللہ کے وسعت علم اور رحم کا وسیلہ لیتے ہیں، اس سے توبہ کی فضیلت معلوم ہوئی کہ حملۃ العرش توبہ کرنے والوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے بعد ﴿وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ﴾ کہا کیونکہ توبہ اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ عمل صالح کرے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توبہ جہنم سے نجات کے لیے ہوتی ہے، پہلے وہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں، یہ تخلیہ کے باب سے (یعنی ضرر پہنچانے والی چیزوں سے سلامتی) ہے اور جہنم سے بچانے کی دعا تحلیہ (یعنی مطلوب کے حصول) کے باب سے ہے۔ پہلی دعا میں "نجاۃ من المرھوب" ہے اور دوسری میں حصول مطلوب ہے۔

﴿وَعَدْتَّهُمْ﴾ اور اللہ جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے، اس میں ایک تو اللہ کے فضل کا اعتراف ہے کہ اس نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے، دوسرے دعا کی قبولیت کے لیے اللہ کے اسماء حسنیٰ کا وسیلہ لینا معلوم ہوا، گویا وہ کہتے ہیں ان کو جنت میں داخل کردے کیونکہ تو نے ان سے اس کا وعدہ کیا ہے۔

دعا میں تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

دعا میں تجاوز کی تین قسمیں ہیں:

(۱) میرا بچہ دیوار سے پیدا کردے، عادتاً یہ دعا میں تجاوز ہے۔

(۲) مجھے نبی بنادے، یہ شرعاً دعا میں تجاوز ہے۔

(۳) زمین اور آسمان اس کے ہاتھ میں دے دے، یہ عقلاً دعا میں تجاوز ہے۔

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

نعمت کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں اس کے رشتہ دار بھی شریک ہوں، آیت کریمہ میں ترتیب میں پہلے اب (باپ) پھر زوج (میاں بیوی) پھر ﴿ذرية﴾ (اولاد) ترتیب وجودی ہے اور بلاشک یہ محسنات لفظیہ میں سے ہے۔

﴿وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ﴾ جو قیامت کے دن برائیوں سے بچالیا گیا وہ اللہ کی رحمت میں داخل ہوگیا۔

﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ اور اللہ کی رحمت میں داخل ہونا سب سے بڑی کامیابی ہے جسے فوز عظیم سے تعبیر

Scanned by CamScanner

کیا گیا۔فوز کا مطلب "حصول المطلوب والنجاۃ من المرھوب" ہے۔یعنی مطلوب کا حاصل ہونا اور خوفناک چیز سے بچنا،جیسا کہ اللہ نے ارشادفرمایا ﴿فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۸۵) (جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کردیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو بیشک وہ کامیاب ہوگیا) اور اس فوز عظیم (بڑی کامیابی) کی طرف اشارہ کرنے کے لیے (ذلک) اشارۂ بعید لایا گیا۔یہ بتانے کے لیے کہ یہ کامیابی بہت ہی بلند اور بہت ہی عظیم ہے یعنی یہ فوز (کامیابی) علومرتبت اور علوماہیت کہ وہ عظیم ہے،کی جامع ہے۔مذکورہ دعا بہت تفصیلی ہے۔

تفصیلی دعا کے تین اسباب ہیں:

(۱) دعا عبادت ہے اور عبادت جتنی تفصیلی ہوا تنا ہی دعا کرنے والے کو اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔
(۲) اللہ کے ساتھ تفصیل سب سے محبوب چیز ہے اور محبوب کے ساتھ ہر شخص بات میں طول اختیار کرتا ہے۔
(۳) تفصیل،اجمال سے بہتر ہے کیونکہ کبھی کبھی تفصیل میں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو اجمال میں موجود نہیں ہوتیں۔

﴿ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ ۚ وَاِنۡ یُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ؕ فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِیِّ الۡكَبِیۡرِ﴾

فیصلہ اللہ کا ہے۔اس کے علاوہ فیصلے کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شریعت کے مخالف قوانین وضع کرکے اس کے مطابق فیصلہ کرنا کفر ہے۔
(۲) شریعت سے کراہت کی بنا پر نہیں بلکہ دوسرے پر زیادتی کی چاہت کی وجہ سے مخالف شریعت فیصلہ ظلم ہے۔
(۳) شریعت سے کراہت کی وجہ سے نہیں اور نہ دوسرے پر زیادتی کی تمنا کی وجہ سے،بلکہ خواہش نفس کی اتباع میں مخالف شرع فیصلہ کرے تو یہ فسق ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡكُمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا﴾ آیات (نشانیاں) کو رزق پر مقدم کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ نعمت دینیہ،نعمتِ دنیویہ سے بہتر ہے اور نشانیوں اور رزق وعطا سے وہی فائدہ حاصل کرسکتا ہے جو مُنیب ہو۔

﴿رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ ۚ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ﴾

وہ درجات کو بلند کرنے والا،عرش کا مالک ہے،وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) ملاقات کے دن سے ڈرائے،بلند درجوں والا،عرش کا مالک،وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے،وحی نازل فرماتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

﴿یَوۡمَ التَّلَاقِ﴾ قیامت کا ایک نام یوم التلاق (ملاقات کا دن) ہے،اس دن ہر شئی دوسری شئی سے ملے گی،اور ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرے گا۔

﴿یَوۡمَ هُمۡ بٰرِزُوۡنَ﴾ "البارز ھو الظاھر الذی لا یحجب دونہ شئی"۔بارز کا مطلب ایسا ظاہر ہے جس کو کوئی

Scanned by CamScanner

چیز چھپائے ہوئے نہ ہو، یعنی جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کے اوپر کوئی سایہ نہ ہوگا اور سورج ان سے بمقدار میل ہوگا۔

﴿لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ﴾ اللہ پر ان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہ ہوگی۔

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾

﴿وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ﴾ کفار کو مومن کے ہتھیار ''دعا'' سے خوف ہوتا ہے۔

﴿اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ﴾ کفار اپنے دین پر متعصب ہوتے ہیں۔

﴿فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ﴾ کفار ایمان کو فساد فی الارض سمجھتے ہیں۔

﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾

(۱) وہ آدمی مومن تھا۔

(۲) فرعون کے خاندان سے تھا۔

(۳) اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا، اس آدمی کو اللہ کے عذاب سے بڑا خوف تھا، نیز اس آدمی کے پاس گذشتہ لوگوں کی خبروں کا علم تھا۔

﴿لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ داعی کو چاہئے کہ وہ مدعو کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائے، انسان کو چاہئے کہ وہ تاریخ کا علم رکھے، تاریخ کا علم اہم علم ہے۔

﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ جو ظلم کا ارادہ نہیں کرتا وہ ظلم نہیں کرتا۔

﴿يَوْمَ التَّنَادِ﴾ قیامت کے دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔

﴿اِبْنِ لِيْ صَرْحًا﴾ فرعون کو اس بات کا علم تھا کہ اللہ اوپر ہے۔ کیا یہ فطرت نہیں ہے؟

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾ ''ضرب الامثال وھو الحاق المعقول بالمحسوس'': مثال دینے کا مقصد معقول کو محسوس بنا دینا ہوتا ہے، اندھا اور بینا دونوں برابر نہیں ہو سکتے، یہ ''حس'' سے معلوم ہے اور ایمان اور عمل صالح کرنے والے اور برائی کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے، یہ ''عقل'' سے معلوم ہے، معقول کا آدمی انکار کر سکتا ہے مگر محسوس کا انکار نہیں کر سکتا۔

﴿بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ﴾ ''فرح'' فی نفسہ مذموم نہیں ہے، یہ کبھی ممدوح ہوتا ہے کبھی مذموم ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص دینی کتابیں خریدنا چاہتا ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے، اللہ نے اسے مال دیدیا اور وہ خوش ہو جاتا ہے اور کتابیں خرید لیتا ہے، یہ فرح ممدوح ہے، لیکن ایک شخص ناجائز آلاتِ لھو خریدنا چاہتا ہے اور اس کے پاس پیسے نہیں ہیں، اللہ اسے روپے پیسے دیتا ہے اور وہ خوش ہو جاتا ہے اور وہ اس سے آلات لھو خرید لیتا ہے، یہ فرح مذموم ہے۔

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾

سوال: کیا علامت ہے کہ انسان صبر کو نہیں پہونچا؟

Scanned by CamScanner

جواب: اگراس کے دل میں تسخُّط (ناراضگی) پائی جائے تو سمجھو صبر نہیں کرسکا۔

صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) "صبر علی طاعۃ اللّٰہ" (واجب پرنفس کو قائم رکھے)

(۲) "صبر عن معصیۃ اللّٰہ" (گناہ کی خواہش ہو مگر رک جائے)

(۳) "صبر علی اقدار اللّٰہ" (جان ومال وغیرہ ہلاک ہو جائے اس پر دل میں رب سے ناراضگی نہ ہو)

صبر کا پہلا درجہ اعلیٰ ہے اور تیسرا درجہ سب سے ضعیف ہے، کیونکہ یہ انسان پر بغیر اس کے اختیار کے آتا ہے۔

﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ﴾ عذاب دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں۔

﴿خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ عذاب نازل ہونے سے پہلے کافر یہ سمجھتے تھے کہ وہ رابح (نفع حاصل کرنے والا) ہیں اور اپنے علم پر مگن تھے، لیکن جب عذاب نازل ہوا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ خسارے میں تھے۔

سورۃ فصّلت (مکیۃ)

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾

(یہ کتاب اللہ) رحمن ورحیم (کی طرف) سے اتری ہے۔(۲)

یہ کلام اتار کر اللہ نے بندوں پر رحم کیا ہے۔ اب جو اس کلام سے بے رخی اختیار کرے گا وہ درحقیقت اپنے آپ سے دشمنی کرے گا۔ یہ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ جسم کو سنوارنے کے لیے غذا دیتا ہے اور روح کو سنوارنے کے لیے علم کی روشنی دیتا ہے۔

قرآن کی صفات:

قرآن کی پہلی صفت یہ بتائی گئی کہ یہ کلام، اللہ کی طرف سے ہے، دوسری صفت یہ کہ قرآن رحمت ہے۔ تیسری صفت یہ کہ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں کیونکہ اس بنا پر کوئی عذر کرسکتا ہے کہ کتاب کے مضامین ہماری سمجھ سے باہر ہیں، اس کتاب میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، صحیح عقائد کیا ہیں اور غلط عقائد کیا ہیں، چوتھی صفت یہ کہ یہ عربی زبان میں ہے ورنہ اہل عرب عذر کرتے کہ ہم اس زبان سے نابلد ہیں۔ پانچویں صفت یہ کہ یہ کتاب دانا لوگوں کے لیے ہے، نادان کے لیے اسی طرح بے فائدہ ہے جیسے ایک قیمتی ہیرا اس شخص کے لیے بے فائدہ ہے جو پتھر اور ہیرے کا فرق نہ جانتا ہو۔

Scanned by CamScanner

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۝۵

اور کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہراپن) ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو تم (اپنا) کام کرو ہم (اپنا) کرتے ہیں۔(۵)

قبول حق سے محرومی کے اسباب میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا:

(۱) دلوں کا غلافوں میں مستور ہو جانا۔

(۲) کانوں میں ڈاٹ کی بندش۔

(۳) درمیان میں پردہ۔

قلب، معرفت کا محل ہے۔ سمع و بصر دونوں اس کے واسطے معین و مددگار ہیں، ان کے یہ تینوں ذرائع مسدود ہیں، ایسی صورت میں رسول کچھ القاء کرے تو اس کا اثر ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝۷

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی قائل نہیں۔(۷)

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ جن کا یہ عقیدہ ہو کہ شفعاء و شرکاء ان کو بہرحال بخشوالیں گے خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں وہ آخرت کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے اصل منکر ہیں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝۹

کہہ دیجیے کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مدِ مقابل بناتے ہو؟ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔(۹)

سوال: زمین پہلے پیدا کی گئی یا آسمان؟

جواب: پہلے زمین کا مادہ بنا، اس کی موجودہ ہیئت نہیں بنی تھی کہ آسمان کا مادہ بنا، جو دُخان کی شکل کا تھا، اس کے بعد زمین کو موجودہ ہیئت میں پھیلا دیا گیا، پھر اس پر پہاڑ و درخت وغیرہ پیدا کئے گئے، پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سے سات آسمان بنائے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ (سورۂ انبیاء: ۳۲) زمین بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور آسمان، چھت کے درجے میں ہے، لہٰذا تخلیقِ ارض، تخلیق سموات پر مقدم ہے کیونکہ پہلے بنیاد قائم کی جاتی ہے پھر چھت ڈالی جاتی ہے ہر جسم کا ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک صورت، مادہ کے اعتبار سے تو تخلیق ارض مقدم ہے اور صورت کے اعتبار سے تخلیق سمٰوات، تخلیق ارض پر مقدم ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اللہ نے پہلے زمین کے مادہ کو پیدا کیا جو کھرل کی شکل کا تھا جیسا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

وعن الحسن: "خلق الله الأرض في موضع بيت المقدس كهيئة الفهر، عليها دخان ملتزق بها، ثم أصعد الدخان وخلق منه السموات، وأمسك الفهر في موضعها وبسط منها الأرض، فذلك قوله: ﴿كانَتا رَتْقاً﴾ وهو الالتزاق" (تفسیر زمخشری: ۱/ ۱۲۴)

اس کے بعد آسمان کا مادہ بنایا جو دخان کی شکل کا تھا، مطلب یہ ہے پہلے زمین کا مادہ بنایا پھر آسمان کا مادہ بنایا اس کے بعد پہلے آسمان کی صورت بنائی پھر زمین کی صورت بنائی۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ زمین پہلے بنی ہے دوسری آیت ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا﴾ (النازعات: ۳۰) کی ہے کہ آسمان پہلے بنا ہے، کائنات کا مادہ دھوئیں کی شکل میں پھیلا ہوا تھا، اللہ نے چاہا کہ اسے شکل دے، حکم ہوا تو سمٹ کر مالک کے نقشے کے مطابق ڈھلتا چلا گیا۔

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی دوسرے اعضاء) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے۔ (۲۰)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کو جو جسم ملے گا وہ انہیں اجزا سے مرکب ہوگا جو دنیا کے جسم کے اجزا تھے، کھال ان کے جرائم کی شہادت دے گی یہ کچھ بھی عجیب نہیں، کیونکہ کیسٹ کی ریل میں ہر واقعے کا ریکارڈ کر لیا جاتا ہے، بدن کی کھال بڑی حساس ہے گویا وہ ٹیپ ہے، جو اس کی ہر حرکت کو ریکارڈ کر رہا ہے اور قیامت میں ٹیپ آن کر دیا جائے گا۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور وہ اپنے چمڑوں (یعنی اعضاء) سے کہیں گے کہ تو نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ وہ کہیں گے کہ جس اللہ نے سب چیزوں کو نطق بخشا اسی نے ہم کو بھی گویائی دی اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ (۲۱)

Scanned by CamScanner

﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ نطق جلدی (Skin Speech) انسان کا ہر بول انسان کی کھال پر مرتسم ہوتا ہے اس کو دوبارہ اسی طرح سنا جا سکتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَیْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِیَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنوں اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ان کو ہمیں دکھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں تا کہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔ (۲۹)

دنیا میں کافر اپنے مذہبی پیشواؤں سے بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے ہیں دوزخ میں پہونچنے کے بعد کہیں گے کہ اے رب! ذرا انہیں ہم کو دکھا دے کہ انہیں ہم اپنے پیروں تلے کچل ڈالیں، یہ بات وہ ان کے بارے میں کہیں جنھیں دنیا میں وہ سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿۳۲﴾

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔ (۳۰) ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو (ملے گی) اور جو چیز طلب کرو گے تمہارے لئے (موجود ہوگی)۔ (۳۱) (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔ (۳۲) اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

ایمان و استقامت کے ذکر کے بعد اس پر مرتب ہونے والے ثمرات اور نتائج کا ذکر فرمایا:

(۱) فرشتوں کا اترنا، یہ ان کے لیے اعزاز و اکرام ہے۔

(۲) جنت کی نعمتوں کی بشارت، جس سے ابتدا ہی سے ذہن ان انعامات کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

(۳) ولایت، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی محبت۔

Scanned by CamScanner

(۴) ہر خوف وغم سے دوری کی بشارت۔

(۵) ہر خواہش کا پورا ہونا۔

(۶) ہر طلب کی تکمیل جتنی بھی وہ طلب کریں گے۔

(۷) اعزاز واکرام کے ساتھ مہمان نوازی ﴿نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ یہ قول ملائکہ ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔(۳۳)

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ﴾ اس آیت میں ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی گئی، اور وہ خاص عمل دعوت الی اللہ ہے۔

اس کے دو مکمل (تکمیل کرنے والا) ہیں:

(۱) عمل صالح (۲) تواضع

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ جو لوگ اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ ان کے اعمال کیسے بھی ہوں محض کلمہ پڑھ لینے سے انہیں جنت مل جائے گی، یہاں ایمان کے ساتھ استقامت لا کر یہ بتایا گیا کہ صرف کلمہ پڑھ لینا کافی نہیں ہے، اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا:

وَعَن عمر رَضِي الله عَنهُ أَنه قَالَ: الاسْتقَامَة: أَن تستقيم على الْأَمر وَالنَّهْي، وَلَا تروغ روغان الثعالب (تفسیر السمعانی: ۲/۶۲/۴)

اوامر ونواہی پر جمے رہو اور لومڑیوں کی طرح راہ فرار نہ اختیار کرو، استقامت یعنی توحید پر قائم رہو۔ یعنی ایمان لاؤ، پھر ایمان کے تقاضے یعنی اعمال صالحہ پر جم جاؤ۔

عن ثابتٍ البُنَانيِّ أنَّه قرأ: حم السجدةِ حَتَّى بلغ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قالُوا رَبُّنَا اللّهُ ثُمَّ اسْتَقامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلائِكَةُ﴾ فوقف، وقال: بلغنا أنَّ العَبْدَ المؤمن حين يُبْعَثُ من قبره يتلقَّاه المَلَكَانِ اللَّذانِ كانا معه في الدنيا، فيقولانِ له: لاَ تَخَفْ، ولا تَحْزَنْ، وأبشر بالجنة التي كنت تُوْعَدُ، قال: فَأَمَّنَ اللهُ خوفَه، وأَقَرَّ عينه (تفسیر الثعالبی)

ابونعیم رحمہ اللہ نے ثابت بنانی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ یہ آیت انہوں نے پڑھی تو فرمایا کہ ہم تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن جب قبر سے اٹھے گا تو دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ رہا کرتے تھے کہیں گے "لاَ تَخَفْ ولا تَحْزَنْ، وأبشر بالجنة التي

كنت تُوْعَدُ"

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ رضی الله عنه، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ - وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُسَامَةَ غَيْرَكَ - قَالَ: "قُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ، فَاسْتَقِمْ" (مسلم، کتاب الایمان:۳۸)

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام کے بارے میں مجھے ایسی جامع بات بتادیجئے کہ اس کے بعد مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ، فَاسْتَقِمْ" پہلا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ ہے اور دوسرا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ہے۔ مگر چونکہ دعوت میں مخالفوں کی طرف سے ایذائیں پہنچا کرتی ہیں تو فرمایا گیا ﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾ کیونکہ طبیعت انسانیہ بشرطیکہ سلیمہ ہو اس کا خاصہ ہے کہ بدی کے مقابلے میں نیکی کی جائے تو بدی کرنے والا خود شرمندہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں محبت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝٣٣ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝٣٤ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝٣٥

اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (۳۳) اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔ (۳۴) اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔ (۳۵)

ان تینوں آیتوں میں دعوتِ دین کے تعلق سے پانچ بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) دین کی دعوت بہترین قول ہے۔

(۲) داعی کا عامل ہونا ضروری ہے۔

(۳) داعی احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔ اپنے اسلام کا ڈنکے کی چوٹ پر اظہار کرے۔

(۴) دعوت کی راہ میں اذیت و عداوت کا حسن سلوک سے سامنا کرے کہ دشمن دوست بن جائے۔

(۵) یہ اعلیٰ ظرفی صبر کرنے والوں اور قسمت والوں کے لیے مقدر ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾ کا پہلی آیت سے ربط یہ ہے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے ممکن ہے کہ اس میں ہیجان ہو اور بدی کے بدلے بدی کر بیٹھے۔

﴿كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ فرمایا۔ "ولی حمیم" نہیں فرمایا۔ اس تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ اس کے شر ہی میں کمی رہے گی اور اگر تم اس سے انتقام لو گے تو وہ تمہارے خلاف سازش کرے گا۔

یہ ترغیب دو وجہوں سے دلائی گئی، ایک اخلاق کے اعتبار سے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں تمہارا شمار ہوگا۔ دوسرے اجر و ثواب کے اعتبار سے، کہ تم اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے۔

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ﴾ جو شخص اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑا ہو، اس کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ نیکی، بدی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے، برائی کو برائی سے دور نہیں کیا جا سکتا یعنی گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دعاؤں سے اور اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں بلکہ پھولوں سے دیا جائے کیونکہ نجاست کو نجاست سے نہیں بلکہ پانی سے پاک کیا جاتا ہے۔

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دینا بلکہ معاف کر دینا عمل حسن ہے مگر احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا تم اسے معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ بھی کرو۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بیشک وہ سنتا جانتا ہے۔ (۳۶)

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ﴾ پھر اگر بدلے و انتقام کا جذبہ پیدا ہو تو اسے شیطانی وسوسہ سمجھے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہے۔ (۳۷)

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ﴾ میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ مخلوق کی عبادت، خالق کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح سورج کی عبادت، اللہ کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح مورتی کی پوجا اللہ کی پوجا نہیں ہو سکتی۔

عاقل اور غیر عاقل اور دانا و نادان میں فرق یہ ہے کہ نادان تصویر دیکھ کر مفتون ہو جاتا ہے اور دانا تصویر دیکھ کر اس پر فدا ہوتا ہے جس کی بنائی ہوئی یہ تصویر ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ یہ آیت اس بارے میں قطعی ہے کہ کسی بھی مخلوق کو سجدہ کرنا حرام ہے، اس لیے مذہبی پیشواؤں، ولیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنے کا کوئی وجہ جواز نہیں، اگر کسی بزرگ شخصیت کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو نبی ﷺ سے بڑی شخصیت اور کس کی ہوسکتی ہے؟ مگر آپ ﷺ نے اس سے منع کیا کہ کوئی آپ ﷺ کو سجدہ کرے۔ (ترمذی، ابواب الحج)

﴿اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اگر کوئی خالق کی پرستش کے ساتھ کسی اور کی بھی پرستش میں مبتلا ہے تو ایسی پرستش خالق کی پرستش نہیں کہی جائے گی کیونکہ اس میں خالق کی توہین ہے، ورنہ حصر کا یہاں کوئی مطلب نہیں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾

(جو لوگ ہماری آیتوں میں کجراہی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن وامان سے آئے (تو خیر) جو چاہو سو کرلو جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ (۴۰)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا﴾ "وضع الکلام علی غیر مواضعہ" بات کو اس کی نامناسب جگہوں میں رکھنا "الحاد" کہلاتا ہے۔

کسی کلام کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر کسی مقصد پر منطبق کرنے اور اس کے مفہوم کو بدل دینے کو تحریف بھی کہا جاتا ہے۔ الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے مراد کو بدل دینا "تحریف معنوی" ہے مثلاً اقامت صلوٰۃ کا مفہوم محض اللہ کے لیے یاد، اور ایتاء زکوٰۃ سے مراد اخلاقی عظمتوں کا حصول کے بعد تحریف معنوی ہے، اسی کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔

﴿یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا﴾ الحاد کے لغوی معنی ہیں ایک طرف مائل ہونا، عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں آیات پر ایمان کا دعویٰ کرے مگر ایسے معانی اپنی طرف سے گڑھے، جو قرآن وسنت اور تفسیر سلف کے خلاف ہو اور جس سے قرآن کا مقصد الٹ جائے۔

﴿یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا﴾ "اَلحَدفی دین اللہ ای مال عنہ ومنہ اللحد فی القبر لانہ اُمیل الی ناحیتہ" الحاد فی دین اللہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس سے جھک جائے، اسی سے قبر میں لحد ہے، کیونکہ وہ ایک طرف ہوتی ہے، اسی طرح الحاد کا مطلب ہے، غلط مطلب نکالنا، واضح اور ظاہری معنی کو چھوڑ کر دوسرا معنی مراد لینا، دراصل اس طرح کا ہیر پھیر قرآن کے معنی کا انکار ہے۔ "الحاد فی الآیات" کے ضمن میں وہ تاویل بھی آتی ہے جو نصوص قطعیہ کے خلاف ہو مثلا ھدھد کو انسان کہنا، یہ کفر ہے۔

لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾

Scanned by CamScanner

اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔ (۴۲)

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾

سامنے سے نہ آسکنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی قرآن کے اصولوں پر اعتراضات کر کے کسی اصول کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ اور پیچھے سے نہ آسکنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی حقیقت ایسی منکشف نہیں ہوسکتی جو قرآن کے پیش کردہ حقائق کے خلاف ہو۔ نیز ساری علانیہ اور خفیہ چالوں کے علی الرغم (باوجود یکہ) قرآن کی دعوت پھیل کر رہے گی، کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔

﴿مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ﴾ کا مطلب ہے کہ کوئی اہل باطل کھلے طور پر قرآن میں کمی وبیشی نہیں کر سکتا اور ﴿مِنْ خَلْفِهِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تاویلات باطلہ کے ذریعے کوئی اگر قرآن میں تحریف کا ارادہ کرے تو ہزاروں علماء اس کی تردید کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے، شیعوں نے قرآن میں کچھ پاروں کا اضافہ کرنا چاہا مگر نہ چل سکی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

اور اگر ہم اس قرآن کو غیر زبانِ عرب میں (نازل) کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کیوں کھول کر بیان نہیں کی گئیں؟ کیا (خوب کہ قرآن تو) عجمی اور (مخاطب) عربی؟ کہہ دو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (یعنی بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجبِ) نابینائی ہے گرانی کے سبب ان کو (گویا) دُور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔ (۴۴)

اگر ہم قرآن کو کسی اور زبان میں نازل کرتے تو اعتراض ہوتا کہ قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے یعنی اگر ہم قرآن کو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں بھیجتے تو قریش عرب جو قرآن کے پہلے مخاطب تھے ان کو شکایت ہوتی کہ یہ کتاب ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور تعجب سے کہتے کہ نبی تو عربی ہے اور کتاب عجمی ہے جو فصیح نہیں۔

قرآن کی دو صفتیں بیان کی گئیں:

پہلی صفت ﴿هُدًى﴾ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن زندگی کے ہر شعبے میں ایسا راستہ بتاتا ہے جو نافع اور مفید ہو۔

دوسری صفت ﴿شِفَاۗءٌ﴾ ہے۔ اور شفاء کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) امراض باطنہ جیسے کفر و شرک، کبر و حسد کے لیے شفاء ہے۔

Scanned by CamScanner

(۲) ظاہری وجسمانی امراض سے شفاء ہونا بھی اس میں داخل ہے۔

﴿أُولَٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ﴾ یہ ایک تمثیل ہے جو آدمی کلام کو سمجھتا ہو، عرب کہتے ہیں "انت تسمع من قریب" اور کلام کو نہ سمجھے تو کہتے ہیں "انت تنادی من مکان بعید" اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ جو قرآنی ہدایات کو سننے اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے ان کو ہدایت کی تعلیم دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو دور سے پکارا جائے کہ اس کے کانوں تک آواز نہ پہنچے۔ حق کے بارے میں جو سنجیدہ نہ ہوں وہ واضح بات کو سمجھ نہیں پاتے جیسے دور سے کسی کو پکارا جائے تو وہ آواز تو سنتا ہے مگر اصل بات سمجھنے سے محروم ہے۔

﴿أُولَٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ﴾ جیسے کسی کو دور سے پکارا جائے تو وہ آواز تو سنتا ہے مگر بات نہیں سمجھتا۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر پردہ، کانوں میں وقر (ڈاٹ) اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، خلاصہ یہ کہ قرآن میں کوئی عیب نہیں تمہارے دلوں اور دیگر حواس میں فتور ہے، یہ ایسی بے نظیر تشبیہ ہے جس سے ہٹ دھرم مخالفین کے نفسیات کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے، فطری بات ہے کہ جو شخص کسی تعصب میں مبتلا نہیں ہوتا اس سے اگر آپ گفتگو کریں تو وہ اسے سنتا ہے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور معقول بات ہوتی ہے تو کھلے دل سے اس کو قبول کر لیتا ہے، اس کے برعکس جو شخص آپ کے خلاف نہ صرف تعصب بلکہ عناد اور بغض رکھتا ہو، اس کو آپ اپنی بات سمجھانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں وہ سرے سے اس کی طرف توجہ ہی نہ کرے گا، بلکہ آپ کی ساری بات سن کر بھی اس کی سمجھ میں کچھ نہ آئے گا کہ آپ اتنی دیر کیا کہتے رہے اور آپ کو بھی یوں محسوس ہوگا کہ جیسے آپ کی آواز اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرا کر اُچٹ کر باہر ہی باہر گر رہی ہے اور دل و دماغ تک پہونچنے کا کوئی راستہ نہیں پا رہی ہے، یہ ایک صدائے ایمانی ہے جس کو سننے سے ان کے کان محروم ہیں اور یہ نور ہدایت ہے جس کے دیکھنے سے ان کی آنکھیں قاصر ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ اس (قرآن) سے شک میں الجھ رہے ہیں۔ (۴۵)

اگر یہ کلام الٰہی تھا تو انکار سے عذاب کیوں نہیں آیا؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت کی وجہ سے ان کے ہلاک ہونے کا ایک خاص وقت متعین ہے یا ہو سکتا ہے کہ کوئی مومن ہو جائے یا کسی کے ہلاک نہ ہونے کی وجہ یتیم وغیرہ کی کفالت ہو۔ اس لیے انہیں اس قرآن کے بارے میں شک میں نہیں پڑنا چاہئے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

جونیک کام کرے گا تو اپنے لئے اور جو بُرے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔(۴۶)

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ﴾

اجر وثواب کسی عمل کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے ملنے والا انعام ہے اس لیے یہ نا قابل انتقال شئی ہے، کوئی شخص نہ اپنی نیکی کا پارسل کسی کو بھیج سکتا ہے نہ اپنی بدی کا۔ حدیثوں سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا تھا اور اس فرض کی ادائیگی سے پہلے مرگیا تو ولی اس کی طرف سے حج کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر حج کی وصیت کی ہے تو اس کی طرف سے حج کرے اگر نہ کی ہو تو نہ کرے اور بدعتی ومشرک اگر وصیت بھی کرے تو حج نہیں کیا جائے گا۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ آیت کریمہ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ نیک عمل کا فائدہ صرف اس کے عامل کے لیے ہی ہے، تو ایصال ثواب میں انسان کو اپنے عمل کا ثواب کہاں ملا؟ دعا اور ایصال ثواب میں فرق یہ ہے کہ دعا مغفرت کی درخواست ہے نہ کہ کسی عمل کے ثواب کی منتقلی۔

نکاتِ سورۂ فصّلت

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ نزول قرآن اللہ کی رحمت کے آثار میں سے ہے، قرآن عربی میں اترا ہے اس میں عربوں کی منقبت ہے، اس میں اشارہ ہے کہ عربی زبان قیامت تک زندہ رہے گی۔

﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ذی علم ہی قرآن کو سمجھ سکتے ہیں، اگرچہ وہ عربی زبان میں ہے، جو اہلِ علم نہیں وہ اس کتاب سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اور جو قرآن کو بلا سمجھے پڑھے وہ اُمّی ہے۔ ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ...الخ﴾ ''بشیراً'' ایمان لانے والے کے لیے خوشخبری ہے۔ ''نذیراً'' اور کافر کے لیے ڈراوا ہے۔ اس کو بشارت اس وجہ سے کہا گیا کہ اس سے انسان کے چہرے پر خوشی کے آثار چمکنے لگتے ہیں۔ یہاں علم کے تمام مدرکات کا ذکر آ گیا۔

پہلا مدرک دل ہے، دوسرا قوت شنوائی ہے اور تیسرا بینائی ہے۔

نکتہ: ''بیننا وبینک حجاب'' نہیں کہا بلکہ ﴿مِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ کہا۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ پردہ ہم سے لے کر آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تک پھیلا ہوا ہے اور جتنا دور ہم آپ سے ہوتے ہیں یہ پردہ اُتنا ہی دبیز ہوتا جاتا ہے۔

پہلا فائدہ: مشرکین کو نازل کردہ حق سے بڑی نفرت تھی۔

﴿بَشَرٌ﴾ بشر کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو بالکل عریاں (ننگا) بلا کپڑے کے ہوتا ہے۔ اس میں اس کے لیے درس ہے کہ اس کا بدن کپڑے کے بغیر ننگا ہے۔ اسی طرح اس کا دل ننگا ہے بغیر ایمان کے اور ایمان کا کپڑا

Scanned by CamScanner

اور لباس تقویٰ ہے، ہم جس طرح ستر حسی کے محتاج ہیں، اسی طرح ستر معنوی کے بھی محتاج ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ لباس تقویٰ کے بغیر تم ایمان سے عاری، انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بغیر لباس کے پیدا ہوتا ہے، بخلاف حیوانات کے کہ وہ بال وغیرہ سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

﴿يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ فعل مجہول لایا گیا، اس میں اشارہ ہے کہ کبھی بواسطہ جبرئیل وحی کرتا ہے اور کبھی بلا واسطہ وہ خود ہی وحی کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی صرف نبی پر ہوتی ہے، اگر کوئی اعتراض کرے کہ وحی تو نبی کے علاوہ پر بھی ہوتی ہے جیسے کہا گیا﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ﴾ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد شرعی وحی ہے اور یہاں شرعی وحی نہیں بلکہ الہام کے باب سے ہے۔ یعنی "ای الھمھا" یعنی اس کے دل میں ڈالا۔ وحی کی تعریف ہے "کل اعلام بسرعة وخفية يسمى وحيًا" ہر خبر جو بڑی تیزی سے اور خفیہ طور پر ہوا سے وحی کہا جاتا ہے۔

مثال: حجرۂ درس پورا لوگوں سے بھرا ہوا ہے، آپ کے قریب ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے اور آپ اس سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں اور آپ کو ڈر ہے کہ آپ کی بات کوئی اور نہ سن لے تو آپ اس سے دھیرے اور چپکے سے بات کرتے ہیں، اسی کا نام وحی ہے، اسی طرح جب نبی پر وحی آتی تھی تو آپ کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو علم نہیں ہوتا تھا۔

﴿اِسْتَقِيمُوٓا﴾ "اي استقيموا على دينه قاصدين اليه فهي تفيدا الاخلاص في العمل" اسی کی طرف قصد کرتے ہوئے اس کے دین پر قائم رہو۔ یہ عمل میں اخلاص کا فائدہ دیتا ہے۔

﴿وَاسْتَغْفِرُوْا﴾ "واطلبوا منه المغفرة" اور اس سے مغفرت طلب کرو۔

﴿المغفرة﴾ دو باتوں کو شامل ہے:

(۱) ستر الذنب (گناہ کا چھپانا) (۲) العفو منہ (گناہ کو مٹا دینا)

نکتہ: جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جاتا ہے کہ قل (آپ کہیں) تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ بات انتہائی اہم اور عظیم الشان ہوتی ہے۔

"ان استغفار الرسول بعد موته امر مستحيل لان الاستغفار عمل والعمل قدا نقطع بموته" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد مغفرت طلب کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ کیونکہ استغفار ایک عمل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر وہ عمل ختم ہو چکا ہے۔

﴿يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ اس سے توحید کی اہمیت معلوم ہوئی کیونکہ یہاں وحی کو توحید کے ساتھ محصور کر دیا گیا ہے۔

﴿استقيموا﴾ میں عمل ہے اور ﴿إليه﴾ سے اخلاص کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ﴾ اس قسم کی تہدید یا تو شرک کے بارے میں ہوتی ہے یا اس سے تھوڑی کم کے بارے میں ہوتی ہے۔

﴿لهم اجر غير ممنون﴾ مشرکین کی سزا کے بیان کے بعد مومنین کی جزا بیان کی گئی، اس میں فائدہ یہ ہے کہ قرآن مثانی ہے اس میں متقابل معنوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

مجرمین کی سزا کے ذکر کے ساتھ متقین کا ثواب ذکر کیا گیا اور جنت کے ذکر کے ساتھ جہنم کا ذکر کیا گیا تاکہ انسان خوف و

Scanned by CamScanner

رجا (امید وبیم) کے درمیان رہے، جب وہ اپنے گناہوں کو دیکھے تو خوف میں مبتلا ہو جائے اور جب اللہ کا فضل وعفو دیکھے تو اس کی امید قوی ہو جائے، بعض اہل علم نے کہا کہ اطاعت میں رجا کا پہلو غالب رہتا ہے اور معصیت میں خوف کا پہلو غالب رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مومنوں کا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اجرِ آخرت اجرِ دنیا سے بہتر ہے کیونکہ اجر آخرت ابدی اور غیر فانی ہے اور دنیا کا اجر فانی اور زائل ہے۔

﴿ان تمید بکم﴾ مادہ میں (ض) (گھومنا، ہلنا، ڈگمگانا، ڈانواڈول ہونا) اس میں دلیل ہے کہ زمین گھوم رہی ہے۔

﴿فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ زمین چار دن میں بنائی گئی ہے۔

زمین اور آسمان کی تخلیق سے پہلے پانی تھا، جس کے اوپر عرشِ رحمٰن تھا، پھر زمین بنائی گئی پھر اسی پانی سے جو دخان (بھاپ) کی شکل میں تھا اس سے اللہ نے سات آسمان بنائے۔

﴿قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ﴾ ہر چیز اللہ کے آگے سرنگوں ہے چاہے خوشی سے یا ناخوشی سے۔ نیز "اتینا طائعین" کے جملے سے زمین اور آسمانوں کے کمال خضوع کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی غیر عاقل کو عاقل کے درجے میں اتار لیا جاتا ہے، اب یہ سوال کہ غیر عاقل کے پاس بھی ارادہ ہوتا ہے؟ جواب: جب طائعین کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر عاقل کے پاس بھی ارادہ ہوتا ہے اور ہر شئی کا ارادہ اپنے اعتبار سے ہوتا ہے۔ جیسے کائنات کی ہر شئی تسبیح کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح بغیر ارادے کے نہیں ہوسکتی۔

﴿زینّٰھا﴾ ستاروں کی تخلیق کے تین مقاصد ہیں:

(۱) آسمان کی زینت (۲) شیطانوں سے آسمانوں کی حفاظت (۳) نشانات، جن سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

﴿لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ صرف توحید ربوبیت کا اقرار کرنے والا مومن نہیں ہوگا جب تک کہ توحید الوہیت کا اقرار نہ کرے۔

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ میں ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (ناحق) یہ صفت مقیدہ نہیں بلکہ صفت کاشفہ ہے۔ کیونکہ دنیا میں ہر استکبار بغیر حق ہی ہوتا ہے۔ صفت کاشفہ کا مطلب ہے ایسی صفت جو اپنے ماقبل کو کھول دے اور اس کی حقیقت واضح کردے۔

مخلوق ہمیشہ ضعیف وکمزور ہوتی ہے اور خالق ہمیشہ اقویٰ ہوتا ہے، تو جو ان کا خالق ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے۔

﴿اَلرِّيْحَ الْعَقِيْمَ﴾ "التی لیس فیھا مطر": ایسی ہوا جس میں بارش نہ ہو۔

﴿فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ "ان من لم یتمش علی ھدی اللہ فھوا عمیٰ" یعنی جو اللہ کی ہدایت پر نہیں چلتا وہ اندھا ہے۔ "ان العمی نوعان" (۱) عمی بصر (۲) عمی بصیرۃ۔

عمیٰ اندھے پن کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عمیٰ بصر (آنکھ کا اندھا)

Scanned by CamScanner

(۲) عمیٰ بصیرۃ (دل کا اندھا) ان دونوں میں سب سے شدید دل کا اندھا پن ہے۔

﴿فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ﴾ متکبر تھے، لہٰذا انہیں ذلت کا عذاب دیا گیا۔

﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے۔

شبہ: ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''مفتاح دار السعادۃ'' میں لکھا ہے اس سے یہ بو آتی ہے کہ وہ ایک دن جہنم کے ختم ہوجانے کے قائل ہیں، مگر ان کا آخری کلام ''الوابل الصیب'' میں ہے جو دلالت کرتا ہے کہ "النار ناران" نار الکفار لا تفنی ونار العصاۃ الذین یعذبون بقدر ذنوبھم ثم یخرجون تفنی لان اھلھا خرجوا منھا فاذا خرجوا منھا مابقی لبقائھا فائدۃ''

آگ کی دو قسمیں ہیں: ایک کفار کی آگ اور ایک نافرمانوں کی آگ۔ کفار کی آگ فنا نہیں ہوگی۔ اور گناہ گاروں کی آگ ان کے گناہوں کے بقدر عذاب دینے کے بعد فنا ہوجائے گی۔ اور جب وہ اس آگ سے نکلیں گے تو اس آگ کے باقی رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

﴿وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ اپنی دوکان اور مکان میں کیسٹ ریکارڈر پر قرآن چالو کر دیتے ہیں اور خود شور شرابے اور کلام قبیح و کذب میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ "ھذا اھانۃ للقرآن" یہ قرآن کی توہین ہے۔

﴿لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾ دار (گھر) کی کئی قسمیں ہیں: (۱) رحم مادر (۲) حیٰوۃ دنیا (۳) برزخ۔

﴿دَارُ الْخُلْدِ﴾ جنت ہے یہ پرمانٹ ایڈریس ہے۔

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾

کفر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) کفر انکار (۲) کفر جحود (تکذیب) (۳) کفر عناد (۴) کفر نفاق۔

اس میں اللہ کے عدل کا اثبات ہے کہ وہ انسان کو بلا وجہ عذاب نہیں دیتا بلکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے دیتا ہے۔

﴿اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ ابلیس اور قابیل کی طرف اشارہ ہے کہ ابلیس نے کفر کی سنت جاری کی اور قابیل نے قتل کی۔ ابلیس نے حقّ اللہ میں سرکشی کی اور قابیل نے حقّ العباد میں سرکشی کی۔

﴿تَحْتَ اَقْدَامِنَا﴾ جب انسان کسی کے اعزاز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "انت منّی علی الراس" کا مقام مجھ سے بلند ہے اور جب ذلیل کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "انت تحت قدمی" تو میرے قدموں کے نیچے ہے۔ ﴿رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ﴾ کافرین بھی توحید ربوبیت کے قائل تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی کو برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

نکتہ: تابعین، قیامت میں متبوعین سے برأت کا اظہار کریں گے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور متبوعین، تابعین سے برأت کریں گے۔ وہ اس آیت: ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا﴾ (البقرۃ:۱۶۶) میں ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾

﴿ثُمَّ﴾ ''ترتیب بمهلة'' پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ ان کا ایمان سرسری ایمان نہیں تھا کہ ایمان لائے اور پھر زائل ہو گیا بلکہ ان کا ایمان مستقِر ہے کہ وہ اللہ کے دین پر جمے رہے۔

﴿اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ اپنے مستقبل سے خوف نہ کرو اور اپنے ماضی پر حزن مت کرو۔ خوف کو مقدم کیا کیونکہ حزن ماضی سے اہم ہے۔ ''لان مستقبل الانسان هو الذی یجعله یسیرا او یتوقف'' کیونکہ انسان کا مستقبل وہ ہے جو اس کو لے چلتا ہے یا روک دیتا ہے۔

ملائکہ تین چیزوں کی بشارت دیتے ہیں: ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾

(۱) ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ (۲) ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (۳) ﴿ان الجنة مأواهم﴾

﴿اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''فی الحیاة الدنیا حفظهم عن المعاصی والزلل۔ وبتهیئهم للعمل الصالح۔ ومعونتهم علی ذلک۔ وتثبیتهم علیه''۔ یعنی دنیا میں گناہوں اور لغزشوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور نیک عمل کے لیے تیار کرواتے ہیں۔ اور اس پر ان کی مدد کرتے ہیں اور اس پر ثابت قدم رکھتے ہیں۔

﴿مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ﴾ ''لاهل الجنة متعتان'' اہل جنت کے لیے دو طریقے کی تفریحی ہیں:

(۱) ''بالذوق والطعم'' (چکھنا اور کھانا)

(۲) ''بالرویة والنظر'' (دیکھنا) یعنی جنت کی نعمتیں کھا کر زبان سے مزہ لیں گے اور جنت کی نعمتیں دیکھ کر آنکھوں کو لذت بخشیں گے۔

﴿مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ یہاں اصلاح غیر سے شروعات کی گئی یعنی ﴿من دعا الی الله﴾ فهو مصلح ایضاً ''عمل المرائی فقد الاخلاص وعمل المبتدع فقدا المتابعة'' جس نے اللہ کی طرف بلایا وہ مصلح ہی ہے، ریاکار کا عمل اخلاص سے خالی ہے اور بدعتی کا عمل متابعت رسول سے خالی ہے۔

﴿وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ''انه یعلن هذا القول ولا یبالی بمن خالفه'' یعنی وہ اس قول کا اعلان کرتا ہے اور مخالفین کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ کچھ لوگ عمل تو کرتے ہیں، مگر اسے چھپائے رہتے ہیں، ان کے پاس بہادری نہیں ہوتی کہ اس کا اعلان کر سکیں۔

﴿دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ کی تشریح:

(۱) خود سے پہلے غیر کی فکر۔ ﴿دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾

(۲) خود عمل کرنا۔ ﴿وعمل صالحا﴾

(۳) نڈر ہو کر اس کا اعلان۔ ﴿وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

Scanned by CamScanner

(۴) دعوۃ علم کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

وسائلِ دعوت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) قول سے (۲) تحریر سے (۳) عمل سے۔

﴿دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ الی اللہ میں اشارہ ہے دعوت میں اخلاص کی طرف کیونکہ بسا اوقات داعی نصیحت کرتا ہے لیکن اس کی تمنا ہوتی ہے کہ لوگ اس کو دیکھیں اس صورت میں وہ داعی الی اللہ نہیں بلکہ داعی الی نفسہ ہے۔

﴿اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ تزکیۂ ذاتیہ سے اجتناب کرے: بعض لوگ خود کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اور ﴿انی مسلم﴾ نہیں کہا بلکہ ﴿اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کہا کیونکہ انسان کبھی اپنے قول ﴿انی مسلم﴾ پر فخر کرتا ہے۔

﴿مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ میں "مواخاۃ بین المسلمین" کی طرف اشارہ ہے یعنی ﴿انی﴾ کو "احد من ہولاء لا افتراق عنهم" یعنی میں ان میں سے ایک کی طرح ہوں اور ان سے مجھے کوئی اختلاف نہیں۔

﴿فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ﴾

اذا مفاجاتیہ ہے جو فوریۃ (فوراً ہوجانا) پر دلالت کرتا ہے یعنی اس کی عداوت کو گہری دوستی میں بدلتے دیر نہیں لگے گی۔ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اتنی جلدی یہ انقلاب عظیم کیسے رونما ہوسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کا خبر دینے والا اللہ ہے اور اس کی بات سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟ کیونکہ بنی آدم کے قلوب اس کی انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے پلٹتا ہے۔

﴿وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

اور یہ خصلت یعنی ﴿دفاع بالتی ھی احسن﴾ صرف صابر آدمی کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) الصبر علی طاعۃ اللہ (۲) الصبر عن معصیتہ (۳) الصبر علی اقدارہ

﴿ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

﴿عَظِيْمٍ﴾ نصیبہ یہ نہیں کہ انسان روپیوں پیسوں میں بڑھ جائے بلکہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اخلاق ہی سب کچھ ہے۔ خواہ وہ اللہ کے ساتھ ہو خواہ بندوں کے ساتھ یعنی ﴿حظ عظیم﴾ یہ ہے کہ اس پر صرف ثواب ہی نہیں بلکہ اخلاق عالیہ کا درجہ بھی اسے نصیب ہوگا۔

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

پہلی آیت سے اس کا ربط یہ ہے کہ پہلی آیت میں بنی آدم میں دشمن کو دفع کرنا تھا اور اب غیر بنی آدم میں سے جو دشمن (ابلیس) ہے اس کو دفع کرنا ہے، اسی وجہ سے یہاں یہ نہیں کہا گیا ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾ بلکہ ﴿اسْتَعِذْ

Scanned by CamScanner

باللہ﴾ یعنی "انی ألجأ إلی اللہ" (اللہ کی پناہ لے) کہا گیا کیونکہ تم شیطان کو دفع نہیں کر سکتے اس کے لیے صرف اللہ کی پناہ میں آنا ضروری ہے کیونکہ شیطان تمہارے سامنے نہیں ہے کہ تم اس کی گردن مروڑ دو یا اس کو قتل کر دو تو اللہ کے سوا اس کو تم سے ہٹانے والا کون ہے؟ جب تمہارے دل میں یہ بات آئے کہ گناہ کرو تو جان لو یہ نزغ شیطان ہے اور جب تمہارے دل میں یہ آئے کہ اطاعت ترک کر دو تو یہ بھی نزغ شیطان ہے تو اس وقت فوراً اللہ کی پناہ چاہو۔

﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ یہ جملہ تعلیلیہ ہے اللہ کے قول "استعذ باللہ" سے، کہ تم پناہ چاہو، اللہ سنے گا اور علیم ہے وہ جانتا ہے کہ شیطان کے دفع کی صورت کیا ہے۔

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

رات اور دن، سورج اور چاند نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت، حکمت، علم اور رحمت کی۔ رات اپنی تاریکی اور دن اپنی روشنی میں اللہ کی نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ سورج اور چاند بھی بڑی نشانیاں ہیں، اگر سورج ایک بال برابر بھی دور ہو جائے تو تمام لوگ سردی سے ہلاک ہو جائیں اور اگر ایک بال برابر نیچے اتر جائے تو زمین گرمی سے پگھل جائے اور اسی طرح چاند کی روشنی کو ٹھنڈا بنایا ورنہ لوگ راتوں میں لطف نہ لے سکتے۔

سجدہ کے دو معنی ہیں۔ عام و خاص۔ سجدہ کا خاص معنی ہے سات اعضاء کا زمین پر رکھنا اور عام معنی ہے "الذّل" یعنی تابعدار ہونا اور علم تفسیر کا یہ قاعدہ ہے کہ لفظ جب دو معنی کا احتمال رکھے جس میں ایک عام ہو اور دوسرا خاص ہو تو اسے عام معنی پر محمول کیا جائے گا۔

﴿فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ﴾

﴿فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا﴾ اگر یہ اللہ کی عبادت سے استکبار کریں تو اللہ کے دوسرے بندے ہیں جیسے ملائکہ۔ یہ اللہ کی تسبیح سے کبھی نہ تھکتے ہیں، نہ بیزار ہوتے ہیں۔

تسبیح کے تین مطالب ہیں:

(۱) اس میں مطلق کوئی نقص نہیں۔

(۲) نہ اس کے کمال (علم، قدرت، حیاۃ، سمع، بصر) میں نقص ہے۔

(۳) مماثلۃ المخلوقین سے پاک ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اللہ کی صفات، اللہ نہیں ہیں تو کوئی اگر اس طرح دعا کرے "یا رحمۃ اللہ ارحمنی" (اے اللہ کی رحمت میرے اوپر رحم فرما) تو جائز نہیں ہے، یا اس طرح دعا کرے "یا قدرۃ اللہ انقذینی" (اے اللہ کی قدرت، مجھے بچا لے) یہ بھی حرام ہے۔ اگر کوئی کہے "شاءت قدرۃ اللہ" (اگر اللہ کی قدرت چاہے) یا یوں کہے "شاء القدر" (اگر تقدیر چاہے) تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ قدرت ہی مشیت نہیں ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ "واشکروا نعمۃ

Scanned by CamScanner

اللہ" کہنا درست نہیں ہونا چاہئے؟ تو جواب یہ ہے کہ یہاں نعمت سے مراد وہ نعمت ہے جو مخلوق ہے اللہ کی صفت نہیں۔

بلاغت قرآن:

ایک حکم ذکر کیا کہ سورج چاند کو سجدہ نہ کرو۔ بلکہ اس کے خالق کا سجدہ کرو کیونکہ جو خالق نہیں وہ عبادت کے لائق نہیں۔ بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسان سے افضل ہیں اور وجہ یہ بیان کی کہ ملائکہ میں کوئی مشرک نہیں اور بنی آدم میں مومن و مشرک اور کافر ہیں اور وہ جنس جس میں شرک نہ ہو اس جنس سے بہتر ہے جس میں مشرک و موحد دونوں ہوں۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام دلائل میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ ملائکہ ابتداء کے اعتبار سے انسان سے افضل ہیں کیونکہ وہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور انسان انتہا کے اعتبار سے فرشتوں سے افضل ہے کیونکہ قیامت میں فرشتوں کا کام جو ہوگا کہ وہ جنتیوں کے پاس ہر دروازے سے آئیں اور انہیں ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ کہہ کر مبارکبادیں گے، اور فرشتوں کو وہ نعمتیں نہیں ملیں گی جو انسانوں کو ملیں گی۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

"الالحاد هو الميل ومنه سمي اللحد لحداً لميله الى جانب القبر" الحاد کا مطلب جھکاؤ ہوتا ہے اور لحد کو لحد اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ قبر کی جانب جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

آیاتِ اللہ دو قسم پر ہیں:

(۱) آیاتِ شرعیہ: اس سے مراد وہ وحی ہے جو انبیاء اور رسل پر نازل ہوتی ہے۔

(۲) آیاتِ قدریہ: اس سے مراد تمام مخلوقات ہیں کیونکہ تمام مخلوقات، ایسی نشانیاں ہیں جو اپنے خالق پر دلالت کرتی ہیں۔

آیات کونیہ میں الحاد تین امور میں ہوتا ہے:

(۱) "نسبتها الى غير الله" (ان کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا) جیسے کہنا کہ آسمان کو فطرت نے پیدا کیا ہے۔

(۲) "اعتقادُ مشارک الله فيها" (یہ عقیدہ کہ ان میں اللہ کا کوئی شریک ہے) جیسے کہ اللہ کائنات میں متصرف ہے اور فلاں ہستی بھی۔

(۳) "اعتقادُ معينِ الله فيها" (یہ عقیدہ کہ کائنات میں اللہ کا کوئی مددگار رہے) مثلاً اللہ کائنات بنانے میں عاجز ہو گیا تو دوسرے نے مدد کی۔

آیات شرعیہ تین امور میں ہے:

(۱) تکذیب (۲) تحریف (۳) مخالفت۔

(۱) تکذیب: جیسے کوئی کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی انہیں تو ایک آدمی تعلیم دیتا ہے۔

(۲) تحریف: خواہ وہ تحریف لفظی ہو یا معنوی۔

(۳) مخالفت کرے۔

﴿اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ﴾ الحاد نہ کرنے والا قیامت میں امن میں ہوگا۔ملحدین کو دھمکی دی گئی ہے کہ اللہ پر ان کی کوئی بھی حالت مخفی نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ الحاد، دخول جہنم کا سبب ہے۔

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ بندے کے لیے مشیت کا اثبات ہے۔ یہ ''جبریہ'' پر رد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بندہ عمل پر مجبور ہے اور اسے فعل پر کوئی ارادہ نہیں۔

﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ﴾ قرآن تین جگہ کتاب ہے:

(۱) لوح محفوظ میں (۲) ملائکہ کے ہاتھوں میں (۳) ان صحیفوں میں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

﴿عزیز﴾ بمعنی ''منیع'' ۔یعنی کوئی بھی اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے گا تو اللہ اسے رسوا کرے گا۔ جب تک مسلمان اس کتاب عزیز سے جڑے رہے عزیز رہے، اور جب اس سے پھر گئے تو اس خیر عظیم جسے غلبہ اور عزت کہا جاتا ہے، اس سے محروم ہو گئے۔

﴿مَا يُقَالُ لَكَ﴾ یعنی آپ کو جو کچھ کہا جا رہا ہے یعنی آپ کی تکذیب کی جارہی ہے آپ کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے آپ کو جادوگر اور مجنوں کہا جا رہا ہے یہ آپ سے پہلے تمام رسولوں کو کہا جا چکا ہے اور ان سے یہ کہا گیا تھا کہ ایمان لے آؤ اللہ تمہیں معاف کر دے گا اور اگر ایمان نہ لائے تو تمہیں سزا دی جائے گی۔ اس طرح ﴿لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ میں ترغیب ہے اور ﴿ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ﴾ میں ترہیب ہے تا کہ بندہ امید و بیم کے درمیان رہے۔ اس سے نکتہ یہ معلوم ہوا کہ ہر زمانے میں مکذبین کا قول اور فعل ایک ہی رہا ہے اور اللہ کی سنت بھی ایک ہی رہی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ کی طرف چلنے والے کو چاہئے کہ اس کا ''خوف و رجا'' برابر ہو، ان میں سے ایک غالب ہو تو وہ ہلاک ہوا۔ بعض نے یہ کہا کہ خوف و رجا پرندے کے دو بازوؤں کی طرح ہیں ان میں سے ایک جھکا تو پرندہ گر پڑے گا، بعض اہل علم نے تفسیر کی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ جب وہ نیک کام کرے تو رجا کے پہلو کو راجح رکھے کیونکہ یہ اللہ سے حُسن ظن ہے اور اگر برا کام کرے تو خوف کے پہلو کو راجح رکھے۔ بعض نے یہ کہا کہ حالت صحت میں جانب خوف کے پہلو کو راجح رکھے اور حالت مرض میں امید کے پہلو کو راجح رکھے۔ بعض نے یہ کہا کہ انسان خود اپنا ڈاکٹر ہے اگر وہ دیکھتا ہے کہ گناہوں میں بڑھ رہا ہے اور طاعات میں سستی کر رہا ہے تو جانب خوف کو راجح رکھے اور اگر یہ دیکھے کہ عبادات کی وجہ سے فخر اور عجب میں مبتلا ہو رہا ہے تو بھی جانب خوف کو راجح رکھے تو درحقیقت انسان اپنا ڈاکٹر خود ہے۔

﴿ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾ اگر قرآن عجمی زبان میں ہوتا تو اس کی آیتوں کی تفصیل نہ ہو پاتی۔

﴿هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ ہدایت ہے گمراہی سے، اور شفا ہے، دلوں کے امراض کے لیے بلکہ جسموں کے لیے بھی شفاء ہے جیسا کہ قصۂ لدیغ (جس کو کسی موذی جانور نے کاٹ لیا تھا اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا تھا

Scanned by CamScanner

جس کی وجہ سے اس کا زہر اتر گیا تھا) سے ظاہر ہے۔

کیا کافر قرآن سے علاج کرسکتا ہے؟

شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے کہ کافر قرآن سے علاج کرسکتا ہے کیونکہ جب وہ اسے موثر دیکھے گا تو یہ اس کے اسلام کا سبب بن سکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ ایک ہی کلام ایک کے لیے ھدی اور شفاء اور دوسرے کے لیے ضلالت اور اندھا پن کیسے ہوسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض غذائیں کچھ لوگوں کے لیے غذا اور شفاء ہیں اور دوسروں کے لیے مرض ہیں غذا ایک ہی ہوتی ہے لیکن محل مختلف ہوتا ہے۔ایک محل اس کا قابل ہوتا ہے اور دوسرا اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

﴿یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ﴾ کبھی آدمی دور ہونے کی وجہ سے آواز نہیں سن پاتا اور کبھی یہ دیکھتا ہے کہ اس کا جواب دینا اس پر مشکل ہے تو جواب نہیں دیتا۔

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ﴾ جس شخص نے قرآن کے علاوہ کہیں اور سے ہدایت چاہی تو اللہ اسے گمراہ کردیتا ہے۔

﴿فَاخْتُلِفَ فِیْهِ﴾ اولوالعزم انبیاء پانچ ہیں۔ان میں افضل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔پھر ابراہیم علیہ السلام پھر موسیٰ علیہ السلام۔

﴿شَكٍّ﴾ (ریب): شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ریب خاص ہے اور شک عام ہے۔ریب میں شک کے ساتھ قلق (الجھن) رہتا ہے۔اور ''ریب'' اکثر اہم باتوں میں آتا ہے۔شک جیسے ''هل فلان قدم او ما قدم'' یعنی اس کے آنے یا نہ آنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے لہٰذا ریب کا سبب نہیں ہوتا اور کوئی اہم چیز ہو اس وقت آدمی شک کرتا ہے اور پریشان رہتا ہے کہ اس کو مانے یا نہ مانے کیونکہ یہ اہم بات ہے۔

﴿ظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ ظلام صیغۂ مبالغہ نہیں ہے کیونکہ فعّال کا وزن کبھی نسبت کے لیے آتا ہے جیسے نجّار (بڑھئی)، حدّاد (لوہار)، خشّاب (لکڑہارا) وغیرہ اور کبھی مبالغے کے لیے آتا ہے اس آیت کریمہ میں ﴿ظلام﴾ نسبت کے لیے ہے کیونکہ اگر مبالغہ کے لیے مانیں گے تو نفی، ظلم میں مبالغے کی ہوگی، اصل ظلم کی نہیں ہوگی۔لہٰذا متعین ہوگیا کہ یہ صیغۂ نسبت ہے، صیغہ مبالغہ نہیں یعنی اللہ ظلم نہیں کرتا یہاں تک کہ کافر پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

سوال: انسان کو اس کے گناہ کے بقدر سزا ہونی چاہئے تو اگر ساٹھ سال گناہ کرنے والے کو دائمی سزا دی جائے تو یہ ظلم ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو عقل دی، انبیاء بھیجے، کتابیں نازل کیں، اور کہہ دیا کہ اگر یہ کروگے تو دائمی سزا دی جائے گی اور انسان نے اپنے اختیار سے اسے تسلیم کرلیا تو اب اسے اگر یہ سزا دی جائے تو وہ مظلوم نہ ہوگا کیونکہ وہ اس سے انجان نہ تھا تو اگر وہ گناہ پر اصرار کرتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ اگر مجھے دائمی سزا دی جائے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

﴿ظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ﴾ (بندوں پر ظلم کرنے والا) کہا ''ظَلَّامٌ لِلنَّاس'' (لوگوں پر ظلم کرنے والا) نہیں کہا کیونکہ یہ زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ایک آدمی اپنے غلام پر ظلم نہیں کرتا جب کہ اسے غلام پر قابو اور غلبہ حاصل ہے، تو وہ دوسروں پر جن پر اسے غلبہ حاصل نہیں ہے بدرجۂ اولیٰ ان پر ظلم نہیں کرے گا۔ایک نکتہ یہ بھی ملا کہ ظلم اللہ کے حق میں ممکن ہے، لیکن اس کے کمال

Scanned by CamScanner

عدل کی وجہ سے محال اور ناممکن ہے، توظلم اللہ کے حق میں "محال لذاتہ" نہیں ہے بلکہ "محال لکمالِ عدلہ" ہے۔اس سے اللہ کی تعریف ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اگر کوئی شئی کسی کے حق میں محال ہوتو محال پر اس کی تعریف نہیں کی جاتی۔

کسی شخص نے گناہ کا ارادہ کیا مگر نہیں کیا اس کی تین حالتیں ہیں:

(۱) ارادہ کیا مگر مانع کی وجہ سے نہ کرسکا جیسے چور چوری کرنے کے لیے ایک گھر میں گھسنا چاہ رہا تھا کہ پولیس آگئی اور وہ چوری نہ کرسکا تو گناہ لکھ دیا جائے گا۔

(۲) ارادہ کیا مگر عمل کرنے سے عاجز رہا جیسے ایک آدمی کو اللہ نے دولت دی اور اسے غلط جگہوں میں اُڑا رہا ہے تو ایک غریب آدمی اسے دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی ایسا کرتا تو دونوں نیت کے بوجھ میں شامل ہیں۔

(۳) آدمی نے گناہ کا ارادہ کیا اور پختہ ارادہ کرلیا لیکن اللہ کے ڈر سے گناہ سے باز رہا تو پوری نیکی لکھ دی جائے گی۔

﴿وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ﴾ جولوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ ان کو کوئی نفع نہیں دے سکے۔ ﴿ضَلَّ عَنۡهُمۡ﴾ کی تعبیر بہت خوبصورت ہے کہ لوگ اپنے معبودوں کو ڈھونڈنے نکلے لیکن وہ غائب ہوگئے تو ان کی حسرت میں اضافہ ہوگا کہ ضرورت کے وقت انہیں تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملے۔

﴿فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ﴾ قنوط اور یاس میں فرق یہ ہے۔ "الیاس هو زوال الرجاء بحيث ينقطع ماجاء الانسان" یاس (مایوسی) یہ ہے کہ امید کا زوال اس طور پر ہوجائے کہ انسان کی امید ہی ختم ہوجائے۔اور "قنوط" شدید یاس (سخت مایوسی) کا نام ہے تو یہ کہا جاسکتا ہے یاس ابتداء قنوط ہے اور قنوط یاس کی انتہا ہے۔ فائدہ یہ ملا کہ جس آدمی کو تکلیف پہونچے اور وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوجائے وہ مومن نہیں ہے نیز یہاں اہل یاس وقنوط کو مقام ذم میں ذکر کیا گیا یعنی اللہ کی رحمت سے مایوسی ایک فعل مذموم ہے۔

﴿وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ﴾ میں نکتہ عجیبہ: یہاں یہ نہیں کہا کہ ہم اگر اسے رحمت عطا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا کہ جب ہم اپنی رحمت اسے چکھاتے ہیں تو ﴿آتینا﴾ نہ کہہ کر ﴿اَذَقۡنَا﴾ کی تعبیر اس لیے لائی گئی کہ کبھی انسان کو کوئی چیز دی جاتی ہے مگر وہ اسے استعمال نہیں کرتا اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا جیسے میں آپ کو روٹی دوں تو آپ اسے کھا بھی سکتے ہیں اور پھینک بھی سکتے ہیں لیکن جب آپ نے اسے چکھ لیا تو آپ نے اس سے فائدہ اٹھالیا تو ﴿اذقنا﴾ کی تعبیر ﴿آتینا﴾ کے مقابل، انتفاع (فائدہ اٹھانا) کے لیے زیادہ بلیغ ہے۔

﴿رَحۡمَةً مِّنَّا﴾ کہا جس سے معلوم ہوا کہ رحمت انسان کا کسب (کمائی) نہیں فقط اللہ کا فضل ہے۔

﴿مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ﴾ پریشانی کے بعد آسانی یعنی انسان کو نقصان کا یقین ہوگیا پھر اللہ کی رحمت آتی ہے تو یہ نعمت میں زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جس شخص نے مرض کا مزہ نہ چکھا وہ صحت کی مٹھاس کو نہیں پاسکتا۔

﴿اِنَّ لِیۡ عِنۡدَهٗ لَلۡحُسۡنٰى﴾

(۱) انسان کا پہلا غرور یہ ہے کہ وہ نعمت جو اسے دنیا میں ملی تھی اس کی نسبت اپنی طرف کی، گویا وہ اس نعمت کا مستحق تھا اور اس

Scanned by CamScanner

میں اللہ کے فضل وکرم کا کوئی دخل نہیں تھا۔

(۲) دوسرا غرور: قیامت کا انکار کردیا۔ ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾

(۳) تیسرا غرور: فرض کرو اگر قیامت واقع ہوگئی تو اسے اللہ کے پاس اور اچھا بدلہ ملے گا۔

اس آیت اور اس سے قبل کافر، انسان کا حال بیان کیا گیا کہ وہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے اور اپنے اوپر فخر کرتا ہے تو یہ اس کے شدید کفر کی دلیل ہے۔

﴿وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ﴾ یہ کافر کا قول ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف اقرار بالربوبیت سے آدمی اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ اس میں بعث بعد الموت کا اثبات ہے اور "لنذیقن" میں جمع متکلم کی ضمیر اللہ کی عظمت پر دلیل ہے کیونکہ "الجمع للواحد۔ یراد بہ التعظیم"

﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾

نعمت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حصول مرغوب (پسندیدہ چیز کا حصول)

(۲) "نجاۃ من المرھوب" (ناپسندیدہ چیز سے نجات)

﴿اعرض﴾ "ای اعرض ببدنہ۔ ونایٰ بجانبہ ای انصرف بقلبہ مفتخراً متعاظمًا" اعرض کا مطلب ہے اس نے اپنے بدن کے ذریعے اعراض کیا۔ اور "نایٰ بجانبہ" کا مطلب ہے اپنے دل کے ذریعے فخر کرتے ہوئے اور بڑا بنتے ہوئے پلٹ گیا۔

﴿شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ﴾ شقاق خاص ہے اور خلاف عام ہے کیونکہ کبھی کوئی آپ کی مخالفت کرتا ہے مگر مشقت میں نہیں ڈالتا۔ لیکن ان لوگوں نے خلاف بھی کیا اور شقاق بھی کیا۔

سوال: انسان کا قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے یا نہیں؟ اس کا وہ لفظ جس کو اس نے تلفظ کیا ہے وہ مخلوق ہے۔ مگر ملفوظ بہ (قرآن) جس کا اس نے تلفظ کیا ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس نے کہا "لفظی بالقرآن مخلوق فھو جھمی" قرآن کے ساتھ میرا لفظ مخلوق ہے تو وہ جہمی ہے اور جس نے یہ کہا کہ وہ مخلوق ہے تو وہ شخص بدعتی ہے۔ اسے عبداللہ ابن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنۃ میں ذکر کیا ہے۔

سوال: کیا کلام، اللہ کی صفات ذاتیہ میں سے ہے؟ یا صفاتِ فعلیہ میں سے ہے؟

جواب: اپنی اصل کے اعتبار سے کہ اللہ ہمیشہ متکلم رہا ہے اور رہے گا۔ یہ صفات ذاتیہ میں سے ہے اور اپنے آحاد کے اعتبار سے صفات فعلیہ میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ کا قول ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (سورۂ یٰسین: ۸۲) تو یہاں "کن" ارادہ کے بعد ہوا اور یہ دلیل ہے کہ اللہ کا کلام اس کے آحاد اور افراد کی حیثیت سے

Scanned by CamScanner

صفات فعلیہ میں سے ہے۔

﴿ثُمَّ كَفَرْتُمْ﴾ دلیل کے واضح ہوجانے کے بعد کفر، انتہائی قبیح کفر ہوتا ہے۔

﴿شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ اللہ اور اس کے رسول کے راستے سے الگ ہوجانے والے سے زیادہ گمراہ کوئی نہیں۔

﴿شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ اللہ کی شہادت کی دو قسمیں ہیں (۱) شہادت قولیہ (۲) شہادت فعلیہ

شہادتِ قولیہ:

﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (النساء:١٦٦) یہ اللہ کی شہادت ہے۔

شہادتِ فعلیہ:

جیسے اللہ کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین میں تمکین (جمانا) دینا اور ان کی مدد کرنا اور تمام ادیان پر آپ کے دین کو غالب کرنا۔ اگر آدمی کو معلوم ہو کہ اللہ اس کی خلوت اور جلوت ہر جگہ اور اس کے اقوال و افعال اور تمام تصرفات پر شھید ہے (گواہ) ہے تو انسان نصیحت حاصل کرے گا۔

﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ قیامت کب آئے گی؟ ایک راز ہے۔ یہی ایک راز ایسا نہیں جس سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہ ہو بلکہ بہت سی حقیقتیں ہیں جن کا تعلق صرف علم الٰہی سے ہے۔ انسان کا علم ان کے باب میں نہایت محدود ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حقیقت ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

گندم کا ایک خوشہ نمودار ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پکنے کی نوبت آئے گی یا نہیں؟ اگر آئے گی تو اس میں کتنے دانے ناقص اور کتنے صحیح نکلنے ہیں؟ اور کتنے ضائع اور کتنے محفوظ رہیں گے؟ ان کے پکنے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ کیا ہے؟ کتنے دانے کسان کے نصیب میں ہیں؟ اور کتنے چرند پرند کی نذر ہوجائیں گے؟ اس وجہ سے اگر قیامت کا ظہور کا وقت انسان پر واضح نہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قیامت تو بڑی چیز ہے اس کو اپنے سامنے کی روزمرہ مشاہدہ کی ہوئی چیزوں کی واقفیت بھی بہت تھوڑی ہے۔ عورت حاملہ ہوتی ہے۔ لڑکی جنے گی یا لڑکا؟ ناقص جنے گی یا سالم؟ مردہ جنے گی یا زندہ؟ کس دن جنے گی؟ ان کا صحیح علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ تو قیامت کے ظہور کا صحیح وقت نہ بتایا گیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ پھل شگوفے کے غلاف کو توڑ کر نکلتا ہے۔ یہ کب پکے گا؟ اس کا معین (Exatct) وقت اللہ کو معلوم ہے۔

﴿اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ﴾

یہ جواب ہے کفار کے اس سوال کا کہ قیامت کب نمودار ہوگی؟ آخر یہ جہاز چلا تو کہاں رک گیا؟ اور ساحل پر کب لنگر انداز ہوگا؟ کہ جس طرح پھل شگوفے کے غلاف کو توڑ کر نکل آتا ہے اور حاملہ جس طرح بچے جنتی ہے، اسی طرح قیامت

Scanned by CamScanner

بھی اسی کائنات کے بطن سے ظاہر ہوگی، قیامت آسمان وزمین پر بوجھ بنی ہوئی ہے۔ اس میں اس حقیقت کی تشبیہ ہے کہ جس طرح ایک حاملہ عورت ولادت کے قریب حمل کے بوجھ سے گرانبار ہوتی ہے، اگرچہ کوئی نہیں جانتا کہ ولادت کا صحیح وقت کیا ہے؟ لیکن ہر آنکھ رکھنے والا دیکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ عورت ضرور جنے گی اور بہت جلد جنے گی۔ یہی حال قیامت کا ہے۔ آسمان وزمین اس کے بوجھ سے گرانبار ہیں، مگر کہہ نہیں سکتے کہ کائنات اس بوجھ سے کب سبکدوش ہوگی۔

جس طرح یہ بات اللہ ہی کے علم میں ہے کہ پھل کب وجود میں آئے گا اور کون سی عورت کب حاملہ ہوگی اور کب بچہ جنے گی اسی طرح قیامت کے ظہور کا علم بھی صرف اللہ کو ہے۔ وہ ٹھیک اپنے وقت پر ظاہر ہوگی۔ گندم کا ایک خوشہ نمودار ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پکنے کی نوبت آئے گی یا نہیں۔ اس میں کتنے دانے ناقص ہوں گے کتنے سالم۔ اس کے پکنے کی ٹھیک ٹھیک تاریخ کیا ہے۔ بچہ پیٹ سے پیدا ہوتے وقت مرجائے گا یا زندہ رہے گا۔ ترتیب کلام سے یہ خود بخود مترشح ہو رہا ہے کہ قیامت کے آنے کی تاریخ کی فکر میں کہاں پڑے ہو؟ فکر اس کی کرو کہ جب وہ آجائے گی تو اپنی ان گمراہیوں کا تمہیں کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ﴾

قیامت کے دن اللہ مشرکوں کو پکارے گا کہ جن مفروضہ شریکوں کو تم نے معبود سمجھ رکھا تھا آج وہ کہاں ہیں؟ وہ کہیں گے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شرک کی شہادت دینے والا نہیں۔

﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اللہ کے علاوہ جن کو یہ دنیا میں پکارتے تھے وہ ان سے غائب ہوجائیں گے اور جان لیں گے ہماری خلاصی نہیں۔

﴿لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ﴾

﴿مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ﴾ مال ودولت اور صحت کی طلب اور ترقی کی خواہش سے انسان کا جی نہیں گھبراتا، وہ مانگتا ہی رہتا ہے، اور اگر اس کو تکلیف چھو بھی جاتی ہے تو ناامید ہوجاتا ہے۔ تنگی میں مایوس ہوگیا اور خوشحالی میں کہا کہ اس کا تو میں حقدار تھا۔ میں اس کا مستحق تھا تو میرے اوپر شکر واجب نہیں۔ گویا ہر حال میں اس کا رابطہ اللہ سے منقطع ہوجاتا ہے۔ ''قَنُوطٌ'' سے بتایا گیا کہ مایوسی کفر ہے۔

﴿وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ﴾ (اسراء: ۸۳)

''اَعْرَضَ ای انصرف بوجهه'' (شکر کرنے سے) اپنا منہ پھیر لیا) ''نَاٰ بِجَانِبِهٖ ای استدار بظهره'' (اپنی پیٹھ پھیر لی) انسان انعام پر اکڑتا ہے، اور گرفت میں آجائے تو لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے یعنی اس طنطنہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ذرا میں بہک جاتا ہے، ذرا میں بلبلا اٹھتا ہے، یہ انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ نعمت میں اللہ کو بھولا رہتا ہے اور مصیبت میں یاد کرتا ہے، اور مصیبت دور کردے تو پھر بھول جاتا ہے، اور اگر مصیبت دور ہوتی نظر نہ آئے تو مایوس و دل شکستہ ہوکر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں کفر وناشکری کی ہیں۔ مومنانہ کردار یہ ہے کہ مصیبتوں پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرے اور دوسری کمزوری

Scanned by CamScanner

یہ ہے کہ مصیبت دور کر کے اللہ اسے اپنے فضل سے نوازے تو شکر گزار ہونے کے بجائے اس گھمنڈ میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا۔

﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾

(۱) مشکلات میں لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے۔

(۲) خوشحالی میں ہمیں خاطر میں نہیں لاتا۔

انسان کی طبیعت بھی عجیب ہے، مصیبت لٹکتی تلوار کی طرح سر پر کھڑی ہو تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ دعائیں نتیجہ خیز نہیں ہو رہی ہیں تو مایوس ہوجاتا ہے، اور مصیبت سے نجات مل گئی تو ہمیں خاطر میں نہیں لاتا۔ گویا وہ اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اسی کا اہل ہے کہ مصیبت میں پھنسا رہے۔ ﴿دعاء عریض﴾ کہا "دعاء طویل" نہیں کہا۔ کیونکہ ہر شئی کا ایک طول ہوتا ہے اور ایک عرض ہوتا ہے اور طول، عرض سے بڑا ہوتا ہے۔ لیکن قرآن نے عرض کو استعمال فرمایا ہے۔ چیز کے بڑے ہونے پر دلالت کرنے پر جیسے ﴿عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کہ زمین و آسمان کا عرض اتنا بڑا ہے تو اس کے طول کا حال کیا ہوگا؟

﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾

قرآن نے کہا کہ اعمال تولے جائیں گے۔ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر موجودہ دور میں انسان نے حرارت پیما، زلزلہ پیما جیسے آلات ایجاد کر کے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیا کہ کیفیتیں تولی جاسکتی ہیں۔ قرآن نے کہا ہے کہ انسان کے اعمال کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے، اس بات کو باور کرنا اس زمانے میں مشکل تھا، مگر مائکروفلم کی ایجاد نے اس مسئلے کو حل کر دیا، قرآن نے کہا ہے کہ انسان کے ہاتھ، پاؤں اور کھال گواہی دیں گے، لوگوں کے لیے یہ بھی حیرت کی بات تھی مگر ویڈیو کیسٹ وغیرہ کی ایجاد نے ظاہر کر دیا کہ یہ سب کچھ ممکن ہے اور قرآن نے کہا ہے کہ چاند اور سورج معبود نہیں ہیں، انسان نے چاند پر قدم رکھ کر یہ ثبوت بھی فراہم کر دیا۔ ہاں! کچھ باتیں اپنی تعبیر میں وقت کی منتظر ہیں مثلاً خروجِ یاجوج و ماجوج اور خروج دابۃ الارض وغیرہ۔ قیامت کے قریب کے زمانے میں پیدا ہونے والی نسلیں اس کو بھی دیکھ لیں گی۔

﴿فِى الْاٰفَاقِ﴾ زلزلہ پیما اور حرارت پیما وغیرہ آلات نے یہ ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ کیفیتیں بھی ناپی جاسکتی ہیں۔ اور مائکروفلم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہر شخص کے اعمال کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ کوئی بھی بات چھوٹی ہو یا بڑی، درج ہونے سے نہیں رہتی، ویڈیو کیسٹوں وغیرہ کی ایجاد نے یہ ثابت کر دیا کہ انسان کے ہاتھ، پاؤں اور جلد کا بولنا ممکن ہے۔ قرآن نے کہا کہ چاند معبود نہیں۔ چاند پر انسان نے پہنچ کر دیکھا کہ یہ مٹی اور پتھر سے بنا ہوا ہے۔

﴿فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ انسان کے چھوٹے سے وجود میں سارے عالم دنیا کی مثالیں موجود ہیں۔ اربوں کھربوں انسانوں کی صورتیں اور شکلیں مختلف بنائی گئیں۔ ایک کا چہرہ دوسرے سے ممتاز نظر آتا ہے۔ ایک کا نشانِ انگشت (Finger Print)

Scanned by CamScanner

دوسرے کے نشانِ انگشت سے بالکل الگ ہے۔اسی طرح ایک کا D.N.A. دوسرے کے D.N.A. سے بالکل الگ ہے۔

﴿اَوَلَمۡ یَکۡفِ بِرَبِّکَ﴾ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شہید ہے۔کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں تو کیا یہ آیات دکھانے پر وہ قادر نہیں؟

﴿اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ﴾ یہ اللہ سے ملنے کے بارے میں شک میں ہیں۔یہ جائیں گے کہاں؟ وہ محیط ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

(۲۵)

سورة حٰمٓ السجدة

(آیت:۴۷)

تا

سورة الجاثية

(آیت:۳۷)

مجمع بلقيس للبحوث الإسلامية
حيدرآباد، الهند

Scanned by CamScanner

پچیسواں پارہ

سورۃ الشوریٰ (مکیۃ)

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣

حٰمٓ۔(۱) عٓسٓقٓ۔(۲) اللہ غالب و دانا اسی طرح تمہاری طرف مضامین (اور براہین) بھیجتا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔(۳)

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔(۴)

بعض مذاہب کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز اللہ ہے، مگر مومن یہ کہتا ہے ہر چیز اللہ کی ہے۔

﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ﴾ علو ذاتی و علو صفتی دونوں مراد ہیں۔ "علیٌ" صفت مشبہ ہے جو صفت اپنے موصوف کے ساتھ قائم ہو۔ علو کتاب سے، سنت سے اور اجماع سے تو ثابت ہی ہے عقل سے اور فطرت سے بھی ثابت ہے۔ عقل سے اس طرح کہ اگر آپ کسی انسان سے پوچھیں "هل العلو اكمل او السفول؟" تو وہ تم سے کہے گا "العلو اكمل" بلاشک۔

ہر ایک جانتا ہے کہ علو، صفت کمال ہے، اور اس طرح رب، عقلی طور پر موصوف بالکمال ہے، اور فطرت سے تو اس طرح کہ آپ اس بڑھیا سے پوچھیں جو چکی پیس رہی ہو جس نے عقیدہ طحاویہ اور عقیدۂ واسطیہ وغیرہ نہیں پڑھی ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ وہ اپنی انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کر کے کہے گی، وہ آسمان پر ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس معیت (ساتھ ہونا) سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسی جگہ میں ہو۔ "لا يلزم من المعية ان يكون فى نفس المكان ولهذا العرب تقول فى لغتها "القمر معنا" ومكانه فى السماء وهم

Scanned by CamScanner

یقولون معنا"۔ معیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز اسی جگہ میں ہو۔ اسی وجہ سے عرب کہتے ہیں "چاند ہمارے ساتھ ہے" جب کہ وہ آسمان میں ہوتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝

اور جن لوگوں نے اس کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں وہ اللہ کو یاد ہیں اور تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ (۶)

یعنی مشرکین اللہ کی نظر میں ہیں آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔

﴿اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ اللہ ان کا نگراں ہے وہ ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ یعنی آپ کو ان پر اختیار نہیں دیا گیا کہ آپ انھیں ہدایت پر لے آئیں، آپ ان کے ذمہ دار نہیں، ان کا معاملہ آپ کے سپرد نہیں کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ

اور اسی طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا ہے تا کہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ اور انہیں قیامت کے دن کا بھی جس میں کچھ شک نہیں خوف دلاؤ اس روز ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔ (۷)

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ: "وَاللّٰهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ"

(ترمذی، ابواب المناقب: ۳۹۲۵ صحیح)

عبداللہ بن عدی بن حمراء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ کی قسم! اے مکہ، تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک اللہ کی تمام زمین میں محبوب ہے اور اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں نہیں نکلتا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ تمام شہروں سے افضل ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بیشک وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۱۲)

Scanned by CamScanner

﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾
جو خالق ہے وہی مالک بھی ہے۔ یہ کیسے ممکن کہ پیدا تو وہ کرے اور پیدا کرنے کے بعد خزانوں کی کنجیاں دوسروں کو سونپ دے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف سے رستہ دکھا دیتا ہے۔ (۱۳)

﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ جتنے بھی رسول دنیا میں آئے وہ سب اصول میں ایک تھے۔ البتہ فروع میں اختلاف ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے اور مرض بے شمار ہیں۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو اسی کے موافق دوا اور پرہیز مقرر کیا گیا۔ جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق تجویز ہوا۔ سب سے آخر میں ایک ایسا نسخہ روحانی (قرآن) دے دیا گیا تو قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کے لیے پیغام شفاء ہے۔ آیت میں پانچ انبیاء کا ذکر فرمایا گیا۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام اور آخر میں محمد ﷺ۔ اور درمیان میں حضرت ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ (علیہم السلام) ہیں۔

﴿اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ آیت کا یہ ٹکڑا اقامت دین کے سلسلے میں دو ٹوک نظریہ پیش کرتا ہے کہ دین صحیح معنوں میں اس وقت قائم کیا جا سکتا ہے جب مختلف اعتقادی اور فقہی گروہوں کو ختم کر کے خالص کتاب وسنت پر اقامت دین کیا جائے ورنہ مختلف فرقوں کو باقی رکھتے ہوئے اقامت دین کا کام محض شعبدہ بازی ہوگا۔ تفرقے میں پڑنا اقامت دین کی ضد ہے۔ اس تفرقہ بازی کا محرک، تعصب اور مال وجاہ کی طلب تھی۔

سوال یہ ہے کہ ذکر انبیاء کو آدم سے کیوں نہ شروع کیا گیا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ آدم کے زمانے میں کفر وشرک نہیں تھا۔ شرک کا مقابلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا۔

ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کیونکہ وہ ابوالانبیاء ہیں۔ عرب کے لوگ باوجود کفر وشرک کے ان کی نبوت کے قائل تھے۔ بیچ میں موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ نزول قرآن کے وقت دو پیغمبروں کے ماننے والے یہود ونصاریٰ موجود تھے۔

Scanned by CamScanner

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ۗ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اسی (دین کی) طرف (لوگوں کو) بلاتے رہنا اور جیسا آپ کو حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور کہہ دیجیے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں انصاف کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں تمہارے اعمال کا ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں اللہ ہم (سب) کو اکٹھا کرے گا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۱۵)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے اور ہر جملہ خاص احکام پر مشتمل ہے۔ گویا اس آیت میں احکام کی دس فصلیں موجود ہیں اس کی نظیر پورے قرآن میں آیۃ الکرسی کے سوا کوئی نہیں۔

احکام کی دس فصلیں:

(۱) صورت حال یہ ہے کہ لوگوں نے الگ الگ مذاہب بنا لیے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ تو آپ کا کام ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ ہے۔ یعنی سب کو دین حق کی دعوت دیجئے اور خود اس پر جمے رہئے۔ اور دین کے معاملے میں اتباع وحی کی ہونی چاہئے نہ کہ خواہشات کی۔

(۲) استقامت برتئے یعنی تمام عقائد و اعمال و اخلاق وغیرہ میں افراط و تفریط کا ادنیٰ سا میلان نہ ہو۔ یعنی جن جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، آپ ان پر جم جائیں۔ اور انھوں نے اپنی طرف سے جو باتیں گھڑ لی ہیں ان کے پیچھے نہ جائیں۔

(۳) فریضۂ تبلیغ میں کسی مخالف کی مخالفت کی پروانہ کیجئے۔

(۴) اعلان کر دیں کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل کیں، میرا سب پر ایمان ہے۔

(۵) جو معاملات باہمی جھگڑوں کے آئیں ان میں انصاف سے کام لوں۔

(۶) ہم سب کا پالنے والا اللہ ہے۔

(۷) ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے۔

(۸) حق واضح ہو جانے کے بعد عناد سے اگر کام لیتے ہو تو ہمارے اور تمہارے درمیان اب کوئی بحث نہیں۔

(۹) قیامت کے دن اللہ سب کو جمع کرے گا اور ہر ایک کے عمل کا بدلہ دے گا۔

(۱۰) سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

Scanned by CamScanner

اللہ ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور (عدل وانصاف کی) ترازو اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی آ پہنچی ہو۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ﴾ آسمانی کتاب ترازو ہے تاکہ انسان اپنے ایمان اور عمل کو تول لے کہ کون سا عمل قیامت میں کام آنے والا ہے۔

اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے وہ زور والا (اور) زبردست ہے۔ (۱۹)

﴿اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ﴾

﴿لَطِیْفٌ﴾ "العَالِمُ بخَفَايَا الأُمور ودقائقها" لطیف کا مطلب ہے، کائنات کے مخفی در مخفی اسرار وغوامض کا علم رکھنے والا۔ انسان کی نگاہ اپنے تمام علوم وایجادات کے باوجود صرف ظاہر تک محدود رہتی ہے۔ وہ مخفی اور باریک در باریک حکمتوں سے آگاہ نہیں ہوتا۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ﴿۲۰﴾

جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دے دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔ (۲۰)

نکتہ عجیبہ: سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ﴾ یہاں دنیا کے ثواب کا تذکرہ کیا گیا تو صرف ثواب کی اضافت آخرت کی طرف کی گئی مگر جب آخرت کے ثواب کی بات آتی تو حسن ثواب الاخرہ کہا حسن میں اشارہ ہے آخرت کے حسن کے مقابلے میں دنیا کا ہر حسن، بدصورتی ہے اور غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آخرت کی نعمتوں کا حسن سے بڑا گہرا تعلق ہے جیسے جنت کا نام ہی حسنیٰ ہے وہاں کی عورتیں ﴿خَیْرَاتٌ حِسَانٌ﴾ (سورہ رحمٰن) ہیں۔

انسان کو کسان سے تشبیہ دی گئی ہے جو زمین تیار کرنے سے لے کر فصل پکنے تک مسلسل عرق ریزی کرتا ہے۔ اور یہ ساری محنتیں اس لیے کرتا ہے کہ جو بیج وہ بورہا ہے اس کی فصل کاٹے لیکن نیت اور مقصد کے اعتبار سے آخرت کی کھیتی بونے والے اور دنیا کی کھیتی بونے والے کے درمیان عظیم فرق ہو جاتا ہے۔ اس لیے دونوں کی محنتوں کے نتائج اور ثمرات اللہ نے مختلف رکھے ہیں حالانکہ دونوں کے کام کرنے کی جگہ یہی زمین ہے۔ آخرت کی کھیتی بونے والے کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ اسے دنیا نہیں ملے گی، دنیا تو کم یا زیادہ اس کو ملنی ہی ہے اور دنیا کی کھیتی کرنے والا جو آخرت نہیں چاہتا اس کی محنت کے دو نتائج

اللہ نے صاف سنا دیئے۔ ایک یہ کہ خواہ وہ کتنا ہی سر مارے، اسے پوری دنیا نہیں مل پائے گی۔ اس کا ایک حصہ ہی ملے گا، جتنا اللہ نے مقرر کیا ہے۔ دوسرے جو کچھ ملنا ہے بس دنیا ہی میں مل جائے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اچھا اور برا عمل بیج ہے اور دنیا کی زندگی کھیت ہے۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ﴾

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ" (ترمذی، ابواب الزھد: ۲۳۲۰، صحیح)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں کافر کو ایک قطرہ پانی نصیب نہیں ہوتا۔

وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، وَتَحْتَ رَأْسِهِ وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ، وَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرَظًا مَصْبُوبًا، وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهَبٌ مُعَلَّقَةٌ، فَرَأَيْتُ أَثَرَ الحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ، فَقَالَ: "مَا يُبْكِيكَ؟" فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ كِسْرَى وَقَيْصَرَ فِيمَا هُمَا فِيهِ، وَأَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، فَقَالَ: "أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الآخِرَةُ" (بخاری، کتاب التفسیر: ۴۹۱۳)

نبی کے پہلو پر نشان دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے اشکبار ہو کر کہا آپ سب مخلوقات میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور قیصر و کسریٰ بے حد خوشحالی میں ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت"؟

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

یہی وہ (انعام ہے) جس کی اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہہ دیجیے کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت (تو چاہیئے) اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں ثواب بڑھائیں گے بیشک اللہ بخشنے والا قدردان ہے۔ (۲۳)

﴿ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾

تمہارا معاملہ اقارب کے ساتھ کیسا ہوتا ہے بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو۔ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے نہ کرو۔ میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی، لیکن کم از کم قرابت و رحم کا

Scanned by CamScanner

خیال تو کرو اور ظلم واذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے رب کا پیغام دنیا کو پہنچا دوں۔ شیعوں نے یہ معنیٰ لیے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا صرف یہ مانگتا ہوں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور میرے قرابت والے چار ہیں۔ علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم۔ سورۂ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوا اور حسن غزوۂ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حسین رضی اللہ عنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے کی جائے جس کا اس وقت وجود نہ تھا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٧﴾

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگتے لیکن وہ جو چیز چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے۔ (۲۷)

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ﴾ لوگ اپنی دنیا کی دولت کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ دولت و ثروت محض امتحان کے لیے ہے۔ دنیا میں کسی کو کشادہ رزق ملتا ہے اور کسی کو نپا تلا۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر شخص کو وافر مقدار میں رزق ملتا اور اسے اپنی معاشی ضرورت کے لیے کسی کا دست نگر نہ رہنا پڑتا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ رزق، وافر مقدار میں پا کر انسان غرور و گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا، دولت کے حصول کی دوڑ میں بڑے پیمانے پر خون خرابہ ہوتا۔ اللہ نے اپنی نعمتوں کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ کسی کے پاس دولت ہے، کسی کے پاس حسن و جمال ہے، کسی کے پاس علم ہے، اس طرح ہر شخص دوسرے کا محتاج ہے اور تمدن کی عمارت اسی احتیاج پر قائم ہے۔ کس کو کون سی نعمت عطا کرنی ہے اللہ خوب جانتا ہے۔ رزق کا مطلب صرف کھانے پینے کی چیزیں ہی نہیں بلکہ وہ سب کچھ ہے جو بندے کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے رزق کی کمی و بیشی اللہ کی حکمت سے تعلق رکھتی ہے۔ معاش کو خیر و شر کا پیمانہ قرار دینا سخت غلطی ہے۔

(۱) رزق میں کمی و بیشی کی مصلحت ہے کہ فساد نہ برپا ہونے پائے۔
(۲) جن کو دیتا ہے وہ غریبوں کی مدد کرتے ہیں یا نہیں۔
(۳) اللہ کو معلوم ہے کون کس قدر رزق کا حقدار ہے۔

دولت کسی کے برحق ہونے کی دلیل نہیں:

رزق کی کشادگی اور تنگی کا معاملہ اللہ نے تمام تر اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ ورنہ ہر آدمی یہ سوچتا کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لے۔ سوچئے اس سے کتنا زبردست تصادم ہوتا، اللہ دنیا کو موجودہ حالت پر چلاتا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ غنا (دولت) عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کی استعداد و حال کے مناسب دیا جائے اور یہ اللہ کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کون سی صورت اصلح ہے۔ تفاوتِ رزق میں آزمائش ہے اور یہ آزمائش دائمی نہیں بلکہ عارضی ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ﴾

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ جِبْرِيلَ، عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ فِيهِ: "وَإِنَّ مِنْ عِبَادِي الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَا يُصْلِحُ لَهُ إِلَّا الْغِنٰى، وَلَوْ أَفْقَرْتُهُ أَفْسَدَهُ ذٰلِكَ، وَإِنَّ مِنْ عِبَادِي الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَا يُصْلِحُ إِيمَانَهُ إِلَّا الْفَقْرُ وَلَوْ بَسَطْتُ لَهُ أَفْسَدَهُ ذٰلِكَ، وَإِنَّ مِنْ عِبَادِي مَنْ يُرِيدُ الْبَابَ مِنَ الْعِبَادَةِ فَأَكُفُّهُ عَنْهُ لِئَلَّا يَدْخُلَهُ الْعُجْبُ فَيُفْسِدُهُ ذٰلِكَ وَإِنَّ مِنْ عِبَادِي الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَا يُصْلِحُ إِيمَانَهُ إِلَّا الصِّحَّةُ وَلَوْ أَسْقَمْتُهُ لَأَفْسَدَهُ ذٰلِكَ أَظُنُّهُ قَالَ: وَإِنَّ مِنْ عِبَادِي الْمُؤْمِنِينَ مَنْ لَا يُصْلِحُ إِيمَانَهُ إِلَّا السَّقَمُ وَلَوْ صَحَّحْتُهُ لَأَفْسَدَهُ ذٰلِكَ، إِنِّي أُدَبِّرُ عِبَادِي بِعِلْمِي بِقُلُوبِهِمْ إِنِّي بِهِمْ عَلِيمٌ خَبِيرٌ" (الأسماء والصفات للبيهقي)

اس حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے کہ میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ انہیں صرف مالداری ہی درست رکھ سکتی ہے اوراگر میں انہیں مفلس کردوں تو خراب ہوجائیں گے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ صحت ہی ان کے ایمان کو درست رکھ سکتی ہے اوراگر میں انہیں بیمار کردوں تو ان کا ایمان خراب ہوجائے۔ اور میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ جن کے ایمان کو بیماری ہی درست رکھ سکتی ہے، اگر میں ان کو صحت دے دوں تو خراب ہوجائیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٨﴾

اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہوجانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (یعنی بارش) کی برکت کو پھیلا دیتا ہے اور وہ کارساز اور سزاوارِ تعریف ہے۔ (۲۸)

"سمّی الغیث غیثاً لانہ یغیث الخلق" غیث کے معنی بارش کے ہوتے ہیں۔ بارش کو غیث اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قحط میں مخلوق کی فریادرسی کرتی ہے۔

غیث اور مطر میں فرق:

"الغیث ماکان نافعافی وقتہ والمطر قدیکون نافعا وضارا فی وقتہ وغیر وقتہ" غیث وہ بارش ہے جو اپنے وقت پر نفع بخش ہو اور مطر وہ بارش ہے جو کبھی اپنے وقت پر نفع بخش ہوتی ہے اور کبھی غیرِ وقت پر ضرر رساں ہوتی ہے۔ رحمتہ سے مراد نباتات، غلہ جات اور جانور وغیرہ ہیں۔

﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ وہ 'ولی' ہے۔ یعنی بندوں کا کارساز ہے لہٰذا مستحق ستائش ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾

اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے افعال سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کردیتا ہے۔ (۳۰)

Scanned by CamScanner

سوال یہ ہے کہ وہ قابل تعریف ہے تو بندوں کو دنیا میں مصائب میں کیوں مبتلا کرتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ نیکوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ رفع درجات کے لیے ہوتے ہیں۔

اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَہۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ﴿۳۳﴾

اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے اور جہاز اس کی سطح پر کھڑے رہ جائیں تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لئے ان (باتوں) میں قدرتِ الٰہی کے نمونے ہیں۔ (۳۳)

﴿اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ﴾ پانی پر اجسام ثقیلہ (بھاری اجسام) اس طرح دوڑتے ہیں جیسے مویشی زمین پر دوڑتے ہیں۔ اللہ چاہے تو ہوا کو روک دے اور وہ کھڑے رہ جائیں۔ ﴿اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ﴾ یا ٹائٹینک کی طرح تباہ کر دے۔ کیونکہ مراکب ناریہ (انجن سے چلنے والی سواریاں) چلنے کی شرط وجود ریح (ہوا) ہے۔

فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّہِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۪ وَاَمۡرُہُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَہُمۡ ۪ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾

(لوگو!) جو (مال ومتاع) تم کو دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا (ناپائیدار) فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور قائم رہنے والا ہے (یعنی) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۳۶) اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ (۳۷) اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (۳۸) اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔ (۳۹) اور بُرائی کا بدلا تو اسی طرح کی بُرائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۴۰)

Scanned by CamScanner

آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہونے والے لوگوں کے اوصاف:

(۱) اس پر ایمان لائے جس پر ایمان لانے کی قرآن دعوت دیتا ہے۔

(۲) ان کا بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہے۔توکل کا مطلب یہ ہے کہ انسان بہتر سے بہتر تدبیر کرے مگر تدبیر کو سب کچھ نہ سمجھے۔اس یقین کے ساتھ معاملے کو اللہ کے حوالے کرے کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

(۳) گناہ کبیرہ اور فواحش (بے حیائی) سے بچتے ہیں۔

(۴) اللہ کی طرف سے جو حکم ملے بلا چوں چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

(۵) نماز قائم کرتے ہیں۔

(۶) ہر کام میں مشورہ کرتے ہیں۔

(۷) اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

(۸) ظالم سے برابر کا انتقام لیتے ہیں۔

(۹) کوئی ظلم کر بیٹھے تو درگزر سے کام لیتے ہیں۔

(۱۰) اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

انسان کی تین قوتیں ہیں۔یہ تینوں گناہ کبیرہ میں شامل ہیں۔

(۱) قوت نفسانیہ: جیسے چوری، جھوٹ، عقوق والدین (ماں باپ کی نافرمانی) وغیرہ۔

(۲) قوتِ شہوانیہ: جیسے زنا اور بے شرمی وغیرہ کی باتیں کرنا۔

(۳) قوتِ غضبانیہ: جیسے قتل کرنا، مارنا، گالی دینا اور ستانا وغیرہ۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾

تمام برائیوں کو تین عنوانوں (۱) اثم (۲) فحشاء (۳) غضب کے تحت سمیٹ دیا گیا ہے۔

"اثم" وہ گناہ ہے جو حق تلفی، ناانصافی اور ظلم کی نوعیت کی ہوں۔

"فحشاء" وہ گناہ ہے جو خواہشات نفس کی راہ سے ابھرتی ہے۔

"غضب" وہ گناہ ہے جو انانیت اور استکبار سے وجود میں آتا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ﴾ اور طغیان، فساد، جبر اور بغی کو جنم دیتا ہے۔بغی کا اصل معنی یہ ہے کہ جو چیزیں مقدار اور کیفیت کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتی ہوں ان کی طلب میں نقطۂ اعتدال سے تجاوز کر جانا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾

Scanned by CamScanner

(۱) ﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ﴾ (رب کا حکم ماننا)

(۲) ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ (نماز قائم کرنا)

(۳) ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (آپس میں مشورہ کرنا)

(۴) ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنا)

(۵) ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ﴾ (بدلہ بھی لینا ہوتو غیرت وحمیت کی وجہ سے لینا)

(۶) ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (اس سے انتقام لینا جس سے آئندہ جرأت و بے باکی کا خطرہ ہو)

(۷) ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ﴾ (عفواس کے حق میں جو آئندہ جرأت نہ کرے)

(۸) ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (مگر تعدی نہ کرے)

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ جس نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی اور نماز کا اہتمام کیا، آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا اولین مظہر نماز ہے جس نے نماز کا اہتمام نہیں کیا گویا اس نے ایمان ہی قبول نہیں کیا اور اپنا ہر کام باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اور ظالموں کے لیے نرم چارہ نہیں ہیں۔ بدلے کی جائز حد یہ ہے کہ جتنی تکلیف اسے دی گئی ہے اتنی تکلیف اسے دے دے۔ اس سے زیادہ تکلیف دینے کا اسے حق نہیں پہنچتا۔ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر معاف کر دے تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے۔

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ یہاں اس آیت میں اللہ نے عقوبات کے تین مراتب بیان کئے ہیں۔

(۱) عدل (۲) فضل (۳) ظلم۔ بغیر کمی اور زیادتی کے برائی کا بدلہ برائی سے لینا، عدل ہے۔ اور خطا کار کو معاف کر دینا فضل ہے۔ اور حق میں کمی اور زیادتی کرنا ظلم ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ (۴۳)

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ صبر کرنا بہت بڑی اخلاقی فضیلت ہے۔ یہ انسان کے کردار کو مضبوط بناتی ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

(تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔ (۴۹) یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔ (۵۰)

Scanned by CamScanner

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ. اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یہ دعویٰ ہے کہ بیٹی، بیٹا صرف وہی دے سکتا ہے۔اور دلیل یہ ہے کہ کائنات کی ہر شۓ اسی کی ملکیت ہے۔عَلِيْمٌ : کون، کون سی قسم کا مستحق ہے وہ جانتا ہے۔ قَدِيْرٌ : قدیر ہے، یعنی عطا کرنے کی قدرت صرف اسی کو ہے۔ کسی نبی، ولی، پیر اور خواجہ میں یہ قدرت نہیں۔اس آیت میں چار قسمیں بیان کی گئیں:

(۱) بیٹا دیتا ہے۔

(۲) بیٹی دیتا ہے۔

(۳) بیٹا بیٹی دونوں دیتا ہے۔

(۴) بے اولاد رکھتا ہے۔(علیم) دینے پر قادر بھی ہے۔عورتیں اس بدعقیدگی کی بنا پر کہ فلاں پیر اور ولی اولاد عطا کرتے ہیں درگاہوں کے چکر کاٹتی ہیں یہ عمل صریح مشرکانہ ہے۔

تخلیق کی بھی چار قسمیں ہیں:

(۱) بغیر ماں باپ کے (آدم)

(۲) صرف مرد سے (حوا)

(۳) صرف عورت سے (عیسیٰ علیہ السلام)

(۴) مرد و عورت دونوں سے۔ پہلے کا تعلق ابناء (بیٹوں) سے ہے دوسرے کا تعلق آباء (باپ دادا) سے ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القا کرے بیشک وہ عالی رتبہ اور حکمت والا ہے۔(۵۱)

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ﴾

وحی کی سات اقسام ہیں:

(۱) رویائے صادقہ

(۲) جبرئیل کا دل میں بات ڈالنا

(۳) صلصلۃ الجرس

Scanned by CamScanner

(۴) الہام

(۵) فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا

(۶) فرشتہ کا انسانی شکل میں آنا

(۷) اللہ کا پردے کے پیچھے سے کلام کرنا۔

نکاتِ سورۃ الشوریٰ:

﴿سَمَاء﴾ مفرد (واحد) آئے تو جنس ہوتا ہے۔ سماء جمع آئے تو مراد عدد ہوتا ہے۔

والسمٰوٰت عددھا سبع آسمانوں کی تعداد سات ہے۔

"واعلم ان کل اسم من اسماء اللہ فانہ دال علی صفۃ ولیس کل صفۃ یُشتق منھا اسم وحینئذ یتبیّن ان الصفات اوسع من الاسماء لان کل اسم متضمن لصفۃ ولیس کل صفۃ یشتق منھا اسم" جان لو کہ اللہ کے اسماء میں سے ہر اسم صفت پر دلالت کرتا ہے اور ہر صفت جو ان سے مشتق ہو وہ اسم نہیں ہوتے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی صفات اللہ کے اسماء سے زیادہ وسیع ہیں، کیونکہ ہر اسم، صفت کو متضمن ہوتا ہے۔ اور ہر صفت جو اس سے مشتق ہو وہ اسم نہیں ہوتی۔

﴿خَالِقُ﴾: اسم بھی ہے اور صفت بھی۔ اللہ ذات ہے اور خالق بھی۔ خالق + ذات۔

صرف ذات پر دلالت تضمن ہے۔

صرف صفت پر دلالت تضمن ہے۔

ذات اور صفت دونوں پر دلالت، دلالت مطابقت ہے اور خلق بغیر علم کے نہیں ہوسکتا یہ دلالتِ التزام ہے۔

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾

فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ فرشتے موجود ہیں اور ان پر ایمان ضروری ہے۔ نیز ان کے جسم ہیں اور تسبیح اور تحمید کو جمع کرنے کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔ سب سے بہترین تسبیح سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم ہے۔

﴿يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ فرشتوں کا انسانوں پر یہ احسان ہے کہ وہ ان کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔

﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹﴾

(ولی تو اللہ ہی ہے) ضمیر فصل "حرف" ہوتی ہے اسم نہیں۔ ولہ ثلاث فوائد: ضمیر فصل کے تین فائدے ہیں: (۱) الحصر (۲) التوکید (۳) الفصل بین الخبر والصفۃ

Scanned by CamScanner

جیسے آپ کہیں "فلان الکریم" تو "فلان مبتدا" ہے اور "الکریم" خبر بھی ہوسکتی ہے اور صفت بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر کہیں "فلان ھو الکریم" تو اس میں متعین ہے کہ "الکریم" "خبر" ہے، صفت نہیں ہے۔ اسی لیے اسے ضمیر فصل کہتے ہیں۔ "لانہ یفصل ای یمیز بین الخبر و بین الصفۃ" کیونکہ وہ خبر اور صفت کے درمیان فرق کردیتی ہے۔ اس صورت میں وہ حصر کا اور توکید کا اور تمییز بین الخبر والصفۃ کا فائدہ دیتا ہے۔ "محمد ھو الرسول ای ھو الرسول لھذہ الامۃ ولا رسول غیرہ"۔ محمد ھو الرسول: کا مطلب ہے کہ محمد ہی اس اُمت کے رسول ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی اور رسول نہیں ہے۔

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾﴾ مثل بمعنی صفت ہے۔

"لا فی ذاتہ ولا فی صفاتہ ولا فی افعالہ" نہ اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں، نہ اس کے افعال میں کوئی اس کا مثل ہے۔

سوال: "کیف اتصور المعنی ولا اتصور الکیفیۃ؟" میں معنی کا تصور کرسکتا ہوں مگر کیفیت کا تصور نہیں کرسکتا، کیسے؟

جواب: "قلنا: ھذا سھل۔ الآن لو اقول لک فلان صعد علی السطح۔ :تعرف معنی صعِدَ لکن لا تعرفُ کیف صعِدَ؟ مع انہ مثلک۔ لا تعرف کیف صعِدَ؟ فمن الممکن انہ صعد علی یدیہ ورجلیہ اَو صعِد بسیّارۃ او صعد محمولا" یہ بہت آسان ہے۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ فلاں آدمی چھت کے اوپر چڑھ گیا تو آپ چڑھنے کا معنی تو جانتے ہیں۔ لیکن وہ کیسے چڑھا؟ یہ آپ نہیں جان سکتے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بل چڑھا ہے، یا گاڑی سے چڑھا ہے، یا کسی نے اس کو اٹھا کر چھت پر چڑھا دیا ہے۔ جب کہ وہ انسان آپ کے مثل ہے۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ﴾ "نوح اول رسلِ الشریعۃ" یعنی نوح شریعت کے رسولوں میں سے پہلے رسول ہیں لیکن "اول انبیاء الشریعۃ آدم نبی مکلّم لکنہ لیس برسول" یعنی شریعت کے پہلے نبی آدم ہیں، اللہ نے ان سے کلام کیا ہے تو وہ مکلم ہیں مگر رسول نہیں ہیں۔

والحکمۃ من کونہ غیر رسول إن الناس لم یختلفوا بعد واللّٰہ تعالیٰ ارسل الرسل لیحکموا بین الناس فیما اختلفوا فیہ

اور آدم کے رسول نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اس وقت تک انسانوں کی تعداد مختصر تھی اور گناہوں پر اُکسانے والی چیزیں بھی موجود نہ تھیں اور ان میں اختلاف بھی نہیں ہوا تھا۔ اور اللہ نے رسولوں کو اس لیے بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اس چیز کے بارے میں فیصلہ کریں جس کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۱۳)

Scanned by CamScanner

﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾

"الدِّین یُطلق علیٰ معنیین المعنی الاول "الجزاء" والثانی "العمل" یعنی الدین یطلق علی العمل والجزاء" دین کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے (۱) جزا (۲) عمل۔

(۱) العمل: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ یعنی "لکم عملکم ولی عملی"

(۲) الجزاء: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ای یوم الجزاء

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ﴾

"اعطوہ مجانا" یعنی "بدون تعب کما ان الوارث یرث مال مُوَرِّثہ بدون تعب مجانا" کتاب دیئے جانے کے لیے وراثت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی انھیں بغیر مشقت کے مفت میں دے دی گئی۔ جیسے کہ وارث اپنے مورث کا مال کا بغیر مشقت کے مفت میں وارث ہو جاتا ہے۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (اور اگر آپ کے رب کی طرف سے وقت متعین تک ایک بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی) "ان اللہ موصوف بالکلام لانہ کمال، وضد الکلام الخرس وھذا نقص ینزہ اللہ عنہ" اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کلام سے متصف ہے کیونکہ وہ کمال ہے۔ اور بولنے کی ضد گونگا پن ہے۔ اور یہ نقص ہے، اور اللہ ہر نقص سے پاک ہے۔

"عبارۃ" اور "حکایۃ" میں فرق:

"عبارۃ: انہ لا علاقۃ بین ما فی نفسہ وبین ما خلقہ قد یکون فی نفسہ شئی الآن۔ ویخلقہ بعد ساعۃ او ساعتین" عبارت اس کو کہتے ہیں کہ اس کے نفس اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی اس کے نفس میں کوئی چیز اب موجود ہوتی ہے اور اس کو ایک گھنٹے یا دو گھنٹے کے بعد پیدا کرتا ہے۔

"حکایۃ: کحکایۃ الصدیٰ۔ الصدی الآن اذا کنت بین جبال و تکلمت، تسمعہ یَرُدُّ علیک ھذا یسمّٰی حکایۃً وھذا یلزم منہ ان یکون ما یسمع فی الحال" جیسے آپ پہاڑوں کے درمیان ہوں اور آپ بولیں تو اس آواز کو آپ سنیں گے کہ وہ آپ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی کا نام "حکایۃ" ہے۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ چیز فی الحال سنی جا رہی ہے۔ اللہ کے کلام میں حرف وصوت ہوتے ہیں اور وہ سنا جاتا ہے اور غیر مخلوق ہے۔ مگر گمراہ لوگ اسے مخلوق کہتے ہیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ﴾ نافرمانوں سے سزا کو موخر کرتا ہے اور اس امہال (مہلت دینا) میں حکمت یہ ہے تا کہ ان کو معذرت پیش کرنے اور توبہ کرنے کا موقع مل جائے۔

Scanned by CamScanner

﴿اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ دنیا معین و محدود ہے۔

﴿اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾ "الایمان ھو الاقرار المستلزم للقبول والاذعان"

"کان ابو طالب مُقِراً لکنہ لم یقبل ولم یذعن فصار کافراً" ایمان اس اقرار کو کہتے ہیں جس کے لیے قبول اور یقین لازم ہیں، ابو طالب کو یہ اقرار تھا لیکن ان کے پاس قبول اور یقین نہیں تھا۔ اس لیے وہ کافر ہی رہے۔ ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لائیں لیکن ہمارے اوپر ان کی اتباع واجب نہیں بلکہ ہم اپنی شریعت پر عمل کریں گے اگرچہ پہلی شریعتوں کے خلاف ہو۔

ان کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایمان لائیں کہ وہ سب کتابیں برحق تھیں۔ رہا اتباع کا مسئلہ تو اتباع صرف شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہوگی۔

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ﴾ معمول "لِذٰلِكَ" کو مقدم کیا تا کہ توحید کی عظمت و اہمیت پر دلالت کرے دوسرے یہ کہ توحید کی طرف دعوت دینا واجب ہے۔

﴿وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ "فلا یحدث فی دین اللہ ما لیس منہ" ۔ دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد نہ کرے جو دین میں نہیں ہو۔

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اتباع ھویٰ سے منع کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ھویٰ کی اتباع مطلق مذموم ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر ھویٰ موافق شریعت ہے تو محمود ہے۔

"حتّٰی یکونَ ھواہُ تَبَعاً لما جئتُ بہ" : یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر شریعت کے خلاف ہے تو مذموم ہے۔

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ وہ کافروں کا بھی رب ہے۔ لیکن اس کی طرف نسبت کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا، "رب الکافرین کذا" (کافروں کا رب اس طرح ہے)

﴿اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ لطیف بعبدہ اور لطیف لعبدہ بھی ہے۔

﴿لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ﴾ کا مطلب ہے اللہ اس پر نرمی کرتا ہے اور اس کے لیے معاملے کو آسان کرتا ہے۔

﴿لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ﴾ وہ تمام چیزیں اس کے لیے مقدر کرتا ہے جن کے اندر نرمی ہو۔ اللہ اپنے تمام بندوں پر لطیف ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو لیکن نیک کے ساتھ اس کا لطف خاص ہے اور فاجر اور برے آدمی کے ساتھ اس کا لطف عام ہے۔ مگر فاجر کے ساتھ یہ لطف آزمائش اور امتحان کے طور پر ہوتا ہے۔

﴿وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ﴾ قوی، ضعیف کی ضد ہے۔ یعنی وہ قوت کاملہ کا مالک ہے، جسے کمزوری لاحق نہیں ہوتی۔

اب ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ کیا ہمارے پاس قوت کاملہ ہے؟ جواب۔ نہیں ہے۔

﴿الْعَزِيْزُ﴾ "ارض عَزَاز" ایسی سخت زمین کو کہتے ہیں جس میں پھاوڑے کام نہ کر سکیں۔

Scanned by CamScanner

"عِزّ" کے تین معانی ہیں:

(۱) عزۃ القدر

(۲) عزۃ القهر

(۳) عزۃ الامتناع

ایک آدمی کے پاس گھوڑے کی طاقت ہوتی ہے لیکن وہ غالب نہیں ہوتا بلکہ بزدل ہوتا ہے۔ اور جب قوت اور غلبہ دونوں جمع ہوجائیں تو سلطان (غلبہ) مکمل ہوجاتا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْن﴾

توبہ کی پانچ شرطیں ہیں:

(۱) الاخلاص للہ:

اخلاص: اللہ کے خوف سے توبہ کرے دنیا مقصود نہ ہو۔

(۲) الندم علی ما فعل:

الندم: افسوس کرے کہ یہ گناہ اس سے ہوا۔

(۳) الاقلاع عنہ:

الاقلاع: اگر حرام فعل تھا تو اس سے اجتناب کرے اور اگر واجب سے متعلق تھا تو اس کو کرے۔

(۴) العزم علی الا یعود:

العزم: توبہ کرے مگر متردد رہے کہ اگر آگے اس گناہ کا موقع میسر آیا تو کرے یا نہ کرے تو یہ توبہ صحیح نہیں۔

(۵) ان تکون التوبۃ قبل غلق ابواب التوبۃ:

غلق الابواب: موت کے حاضر ہونے سے قبل اور سورج کے مغرب سے نکلنے سے قبل۔

﴿يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾ "فکل ما خالف الشرع فھو سیئۃ": جو بھی عمل شریعت کے خلاف ہو وہ سیئۃ ہے۔

اس آیت میں کئی باتیں ہیں:

(۱) اللہ توبہ کو قبول کرتا ہے۔

(۲) اللہ ابھار رہا ہے کہ ہم توبہ کریں یہ اللہ کی رحمت ہے۔ نیز عباد کی اضافت ضمیر غائب "ہ" کی طرف اللہ کی مہربانی ولطف کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ چونکہ وہ اس کے بندے ہیں اس وجہ سے ان کے ساتھ نرمی، عفو اور قبولیتِ توبہ کا معاملہ کر رہا ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ توبہ سے بندے کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔

﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ "اٰمَنُوْا ای آمنوا بقلوبھم" آمنوا کا مطلب ہے کہ وہ اپنے دل سے ایمان لائے۔

Scanned by CamScanner

﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کا مطلب ہے "عملوا الصلحت بجوارحھم" انہوں نے اپنے اعضاء سے نیک عمل کئے۔ ایمان اور عمل صالح دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں تو جو حقیقت میں ایمان لائے گا وہ قطعی طور پر عمل صالح کرے گا۔

"ولا یکون العمل صالحاً الا اذا وافق الشریعۃ فی امور ستۃ":

اور عمل اس وقت تک صالح نہیں ہوسکتا جب تک وہ چھ امور میں شریعت کے موافق نہ ہو۔

(۱) السبب (۲) الجنس (۳) القدر (۴) الکیفیۃ (۵) الزمان (۶) المکان

(۱) السبب: کسی معین سبب کی وجہ سے مشروع ہو۔ لیکن اگر کوئی انسان کسی اور سبب سے وہ عمل کرتا ہے تو وہ عمل صالح نہیں ہوگا اور قبول نہیں کیا جائے گا۔

مثال: جب کوئی شخص آپ کو خوشبو پیش کرے اور آپ کہیں "اللھم صل علی محمد" یہ عمل صالح نہ ہوگا۔ اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ تو درود ہے پھر یہ عمل صالح کیوں نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کیونکہ نبی کا یہ طریقہ نہیں کہ جب کوئی خوشبو دے تو آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور نہ آپ نے اپنی امت کو حکم دیا اور جیسے کسی کو ڈکار آئے اور وہ الحمد للہ کہے کیونکہ یہ شریعت کے مطابق نہیں ہے۔

(۲) الجنس: جیسے کسی نے گھوڑے کی قربانی کی حالانکہ وہ بکری سے زیادہ قیمتی ہے لیکن یہ اضحیہ (قربانی) نہیں مانی جائے گی کیونکہ قربانی "بھیمۃ الانعام" کی ہوتی ہے اور گھوڑا "بھیمۃ الانعام" کی جنس سے نہیں ہے۔

(۳) القدر: اگر کوئی شخص نماز میں ایک رکعت زیادہ کردے تو یہ عمل صالح نہ ہوگا۔

(۴) الزمان: زمانے میں شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کردے تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوگی۔

(۵) المکان: مکان میں شریعت کے مطابق ہو جیسے کوئی انسان مسجد کے علاوہ اپنے گھر میں اعتکاف کرے تو اعتکاف صحیح نہ ہوگا۔

(۶) الکیفیۃ: ہیئت صورت اور کیفیت میں شریعت کے مطابق ہو جیسے وضو میں کوئی شخص چہرہ پہلے دھل لے اور دونوں ہاتھ بعد میں دھلے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

﴿ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ اگر اللہ تمام بندوں کے لیے رزق کو کشادہ کردے تو عالم کا نظام درہم برہم ہوجائے۔ کیونکہ اگر یہ تفاوت نہ ہو تو کوئی کسی کی خدمت نہ کرتا، جیسے سب ایک جیسے مالدار ہوجاتے تو بے نیازی کی وجہ سے کوئی کسی کا کام نہ کرتا۔ اور رزق کی کشادگی، ظلم وطغیان کا سبب ہے۔ جیسے اللہ نے ارشاد فرمایا ﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى. اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴾ ہرگز نہیں، بیشک انسان سرکشی کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴾ بارش نازل کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور بارش کے نزول کا مقصد شدت کا زائل کرنا ہے اور جب کوئی مصیبت آئے تو مایوس نہ ہو

Scanned by CamScanner

جیسے کوئی مصیبت آن پڑے اور آدمی اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ اس کا ختم ہونا ناممکن ہے تو یہ قنوط (مایوسی) ہے لیکن اگر اپنے دل میں یہ سمجھے کہ اس کا ازالہ مخلوق سے ممکن نہیں تو یہ حق ہے۔ اس لیے کہ بہت سے امراض، انسان دور نہیں کر سکتا مگر اللہ کے حکم سے زائل ہو جاتے ہیں۔

قنوط اور یاس میں فرق:

انتہائی درجے کی مایوسی کو قنوط کہتے ہیں۔ یأس (مایوسی) میں امید کی معمولی کرن ہوتی ہے مگر قنوط میں امید کی کوئی کرن نہیں ہوتی۔

﴿اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾

کشتیوں کی بہ نسبت ہوا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) موافق ہوا۔

(۲) طوفانی ہوا۔

(۳) ساکن ہوا جو کشتی کو سطح آب پر ٹھہرا دیتی ہے۔

﴿یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا﴾ مجادلۃ اگر حق کے اثبات اور باطل کے ابطال کے لیے ہو تو محمود ہے اور وہ مجادلہ جس کا مقصد فریق مخالف پر غلبہ پانا ہے تو مذموم ہے۔

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے ایک دن وہ اپنی سواری پر گذرے جسے گھوڑے کھینچ رہے تھے تو ایک یہودی نے سواری رکوا کر کہا کہ تم اپنے نبی کی اس حدیث "ان الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر" کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ تم مومن ہو اور اس نعمت میں ہو اور میں یہودی ہوں اور اس پریشانی میں ہوں۔ تو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ "جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں، میں نعمت میں نہیں ہوں بلکہ قید خانہ میں ہوں کیونکہ آخرت بہتر ہے اور یہ کچھ بھی نہیں ہے اور تم جو اتنی پریشانی میں ہو یہ پریشانی عذاب جہنم کے مقابلے میں جنت ہے۔ تو یہودی نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

﴿یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ﴾

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ عنہ نے کہا "ان الکبیرۃ ما رُتِّب علیہ عقوبۃ خاصۃ" جس پر شریعت میں کوئی مقرر سزا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

قاعدہ: کسی شئے کی سببِ معلوم کی طرف نسبت جائز ہے، لیکن اللہ کے ساتھ واؤ نہیں لگایا جائے گا جیسے کوئی کہے "لولا اللہ وفلان لغرقتُ" یہ جائز نہیں اور اگر کہے "لولا اللہ ثم فلان لغرقت" یہ جائز ہے۔ ایک آدمی دریا میں ڈوب رہا تھا ایک آدمی نے اسے نکال لیا تو وہ ڈوبنے والا یہ کہہ سکتا ہے "لولا فلان لغرقت" یہ جائز ہے کیونکہ اس نے سبب معلوم کی طرف نسبت کی اور اگر کوئی کہے: "لولا اللہ ففلان لغرقت" تو جائز ہے کیونکہ تم نے فلاں کو اللہ کے بعد کیا اور اس کا متراخی یا

Scanned by CamScanner

متعاقب ہونا دوسری چیز ہے۔ ہاں واؤ کو اللہ کے ساتھ نہیں جوڑ سکتے کیونکہ واؤ تسویہ (برابری) کے لیے آتا ہے۔

﴿فَرِحَ بِهَا﴾ "الفرح لذة فی القلب بادراک المحبوب" محبوب کا تصور کر کے دل میں جو لذت حاصل ہوتی ہے اسے فرح کہا جاتا ہے۔ فرح کی دو قسمیں ہیں:

(۱) "فرح اَشَرَو بَطَر" (تکبر کی خوشی)

(۲) "فرح بنعمة اللہ مع التزام شریعة" (شریعت کے التزام کے ساتھ اللہ کی نعمتوں پر خوشی) پہلا مذموم دوسرا ممدوح ہے۔

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾

الهبة "هی العطیة بلاعوض" کسی چیز کو مفت دے دینا "هبة" کہلاتا ہے۔ اللہ نے اولاد کو "هبة" سے موصوف کیا ہے کیونکہ انسان کی یہ طاقت نہیں کہ انہیں پیدا کر سکے یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔

خلق اور ایجاد میں فرق:

عدم سے وجود میں لانا ایجاد ہے اور خلق عن تقدیر "اندازے سے پیدا کرنا" خلق ہے۔

نکتہ: ﴿اِنَاثًا﴾ کو نکرہ اور ﴿الذُّكُوْرَ﴾ کو معرفہ کیوں لایا گیا؟ کیونکہ ﴿عند الناس﴾ (لوگوں کے نزدیک) لڑکا لڑکی سے زیادہ اشرف ہے، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ﴿اِنَاثًا﴾ کو پہلے اور ﴿ذُكُوْرَ﴾ کو بعد میں لایا گیا۔

مونث کو مذکر پر مقدم کیا:

کیونکہ انسان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی اولاد لڑکا ہو تو اللہ نے اناث کو مقدم کر کے یہ اشارہ کیا کہ یہ معاملہ صرف اللہ کے ہاتھ ہے نہ جیسا انسان چاہتا اور خواہش کرتا ہے۔

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ﴾

نکتہ: "ان مشیئة اللہ لیست مشیئة مجردة بل هی مقرونة بالحکمة" اللہ کی مشیت محض مشیت نہیں بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

علو ذات اور علو صفات کا مطلب:

"علو الذات فهو إنه سبحانه تعالیٰ فوق کل شئی" علو ذات کا مطلب ہے کہ اللہ ہر چیز کے اوپر ہے۔

"علو الوصف فهو أن جمیع صفاته علیا لیس فیها نقص بوجه من الوجوه" علو صفات کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام صفات بلند ہیں اور ان میں کسی بھی طریقے سے نقص نہیں ہے۔

❁❁❁

Scanned by CamScanner

سورۃ الزخرف (مکیۃ)

اَوَمَنۡ يُّنَشَّؤُا فِى الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِى الۡخِصَامِ غَيۡرُ مُبِيۡنٍ ﴿۱۸﴾

کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی) بیٹی ہو سکتی ہے؟ (۱۸)

اس آیت میں چار باتوں کی طرف اشارہ ہے:

(۱) عورتیں ناقص ہیں اسی لیے وہ زیور کی محتاج ہیں، زیور کو بیان کیا جو کمزوری اور ناتوانی کی دلیل ہے۔

(۲) بحث کے موقع پر وہ اپنی دلیل کو وضاحت کے ساتھ نہیں پیش کر سکیں۔

(۳) اس کی زینت اور آرائش اس کے شوہر کیلئے ہے۔

(۴) میدان جنگ میں اسکو قرار و ثبات نہیں ہوتا۔

عرب بیٹیوں کی پیدائش باعث عار سمجھتے تھے اس لیے انہیں قتل کر ڈالتے تھے، کیونکہ وہ میدان کارزار میں کام نہیں آ سکتی تھیں اور مجالس میں سیف لسانی سے کام لیں، ان سے یہ بھی حاصل نہیں تھا اور شرم و لحاظ کی وجہ سے خوب خوب بات نہیں کر سکتی تھیں اس سے ثابت ہوا کہ مرد کے لیے زنانہ تجمل و آرائش مذموم ہے عورت آرائش میں پرورش پاتی ہے۔

وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو نہ پوجتے ان کو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ (۲۰)

﴿وَقَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ﴾

مشرکین کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ ہم فرشتوں کو دیویاں سمجھ کر پرستش کریں، حالانکہ مشیت اور چیز ہے اور رضا اور چیز۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں ''یہ سچ ہے کہ بن چاہے اللہ تعالیٰ کے کوئی چیز نہیں، پر اس کا بہتر ہونا نہیں نکلتا، اسی نے

قوت پیدا کیا اور زہر بھی، پر زہر کون کھاتا ہے؟

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾

یا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی تو یہ اس سے سند پکڑتے ہیں؟ (۲۱)۔ بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ (۲۲)

﴿أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ﴾

اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کے جاننے کا قابل وثوق ذریعہ اس کی کتابیں اور اس کے نبیوں کی تعلیمات ہیں، تو کیا اس قرآن سے پہلے ان کو کوئی کتاب دی جس کو وہ سند کے طور پر پیش کر سکتے ہوں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو کس سند پر دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے؟ اس سے مشرکین کے کلامی دلیل کی تردید ہوئی، مشرکین کی روایتی دلیل یہ ہے کہ ان کے اعتماد کی بنیاد تقلید آباء پر ہے، جس کا تعلق عقل کی بجائے مجرد جذبات سے ہے، اور ہر دور کے اشرار نے اس ہتھیار سے فائدہ اٹھایا ہے تاکہ عوام کے جذبات بھڑکا کر مصلحین کی مساعئ اصلاح کو ناکام بنائیں۔

قُلْ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾

پیغمبر نے کہا کہ اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ جس رستے پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہ اس سے کہیں سیدھا رستہ دکھاتا ہے کہنے لگے کہ جو (دین) تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔ (۲۴)

﴿قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾ اپنے بزرگوں کی تقلید میں پیغمبروں کی بات کو ٹھکرا دیا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ (۲۶)

ابراہیم علیہ السلام نے ﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ﴾ کہا، جب تمہارے پیشوا نے باپ کی راہ، غلط دیکھ کر چھوڑ دی تو تم بھی وہی کرو۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے، تو تم بھی وہی کرو۔

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

Scanned by CamScanner

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔(۳۲)

﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ معیشت کی تقسیم میں تفاوت اس وجہ سے ہے کہ اگر سب لوگ یکساں ہوتے تو کوئی کسی کو نہ پوچھتا، اگر سب افلاطون کا دماغ لے کر آتے تو سب فلسفی ہو جاتے پھر کاشتکار، تاجر، معمار، کاریگر کہاں سے آتے؟

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ﴾ اس میں اشتراکیت کا رد ہے، کہ جب انسان کی صلاحیتوں میں تفاوت ناگزیر ہے تو ان کے فرائض میں بھی تفاوت لازمی ہوگا، آمدنی اسی فرائض پر موقوف ہے لہٰذا آمدنی میں بھی تفاوت ناگزیر ہے، اگر سب کی آمدنی برابر کر دی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو عدل نہیں ہو سکتا۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ سے انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے ہیں۔(۳۳)

اگر دنیوی مال و دولت کا دیا جانا قربِ الٰہی کی دلیل ہوتا تو ایک خاص مصلحت (عموماً سارے لوگ کافر ہو جاتے) اگر مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، سیڑھیاں، دروازے اور چوکیاں (چارپائیاں) سب چاندی کی بنا دیتا۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور (لوگو!) تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔(۴۴)

﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ﴾ ذکر کا مطلب ہے یاددہانی اور یاددہانی اسی چیز کی ہوتی ہے جو پہلے بھی کہی گئی ہو، آج آپ کسی کو پہلی مرتبہ خط لکھیں اور کہیں کہ تم کو یاددہانی کے طور پر خط لکھ رہا ہوں تو وہ خط یاددہانی نہیں ہوگا، یاددہانی اسے کہتے ہیں کہ پہلے آپ نے ایک خط لکھ کر بھیجا ہو، اب اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) وہ خط گم ہو جائے۔

(۲) جس کو خط بھیجا گیا ہے، وہ اس پر عمل کرنا بھول جائے۔

(۳) خط میں تحریف کر دی گئی ہو، اگر پہلا خط ان تمام چیزوں سے محفوظ ہو تو یاد دہانی کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی، اس لیے ذکر (یاددہانی) کے لفظ میں یہ مفہوم پوشیدہ ہے کہ پہلے جو پیغام بھیجا گیا تھا یا تو وہ گم ہو گیا یا اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا یا اس میں ملاوٹ کر دی گئی۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾

وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔ (۵۹)

ایک ہے عیسیٰ علیہ السلام "ابن اللہ" (اللہ کا بیٹا) کہنا، ایک ہے "عبد اللہ" (اللہ کا بندہ) کہنا، اور ایک ہے "عبدِلله" یعنی اللہ اور عبد کے درمیان "لام" کی فصل لانا، ایک ہے "اِن" نافیہ کے بعد "اِلا" سے لفظ "عبد" نکرہ کو لانا جیسا کہ آیت کریمہ ﴿إِنْ هُوَ إِلاَّ عَبْدٌ﴾ کہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ کے ایک بندے ہی ہیں کچھ اور نہیں۔
اور سورۃ النساء کی آیت ﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْداً لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ﴾ کہ عیسیٰ کو اس پر بھی عار نہیں کہ انہیں اللہ کا ایک عام بندہ کہا جائے اور جہاں تک ان کے بغیر باپ پیدا ہونے کا معاملہ ہے تو اللہ کے مقرب فرشتے تک بغیر ماں باپ کے پیدا کیے گیے ہیں اس کو بھی بندہ ہونے اور کہے جانے سے عار نہیں تو عیسیٰ کو کیوں عار ہونا چاہیے۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے)۔ (۶۷)

دنیا اور آخرت کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔

نکاتِ سورۂ زخرف

﴿لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ قرآن بلند ہے اور جو اس کو تھام لے اس کے لیے بلندی ہے اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ جو قرآن کے ذریعے بحث کرے گا وہ غالب رہے گا۔
﴿نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ سماء کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ (۱) العلو۔ بلندی (۲) محفوظ چھت۔ آسمان سے بارش قطرہ قطرہ اترتی ہے، ورنہ زمین تباہ ہو جائے، اور گھر ڈھ جائیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بارش آسمان دنیا سے نازل نہیں

ہوتی بلکہ آسمان وزمین کے درمیان بادلوں سے نازل ہوتی ہے، بارش سے زمین کو زندگی ملتی ہے۔

﴿جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ اگر زمین سخت ہوتی تو ہم اس میں کھیتی نہ کر پاتے اور اس سے فائدہ نہ اٹھا پاتے اور اگر بالکل نرم ہوتی تب بھی ہم فائدہ نہ اٹھا پاتے کیونکہ اس میں ہمارے قدم دھنس جاتے، جس طرح بارش سے زمین زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح تم بھی زندہ کئے جاؤ گے، یہ قیاس "المعقول علی المحسوس یا قیاس الغائب علی الحاضر" ہے۔ اس سے قیاس کا ثبوت بھی ملا اور یہ کہ قیاس بھی دلیل ہے، یہ دلیل عقلی ہے جو دلیل سمعی سے ثابت ہے اور دلیل سمعی کتاب وسنت ہیں۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا﴾ انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرے کہ اس نے کشتیوں اور جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور "سبحان" کا لفظ آیت کے شروع میں اس لیے لایا گیا کہ انسان ناقص ہے اسے سواریوں کی ضرورت ہے، مگر اللہ تعالیٰ ضرورتوں سے منزہ ہے۔

﴿اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ﴾ عورت کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے اسے آراستہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ حسین لگے، اللہ تعالیٰ مشرکین کو ملامت کر رہا ہے کہ تم ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہو تو تم اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز کو اختیار کرتے ہو جو قول وفعل دونوں میں ناقص ہے، اور تم اپنے لیے کامل اختیار کرتے ہو۔ عورت کو اگر سیاسی میدان وغیرہ میں کامیاب ہوتی ہے تو مردوں کی مدد سے کامیاب ہوتی ہے، لہٰذا جو عورتوں کو مردوں کے برابر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ فطرت کی مخالفت کر رہے ہیں، ساتھ ساتھ شریعت کی بھی مخالفت کر رہے ہیں۔

﴿وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ﴾ بحث کے وقت مغلوب ہو جاتی ہے۔ "لا تکمل بذاتها۔ القاصرة فی مقالها وفعالها"۔ عورت اپنی ذات میں کامل نہیں، اور اپنے قول وفعل میں بھی قاصر ہے۔

﴿اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ﴾ مشرکین کو کیسے علم ہوا کہ فرشتے بیٹیاں ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ جب ان کی تخلیق کر رہا تھا تو وہ وہاں حاضر تھے؟

نکتہ عجیبہ: ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ تقدیر سے احتجاج کرنے والے کے پاس علم نہیں ہے۔

سوال: یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ اسے علم نہیں؟ اسے تو یہ علم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا ہے؟

جواب: وقوع کے بعد اسے علم ہوا ہے، وقوع سے پہلے اسے علم نہیں، تو یہ اس کے لیے حجت نہیں بن سکتا کیونکہ حجت، دلیل ہوتی ہے اور دلیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مدلول سے پہلے ہو، تو مشرکین کا علم لاحق ہے سابق نہیں۔

﴿اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ عربوں پر پہلی جو کتاب نازل ہوئی وہ قرآن ہے اور وہ آخری کتاب ہے کیونکہ عرب سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی رسول نہیں ہوا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ہے ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (البقرۃ:۱۲۹) اے

Scanned by CamScanner

ہمارے رب! تو ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے، اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا عرب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اور رسول ہوا؟ تو جواب یہ ہے کہ سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی رسول نہیں ہوا۔

﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ پہلے انہوں نے قدر (تقدیر) سے استدلال کیا پھر قُدوہ (رہنما) سے استدلال کیا۔

"أُمَّة" کے کئی معنی ہیں:

(۱) امام۔ ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ (النحل:۱۲۰)

(۲) وقت۔ ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (یوسف:۴۵)

(۳) طائفۃ من الناس۔ ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ (النحل:۳۶)

(۴) دین۔ ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾ (الزخرف:۲۲) "ای علیٰ ملة"

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ﴾ اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کرتا اور نعمتوں کی قدر نہ جانی جاتی، جیسے اگر جنون (پاگل پن) نہ ہوتا تو عقل کی قیمت نہ معلوم ہوتی اور اگر مرض (بیماری) نہ ہوتا تو صحت کی قدر نہ جانی جاتی۔

﴿سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ﴾ چونکہ کافروں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ مومن، کفر میں مبتلا ہو جاتا تو ہم ان کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے، نیز ان کے گھر اور دروازے چاندی کے بنا دیتے، یہاں تک کہ ان کی چارپائیاں بھی چاندی کی بنا دیتے یا ان پانچوں چیزوں کو سونے کی بنا دیتے۔

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ﴾ "یعش أی یتعامی" یعنی وہ "أعشی" (رتوندھی والا) کی طرح ہے جو دن میں دیکھتا ہے مگر رات کو نہیں دیکھ پاتا۔ اور "ذکر" سے مراد قرآن ہے اور رحمٰن اس لیے لایا گیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کا دل رحمٰن کے ذکر اور اس کی عظمت سے خالی ہو تو ہم اس کے ساتھ شیطان کو لگا دیتے ہیں، اور پھر وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے پڑ کر تباہ ہو جاتا ہے۔

﴿نُقَيِّضْ﴾ ای نُهَيِّئ ہم مہیا کرتے ہیں، اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور پھر وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

﴿يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ﴾ اور جب یہ دونوں قیامت میں آئیں گے تو ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

﴿فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ اس سے معلوم ہوا تھوڑی دیر کسی برے آدمی کے ساتھ بیٹھے تو متاثر ہونے کا امکان ہوتا ہے اور اگر ساتھی بن جائے تو متاثر ہونا یقینی ہے۔

﴿بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ قرآن میں مشرق کبھی واحد آتا ہے کبھی تثنیہ اور کبھی جمع آتا ہے، مشرق اگر واحد آئے تو جہت (سمت) مراد ہوتی ہے اور سمتیں چار ہیں، مشرق، مغرب، شمال، جنوب، تثنیہ آئے تو اس سے مراد جاڑے اور گرمی کے مشرق

اور مغرب، جمع آئے تو مشارق الشمس مراد ہوتے ہیں کیونکہ ہر دن سورج کا ایک مشرق ہوتا ہے۔

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ صراط الطریق الواسع المستقیم (وسیع اور سیدھا راستہ) کو کہتے ہیں۔ جو راستہ تنگ ہوا سے صراط نہیں کہتے۔ اسی طرح راستہ ٹیڑھا میڑھا ہو تب بھی اسے صراط نہیں کہتے۔

﴿وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ﴾

یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ آپ تمام رسولوں سے پوچھ لیجئے کہ ان میں سے کون ہے جو شرک کو جائز کہتا ہے؟

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے تمام نبیوں سے سوال کر سکتے تھے جب کہ تمام رسل آپ سے پہلے ہیں؟

جواب: یہ عربی زبان کا اسلوب ہے کہ اگر آپ بفرض محال سوال کریں تو جواب ''ہاں'' میں نہیں بلکہ ''نہیں'' میں آئے گا، یہ مشرکین کے لیے ایک قسم کا چیلنج ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء اور رسل توحید پر متفق تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام انبیاء لوگوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور اصلاح خلق ممکن نہیں جب تک وہ توحید کی راہ پر گامزن نہ ہوں۔

﴿مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ متاع (توشہ) جسے مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے یعنی دنیا میں انسان کی حیثیت مسافر کی سی ہے، دو باتوں میں ایک بات تو طے ہے تم مر جاؤ گے اور دنیوی عیش کو چھوڑ دو گے یا تم زندہ رہو گے اور دنیوی عیش تمہیں چھوڑ دے گا، یعنی یا تو تم دنیا کو چھوڑ دو گے یا دنیا تمہیں چھوڑ دے گی۔

﴿اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ آدمی کی فطرت ہے کہ جب وہ تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے اور دوسرے کو بھی اسی تکلیف میں مبتلا دیکھتا ہے تو وہ تکلیف اس کے لیے آسان ہو جاتی ہے اور اسے تھوڑی تسلی مل جاتی ہے، مگر قیامت میں جہنمی عذاب میں مشترک ہوں گے لیکن ان کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا نہ ان کو تسلی ملے گی نہ ان کی مصیبت ہلکی ہو گی۔

﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ﴾ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمسک بالوحی (وحی کو مضبوطی سے پکڑنا) پر ابھارا گیا تو ہم کو تو بدرجہ اولیٰ وحی کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے۔

﴿اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ وہ شریعت جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے وہ صراط مستقیم ہے جس کے اندر کوئی کجی نہیں۔

سورة الدخان (مكية)

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ﴿٣﴾

کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم تو رستہ دکھانے والے ہیں۔ (۳)

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ﴾

بڑے عظیم القدر نے لیلۃ القدر میں قرآن کو نازل کیا ہے، اس رات میں ایک سال کے حوادث، ان کے مدبر کارکن ملائکہ پر ظاہر کر دیئے جاتے ہیں، نزول قرآن کا مقصد ﴿إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾ ہے تاکہ ہم ان کو وارننگ دے دیں۔ یہ رات اتنی عظیم الشان ہے کہ اس میں اللہ نے ایک ساتھ بے شمار برکتوں کو جمع کر دیا ہے۔ (القرآن مبارک ونزل فی لیلة مبارکة وفی شهر مبارک ومکان مبارک ونزل به اکثر الملائکة برکة (جبریل) علی اکثر البشر برکة (نبی صلی اللہ علیه وسلم) وواهب لبرکات کلها هوالله جل جلاله) قرآن برکت والا ہے اور برکت والی رات (لیلۃ القدر) میں اترا ہے، بابرکت مہینے (رمضان) میں اترا ہے، مبارک جگہ (مکہ) میں اُترا ہے سب سے زیادہ برکت والے فرشتے (جبرئیل) کے ذریعے سب سے بابرکت انسان (محمد ﷺ) پر اُترا ہے، اور اس ہستی نے اس قرآن کو اُتارا ہے جو تمام برکتوں کا عطا کرنے والا ہے اور وہ اللہ جل جلالہ ہے، لہٰذا مومن کو چاہئے کہ اس رات کی برکتوں کو حاصل کرے تاکہ دنیا وآخرت کی برکتوں سے مالا مال ہو سکے۔

﴿لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ﴾ سے مراد رمضان کی شب قدر ہے، اس کے بابرکت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات قرآن نازل ہوا، دوسرے اس میں فرشتوں اور روح الامین کا نزول ہوتا ہے، نیز اس میں پورے سال ہونے والے تمام واقعات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، جیسے موت کا، حیات کا اور وسائل زندگی کا فیصلہ، بعض لوگوں نے لیلۃ مبارکۃ سے پندرہویں شعبان کی رات مراد لی ہے جو بالکل غلط ہے۔

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٦﴾

(یہ) تمہارے پروردگار کی رحمت ہے وہ تو سننے والا جاننے والا ہے۔ (٦)

Scanned by CamScanner

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ تیرے رب کی حکمت کا مقتضا یہی تھا کہ بندوں کو ورطۂ ضلالت (گمراہی کا بھنور) سے نکالے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے (وہی) تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا پروردگار ہے۔(۸)

﴿رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ کا مفہوم ہے کہ وہ جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی تربیت بھی کرتا ہے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝

لیکن یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں۔(۹)

﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ﴾ اس مختصر فقرہ میں ایک بڑی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دہریے کا دل بھی یہ شہادت دے گزرتا ہے کہ کائنات کا حکمت سے لبریز نظام، صانعِ حکیم کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا، اس قلبی شہادت کا نتیجہ نہ تو یہ ہوتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین ہو جائے نہ یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنی دہریت پر کامل یقین حاصل رہے۔ اس کی بجائے اس کا دین درحقیقت شک پر قائم ہوتا ہے، رہا یہ سوال کہ یہ شک اس کے اندر بے چینی کیوں نہیں پیدا کرتا؟ اور وہ سنجیدگی کے ساتھ حقیقت کی جستجو کیوں نہیں کرتا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں اصل اہمیت دنیا کی ہوتی ہے، رہا مذہب کا مسئلہ تو وہ اس کے لیے ایک کھیل ہے، اس لیے وہ سنجیدگی سے اس پر چند لمحے بھی غور و فکر نہیں کر پاتا۔

وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں۔(۱۹)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھے صرف پیغام پہنچانے کی ہدایت کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو سیدھے مان لو، اگر تم نے سرکشی کی تو یہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ ہوگی بلکہ اصلاً اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی ہوگی۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝

پھر ان پر نہ تو آسمان کو اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔(۲۹)

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ﴾

عن سعيد بن جُبير رحمه الله، قال: أتى ابن عباس رجل، فقال: يا أبا عباس أرأيت قول الله تبارك وتعالى

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ﴾ فهل تبكي السماء والأرض على أحد؟ قال: نعم إنه ليس أحد من الخلائق إلا له باب في السماء منه ينزل رزقه، وفيه يصعد عمله، فإذا مات المؤمن فأغلق بابه من السماء الذي كان يصعد فيه عمله، وينزل منه رزقه، بكى عليه؛ وإذا فقده مُصَلاه من الأرض التي كان يصلي فيها، ويذكر الله فيها بكت عليه، وإن قوم فرعون لم يكن لهم في الأرض آثار صالحة، ولم يكن يصعد إلى السماء منهم خير، قال: فلم تبك عليهم السماء والأرض۔ (تفسیر طبری)

ایک آدمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا زمین وآسمان کسی پر روتے ہیں؟ فرمایا، ہاں۔مخلوقات میں کوئی ایسا نہیں جس کے لیے آسمان میں دروازہ نہ ہو، جہاں سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور اس کا عمل چڑھتا ہے، جب مومن فوت ہوجاتا ہے تو آسمان میں وہ دروازہ بند ہوجاتا ہے تو اس پر آسمان روتا ہے، اور جب زمین اپنے نمازی سے محروم ہوجاتی ہے تو وہ روتی ہے، قوم فرعون میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس پر آسمان وزمین روتے، قوم فرعون ایمان سے محروم تھی اس وجہ سے بالکل بے وزن اور بے حقیقت تھی، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر وزن، ایمان سے پیدا ہوتا ہے، ایمان نہ ہو تو اس کی حیثیت خس وخاشاک کی طرح ہے جسے ہوا کا ہر جھونکا جدھر اُڑا کر لے جانا چاہے لے جاسکتا ہے، اسی طرح بے ایمان شیطانی دام فریب اور خواہشات کے جال میں پھنسا چلا جاتا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ (یعنی ایک بار) مرنا ہے اور (پھر) اٹھنا نہیں۔ (۳۵) پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔ (۳۶) بھلا یہ اچھے ہیں یا تُبّع کی قوم اور وہ لوگ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان (سب) کو ہلاک کر دیا بیشک وہ گنہگار تھے۔ (۳۷)

﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ . فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

ہماری پہلی موت کے سوا اور کچھ نہیں اور ہم اس کے بعد زندہ نہیں کیے جائیں گے، پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ، اس آیت میں اشارہ ہے کہ مشرکین کی یہ واحد دلیل ہے جس پر ان کو بڑا ناز ہے، لیکن اس کی لغویت اتنی واضح ہے کہ تبصرہ کی ضرورت نہیں، یمن کے تبابعہ کی مادی شوکت وعظمت کی عرب میں بڑی شہرت تھی، قرآن نے قریش کے مذکورہ مطالبہ کے جواب میں یہ سوال کیا کہ بتاؤ عظمت وشان میں یمن کے تُبّع برتر تھے یا تم؟ اگر وہ برتر تھے تو اس برتری کے باوجود انہیں تباہ وبرباد کیوں کیا گیا؟

Scanned by CamScanner

﴿اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ﴾ تقریر استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون مجازات (بدلے کا قانون) دنیا میں موجود ہے تو آخر ایک روز جزا وسزا کے بارے میں شک کیوں؟ یہ آخرت کے برحق ہونے پر اخلاقی استدلال ہے۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۳۹)

﴿مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ یہ اس کے اعتراض کا جواب ہے جو آخرت کا منکر ہے، وہ دراصل اس کارخانۂ عالم کو کھلونا سمجھتا ہے اور اس کے خالق کو ایک نادان بچہ، اسی بنا پر اس نے یہ رائے قائم کی ہے کہ انسان دنیا میں ہر طرح کے ہنگامے برپا کر کے ایک روز مٹی میں مل جائے گا اس کے اچھے برے کسی کام کا نتیجہ نہیں نکلے گا، حالانکہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کی نہیں بلکہ ایک خالق حکیم کی بنائی ہوئی ہے اور کسی حکیم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کار عبث کرے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾

بلاشبہ تھوہر کا درخت۔ (۴۳)

﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ﴾ زقوم کھانے کے بعد حال یہ ہوگا جیسے پیٹ میں پگھلی ہوئی دھات ابل رہی ہو۔

سورة الجاثية (مكية)

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

حٰم۔ (۱) اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب (اور) دانا (کی طرف) سے ہے۔ (۲) بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ (۳)

﴿اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

اگر زمین کدو کی طرح عمودی ہوتی تو ناقابل برداشت آندھیاں چلتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین کو 23.5 ڈگری کے جھکاؤ پر بنایا ہے، ورنہ ہوائیں، قطبین سے خط استواء اور وہاں سے واپس چلتی رہتیں، نیز زمین پر پہاڑوں کی کشیدہ کاری اس طرح کر دی ہے کہ سال کے ہر دن ہوا کا ایک نیا رخ پیدا ہوتا ہے اور ہوا ہر سمت سے چلتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کرۂ باد کو دو خصوصیتیں ایسی دی ہیں تا کہ گرم اور سرد مراکز میں درجۂ حرارت (ٹمپریچر) کا فرق ضرورت سے زیادہ نہ بڑھ جائے، پہلی

Scanned by CamScanner

خصوصیت Ozone Layer ہے جوضرورت سے زیادہ شمسی حرارت کو جذب کر لیتا ہے۔اوردوسری خصوصیت ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا کمبل جیسا اثر ہے جس کی وجہ سے وہ زمین کو خاص طور سے رات میں ٹھنڈا ہونے سے بچاتی ہے۔)

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝

اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے (ذریعہ) رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔(۵)

﴿وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾

رات اور دن، ایک خشک، ایک گرم، ایک پرسکون دوسرا پرشور، ایک تاریک اور ایک روشن، مگر انسان کی پرورش میں دونوں کے اندر زوجین (میاں بیوی) کی سی سازگاری پائی جاتی ہے، اگر یہ الگ الگ دومعبودوں کی ایجاد ہوتے تو ان کے اندر یہ سازگاری نہ ہوتی اور سازگاری نہ ہوتی تو کرۂ ارض کے باشندوں کی زندگی ناممکن ہوجاتی، رات اور دن کا اختلاف اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے کیونکہ دونوں پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، ایک روشن اور دوسرا تاریک ہوتا ہے، اور ایک مدت تک دن چھوٹا اور رات بڑی ہوتی ہے، پھر ایک وقت دونوں برابر ہوجاتے ہیں، پھر بتدریج دن بڑا اور رات چھوٹی ہوتی ہے۔

﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾

بارش آسمان سے ہوتی ہے مگر زندگی زمین کو ملتی ہے یعنی آسمان اور زمین دونوں میں ایک ہی ارادہ کارفرما ہے۔

﴿وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ﴾ ہر طرف سے آنے والی ہوائیں کرۂ ارض کے ہر مقام تک پہنچتی ہیں، یہاں تک کہ ہمارے شہر کی مسموم (زہر آلود) فضا بھی انہیں ہواؤں کی بدولت صاف رہتی ہے، اسی سے ضرورت کے مطابق برف جمتی اور پگھلتی ہے، اچھی ہوا شہر میں لاتی ہے اور خراب ہوا کو جنگل میں لے جا کر صاف کرتی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝۱۳

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔(۱۳)

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ﴾

دنیا میں ایک غلط فہمی یہ پائی جاتی تھی اور اب بھی پائی جاتی ہے کہ جو چیز نافع اور ضار ہو، وہ اپنے اندر ایک خاص قسم کی

Scanned by CamScanner

مافوق الفطرت اثر اور قوت رکھتی ہے، اور جو چیز ایسی ہو وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کو مقدس سمجھا جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔ انسانی تاریخ میں قرآن وہ کتاب ہے جس نے انسان کو یہ بتایا کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ انسان کے فائدے اور اس کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور جب آپ یہ جان لیں گے کہ کوئی چیز آپ کے فائدے کے لیے بنائی گئی ہے اور آپ اس کو ہر طرح استعمال کر سکتے ہیں تو آپ اس پر تحقیق شروع کر دیں گے، اسے تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں لے جائیں گے اور اس کے ٹکڑے کریں گے اور یہ قاعدہ ہے کہ تقدیس کے ساتھ تحقیق ممکن نہیں، جس چیز کے اردگرد تقدیس وتکریم کا ہالہ موجود ہو، اس کی تحقیق نہیں کی جاتی، قرآن نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ معبود صرف ایک ہے بقیہ کائنات کی ہر چیز عبد ہے۔

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (سورہ مریم: ۹۳)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کی زندگی اور موت یکساں ہوں گے؟ یہ جو دعوے کرتے ہیں بُرے ہیں۔ (۲۱)

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ قَالَ بَشِيرٌ: بِتُّ عِنْدَ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَامَ يُصَلِّي فَمَرَّ بِهَذِهِ الْآيَةِ فَمَكَثَ لَيْلَهُ حَتَّى أَصْبَحَ لَمْ يَعْدُهَا بِبُكَاءٍ شَدِيدٍ (قرطبی)

ربیع بن خثیم اس آیت کو نماز میں پڑھ رہے تھے اور رات بھر یہی آیت پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

نکتہ: اجترح، ارتکاب کے لیے استعمال ہوا ہے جس کے معنی ''کمانے'' کے ہیں، اسی سے جارحۃ بنا ہے اس لیے کہ جارحۃ، کی جمع جوارح ان اعضاء کو کہا جاتا ہے جن سے کمایا جاتا ہے، اسی طرح عربی میں کہا جاتا ہے ''فلان جارحة أهله'' فلاں اپنی فیملی کے لیے کمانے والا ہے، یعنی وہ گناہ کرتا نہیں تھا بلکہ کماتا تھا یعنی بڑی محنت کے ساتھ گناہ کرتا تھا۔

﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾

یہ آخرت کے وجود پر ایک عقلی استدلال ہے کہ ہر شخص یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کا پورا بدلہ نہیں ملتا، کفار وفجار عیش وعشرت کی اور اللہ تعالیٰ کے اطاعت شعار بندے عسرت کی زندگی گزارتے ہیں، نیز مجرموں کے جرم کا اکثر علم ہی نہیں ہوتا، علم ہو بھی گیا تو وکلاء کے جھوٹے دلائل سے وہ باعزت بری ہو جاتا ہے، اور اگر کسی کو سزا ہو بھی گئی تو اس کے جرموں کی پوری سزا نہیں ملتی، اور جب دنیا میں نیکی اور بدی کی پوری جزا اور سزا نہیں ملتی تو ماننا پڑے گا کہ ایک دوسرا عالم ہو جس میں

ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے، اور یہ شبہ کہ دنیا ہی میں ہر عمل کا بدلہ کیوں نہیں دے دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے دنیا کو دارالعمل بنایا ہے دارالجزاء نہیں اور کون نہیں جانتا کہ امتحان گاہ (Exam Hall) میں نتیجہ نہیں سنایا جاتا۔

زیادہ سے زیادہ ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ آخرت پر اسے ویسا یقین نہیں جیسا یقین آنکھوں دیکھی چیز پر ہوتا ہے، اگر اس طرح کا یقین نہیں ہے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا قطعیت کے ساتھ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ آخرت نہیں ہے؟ اب دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی موازنہ کرے کہ دونوں راہوں میں سلامتی کی راہ کون سی ہے؟ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ دوسری صورت اختیار کرے اس لیے کہ پہلی صورت اختیار کرنے میں دائمی خطرہ مضمر ہے اس کے برعکس دوسری راہ میں کوئی خطرہ نہیں۔

کسی ملحد نے ایک مومن سے کہا! تمہارا ایمان لانا اور خیرات وغیرہ کرنا سب فضول ہے، اس لیے کہ نہ کوئی اللہ تعالیٰ ہے اور نہ قیامت برپا ہونے والی ہے، لہٰذا زندگی کے سارے مزے لے لو، مومن نے کہا اگر تیرا کہنا سچ ہوا تو بھی میرا کوئی نقصان نہیں، چند روز بعد مجھے اور تجھے دونوں کو مرنا ہے، ہم دونوں برابر ہو جائیں گے، لیکن اگر مرنے کے بعد عالم ثواب وعذاب برپا ہو گیا تو تیرا کیا حال ہوگا؟ محل خطر میں تو ہے یا میں؟ ملحد کو ہوش آ گیا اور اسلام لے آیا۔

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے۔ (۲۳)

﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ﴾

دل سے متعلق سب سے زیادہ اہم پہلوؤں میں سے ایک، اس کی مخصوص برق مقناطیسی (Electromagnetic) بناوٹ ہے، اپنے عمل کے دوران ہر عضو بہت تھوڑی سی برقی کرنٹ پیدا کرتا ہے مگر دوسرے ٹشوؤں کے مقابلے میں دل میں اس کرنٹ کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اسے جسم کے تمام حصوں میں محسوس کیا جا سکتا ہے چونکہ برقی کرنٹ دل کے عمل کرنے کے طریقے کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس لیے اس کو ایک کاغذ پر گراف کی صورت دی جا سکتی ہے، اس سے دل کی صحت کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہے، اسے الیکٹرو کارڈیوگرام یا مختصراً ECG کہتے ہیں۔

دل کے ٹشوز جسامت میں دیگر ٹشوؤں سے الگ ہوتے ہیں، دل کے تمام خلیے آپس میں اتنی مطابقت رکھتے ہیں یعنی (Sincronized) ہوتے ہیں کہ جیسے وہ ایک ہی خلیہ ہو، ایک نس دل کو دماغ سے ملا دیتی ہے مگر دل کا ہر خلیہ اپنی بجلی خود پیدا کرتا ہے، یہ دل کا الگ ایک نروس سسٹم ہے کہ اگر دل تک دماغ سے آنے والی بجلی منقطع ہو جائے تب بھی دل اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ چونکہ دل ایک منٹ میں اَسّی (۸۰) مرتبہ دھڑکتا ہے تو ہر دھڑکن پر کھلتا ہے، نروس سسٹم اور ثمر بخش

Scanned by CamScanner

(Vegetative) نروس سسٹم دونوں دل کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں دل ہی آنکھ اور کان کو وہ شعور اور ادراک عطا کرتا ہے جو روشنی اور آواز کے مادی حساب سے اعلیٰ اور علیحدہ ہوتا ہے، دل اور کان پر مہر لگ جائے، اور آنکھ پر پردہ پڑ جائے تب واقعۃً ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ (یہیں) مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ (۲۴)

اس آیت میں ڈارونزم کا رد ہے، انسان بندر سے انسان بنا، کیا ڈارون دیکھ رہا تھا؟ گویا اس کا یہ کہنا علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ گمان کی بنیاد پر ہے۔

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾

گردش ایام سے قوی بدنیہ تحلیل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ایک روز اس کا چراغ حیات گل ہو جاتا ہے، یہ حمقاء (بیوقوف) دہر کو نہیں جانتے کہ اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کی نظر اسباب پر ہے مسبب الاسباب پر نہیں۔

﴿وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾

زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں، لیکن ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔ (۲۵)

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ﴾

قیامت کے یقین کے لیے مشرکین کا مطالبہ یہ تھا کہ ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے دکھاؤ، یہ بالکل احمقانہ مطالبہ تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ انسان صرف اسی چیز کو مانے جو اس کی آنکھوں نے دیکھی ہو، اس کے علاوہ کسی بات پر یقین نہ کرے خواہ اس کے حق میں کتنے ہی واضح دلائل موجود ہوں، اگر انسان سفاہت کے اس درجے میں آجائے تو پھر عقل ایک بیکار چیز ہو کر رہ جاتی ہے، بلکہ آدمی اور بیل میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ انسان اپنے اندر عقل کے وجود کو تسلیم نہ کرے اس لیے کہ اس نے عقل کو دیکھا ہے نہ چھوا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ﴾ کفار کہتے کہ قیامت کا ڈراوا محض ہوا ہے۔ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ اپنے اس دعوے کی تائید میں وہ اہل ایمان سے مطالبہ کرتے کہ تمہاری سچائی اس وقت تسلیم کریں گے جب تم ہمارے وفات یافتہ بزرگوں میں سے کسی کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ یہ تو ایسے ہوا کہ امتحان ہال میں طالب علم حل شدہ پیپرس مانگے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

کہہ دو یجیے کہ اللہ ہی تم کو جان بخشتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں تم کو جمع کرے گا لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ (۲۶)

کافروں کی حجت یہ تھی کہ موت کے بعد دوسری زندگی ہے تو قبر سے کوئی مردہ کھڑا کیوں نہیں ہوجاتا؟ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مردوں کو دوبارہ زندگی دی جائے گی، جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ وقتاً فوقتاً مردوں کو زندہ کرتا رہے گا بلکہ یہ فرمایا کہ ایک وقت مقررہ پر تمام انسانوں کو ایک ساتھ زندہ کرے گا، نیز ان سے آخر یہ کس نے کہا کہ مرنے والے زندہ ہو کر اسی دنیا میں دوبارہ آئیں گے؟

﴿قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ﴾

یعنی تمہارا یہ مطالبہ کہ ہمارے آباء کو زندہ کر کے بتاؤ تو ہم تصدیق کریں گے کہ بعث بعد الموت ہے، تو تمہارا مطالبہ تو ایسا ہے کہ عورت کو ابھی حمل ٹھہرا اور اس سے کہا جائے کہ ابھی بچہ پیدا کر، بچہ جمع ہوتا ہے، پھر پیدا ہوتا ہے، ایسے ہی سارے لوگ مرجائیں گے، پھر اٹھائے جائیں گے، قرآن جس زندگی کی خبر دے رہا ہے وہ قیامت کے دن وقوع میں آنے والی ہے نہ کہ دنیا میں، اگر دنیا میں واقع ہوتی تو امتحان کا موقع کیا رہتا؟

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور تم ہر ایک فرقے کو دیکھو گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا اور ہر ایک جماعت اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی جو کچھ کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلا دیا جائے گا۔ (۲۸)۔ یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے ہیں۔ (۲۹)

﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ﴾

یہ کتاب درحقیقت اعمال کا ٹیپ ریکارڈر یا ویڈیو ریکارڈر ہوگا اور ہر شخص اپنا ریکارڈ خود دیکھ لے گا، قرآن کا بیان ہے کہ

اعمال کا یہ دفتر ناطق (بولنے والا) ہوگا، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ کی وجہ سے قرآن کی صداقت اور روشن ہوگئی ہے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ (۳۵)

﴿ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾

دنیا کی رونق دیکھ کر انسان اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اس کے بعد کی زندگی کے بارے میں کچھ سوچنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، اسے بس یہی فکر رہتی ہے کہ دنیا کے سارے فائدے زیادہ سے زیادہ حاصل کر لے، آخرت برپا ہوئی تو دیکھا جائے گا۔ یہ بہت بڑا دھوکا ہے اور اکثر لوگ اس دھوکے میں مبتلا ہیں، قرآن ہی ہے جو انہیں اس دھوکے سے نکالنا چاہتا ہے، آخرت میں توبہ کا موقع نہیں دیا جائے گا، دنیا کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد دوبارہ امتحان دینے کا کوئی چانس نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

(۲۶)

سورۃ الأحقاف

(آیت:۱)

تا

سورۃ الذاریات

(آیت:۳۰)

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد، الهند

Scanned by CamScanner

چھبیسواں پارہ

سورۃ الأحقاف (مکیۃ)

''أحقاف''، ''حقف'' کی جمع ہے جس کے معنی ریت کا ٹیلہ ہے، اس وادی میں ریت کے ٹیلے بہت ہیں، ''أحقاف'' ملکِ یمن میں ایک وادی ہے جہاں قوم عاد رہا کرتی تھی، لیکن اب لق ودق صحرا ہے، جغرافیہ میں اب ''الربع الخالی'' کے نام سے مشہور ہے۔

اس سورہ میں چاروں اصول کلیہ سے بحث ہے: (١) اثباتِ صانع عالم (٢) اثباتِ نبوت (٣) توحید (٤) آخرت

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾

حٰمٓ(١) (یہ) کتاب اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔(٢)

﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ اس میں اثبات نبوت ہے۔ یعنی قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے مبنی بر حکمت اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔(٣)

﴿وَمَا بَيْنَهُمَآ﴾ جو لوگ کہتے ہیں کہ زمین کے اوپر خلاء کی کوئی حقیقت نہیں ہے، وہ غلطی پر ہیں، خلا کے اندر بھی بے شمار چیزیں ہیں اور خلا محض خلا نہیں۔

اس میں اثبات صانعِ عالم ہے، اللہ نے فرمایا کہ ہم ہی زمین وآسمان کے خالق ہیں اور اس پر دو دلیلیں دی گئیں۔

Scanned by CamScanner

(۱) ﴿بِالۡحَقِّ﴾ یعنی اگر یہ ازخود ہوتے تو موزونیت نہ ہوتی۔

(۲) ﴿اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کہ یہ ساری چیزیں ابدی نہیں ہیں سب فنا ہو جائیں گے، یہ اطوار و اوضاع عالم میں غور کرنے سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ؕ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴﴾

کہ دیجیے کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ (منقول) چلا آتا ہو (تو اسے پیش کرو)۔(۴)

اس آیت میں اثباتِ توحید ہے اور بت پرستی کی قباحت بیان کی گئی ہے، کہ جن کو تم پوجتے ہو بتاؤ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اس پر کوئی عقلی یا نقلی یا اثری دلیل لاؤ، خالق ہی عبادت کا مستحق ہوتا ہے، مشرکین بتائیں کہ ان کے معبودوں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟ اور جو خالق ہے وہی مالک ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ پیدا وہ کرے اور پیدا کرنے کے بعد خزانوں کی کنجیاں دوسروں کو دے دے؟ کیا اس کائنات میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ اگر نہیں تو وہ معبود کس طرح ہوئے؟ اور اگر یہ خالق ہیں اور شریک ہیں تو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی؟

﴿بِالۡحَقِّ﴾ "حق" کہہ کر کفار کے اس شبہ اور اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جزاء و سزا کوئی چیز نہیں ہے، اگر جزاء و سزا کا تصور نہ ہوتا تو تخلیق ارض و سما کا مقصد بیکار ہوتا، گویا اللہ نے کھلواڑ کیا ہے، لعب اور کار عبث کا اللہ کی طرف نسبت کرنا محال ہے، حق سے مراد مکافاتِ عمل ہے۔

کوئی دعویٰ بغیر عقلی و نقلی دلیل کے قابل عمل نہیں ہوتا، اس لیے بے دلیل دعوے پر قائم رہنا گمراہی ہے۔

دلائل کی قسمیں:

اس آیت میں دلائل کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) عقلی: ﴿اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾ مجھے دکھاؤ کہ زمین سے انھوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں میں ان کی کسی قسم کی شرکت ہے؟

(۲) نقلی: ﴿اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ﴾ ظاہر ہے کہ اللہ کے معاملے میں دلیل نقلی وہی معتبر ہوسکتی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جیسے قرآن، توریت، انجیل اور دیگر صحفِ آسمانی۔

Scanned by CamScanner

(۳) اثری: ﴿أَوْ أَثَٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ ان حضرات کے اقوال جن کو اللہ نے اپنا نبی و رسول بنایا ہے۔

﴿أَثَٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ عکرمہ اور مقاتل رحمہما اللہ نے اس کی تفسیر "روایة عن الأنبیاء" سے کی ہے۔ (التفسیر الثعلبی) جب آسمان و زمین کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ نہیں تو ان کو اللہ کے حقوق میں شریک کرنے کے کیا معنی ہیں؟ مشرکین ہر چیز کا خالق اللہ ہی کو مانتے تھے، اس وجہ سے اس دلیل کی بنیاد ایسی حقیقت پر رکھی گئی جو ان کے نزدیک مسلم ہو۔

شرک کے حق میں کوئی دلیل نہیں، نہ عقلی نہ نقلی، ظاہر ہے کہ اللہ کی معبودیت میں شریک قرار دینے کی دو ہی بنیادیں ہوسکتی ہیں یا تو آدمی کو خود کسی ذریعۂ علم سے معلوم ہو کہ آسمان و زمین بنانے میں ان کے معبودوں کا حصہ ہے، یا اللہ نے یہ فرمایا ہو کہ فلاں صاحب کا حصہ ہے، اگر مشرکین یہ دونوں دعوے ثابت نہ کرسکیں تو اس کا عقیدہ قطعی بے بنیاد ہوگا۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ۝٥

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔ (۵)

مدفون بزرگوں کو حاجت روائی کے لیے پکارنے کے لیے نہ کوئی وجہ جواز ہے، نہ وہ کسی کی پکار کو سنتے ہیں، جب وہ اپنی زندگی میں دور سے پکارنے والے کی آواز کو نہیں سن پاتے تھے تو مرنے کے بعد ان کو یہ قدرت کہاں سے حاصل ہوگئی، یہ سراسر لغویات ہے، جاہل عالموں نے اسے اسلامی عقیدے کی حیثیت دی ہے اور ایسی آیتوں کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ بتوں کے لیے ہیں، اس غلط تاویل کے نتیجے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شرک میں مبتلا ہوچکی ہے، لفظ "مَنْ" سے ذوی العقول (عقل والے) مراد ہیں، اس میں انبیاء و اولیاء سب شامل ہیں، لہٰذا ان کو حاجت روائی کے لیے پکارنا بہت بڑی گمراہی ہے، قیامت کے دن وہ صاف انکار کردیں گے کہ ہم اس سے غافل تھے، قیامت کے دن وہ اپنے عابدوں سے خوش نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے دشمن ہوجائیں گے کہ ان کے ساتھ تم نے وہ معاملہ کیوں کیا جو اللہ ہی کے ساتھ کرنے کا تھا۔

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

باطل معبودوں کے اقسام:

دنیا بھر کے مشرکین اللہ کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے تھے وہ تین اقسام پر ہیں۔

(۱) بے روح مخلوقات۔

(۲) بزرگ انسان جو گذر گئے۔

(۳) وہ گمراہ انسان جو خود بگڑے ہوئے تھے اور دوسروں کو بگاڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

پہلی قسم کی مخلوقات ظاہر ہے کہ وہ اپنے عابدوں کی دعاؤں سے بے خبر ہیں، ان کے بے خبر رہنے کی دو وجوہات

ہیں، ایک یہ کہ وہ ایسے عالم میں ہیں جہاں انسانی آوازیں براہ راست نہیں پہنچ سکتیں اور فرشتے ان کی آوازیں ان تک نہیں پہنچاتے، جولوگ زندگی بھر اللہ ہی کو پکارنا سکھاتے رہے وہ الٹے ان ہی کو پکار رہے ہیں، یہ اطلاع ان کو صدمہ پہنچانے والی ہے اور اللہ نیک بندوں کی ارواح کو اذیت نہیں دینا چاہتا، تیسری قسم کے بے خبر رہنے کے بھی دو وجوہ ہیں، ایک اس وجہ سے کہ وہ ملزموں کی طرح حوالات میں ہیں، جہاں آواز نہیں پہنچ رہی ہے، دوسرے انھیں اطلاع بھی نہیں دی جارہی ہے کہ ان کا مشن خوب پھل پھول رہا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨

کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا (کیا جائے گا) میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو اعلانیہ ہدایت کرنا ہے۔(۹)

مجھ سے پہلے جو رسول آئے سب بشر تھے اور میں نے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، معبود یا عالم الغیب ہونے کا نہیں، میں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔

﴿مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ﴾ مجھے یہ علم نہیں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے؟ اس سے کسی ایک متعین شخص یا گروہ کے قطعی انجام کے علم کی نفی کی گئی ہے، الّا یہ کہ ان کی بابت نص موجود ہو جیسے عشرۂ مبشرہ وغیرہ۔

قولِ عمر رضی اللہ عنہ "نعمت البدعۃ ھذہ" کی وضاحت:

یہاں بدعت اپنے لغوی معنی میں ہے، اگر بدعت شرعی مراد ہوتو عمر رضی اللہ عنہ اسے کس طرح جاری کرتے کیونکہ یہ تو حرام ہے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تین رات تک جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھائی تو یہ بدعت کس طرح ہوئی؟ عمر رضی اللہ عنہ نے اُس حالت متروکہ کو جاری کرنے پر اسے بدعت کہا نہ کہ اصطلاحاً، کیونکہ جب کوئی شیٔ اپنی حالت پر قائم نہیں رہتی تو ہم اسے بمنزلۂ عدم (نہ ہونے کے درجے میں) جانتے ہیں اور پھر جب اسے اس کی اصلی حالت پر لادیں تو اس فعل کو ازروئے لغت "بدعت" کہہ سکتے ہیں، چنانچہ "لسان العرب" میں ہے "والبديع من الحبال الذي ابتدئ فتله ولم يكن حبلا فنكث ثم غزل واعيد" یعنی بدیع اس رسی کو کہتے ہیں جس کا بٹنا شروع کیا جائے اور ابھی وہ رسی کی صورت نہ ہوئی ہو اور ٹوٹ جائے، پس اس کے تاروں کو پھر کاتا جائے اور دوبارہ رسی بنانی شروع کی جائے۔

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ امورِ غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا امت سے متعلق ہو، اس کا علم مجھے نہیں ہوتا۔

Scanned by CamScanner

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾

کہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اسی طرح کی ایک (کتاب) کی گواہی دے چکا اور ایمان لے آیا اور تم نے سرکشی کی (تو تمہارے ظالم ہونے میں کیا شک ہے) بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(۱۰)

یہ ایک الزامی جواب ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا، پھر تم سے زیادہ ضدی اور گمراہ کون ہوگا؟

﴿شَهِدَ شَاهِدٌ﴾ شاہد سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں، انہوں نے توریت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔(۱۱)

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی اس کو مارتے مارتے تھک جاتے تا کہ وہ دین سے پھر جائے مگر وہ دین سے باز نہ آتی تھی، اس پر کفار تمسخر کرتے کہ قرآن اگر حق ہوتا تو بھلا فلاں لونڈی ہم سے پہل کیسے کر جاتی، اس کا جواب ﴿وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا﴾ سے دیا گیا، کہ جب ہدایت یاب نہ ہوئے تو ﴿اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾ کہہ دیا، جب کہ تورات تمہارے نزدیک افک نہ تھی اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے پھر یہ جھوٹ کیسے ہوا؟

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تکبر وغرور انسان کی عقل کو بھی مسخ کر دیتا ہے، متکبر آدمی اپنی عقل اور عمل کو معیار حسن وقبح اور پیمانہ خیر وشر سمجھنے لگتا ہے، جو چیز اس کو پسند نہ ہو خواہ دوسرے اس کو کتنا ہی اچھا سمجھیں، وہ ان سب کو بے وقوف سمجھتا ہے حالانکہ وہ خود بے وقوف ہے، ایمان واسلام چونکہ ان کو پسند نہیں تھا تو دوسرے جو ایمان کے دلدادہ تھے یہ ان سے کہتے تھے کہ اگر ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی، ان غریب وفقیر لوگوں کی پسند کا کیا اعتبار؟

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گی۔(۱۳)

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ کا اقرار پورا ایمان ہے اور اس ایمان پر تادمِ حیات قائم رہنا اور اس کے مقتضیات پر پورا پورا عمل کرنا استقامت ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھڑانا ڈھائی برس میں ہوتا ہے یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ (۱۵)

سعادت کے تین مرتبے:

(۱) سعادتِ نفسانیہ: یہ دل سے متعلق ہے اس لیے شکر کی درخواست کی گئی۔
(۲) سعادتِ بدنیہ: یہ عمل صالح سے متعلق ہے۔
(۳) سعادتِ خارجیہ: جیسے اولاد کی نیک بختی وغیرہ۔

﴿بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ بیس سے لے کر تیس سال تک، چالیس برس تک 'وقوف' یعنی برابر کا زمانہ ہوتا ہے، اس کے بعد کہولت کا، جس میں جسم گھٹتا ہے، مگر روحانی قویٰ بڑھتے ہیں، قوائے عقلی کی مکمل پختگی کی عمر چالیس سال ہے، ﴿اَشُدَّ﴾ کی تفسیر بعض نے ۱۸ رسال سے کی ہے۔

﴿بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ چالیس سال عمر کی ایک خاص اہمیت ہے، اس وقت انسان پر بدن سے زیادہ روح کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس موڑ پر کتابِ زندگی کا ایک باب ختم ہو کر دوسرا باب شروع ہوتا ہے، اس عمر میں وہ نہیں سدھرا تو شاید ستر سال میں بھی نہیں سدھر سکتا۔

﴿ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ حمل کی اقل مدت چھ مہینے ہے، چھ مہینے کے بعد اگر کسی عورت کو بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ حرام کا نہ ہوگا حلال کا ہوگا، حمل کی اقلِ مدت سے چھ مہینے نکالو تو دو سال رضاعت کے بچتے ہیں، لہٰذا مدتِ رضاعت دو سال ہے، ماں

Scanned by CamScanner

باپ کا حق سب سے پہلے شعور میں آتا ہے پھر انسان اسی شعور سے اللہ اور اس کے حقوق کے شعور تک ترقی کرتا ہے، انسان جب بچہ رہتا ہے تو ماں باپ ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے لیکن جب سنِ رشد کو پہونچتا ہے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اصل منعم، اللہ ہے۔ اس طرح ماں باپ کی انگلی پکڑ کر وہ اللہ تک پہنچ جاتا ہے، یہ دو حقوق انسان پر سب سے بڑے ہیں، پھر انہیں دو حقوق سے سارے حقوق کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ﴾ بندہ اللہ سے دعا کر رہا ہے کہ مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے، ساتھ ہی یہ کہہ رہا ہے کہ جس دعا سے تو راضی ہو جائے یعنی تیری بارگاہ میں قبول ہو جائے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان سے متمتع ہو چکے سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ) اس کی سزا (ہے) کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔ (۲۰)

عیش و تن پرستی کا برا نتیجہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے کہ سلطنت و شوکت جاتی رہتی ہے۔

عذاب کے اسباب:

عذاب کے دو سبب بتائے گئے

(۱) ناحق تکبر۔ جس سے انسان حق کا اتباع کرنے سے گریز کرتا ہے۔

(۲) فسق۔ جس کی وجہ سے بے خوف ہو کر معاصی کا ارتکاب کرتا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾

پھر جب انہوں نے اس (عذاب کو) دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔ (۲۴)

﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ﴾ اللہ چاہتا تو براہ راست عذاب بھیج دیتا، لیکن پہلے ہوا بھیجی، جس نے ان کو بارش کی امید دلائی، انسان جس چیز کو رحمت سمجھے اور وہ عذاب بن کر اترے

Scanned by CamScanner

تو اس میں اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور ہم نے ان کو ایسے مقدور دیئے تھے جو تم لوگوں کو نہیں دیئے اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے تو جب کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آتے تھے اور نہ آنکھیں اور نہ دل اور جس چیز سے استہزاء کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا۔(۲۶)

جحود اور انکار میں فرق:

﴿اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ﴾

الجحد: لا یکون الجحد الا بعد الاعتراف بالقلب واللسان وعلی ھذا لا یحسن استعمال الفقھاء "لفظ الجحود ی مطلق الانکار فی باب الدعاوی وغیرھا۔لان المنکر قد یکون مُحِقًّاً فلا یسمی جاحداً قال قتادۃ: یعلمون انک رسول اللہ ولکن یجحدون قال تعالیٰ ﴿وجحد وبھا واستقینھا﴾ (سورۂ فصلت)

جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل اور زبان کے اعتراف بعد ہو اس بنا پر فقہاء لفظ جحود کو مطلق انکار کے لئے استعمال اچھا نہیں ہے، کیونکہ منکر (انکار کرنے والا) کبھی حق پر ہوتا ہے مگر اسے جاحد نہیں کیا جاسکتا قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ (کافرین) جانتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں لیکن پھر بھی انکار کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور بار بار (اپنی) نشانیاں ظاہر کر دیں تا کہ وہ رجوع کریں۔(۲۷)

﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى﴾ شمال و غرب میں قوم ثمود کی اور جنوب میں قوم عاد کی اجڑی بستیاں تم دیکھتے ہو، ہم نے ان کو ایک دم ہلاک نہیں کیا ﴿وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ پہلے نشانیاں دکھائیں کہ وہ رجوع ہوں۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

تو جن کو ان لوگوں نے تقرب (الٰہی) کے سوا معبود بنایا تھا انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی؟ بلکہ وہ ان (کے سامنے) سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور یہی وہ افتراء کیا کرتے تھے۔(۲۸)

﴿فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ﴾ مگر برباد ہونے ان کے معبودوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی؟ ان کا پتہ ہی نہیں لگا کہ کہاں گم ہو گئے؟

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کیے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں۔(۲۹)

اہل مکہ کو عار دلانے کے لیے جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جن تو تکبر و غرور میں تم سے زیادہ ہیں، مگر قرآن کو سن کر ان کے دل موم ہو گئے، تمہیں تو اللہ نے ان سے زیادہ عقل و شعور بخشا ہے، آپ ﷺ بطن نخلہ میں تھے اور سوق عکاظ جا رہے تھے، صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ جنات پہنچے۔

﴿يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ اگر کوئی قرآن سنے تو اس کی ہدایت کا امکان ہے اور اگر قرآن کو غور سے سنے تو ایک ہی مجلس میں اسے ہدایت مل سکتی ہے اور اگر اس پر تدبر کیا جائے تو عجائبات کا ایک بحر بیکراں نظر آئے گا۔ دلیل ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا﴾ (الجن:۱)

❀❀❀

سورۃ محمد (مدنية)

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾

جن لوگوں نے کفر کیا اور (اَوروں کو) اللہ کے رستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔(۱)

Scanned by CamScanner

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور جو (کتاب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی اسے مانتے رہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے ان سے ان کے گناہ دُور کر دیئے اور ان کی حالت سنوار دی۔(۲)

﴿وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللهِ﴾

صد اور منع میں فرق:

صد کے معنی روکنے کے ہیں اسی طرح نہی اور منع کے معنی بھی روکنے کے ہیں مگر "صدّ" ایسے روکنے کو کہتے ہیں جس میں زور اور موت ہو یوں کہا جا سکتا ہے کہ (by force) روکنے کو صدّ کہتے ہیں۔

اسی وجہ سے ساتویں پارے سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا کہ ﴿ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلاة﴾ (سورۂ مائدہ:۹۱) یعنی شیطان ذکر الٰہی اور نماز سے روکنے میں اپنی پوری قوت لگا دیتا ہے ذکر اللہ میں نماز داخل ہے نماز کا ذکر الگ سے کر کے اس کی اہمیت کو بتایا گیا ہے۔

نکتۂ عجیبہ: یہ ہے کہ ایک طرف شراب ام الخبائث ہے تو دوسری طرف نماز ام الطاعات (تمام اطاعتوں کی بنیاد اور اسکی ماں) ہے، اور نماز بے حیائی اور منکر باتوں سے روکدیتی ہے، مفہوم مخالف یہ نکلا کہ شراب جو ام الخبائث ہے وہ جب نماز سے روکدیتی ہے تو تمام بیحائیوں کو کھل کھیلنے کے مواقع فراہم کر دیتی ہے۔

﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ایمان عمل قلب (دل) ہے اور عمل صالح عمل قالب (بدن) ہے اور قلب وال ہے، جو خون کو تمام اجزائے انسانی میں پہنچاتا ہے، تو قلب اگر ایمان سے مامور ہو جائے تو وہ پورے بدن میں ایمان کو پہنچا دیتا ہے۔

﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ "الحق هو الشيءُ الثابتُ الذي لا يَتَغَيَّرُ ولا يتبدَّلُ" حق ایسی ثابت چیز کو کہتے ہیں جس کے اندر کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوتی۔

﴿وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ﴾ اللہ ان کے تمام حالات نفسیہ، معنویہ اور مادیہ کو سنوار دے گا۔

حال اور بال میں فرق:

"البال في الواقع الخاطر الذي يخطر في العقل تقول هذا الشئ في بالي يعني في عقلي لا يفارقني" کہ بال حقیقت میں وہ خیال ہے جو عقل میں آتا ہے جیسے آپ کہیں "هذا الشيء في بالي" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیز میری عقل میں ہے اور وہ مجھ سے جدا نہیں ہو رہی ہے، عام طور پر انسان جس حال میں ہوتا ہے وہ حال اس کی عقل کو اسی میں مشغول کر دیتا ہے تو "فمن اصلح الله باله انصلح حاله" یعنی اللہ جس کے "بال" کو سنوار دے اس کا حال سنور جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

Scanned by CamScanner

یہ (حبطِ اعمال اور اصلاحِ حال) اس لئے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے جھوٹی بات کی پیروی کی اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (دین) حق کے پیچھے چلے اسی طرح اللہ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔ (۳)

باطل معدوم ہوتا ہے اور حق ظاہر ہوتا ہے تو جو باطل کی اتباع کرے اس کے پاس کوئی خیر نہیں ہوتا جب کہ حق ثابت موجود ہوتا ہے، اس کی اتباع کرنے والے کے پاس ہر خیر ہوتا ہے، باطل پرست باطل کی اتباع اس وجہ سے کرتا کیونکہ اس کے پاس ایسی پابندیاں نہیں ہوتیں جو اس کی خواہشات کو لگام دیں۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیئے یا کچھ مال لے کر یہاں تک کہ (فریقِ مقابل) لڑائی (کے) ہتھیار (ہاتھ سے) رکھ دے یہ (حکم یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ (۴)

اسلام میں غلامی کے تصور پر اعدائے اسلام بہت واویلا مچاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی راستہ نہیں، کیونکہ غلام نہ بنایا جائے تو عقلاً تین ہی صورتیں ممکن ہیں:

(۱) قتل کر دیا جائے۔ (۲) آزاد کر دیا جائے۔ (۳) قیدی بنا کر رکھا جائے۔

چھوڑ دینے میں خطرہ ہے اور قتل اس لیے مناسب نہیں کہ قیدی اچھی صلاحیت کا مالک ہوتا ہے۔

اب دو صورتیں رہ جاتی ہیں، کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے یا غلام بنا کر ان کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور ان کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے، ہر شخص بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس سے بہتر صورت کوئی نہیں ہو سکتی۔

غلامی:

اسلام پر مستشرقین نے جو بہت سارے اعتراضات کیے ہیں ان میں سے ایک یہ اعتراض بھی تھا جسے بڑے ہی بدنما

Scanned by CamScanner

انداز میں پیش کیا گیا، یعنی یہ کہ اسلام نے غلامی کو فروغ دیا ہے، حالانکہ اس کے برعکس اسلام نے انسان کو احترام دیا، اس کے حقوق بتائے، ورنہ زمانۂ جاہلیت میں تو انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض ''مقدس حیوانات'' اور بعض درخت جن کے ساتھ بعض روایات وابستہ ہوگئی تھیں انسان سے کہیں زیادہ قابلِ احترام تھے، ان کے لیے بے تکلف انسانوں کی جانیں لے جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے۔

مگر اسلام نے انسان کا احترام کیا، اسے آزادی دی اور ہر قسم کی غلامی سے نجات دلائی:

فَأَيْنَ هَذَا مِنْ عَدْلِ الْإِسْلَامِ الَّذِي سَاوَى خَلِيفَتُهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بَيْنَ ابْنِ فَاتِحِ مِصْرَ وَقَائِدِ جَيْشِهَا وَحَاكِمِهَا الْعَامِّ (عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ) وَبَيْنَ غُلَامٍ قِبْطِيٍّ إِذْ تَسَابَقَا، فَسَبَقَ الْقِبْطِيُّ ابْنَ الْحَاكِمِ، فَصَفَعَهُ هَذَا وَقَالَ: أَتَسْبِقُنِي وَأَنَا ابْنُ الْأَكْرَمَيْنِ؟ فَلَمَّا رُفِعَ الْأَمْرُ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمْ يَرْضَ إِلَّا أَنْ يَصْفَعَ الْقِبْطِيُّ ابْنَ الْفَاتِحِ الْحَاكِمِ كَمَا صَفَعَهُ، وَقَالَ لِعَمْرٍو كَلِمَتَهُ الذَّهَبِيَّةَ الْمَشْهُورَةَ: يَا عَمْرُو مُنْذُ كَمْ تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا؟ (تفسیر المنار)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فاتح مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اے عمرو! تم نے انسانوں کو کب سے غلام بنالیا ہے۔ جب کہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

﴿وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ منکرین اعتراض کرتے ہیں کہ ہم شہید کی قبر کھول کر دیکھتے ہیں تو اسے زندہ نہیں بلکہ مردہ پاتے ہیں، قرآن انہیں زندہ کیسے کہتا ہے؟ جواب خود قرآن نے دیا ہے: ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (آل عمران:۱۶۹) ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ کے لفظ پر غور کریں کہ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ کہا ''عندکم'' نہیں کہا یعنی وہ اللہ کے پاس ایسی حیات سے متصف ہے، جسے اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تو شہید اپنے رب کے نزدیک زندہ ہے، اگرچہ تمہارے نزدیک مردہ ہے۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

اور ان کو بہشت میں جس سے انہیں شناسا کر رکھا ہے داخل کرے گا۔ (۶)

شہید جنت میں اپنے محل کو بلا کسی کے بتائے خود پہچان لے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ (۷)

﴿وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ اگر مسلمانوں کی شکست کو دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں اللہ کا لشکر ہونے کی صفت مفقود ہے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸

اور جو کافر ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے اور وہ ان کے اعمال کو برباد کردے گا۔(۸)

﴿فَتَعْسًا لَّهُمْ﴾ "التَّعس هُوا الِانْكِبابُ على الوجهِ" یعنی منہ کے بل گر پڑنے کو "تعس" کہتے ہیں۔ بدن انسانی میں چہرہ سب سے اشرف ہوتا ہے، لہٰذا یہ ذلت وانکساری کی تعبیر ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؗ وَلِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰

کیا انہوں نے ملک میں سیر نہیں کی تا کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا۔(۱۰)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ چلنا دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) قدم سے چلنا۔(۲) دل سے چلنا۔ یہاں دل سے چلنا مراد ہے کہ غور کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اللہ بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل فرمائے گا اور جو کافر ہیں وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔(۱۲)

﴿جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات کا پانی ذاتی ہوگا کہیں دور سے نہیں آرہا ہوگا اور وافر ہوگا یعنی اس کے ختم ہونے کا ڈر نہیں ہوگا۔

﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ دنیا میں کافر صرف دو کام کرتا ہے، جانوروں کی طرح کھاتا ہے اور مزے کرتا ہے، اس کی پوری نگاہ مادے پر ہوتی ہے اور اس کی پوری توجہ بطن وفرج کے تقاضوں کی تکمیل پر ہوتی ہے، وہ روحانیات اور اعلیٰ اقدار سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴

بھلا جو شخص اپنے پروردگار (کی مہربانی) سے کھلے رستے پر (چل رہا) ہو وہ ان کی طرح (ہوسکتا) ہے جن کے اعمالِ بد انہیں اچھے کر کے دکھائے جائیں اور جو اپنی خواہشوں کی پیروی کریں (۱۴)

﴿زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ﴾ سب سے بڑا فتنہ جس میں انسان واقع ہوتا ہے وہ ہے کہ اس کی خواہش نفس اس کے

برے عمل کو خوبصورت بنا دیتی ہے اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

﴿ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ "الھوی ان یمیل قلبک الی شئی و تعتقد انہ سار و مفرح لک" تمہارا دل کسی چیز کی طرف جھک جائے اور تم یہ سمجھو کہ وہ تمہیں خوشی دے گی اسی کو ھوی کہتے ہیں۔ یہ خوشی فوری اور لذت وقتی ہے، اس لذت کے انجام پر ان کی نظر نہیں ہوتی۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

جنت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بُو نہیں کرے گا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے اور شہد مصفا کی نہریں ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے) اور (وہاں) ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے (کیا یہ پرہیز گار) ان کی طرح (ہو سکتے) ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا۔ (۱۵)

دنیا کی شراب "کَرِیْهُ الطَّعْمِ" اور دودھ "سَرِیْعُ الإِسْتِحَالَةِ" ہے یعنی شراب میں سڑنے کی بو اور تلخی ہوتی ہے، اور دودھ کچھ عرصے بعد خراب ہو جاتا ہے، پانی بھی کچھ عرصہ بعد آلودہ ہو جاتا ہے اور دنیا کے شہد میں موم کی آمیزش ہوتی ہے۔

﴿ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴾ کہا "لذیذٌ للشّٰربین" نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ موصوف کے اندر کوئی چیز اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو صفت کو مبالغۃً مصدر سے ذکر کر دیا جاتا ہے، یعنی جنت کی شراب سراپا لذت جیسے نبی کریم ﷺ کو رحیم نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین کہا گیا کیونکہ آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں کہ آپ کی رحمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

﴿ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ﴾ (ہر قسم کے میوے) یہاں تک جسمانی چیزوں کا بیان ہے، اس کے بعد ﴿ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ کہہ کر روحانی چیز کا بیان کیا گیا، اس کے بعد کفار کے ٹھکانے کا بیان کیا گیا ہے، ترتیب بہت خوبصورت اور فطری ہے، پہلے پانی، پھر دودھ، پھر شراب، پھر شہد کا ذکر کیا گیا، کھانے کے بعد پانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور دودھ غذا کا بنیادی عنصر ہے، کھانے سے فارغ ہو جانے کے بعد نشاط کے لیے شراب چاہئے اور فہرست میں شہد بالکل آخر میں ہے کیونکہ عام طور سے اسے بیماری میں شفاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور جنت میں بیماری نہیں تو جنتی جنت میں شہد لذت

Scanned by CamScanner

کے لیے پیئے گا، یہ سب چیزیں سیال ہیں اب اس کے بعد ﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ کہا گیا، ان تمام چیزوں کا تعلق سے ہے، اس کے بعد ﴿وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ سے لذت روحانی کی طرف اشارہ کیا جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہوگی، کیونکہ مغفرت کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگائے رہتے ہیں یہاں تک کہ (سب کچھ سنتے ہیں لیکن) جب تمہارے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ (بھلا) انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ (۱۶)

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ بغیر رغبت اور ارادے کے سننا "سَمْعٌ" ہے اور کسی محبوب چیز کو رغبت اور ارادے سے سننا "إستماع" ہے۔ اور بہ تکلف سننا "تَسَمُّع" ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا اور پرہیز گاری عنایت کرتا ہے۔ (۱۷)

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا﴾ ہدایت پا گئے۔

﴿زَادَهُمْ هُدًى﴾ ہدایت پر چلنے پر اللہ کی مدد حاصل ہوگی۔

﴿وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ﴾ تقوی کی طرف بڑھنے کا قصد کرلو تو دیکھو گے کہ تقویٰ خود تمہاری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے اور تمہیں تلاش کر رہا ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

اب تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھ رہے ہیں کہ ناگہان ان پر آ واقع ہو سو اس کی نشانیاں (وقوع میں) آ چکی ہیں پھر جب وہ ان پر آ نازل ہوگی اس وقت انہیں نصیحت کہاں (مفید ہو سکے گی)۔ (۱۸)

قیامت کی دس بڑی نشانیاں:

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: اطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ، فَقَالَ: "مَا

Scanned by CamScanner

تَذَاكَرُونَ؟" قَالُوا: نَذْكُرُ السَّاعَةَ، قَالَ: "إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتَّى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ - فَذَكَرَ - الدُّخَانَ، وَالدَّجَّالَ، وَالدَّابَّةَ، وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذَلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ، تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَى مَحْشَرِهِمْ (مسلم، کتاب الفتن: ۲۹۰۱)

حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے کہ نبی ﷺ نے ہماری طرف جھانکا، پوچھا کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ ہم نے کہا قیامت کا، آپ ﷺ نے فرمایا وہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں: (۱) دخان (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے نکلنا (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) خروج یاجوج وماجوج (۷) تین جگہ خسف (مشرق میں، مغرب میں، جزیرۃ العرب میں) (۱۰) آخری نشانی آگ ہے جو لوگوں کو ہنکال کر ان کو جمع ہونے کی جگہ لے جائے گی۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ (۲۴)

﴿عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ یہ استعارہ مکنیہ یا ترشیحیہ ہے، قلوب، کو خزانہ سے تشبیہ دی اور خزانہ کا مقفل ہونا لازم نہیں تو مناسب ضرور ہے، مشبہ بہ کی مناسبات کو مشبہ کے لیے ثابت کیا ہے، پھر اقفال کی قلوب کی طرف اضافت کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دلوں پر جو تالے پڑے ہوئے ہیں وہ یہ مستعمل تالے نہیں بلکہ غیر معمولی تالے ہیں جو قلوب کے مناسب ہیں۔ ان کے دل نصیحت پذیری کی قابلیت ہی نہیں رکھتے، بالفرض اگر یہ قرآن پر غور بھی کریں تب بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔ قلوب کی تنوینبعضیت کو ظاہر کر رہی ہے یعنی سب نہیں کچھ دل ایسے ہیں یا یہ تنوین تنکیر ہے جو ابہام پر دلالت کر رہی ہے، یعنی ان کی قساوت اور سنگدلی کے درجات مبہم ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

جو لوگ راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے شیطان نے (یہ کام) ان کو مزیّن کر دکھایا اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ (۲۵)

ہدایت کا راستہ انہیں صاف معلوم ہو گیا تھا، مگر پھر بھی وہ پشت کے بل پھر گئے، اس کا سبب تسویلِ نفسانی اور املاء شیطانی ہے۔

﴿الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ﴾ شیطان نے انہیں چکمہ دیا۔

﴿وَاَمْلٰى لَهُمْ﴾ اور شیطان نے ان کو دور دور کی سجھائی۔

Scanned by CamScanner

هٰاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸

دیکھوتم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہوتوتم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔(۳۸)

﴿فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ﴾ بُخل کا مطلب (الانفاق فی الشر والضنّ علی الخیر یسمّی بُخلا) گناہ کے کاموں میں مال خرچ کرے اور بھلائی کے کاموں میں کمزوری دکھائے اسی کو ''بُخل'' کہتے ہیں

❀❀❀

سورۃ الفتح (مدنیۃ)

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ہم نے آپ کو فتح دی فتح بھی صریح اور صاف۔(۱)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کردہ عطیات:

سورۂ فتح کی ابتدائی آیات میں اللہ نے اپنے نبی کے لئے پانچ قسم کے عطیات کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) روشن وممتاز فتح وکامیابی۔

(۲) اگلی پچھلی لغزشوں کی معافی۔

(۳) صراط مستقیم کی طرف ہدایت۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمت کی تکمیل۔

(۵) کامل نصرت وتائید۔

ان آیات میں اللہ نے اپنے نبی کے لئے، ہدایت ونصرت دونوں کو جمع کر دیا کیونکہ ان دونوں کے ذریعہ فلاح وسعادت کمال کو پہنچتی سر ہدایت اللہ کی معرفت اس کے دین کا علم اور اسکی اطاعت کا نام ہے اسی کو عمل صالح بھی کہہ سکتے ہیں

Scanned by CamScanner

نصر سے مراد یہ ہے کہ اسکے دین کو جاری اور نافذ کرنے کی پوری قدرت حاصل ہو یہ نصرت دوم قسم کی ہے۔
(۱) برہان و دلائل اس سے دلوں کو مغلوب کیا جاتا ہے۔
(۲) ظاہری اسلحہ و سامان ان کے ذریعے انسانی اجسام کو شکست دی جا سکتی ہے۔
جب اللہ اپنی ذات کے بارے میں بات کرتا ہے تو صیغہ مفرد (واحد) سے بات کرتا ہے تا کہ وہ اپنے لیے وحدانیت کو ثابت کرے اور اگر اپنے کسی فعل کے بارے میں بات کرتا ہے تو صیغہ جمع متکلم استعمال کرتا ہے، فتح کی دو قسمیں ہیں
(۱) فتح حسی جیسے ﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ﴾ (یوسف:۶۵) (جب انہوں نے اپنا سامان کھولا)۔
(۲) فتح معنوی۔ ایسے معاملے میں ہوتا ہے جو خیر لائے جیسے ﴿بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ﴾ (البقرۃ:۷۶) دعوت دین کے دروازے مشرکین نے بند کر رکھے تھے، اللہ نے مومنوں کو قوت وشوکت عطا کر کے یہ دروازے کھول دیئے۔
﴿فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے اس لیے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ صلح فتح مکہ کا ذریعہ بن گئی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی عرب کی طرف متوجہ ہونے کی فراغت مل گئی جس کی وجہ سے بکثرت مخلوق حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲

تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمہیں سیدھے رستے چلائے۔ (۲)

اللہ نے اُمتوں کے نسیان (بھول چوک) کو نظر انداز کر دیا ہے، مگر رسول سے اسے نظر انداز نہیں کیا ہے ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (سورہ طٰہٰ:۱۱۵) آدم علیہ السلام کے نسیان کو معصیت سے تعبیر فرمایا، مقربین بارگاہ الٰہی کے ساتھ معاملہ کرنے میں دیگر نیک لوگوں کے مقابلے میں اللہ کا دوسرا قانون ہے، اللہ سے قربت کے درجے کی مناسبت سے بھلائیوں اور برائیوں کا پیمانہ دوسرا ہے، جیسے آپ کا کوئی آشنا آپ کی بیماری میں آپ سے ملنے کے لیے ایک دو مرتبہ آئے تو آپ اس کا شکریہ ادا کریں گے لیکن آپ کا کوئی انتہائی قریبی اسی کی طرح ایک ہی مرتبہ ملنے کے لیے آئے تو آپ اسے ملامت کریں گے۔
﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ﴾ لام غایت کے لیے ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ فتح کی غایت مغفرت ہے، یعنی فتح حاصل ہو گئی تو آپ استغفار کیجیے۔ (مغفرت طلب کیجیے)
﴿مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾
عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أُنْزِلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ مَرْجِعَهُ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ أَحَبُّ

Scanned by CamScanner

إِلَيَّ مِمَّا عَلَى الأَرْضِ"، ثُمَّ قَرَأَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ، فَقَالُوا: هَنِيئًا مَرِيئًا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، لَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ لَكَ مَاذَا يُفْعَلُ بِكَ، فَمَاذَا يُفْعَلُ بِنَا، فَنَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ﴾ حَتَّى بَلَغَ ﴿فَوْزًا عَظِيمًا﴾

(ترمذی، ابواب تفسیر القرآن: ۳۲۶۳، اسنادہ صحیح)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حدیبیہ سے واپس ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبارک ہو اللہ نے آپ کا انجام بتادیا لیکن ہمارا کیا ہوگا؟ تو آیت ﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح:۵) نازل ہوئی۔ مسلمانوں کا انجام بتادیا گیا کہ ان کے لیے جنت ہے۔

ذنب وعصیان:

انبیاء کے لیے غیر افضل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے جو امور بعض انبیاء کی نسبت ایسے منقول ہیں، جو عوام الناس کو گناہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ حقیقت میں گناہ نہیں ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (التوبہ:۴۳) میں اجازت دے دینا دراصل منع نہ تھا بلکہ اس موقع پر صادقین اور کاذبین میں ظاہری تمیز کے لیے اجازت نہ دینا قرین مصلحت تھا تا کہ بوقت جنگ حقیقی مسلمانوں اور ظاہری زبانی جمع خرچ کرنے والے منافقین کا پتہ لگ جائے چونکہ امتحان سے پیشتر اجازت دے دینے سے یہ تمیز نہ ہوسکی اسی لیے اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی کہ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا جو ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ سے ظاہر ہے۔

دوم یہ کہ سورۂ نور میں اللہ نے جنگ سے اجازت چاہنے والوں کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلا اختیار دیا تھا ﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ﴾ (النور:۶۲) لہٰذا اجازت دینے میں آپ سے کوئی معصیت نہیں ہوئی، دوسرا واقعہ سورۂ عبس میں ہے، جس کی ابتدائی آیتیں صاف بتا رہی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فرضِ منصبی میں مشغول تھے، آپ کو کوئی ممانعت نہ تھی کہ سرداران قریش کو الگ لے جا کر تبلیغ نہ کریں اور نہ ایسا کوئی حکم تھا کہ کسی سائل کے آجانے سے سلسلۂ کلام منقطع کر کے اس کی طرف متوجہ ہوجائیں، حکم یہی تھا کہ تبلیغ دین کریں چاہے کوئی سائل ہو یا نہ ہو، پس یہاں بھی آپ سے اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں ہوئی۔ بس اتنا ہوا کہ اس واقعہ سے بظاہر اغنیاء کی تقدیم کا وہم پڑتا تھا اور افضل یہ تھا کہ فقراء کی پرواہ زیادہ کی جائے، یہ معاملہ ترک افضل ہوا نہ کہ معصیت۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس دنیا میں بہت سے ایسے اشغال انسان سے متعلق ہیں، جن میں الجھ کر بسا اوقات دل پر غفلت طاری ہوجاتی ہے، گو وہ غفلت معصیت نہ ہو لیکن انبیاء اپنی علو مرتبت کے لحاظ سے اسے قصور، خیال کرتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ رضی اللہ عنہ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ" (مسلم، کتاب الذکر والدعاء: ۲۷۰۲)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کثرتِ اشغال (کاموں کی کثرت) اور حوائج بشریہ (انسانی ضروریات) کے سبب آپ کی دلی توجہ اور تفکر قلبی رک جاتی تو آپ استغفار کرتے تاکہ بشریت کی حالت دور ہو اور حالت مَلکیت طاری ہو۔

عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ: "غُفْرَانَكَ" (ابوداود، کتاب الطہارۃ: ۳۰، صحیح)

اسی طرح قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ بیت الخلاء سے نکلتے تو "غُفْرَانَكَ" کہتے کہ اے اللہ میں معافی چاہتا ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ قضائے حاجت کی حالت میں ذکرِ الٰہی سے آپ کو رکنا پڑتا تھا اور ہر چند رکنے کی وجہ، محض اللہ کے ذکر کی تعظیم کی نظر سے تھی کہ وہ حالت، ذکر کے مناسب نہیں مگر پھر بھی آپ اس خیال سے کہ ذکر الٰہی میں فتور آ گیا، استغفار کیا کرتے تھے، بعض مفسرین نے ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ ﴾ (الفتح: ۲) کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ ذنب سے مراد وہ فعل ہے جس کا انجام خوشگوار اور پسندیدہ نہ ہو اسی وجہ سے "ذَنَب" دُم اور جانور کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں، لہٰذا استغفار یعنی مغفرت طلب کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ اے اللہ میرا کوئی کام ایسا نہ ہو جس کا انجام ناپسندیدہ ہو، چونکہ بتقاضائے بشریت تفکر قلبی رک جانے سے آپ یہ سمجھتے تھے کہ کہیں میری روحانی ترقی نہ رک جائے کیونکہ ترقی کے مدارج بے شمار ہیں۔ قرآن میں بعض آیات میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کا حکم ہوا ان آیات کے طریقِ بیان سے ہم ایک خاص نکتہ بیان کرتے ہیں جس سے ہمارے مضمون مذکور کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کا حکم ہوا ہے، اسی کے ساتھ اکثر مقامات پر تسبیح وتحمید کو جوڑ دیا گیا ہے۔ جیسے ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ (النصر: ۳) ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ، وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ (الغافر: ۵۵) میں استغفار کو تسبیح وتحمید کے ساتھ ذکر کرنے میں یہ راز ہے کہ سُبّوحیت اور حقیقی پاکیزگی اور سب صفات کمال صرف اللہ کے لیے ہیں، اس کے سوا جو کوئی ہے اس قابل نہیں کہ ذرا بھی پاکیزگی کا دم مار سکے، جو کوئی صاحب کمال ہے اسی کے بنانے سے بنا ہے، لہٰذا قرآن میں جہاں کہیں ذنب وعصیان کے الفاظ انبیاء کی طرف منسوب کیے گئے ان کا مطلب خلاف اولیٰ ہے، نبوت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر افضل پر عمل کرنا ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید ذنب سے تعبیر کیا ہے۔ ایک نبی دانستہ لغزش نہیں کرتا، وہ معصوم ہوتا ہے لیکن بعض مرتبہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں معمولی فروگذاشتیں ہو جاتی ہیں جن پر وحیِ الٰہی گرفت کرتی ہے اور وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ نیز قصور کا سرزد ہونا بشریت کا تقاضا ہے، نادانستہ کسی قصور کا سرزد ہونا اور دانستہ کسی قصور کے سرزد ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے، پھر وحی الٰہی ان قصوروں پر متنبہ کر دیتی ہے اس لیے لوگوں کے سامنے غلط مثال پیش ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر تقریباً

Scanned by CamScanner

''۱۵۰۰''مسلمان تھے،ان سب نے بیعت کی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت سن کر یہ بیعت لی گئی اور آج بھی امبیسیڈر کا قتل پورے ملک کا قتل مانا جاتا ہے کیونکہ وہ پورے ملک کا ترجمان ہوتا ہے۔

﴿وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام لوگوں کے لیے اور ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے مبعوث فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء اپنی معین قوم اور معین زمانے میں بھیجے جاتے تھے، نیز دعوت کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور فرمایا۔ یہ اتمام نعمت ہے۔

﴿وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾ آپ کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے گا۔

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾

اور اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا۔(۳)

مدد کی سعادت دینے کے ساتھ عزیز یعنی غالب مدد عطا کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾

وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) اللہ ہی کے ہیں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔(۴)

سکینت سے مراد اللہ کے حکم کی تعمیل پر ثبات واطمینان ہے، یعنی انہیں تردد نہ ہوگا نہ ان کے قدم ڈگمگائیں گے۔

﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ﴾ پہلے ایمان لائے پھر جو حکم مزید آتا گیا اس کی تصدیق سے ایمان میں اضافہ ہوتا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے اور عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجرِ عظیم دے گا۔(۱۰)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ﴾

بیعت کی قسمیں:

بیعت کی دو قسمیں ہیں:

Scanned by CamScanner

ایک بیعت جو نبی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔

دوسری بیعت وہ جو خلیفہ کے ہاتھ پر ہوتی ہے یہ بیعت خلیفہ کے اقتدار کو تسلیم کرنے کے لیے ہوتی ہے، تاکہ اسلام کا اجتماعی نظام قائم ہو اور اس نظام کے تحت احکام وقوانین کی، بشرطیکہ وہ شریعت سے متصادم نہ ہوں پابندی کی جائے، رہی وہ بیعت جو پیر، اپنے مرید بنانے کے لیے کرتا ہے تو یہ صریح بدعت ہے، شریعت نے اس کا حکم نہیں دیا نہ صحابہ میں اس کا طریقہ رائج تھا، علاوہ ازیں اس میں طرح طرح کی قباحتیں ہیں، مثلاً عقیدت میں غلو، بزرگ پرستی، پیر کا اپنے بارے میں غلط زعم میں مبتلا ہونا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دینی بیعت کرنا اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ (٢٦)

جاہلانہ حمیت سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص محض اپنی ناک کی خاطر جان بوجھ کر ایک ناروا کام کرے۔ کفار مانتے تھے کہ ہر شخص کو حج وعمرے کے لیے بیت اللہ کی زیارت کا حق حاصل ہے اور کسی کو اس مذہبی فریضے سے روکنے کا حق نہیں، محض اپنی ناک کی خاطر انہوں نے مسلمانوں کو عمرے سے روکا، یہ سلوک ویسا ہی تھا جیسا کہ آج کل مخصوص مسالک کے لوگ اپنی مسجدوں میں کتاب وسنت پر عمل کرنے والوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ (٢٨)

حجت اور عقلی دلائل کے لحاظ سے یہ غلبہ آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ

Scanned by CamScanner

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جولوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کررہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے جولوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔(۲۹)

﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ انسان میں اللہ نے دو قوتیں رکھی ہیں ایک قوت شہویہ دوسرے قوت غضبیہ، قوت شہویہ کا کمال یہ ہے کہ اس کو رحمت الٰہی کے تابع کر دے اور اللہ جس پر مہربان ہو اس سے محبت کرے۔ ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے اور قوتِ غضبیہ کا کمال یہ ہے کہ اس کا غصہ، غضب الٰہی کے تابع ہو، یعنی اللہ جس پر غضبناک ہو، مومن بھی اس پر غضبناک ہو۔ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ﴾ سے مراد صحابہ ہیں، ان کی صفات بیان کی جارہی ہیں۔

(۱) ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ کافروں پر سخت۔

(۲) ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں رحیم۔

(۳) ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ بکثرت نماز پڑھنے والے۔

(۴) ﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ اللہ کی خوشنودی کے لیے عبادت کرنے والے۔

پہلے ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ سے ان کے اعمال کا حال بیان کیا گیا اور ﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ سے ان کے اخلاص کو بیان کیا گیا کہ وہ ہر کام محض اللہ کے لیے کرتے ہیں۔

(۵) ﴿سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ان کے اندرونی ایمان کا رنگ ان کے چہرے پر دکھائی دیتا ہے۔ کوئی صحابی کسی مجمع میں ہو تو دور سے پہچان لیا جائے۔

(۶) ﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ ان کی مثال توراۃ وانجیل میں ہے۔

(۷) ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ﴾ صحابہ کی ترقی کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی اور کھیتی کی چار حالتیں ہیں:

(۱) دانہ نکلنے کی حالت: یہ نہایت کمزور حالت ہے۔ بعثت نبوی کے زمانے میں مسلمانوں کی حالت بہت کمزور تھی۔

(۲) ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ مضبوط ہوئی کہ اب کھیتی ضائع نہ ہوگی یہ حالت ہجرت کے بعد پیدا ہوئی۔صحابہ،مشرکین کے جوروستم سے نکل کر مدینہ چلے گئے۔پھر معرکے پیش آئے۔

(۳) ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾ (موٹا ہوگیا) یہ حالت شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما) کے زمانے میں پیش آئی،شیخین نے دنیا کی دو بڑی سلطنتوں ایران اور روم کو فتح کرلیا۔

(۴) ﴿فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾ یہ انتہائی کمال کی حالت ہے۔یہ حالت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حاصل ہوئی،پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح وتوصیف کو مغفرت اور اجر عظیم کے وعدے پر ختم فرما کر ان کی عظمت وبرتری پر مہر ثبت فرمادی۔امام مالک رحمہ اللہ نے اسی آیت سے شیعوں کے تکفیر پر استدلال کیا ہے کیونکہ ان کے دل میں صحابہ سے بغض ہے۔

﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ رکوع اور سجدے میں کمال عبودیت ہے،اسے ہم نے ابلیس کے قول ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ﴾ (الاحقاف:۱۷) سے سمجھا ہے کہ اس نے تمام جہتوں کا ذکر کیا مگر جہتِ اعلیٰ اور اسفل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اوپر کی طرف ہم دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور نیچے سجدہ کرتے ہیں،جو عبودیت کی ذلت کی نمائندگی کرتا ہے۔

﴿يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ ان کی نرمی اور سختی اور نماز کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہے،دنیا میں انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے جنھوں نے اچھے اچھے کام کئے چونکہ ان کا مقصد اللہ کی رضا نہ تھی لہٰذا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

﴿مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ﴾ تورات میں صحابہ کی یہی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

﴿مَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ﴾ اور انجیل میں دوسرے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جیسے ﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ﴾ غور فرمائیں کہ تورات میں جو اوصاف بیان ہوئے ہیں،ان سب کا تعلق روحانیات سے ہے اور انجیل میں جن اوصاف کا ذکر کیا گیا وہ سب مادیات سے متعلق ہیں۔تورات میں روحانی پہلوؤں کا اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ قوم یہود انتہائی مادہ پرست قوم واقع ہوئی ہے اور انجیل میں صرف روحانیت کا تذکرہ کیا گیا کیونکہ نصاریٰ پر روحانیت کا غلبہ تھا جس میں زندگی کی حرکت نہیں تھی اور مومنین مادیت اور روحانیت کے جامع ہیں۔

﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ کفار کو انہیں دیکھ کر غصہ آتا ہے کہ ان کے پاس دنیا اور دین دونوں ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ایمان نے جہنم سے نجات دی اور عمل صالح نے ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کردیا۔﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (آل عمران:۱۸۵) جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔

﴿مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اس میں پہلے تخلیہ (صاف کرنا) ہے،پھر تحلیہ (سنوارنا) ہے یعنی پہلے اللہ انہیں بخشے گا

Scanned by CamScanner

پھر اجر عطا کرے گا، یہیں سے یہ قاعدہ نکلا کہ "درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح" (مفاسد کو دور کرنا منافع کے حصول پر مقدم ہے)

❀❀❀

سورۃ الحجرات (مدنیة)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

مومنو! (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو ڈرتے رہو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔(۱)

نصوص صریحہ کی موجودگی میں علماء وفقہاء کے اقوال کو ترجیح نہ دی جائے، یہ بات اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہے، اپنی طرف سے دین میں اضافہ یا بدعات کی ایجاد اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے؛ دین کے معاملے میں اپنی رائے اور سمجھ کو ترجیح نہ دی جائے، کوئی فتویٰ قرآن وحدیث میں غور کیے بغیر نہ دیا جائے اور دینے کے بعد اس کے خلاف، نص شرعی سے واضح ہو جائے تو اپنے فتوے سے رجوع نہ کرنا، اس آیت میں دیے گئے حکم کے منافی ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا﴾ "أن يكونوا ماشين خلف أوامر الله، متّبعين لسنة رسول الله لا يقولوا حتى يقولَ ولا يأمروا حتى يأمر" کہ وہ اللہ کے احکام کے پیچھے چلنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنے والے بنیں، وہ نہ بولیں جب تک رسول نہ بولیں اور نہ حکم دیں جب تک رسول حکم نہ دیں۔

﴿بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اللہ اور رسول کا معاملہ الگ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنا اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر تو ہیں لیکن عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہیں، آپ فضل وشرف کے درجہ عالیہ پر فائز ہیں اور یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اپنے جیسا سمجھ لے اور یہ بھی جائز نہیں کہ آپ کو معبود سمجھ بیٹھے، ہر شخص پر یہ واجب ہے کہ آپ کا احترام کرے اور ہمیشہ خود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹا اور حقیر سمجھے اور آپ کو ایسی سعادت عظمیٰ عطا فرمائی ہے جو کسی بشر کو حاصل نہیں، لہٰذا نبی بات کر رہے ہوں تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ آپ کی بات کاٹے اور یہ بھی جائز نہیں کہ نبی بات کر رہے ہوں تو آپ کے خاموش ہونے سے پہلے خود بولنے لگے، یہ ﴿لَا

﴿ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ ﴾ کے خلاف ہے، اور اس کے مابعد ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ کہہ کر تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ پھر ﴿ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ کہا گیا کہ اگر کوئی شخص نبی کی عظمت کے تقاضوں کی رعایت میں دھوکے سے کام لے گا تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اللہ خبیر بذات الصدور ہے اور اگر کوئی نبی کی عظمت کا اعتراف اخلاص نیت سے کر رہا ہے تو اللہ اس پر مطلع ہے اور اگر کوئی اپنی آواز اور اپنی باتوں سے نبی کی تعظیم کرے گا تو اللہ اس کا بھی جاننے والا ہے کیونکہ وہ سمیع (سننے والا) بھی ہے اور علیم (جاننے والا) بھی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝٢

اے اہلِ ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (۲)

نبی کے سامنے شور وشغب نہ کریں یا نبی سے کوئی معاملہ کرتے وقت یا آپ سے بات کرتے وقت آپ کے سامنے آواز بلند نہ کرے، نبی کی حدیث موجود ہو تو یہ کہنا کہ فلاں امام نے تو یہ کہا ہے یہ رسول کی آواز پر آواز کو بلند کرنا ہے۔

﴿ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ ﴾ "ای لا یرفع المخاطب له صوته معه فوق صوته" نبی کے روبرو، خواہ نبی سے بات کرتے ہوئے یا نبی کے سامنے کسی اور سے بات کرتے ہوئے۔ شور وغل مت مچاؤ۔ یہاں خاص نبی سے بات کرنے کا ادب سکھایا گیا ہے۔

﴿ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ﴾ "ای یغض الصوت ویخاطبه بأدب ولین" نبی سے بات کرتے وقت آواز کو پست رکھو اور بڑے ادب اور نرمی سے نبی کو مخاطب کرو اور آپ سے اس طرح پکار کر اور خطاب کر کے باتیں نہ کیا کرو جس طرح آپس والوں سے کرتے ہو کیونکہ پہلا حکم ﴿ لَا تُقَدِّمُوْا ﴾، دوسرا حکم ﴿ لَا تَرْفَعُوْۤا ﴾ اور تیسرا حکم ﴿ لَا تَجْهَرُوْا ﴾ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤

جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ (۴)

عن أبي سَلَمة، قال: ثني الأقرع بن حابس التميمي أنه أتى النبيّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم، فناداه، فقال: يا محمد إن مدحي زين، وإن شتمي شين؛ فخرج إليه النبي صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم فقال: وَيْلَكَ ذٰلِكَ اللهُ،

فأنزل الله ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ﴾...الآية. (تفسیر طبری)

اقرع ابن حابس تمیمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو پکارا اور کہا یا محمد! "وذُكر أن هذه الآية والتي بعدها نزلت في قوم من الأعراب جاءوا ينادون رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من وراء حجراته، يا محمد اخرج إلينا" کچھ اعرابی آئے اور آپ کے حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے لگے کہ اے محمد! ہماری طرف نکلیے۔ (تفسیر طبری)

وروي أنهم وفدوا وقت الظهيرة ورسول الله صلى الله عليه وسلم راقد، فجعلوا ينادونه: يا محمد يا محمد، اخرج إلينا، فاستيقظ وخرج، ونزلت. (تفسیر قرطبی)

(ا) وہ لوگ وفد کی شکل میں ظہر کے وقت آئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے اور وہ آپ کو آواز دینے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہماری طرف نکلیے۔ تو آپ بیدار ہو گئے اور نکلے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔ (۷)

آپ وحی سے حکم دیتے ہیں اس کے برخلاف کسی کی رائے یا بات کی کیا حیثیت ہے۔ ﴿لَوْ يُطِيْعُكُمْ﴾ کشتی کا ناخدا کشتی میں بیٹھنے والوں کی ہر ہر بات کے مطابق چلے تو کشتی غرقاب ہو جائے گی کیونکہ تمہاری بہت سی باتیں خطا سے خالی نہیں ہوتیں، ان پر وہ چلے اور تم بھی چلو تو انجام برا ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ (۱۰)

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ صلح کرا دو، اللہ سے ڈرو۔ اشتعال نہ دلاؤ اور نہ لڑانے کی بات کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا

Scanned by CamScanner

تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتیں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔(۱۱)

مذاق کرنے اور مذاق اڑانے میں فرق

مذاق اڑانا یہ ہے کہ متعلقہ فرد کے جذبات مجروح ہوں، چونکہ مذاق اُڑانے والا اپنے آپ کو متعلقہ فرد سے برتر سمجھتا ہے یہ دوہرا گناہ ہوا اور کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اسے تمسخر کہتے ہیں۔

﴿لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ طعنہ نہ مارو یہ دل دکھانے کی چیز ہے، اس میں فقرے چست کرنا بھی داخل ہے، اس سے باہمی تعلقات کشیدہ ہوجاتے ہیں۔

"همز" اور "لمز" میں فرق

"اللمز بالقول والهمز بالفعل" لمز کا تعلق قول سے ہے اور "همز" کا تعلق فعل سے ہے۔ "لمز" کا مطلب ہے کسی کا عیب نکالنا جس سے مقصود اس کی تحقیر ہو۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے۔

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ "تنابز بالالقاب" کا مطلب ہے کسی کا برا نام رکھنا یا اسے برے نام سے پکارنا، جو شخص کسی مسلمان کا برا نام رکھتا ہے وہ اس کی عزت پامال کرتا ہے، قرآن کہتا ہے جو کسی کے لیے برے نام تجویز کرتا ہے وہ ایسا کر کے خود اپنے اوپر بدترین نام چسپاں کر لیتا ہے اور وہ نام ہے "فاسق"۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(۱۲)

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾

Scanned by CamScanner

اجتناب کا مفہوم: "الاجتناب معناه البُعد حتى تكونَ المعاصى فى جانب وهو فى جانب ولا يتلاقيا قطّ" اجتناب کا مطلب "دوری" ہے کہ گناہ ایک طرف ہو اور آدمی ایک طرف ہو کہ دونوں کبھی نہ مل سکیں جیسے ندی دو پاٹ آپس میں کبھی نہیں ملتے۔

"تجسس" کا مطلب ہے، پوشیدہ عیب کا سراغ لگانا اور ظن کا مطلب ہے، بغیر کسی قوی دلیل کے کسی پر کوئی الزام لگا: بدگمانی سے بچو، یہ نہیں کہا گیا کہ گمان سے بچو، بلکہ فرمایا گیا کہ زیادہ گمان سے بچو، کیونکہ گمان سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے، پھر یہ فرمایا بعض ظن گناہ ہوتے ہیں مثلاً کوئی شخص غیبت کر رہا ہے تو اس سے ایسا گمان کرنا کہ کہیں اور جا کر میری غیبت کرے گا، اس طرح کے ظن میں کوئی حرج نہیں، پہلے سوءظن، پھر تجسس، اس کے بعد غیبت کا ذکر کیا گیا، اس ترتیب میں نکتہ یہ ہے کہ آدمی جب اپنے بھائی کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے تبھی تجسس کرتا ہے اور جب تجسس کرتا ہے تو غیبت کرتا ہے، نکتہ یہ بھی ہے کہ قرآن گناہ کے ساتھ ساتھ گناہ تک پہونچانے والی چیزوں سے بھی روکتا ہے۔

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۔ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ غور فرمایئے اللہ نے غیبت کے لیے کیسی تمثیل بیان فرمائی ہے، ایک تو گوشت انسان کا ہے، حیوان کا نہیں۔ دوسرے وہ اس کا بھائی ہے، تیسرے وہ گوشت مردار کا ہے اور مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اولاً اس کی خسّت و دنائت کو واضح کیا، دوسری حکمت یہ ہے کہ کسی کے سامنے اس کے عیوب ظاہر کئے جائیں تو وہ مدافعت کر سکتا ہے۔ بخلاف غیبت کے کہ وہاں مدافعت کرنے والا کوئی نہیں تو وہ مردہ ہی ہوا، اس طرح غیبت کی حرمت زیادہ مؤکد ہو گئی۔

غیبت اور بہتان میں فرق:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ (مسلم كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ بَاب تَحْرِيمِ الْغِيبَةِ: ٢٥٧٩)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے فرمایا تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے عرض کیا اگر وہ عیب واقعی اس میں موجود ہو تو آپ نے فرمایا اگر تم اس عیب کا تذکرہ کرو جو واقعی اس میں ہے تو غیبت ہے ورنہ تو نے بہتان باندھا۔

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ عیب نہ تلاش کرو، جیسے لوگوں کے خطوط پڑھنے کی کوشش کی جائے یا لوگوں کے گھروں میں جھانکنے کی کوشش کی جائے۔

"تجسّس" اور "تحسّس" میں فرق:

"تجسس" (بالجیم) ایسے امر کی جستجو کے لیے آتا ہے جس کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اور "تحسس"

Scanned by CamScanner

(بالحاء) مطلق تلاش کے لیے ہے، یہاں تک کل بارہ احکام بیان ہوئے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ (۱۳)

نسب سب کا ایک ہے کیونکہ سب آدم وحوا کی اولاد ہیں۔تو یہ فخر کی چیز نہ ہوئی، فخر کی چیز پرہیزگاری ہے، نسب پر فخر بھی نفرت وعداوت کا باعث ہے۔

نکاتِ سورۂ حجرات

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾

اے مومنو! کسی بات کے جواب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے، قول اور فعل میں اللہ اور اس کے رسول سے سبقت نہ کرو "ومن التقدم بين يدى الله ورسوله البدع بجميع أنواعها" اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے میں تمام قسم کی بدعات شامل ہیں "فان حقيقة حال المبتدع انه يستدرك على الله ورسوله مافات مما يدعى أنه شرع كانه يقول ان الشريعة لم تكمل" بدعتی کی حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ اور رسول سے جو رہ گیا تھا وہ اس کو پورا کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ شریعت ہے۔ گویا وہ کہتا ہے کہ شریعت مکمل نہیں ہے اور بدعت ایجاد کر کے اس نے اس کو مکمل کیا ہے اور اور یہ تصور ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ﴾ (المائدہ:۳) سے پوری طرح معارض ہے۔ ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ (توحق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟) بدعت فی نفسہ ضلالت تو ہے ہی ساتھ ساتھ وہ دین پر اعتراض بھی ہے کہ وہ ناقص ہے۔

بدعت کی قسمیں:

بدعت کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) بدعت فی العقیدہ جیسے تمثیل یا تعطیل وغیرہ۔

(۲) بدعت فی الاقوال جیسے دعائیں ایجاد کرنا جو سنت سے ثابت نہیں۔

(۳) بدعت فی الافعال جیسے ذکر کے وقت تالیاں بجانا، کعبہ کو بطور تبرک مسح کرنا وغیرہ۔

Scanned by CamScanner

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنا تقویٰ کے خلاف ہے۔

﴿سَمِيْعٌ﴾ :اللہ سن رہا ہے جو تم بولتے ہو۔

﴿عَلِيْمٌ﴾ :وہ جانتا ہے جو تم کہتے ہو یا کرتے ہو۔

﴿اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾

عقل کی قسمیں:

عقل کی دو قسمیں ہیں (۱) عقل رشد (۲) عقل تکلیف۔ عقل رشد کی ضد "سفہ" ہے اور عقل تکلیف کی ضد "جنون" ہے۔ وضو کی صحت کی شرط یہ ہے کہ وضو کرنے والا عاقل ہو، یہاں عقل سے مراد "عقل تکلیف" ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ مال میں تصرف کرنے کی شرط یہ ہے کہ متصرف، عاقل ہو، یہاں عقل سے مراد "عقل رشد" ہے اور اگر "عقل تکلیف" نہ ہو تو اس کو ملامت نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی مذمت کی جائے گی، کیونکہ مجنوں کے پاس عقل نہیں ہوتی۔

نکتہ عجیبہ: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ﴾ تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب بنایا ﴿وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ اور تمہارے دلوں میں اس کو مزین کر دیا، کوئی انسان کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو کبھی یہ محبت عارضی ہوتی ہے لیکن کسی چیز کو مزین کر دیا جائے تو وہ محبت قائم و دائم ہو جاتی ہے۔

﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو نہیں کہا گیا کہ اسے رد کر دو اور یہ بھی نہیں کہا گیا کہ اسے قبول کر لو، بلکہ ہمارے لیے اس خبر کی تحقیق ضروری ہے، اگر وہ واقع کے مطابق ہے تو قبول کر لو ورنہ رد کر دو، مگر عادل خبر لائے تو قبول کر لو مگر اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

﴿ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ کفر ایمان کے مقابل ہے۔

"فُسُوْق": استقامت کے مقابل ہے۔

"عِصْيَان": اذعان کے مقابل ہے۔

تو کفر، فسق سے بڑا ہے اور فسق عصیان سے بڑا ہے اور کفر کی وجہ سے اسلام سے بالکلیہ نکل جاتا ہے۔

﴿اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ "الظّن، هوان يكون لدى الانسان احتمالان يترجح احدهما على الآخر" ظن کا مطلب ہے کہ آدمی کے پاس دو احتمالات ہوں اور ان دونوں میں سے ایک، دوسرے پر راجح ہو۔

ظن کی دو قسمیں ہیں (۱) حسن ظن (۲) سوء ظن۔

﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ یعنی بعض ظن گناہ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اکثر ظن گناہ نہیں بلکہ بعض ظن گناہ ہیں۔ نیز کل الظن (ہر ظن) بھی گناہ نہیں بلکہ بعض ظن گناہ ہیں۔

﴿ كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ کا مطلب ہے کہ سوء ظن (بدگمانی) پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو، جو اس سوء ظن پر دلالت کرے تو

Scanned by CamScanner

انسان کے لیے یہ ظن جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے ﴿ كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ﴾ کہا۔ "اکثر الظن" اور "کل الظن" نہیں کہا۔

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ اگر غیبت کسی مصلحت کی بنا پر ہو تو جائز ہے جیسے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ ونہا آئیں اور کہا کہ انہیں تین آدمیوں نے پیغام نکاح بھیجا ہے (۱) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (۲) ابوجہم رضی اللہ عنہ (۳) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا معاویہ تو صعلوک ہیں یعنی ان کے پاس مال نہیں ہے اور ابوجہم اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں اتارتا تو اسامہ بن زید سے شادی کرلو، اسی طرح جیسے کوئی لین دین میں اچھا نہیں ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے بیع مت کرو، وہ جھوٹا ہے یا ٹال مٹول کرنے والا ہے، اسی طرح کوئی شخص اپنی بیٹی کی شادی کسی لڑکے سے کرنا چاہتا ہے اور آپ سے مشورہ لے رہا ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بیڑی سگریٹ پیتا ہے یا وہ ظاہراً خوش اخلاق ہے بہ باطن بد اخلاق ہے وغیرہ اور جیسے ہندہ رضی اللہ عنہا نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: قَالَتْ هِنْدُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ مَا يَكْفِينِي وَبَنِيَّ؟ قَالَ: "خُذِي بِالْمَعْرُوفِ" (بخاری، کتاب النفقات: ۵۳۷۰)

اے اللہ کے رسول ﷺ! ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ خرچ اتنا نہیں دیتے جو میرے اور بچوں کے لیے کافی ہو، اسی طرح کتبِ رجال میں کہا جاتا ہے فلان سیئی الحفظ۔ فلان کذوب" وغیرہ

﴿ واتقوا اللّٰه ﴾ تقویٰ دو چیزوں سے متحقق ہوتا ہے: (۱) امتثال امر اللہ بدون تردد (۲) اجتناب نہی اللہ بدون تردد کہ اللہ کا یہ حکم بجالاؤں نہ بجالاؤں۔ اللہ کی اس منع کردہ چیز سے رکوں یا نہ رکوں۔

❀❀❀

سورة ق (مكية)

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④

ان کے جسموں کو زمین جتنا (کھا کھا کر) کم کرتی جاتی ہے ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے۔ (۴)

یہ بعث بعد الموت پر ایک مشہور شبہ کا جواب ہے، کہ انسان سڑگل کر مٹی ہو جاتا ہے، پانی اور ہوا، مٹی کے ان ذرات کو نہ جانے کہاں کہاں پہنچا دیتے ہیں، ان بکھرے ہوئے اجزاء کو معلوم رکھنا کہ یہ جز فلاں کا ہے اور یہ جز فلاں کا ہے، کس کے بس کا ہے؟ جواب یہ دیا گیا کہ اپنے محدود علم کو لامحدود علم پر قیاس مت کرو، مرنے کے بعد انسان کا ایک ایک جز اللہ کی نظر میں

Scanned by CamScanner

ہے،اس آیت سے ایک عظیم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ قبر میں انسان کا سارا جسم خاک نہیں ہو جاتا بلکہ ایک خاص حصہ محفوظ ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس سے انسان کے DNA کی طرف اشارہ ہو جو ہزاروں برس گزرنے پر بھی باقی رہتا ہے اور ہر انسان کا DNA دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ﴿مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ﴾ (جسے زمین کم کرتی ہے) کہا "ماتفنی الارض" (جسے زمین فنا کر دیتی ہے) نہیں کہا۔ اس سے نکتہ یہ ملا کہ انسان کا پورا جسم فنا نہیں ہوتا بلکہ "عجب الذنب" (دُمچی) باقی رہتا ہے، اس لیے ﴿تَنْقُصُ﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور پھر مختلف نشانیوں کا ذکر کر کے فرمایا ﴿تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴾ پھر اس کے آگے ﴿رِزْقًا لِّلْعِبَادِ﴾ پہلے فرمایا، "عبد" کے ساتھ منیب کی قید لگائی گئی اور عباد کے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی گئی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ رزق سب کو ملتا ہے، لیکن بصیرت اور تذکر اللہ کے خاص بندے کو ملتا ہے اور وہ خاص بندہ عبد منیب ہوتا ہے، عبد منیب کھاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو صرف عبد ہوتا ہے وہ محض جانوروں کی طرح کھاتا ہے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝

اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں۔(۷)

زمین کی سطح کو وسیع کیا کہ اربوں انسان آباد ہو سکیں اور زمین پر پہاڑوں کا کھونٹا ٹھونک دیا تا کہ زمین کے توازن کو برقرار رکھے۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰

اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔(۱۰)

کھجور کے شگوفوں کی پتیاں غلاف کے اندر تہ بہ تہ ہوتی ہیں، جو حسین آرٹ کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝۱۲ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝۱۳
وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝۱۴

(یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے (کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے شہرِ مُردہ (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا (بس) اسی طرح (روزِ قیامت) نکل پڑنا ہے۔(۱۱)۔ ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں۔(۱۲)۔ اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی۔(۱۳) اور بَن کے رہنے والے اور تبّع کی قوم (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعید (عذاب) بھی پورا ہو کر رہا۔(۱۴)

﴿اَصْحٰبُ الرَّسِّ﴾ سے مراد قوم شعیب ہے ﴿الرَّسِّ﴾ ایک پختہ کنواں تھا جس سے لوگ مویشیوں کو پانی پلاتے تھے، یہ آخرت کے حق میں تاریخی استدلال ہے کہ آخرت کا عقیدہ جو تمام انبیاء پیش کرتے رہے وہی حقیقت کے عین

Scanned by CamScanner

مطابق ہے، کیونکہ عقیدۂ آخرت کا انکار جس قوم نے بھی کیا وہ شدید اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو کر رہی اور آخر کار اللہ کے عذاب نے آ کر اس کے وجود سے دنیا کو پاک کر دیا، آخرت کے انکار اور اخلاق کے بگاڑ کا یہ لزوم جو تاریخ کے دوران مسلسل نظر آ رہا ہے اس امر کا صریح ثبوت ہے کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار اور غیر جوابدہ بنا کر نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ اسے لازماً اپنی مہلتِ عمل ختم ہونے کے بعد اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں۔(۱۶)

اللہ انسان کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے، یعنی انسان کو اپنے احوال کا اتنا علم نہیں ہوتا جتنا کہ اللہ کو اس کے احوال کا علم ہے، اللہ فرماتا ہے کہ ہم انسان کے صرف ظاہری اعمال ہی کو نہیں جانتے ہیں بلکہ اس کے دل میں گزرنے والے خیالات کو بھی جانتے ہیں، دل میں گذرنے والے خیالات کو وسوسہ کہا، "وھی فی الاصل صوت الحلی" وہ درحقیقت زیوروں کی آواز ہے، کبھی یہ وسوسہ نفس کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾

جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔(۱۷)

انسان کے دائیں بائیں دو فرشتے بیٹھے ہوئے اس کی زندگی کے تمام حرکات و سکنات کو ریکارڈ کر رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ ریکارڈ کاغذ و قلم کے ذریعے تیار کیا جا رہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ ریکارڈ کرنے کے بے شمار طریقے ہیں، مگر یہ ریکارڈنگ انسان کی ایجاد کردہ ریکارڈنگ کے مقابلے میں بہت ہی معیاری ہوگی، اللہ عالم الغیب ہے مگر ریکارڈ کی تیاری اتمام حجت کے لیے ہے۔ اللہ قیامت میں محض اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ شہادات کی بنیاد پر فیصلے ہوں گے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔(۱۸)

جب اقوال لکھے جا رہے ہیں تو افعال بدرجۂ اولیٰ لکھے جا رہے ہیں، ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ﴾ میں نیت، قول اور عمل سب داخل ہیں، جہاں تک نیت کا معاملہ ہے تو آدمی جو کچھ سوچتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اس کے ذہن میں ریکارڈ ہو جاتا ہے، اس کو انسان چاہے بھی تو مٹا نہیں سکتا، اسی لیے برسوں پرانی بات بھی انسان نہیں بھولتا، انسان کے جسم کے سارے خلیے

Scanned by CamScanner

(Cells) مسلسل ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں اور نئے خلیے بنتے رہتے ہیں، جیسے بال اور ناخن بدل جاتے ہیں، ایسے ہی جسم کی ہر چیز بدل جاتی ہے حتی کہ دماغ کا بھی یہی معاملہ ہے،۔ بتایا جاتا ہے کہ دس سال میں انسان کے جسم کے سارے خلیے ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں، مگر دماغ میں محفوظ باتیں نہیں مٹتی ہیں، گویا کہ بورڈ ٹوٹ جاتا ہے مگر بورڈ پر لکھی ہوئی چیز نہیں مٹتی اور قول کا معاملہ ایسا ہے جیسے پانی میں کنکر پھینکنے سے اس میں لہریں پیدا ہوتی ہیں، ایسے ہی انسان جب زبان سے کچھ کہتا ہے تو وہ لہروں میں تبدیل ہوجاتی ہیں اور یہ لہریں کبھی ختم نہیں ہوتیں، اور رہا عمل کا معاملہ تو ہر چیز بالکل اپنی شکل کی حرارت خارج کرتی ہے یہاں تک کہ کہیں کچھ افراد بیٹھے ہوئے ہوں تو ان کی تصویریں ان کے وہاں سے اٹھنے کے دو گھنٹے بعد بھی لی جاسکتی ہیں، نیویارک شہر پر ایک نامعلوم ہیلی کاپٹر چکر لگا کر چلا گیا، ایک کیمرے سے رات میں دو گھنٹے کے بعد اس کی تصویر نکال لی گئی، انسان کی کھال بھی بولے گی، ڈاکٹر آرلین کارنی (Arlene Carney) امریکہ کی الینوائز (Illinois) یونیورسٹی میں سمعیات کے ماہر ہیں ان کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے گردوپیش جو آوازیں بلند ہوتی ہیں وہ انسان کی کھال پر نقش ہوجاتی ہیں، پروفیسر موصوف نے اس کو کھال کی آواز (Skin Speech) کا نام دیا ہے، پروفیسر موصوف کا کہنا ہے کہ مخصوص الکٹرانک آلات کے ذریعہ انسان کی کھال کو اس کے کان کا بدل بنا سکتے ہیں اور وہ کھال پر مرتسم آواز کی لہروں کو سن سکتا ہے، (ٹائمز آف انڈیا۔ ۳۰ر مئی ۱۹۸۴) سورۂ فصلت کی آیت ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (فصلت:۲۱) میں اشارہ ہے کہ انسان کی کھال اس کے اعمال کا ریکارڈر ہے۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾

اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا ایک (فرشتہ) اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک (اس کے اعمال کی) گواہی دینے والا۔ (۲۱)

عدالتِ الٰہی میں انسانوں کو حاضر کرنے والے دو فرشتے، ایک ہانکنے والا اور گواہ، دو کراماً کاتبین ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ایک فرشتہ ہانکے لاتا ہے اور ایک کے پاس نامۂ اعمال ہے۔

﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ مرنے کے بعد آنکھیں وہ سب کچھ دیکھیں گی جو زندگی میں نہ دیکھ سکتی تھیں، دنیا کی مثال خواب کی سی ہے اور آخرت کی مثال بیداری کی سی جیسے خواب میں آدمی کی آنکھیں بند ہوتی ہیں وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا، اسی طرح انسان ان حقائق کو جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے دنیا کی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، ہاں! آنکھیں بند ہوتے ہی وہ سارے حقائق سامنے آجائیں گے، موت کے وقت انسان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے اور اس عالم کو بھی دیکھ لیتا ہے جو نگاہوں سے مستور ہے۔

﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ﴾ یہ بات وہی اللہ کہہ رہا ہے جس نے دوسرے مقام پر کہا ﴿ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ

آمِيْنَ﴾ (الحجر:۴٦) کہااوراسی نے اس سورۂ ق کے آخر میں ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ (ق:۴۵) کہا ہے، یعنی ﴿اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ﴾ سے بچنا اور ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ﴾ کا حقدار بننا ہے تو ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ پر عمل کرنا ہے۔

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾

اور اس کا ہمنشین (فرشتہ) کہے گا یہ (اعمال نامہ) میرے پاس حاضر ہے۔(۲۳)

قرین سے مراد شیطان ہے جو دنیا میں اس کا ساتھی بنا، جب انسان کو عذاب میں ڈالنے کا حکم ہوگا تو انسان اپنی سرکشی کا ذمہ دار شیطان کو ٹھہرائے گا، شیطان اس کی تردید کرتے ہوئے کہے گا میں نے اس پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی، یہ خود پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہو گیا تھا لہٰذا قصوروار اور مجرم یہ خود ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۲﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾

یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یعنی) ہر رجوع لانے والے حفاظتکرنے والے سے۔(۳۲)

جو اللہ سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور رجوع لانے والا دل لے کر آیا۔(۳۳)

جو شخص مخالفِ شریعت چیزوں سے اللہ کے عذاب کے خوف سے رجوع کرے وہ منیب ہے اور جو جلال الٰہی کی تعظیم کی وجہ سے رجوع کرے تو وہ اوّاب ہے۔

﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ امام رازی رحمہ اللہ نے خوف اور خشیت کے درمیان ایک باریک فرق بتایا ہے۔ خوف کا لفظ اس ڈر کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی کی طاقت کے مقابلے میں اپنی کمزوری کے احساس کی بنا پر آدمی کے دل میں پیدا ہو اور خشیت اس ڈر کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی کی عظمت کے تصور سے آدمی کے دل پر طاری ہو، یہاں خوف کے بجائے خشیت کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ مومن کے دل میں اللہ کا ڈر محض اس کی سزا کے ڈر ہی سے نہیں ہوتا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ کی عظمت و بزرگی کا احساس اس پر ہر وقت ایک ڈر طاری کیے رہتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔(۳۷)

قلب سے مراد قلبِ حَی یعنی دلِ زندہ مراد ہے۔ ﴿اَلْقَى السَّمْعَ﴾ یعنی جو کہا جا رہا ہے حاسۂ سماعت کو اس کی طرف متوجہ کر دے، یہ کلام سے تاثر کی شرط ہے۔ ﴿وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ یعنی دل حاضر ہو غافل نہ ہو، قرآن مؤثر ہے اور اثر کو قبول کرنے کا محل قلب ہے۔ توجہ سے سننا اور مانع کا نہ ہونا شرط ہے۔ مانع کا مطلب خطاب کے معنی سے دل کا ہٹ جانا ہے، اگر یہ

Scanned by CamScanner

شرطیں پائی گئیں تو انتفاع اور تذکر حاصل ہوگا۔ عقل کا مرکز قلب ہی ہے۔

﴿لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ﴾ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: عقل (تفسیر الوسیط للواحدی) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہاں قلب سے مراد عقل ہے یعنی قرآن سے بے عقل کو فائدہ نہیں پہنچنے والا ہے۔

﴿لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ﴾ آیاتِ الٰہیہ سے فائدہ دو شخصوں کو پہونچتا ہے، ایک وہ جو خود عقل رکھتا ہے، دوسرے آیات کو کان لگا کر سنے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ کان تو سن رہے ہوں مگر دل حاضر نہ ہو۔

﴿بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾ رنج و راحت میں اللہ کی طرف متوجہ رہا کسی حال میں اپنے رب سے منہ موڑ کر غیر سے لو نہ لگائی، منیب انابت سے مشتق ہے جس کے معنی ایک طرف رخ کرنے اور بار بار اسی کی طرف پلٹنے کے ہیں، جیسے قطب نما کی سوئی ہمیشہ قطب ہی کی طرف رخ کئے رہتی ہے اور آپ خواہ اسے کتنا ہی ہلائیں جُلائیں، وہ ہر پھر کر قطب ہی کی سمت میں آجاتی ہے، پس قلب منیب سے مراد ایسا دل ہے جو ہر طرف سے رخ پھیر کر ایک اللہ کی طرف مڑ گیا اور پھر زندگی بھر جو احوال گذرے ان میں وہ بار بار اللہ ہی کی طرف پلٹتا رہا۔ شاعر نے کہا:

ہر پھر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْقُلُوبُ أَرْبَعَةٌ: قَلْبٌ أَجْرَدُ فِيهِ مِثْلُ السِّرَاجِ يَزْهَرُ، وَقَلْبٌ أَغْلَفُ مَرْبُوطٌ عَلَى غِلَافِهِ، وَقَلْبٌ مَنْكُوسٌ، وَقَلْبٌ مُصْفَحٌ، فَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَجْرَدُ: فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ سِرَاجُهُ فِيهِ نُورُهُ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَغْلَفُ: فَقَلْبُ الْكَافِرِ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْمَنْكُوسُ: فَقَلْبُ الْمُنَافِقِ عَرَفَ، ثُمَّ أَنْكَرَ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْمُصْفَحُ: فَقَلْبٌ فِيهِ إِيمَانٌ وَنِفَاقٌ، فَمَثَلُ الْإِيمَانِ فِيهِ كَمَثَلِ الْبَقْلَةِ يَمُدُّهَا الْمَاءُ الطَّيِّبُ، وَمَثَلُ النِّفَاقِ فِيهِ كَمَثَلِ الْقُرْحَةِ يَمُدُّهَا الْقَيْحُ وَالدَّمُ، فَأَيُّ الْمَدَّتَيْنِ غَلَبَتْ عَلَى الْأُخْرَى غَلَبَتْ عَلَيْهِ (مسند احمد: ۱۱۱۲۹، ضعیف)

دل کی چار قسمیں ہیں:

(۱) قلب اجرد: (صاف دل، جس میں غل و غش نہ ہو) یہ مومن کا دل ہے۔

(۲) قلب اغلف: (جس دل پر غلاف چڑھا ہوا ہو) یہ کافر کا دل ہے۔

(۳) قلب منکوس: (اوندھا دل) یہ منافق کا دل ہے۔

(۴) قلب مصفح: ایسا دل جس میں دو مادے ہیں ایک مادہ ایمان کا اور دوسرا مادہ نفاق کا ہے۔ یہی بات ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "امراض القلوب وشفاءھا" میں تحریر فرمایا ہے کہ دل کی چار قسمیں ہیں۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى﴾ اس پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک تبصرہ ہے، کہتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

من یوتی الحکمة وینتفع بالعلم علی منزلین اما رجل رایٰ الحق بنفسه فقبله، واتّبعه، فذلک صاحب القلب اور جل لم یعقله بنفسه بل هو محتاج الی من یعلمه، ویبینه له ویعظه، ویودّبه فهذا اصغیٰ فالقی السمع وهو شهید ای حاضر القلب (تفسیر ابن تیمیہ:۹۷/۲۶)

قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والے دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ایک وہ جو حق کو خود دیکھتا ہے اور قبول کر لیتا ہے اس کو اللہ تعالی نے ﴿لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔اس سے ایک نکتہ یہ ملا کہ حقیقت میں دل وہ ہے جو حق کو قبول کر لے، دوسرا آدمی وہ ہے جو تلاش حق کے سلسلے میں کسی معلم کا محتاج ہوتا ہے اور وہ اس کی باتوں کو بغور سن کر قبول کر لیتا ہے۔ اس کی طرف اشارہ ﴿اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ سے کیا گیا۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور نماز کے بعد بھی اس (کے نام) کی تسبیح کیا کرو۔(۴۰)

﴿فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَأَنْ أَقُولَ سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ (مسلم، کتاب الذکر والدعاء:۲۶۹۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ کہنا اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی اور جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے یہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے۔(۴۴)

﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا﴾ انسان زمین کے پیٹ سے پیدا ہوں گے۔وہیں ان کی تشکیل و تکمیل ہوگی۔﴿ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ یہاں لفظ حشر قابل غور ہے جیسے پہلی بارش کے فوراً بعد زمین سے بے شمار پتنگے اُڑتے ہیں اور روشنی کی طرف بھاگتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

سورة الذاريات (مكية)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝

اور آسمان کی قسم جس میں رستے ہیں۔(۷)

"حُبک، حبیکۃ" کی جمع ہے جیسے "طریقۃ" کی جمع "طرق" ہے، کہا جاتا ہے "حبک الشعر" گھونگھریالے بال، "حبک الماء" پانی کی شکستہ لہریں، "حبک الرمل" ریت کی دھاریاں، "حبک السماء" سے مراد ستاروں کی گزرگاہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے "ھذا الشئی محبوک ای صنع بدقۃ لا زیادۃ فیہ ولا نقصان"، کپڑے کی بناوٹ میں اگر حُسن وجودت (عمدگی) آجائے تو عرب کہتے ہیں "ما احسن حبکہ" کیا سجاوٹ والا کپڑا ہے! یا ستارے مراد ہیں جن کی وجہ سے آسمان کی زینت ہے جس طرح کپڑے پر چھپی ہوئی دھاریوں سے کپڑے کی سجاوٹ ہوتی ہے۔

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝

کہ (اے اہل مکہ) تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو۔(۸)

﴿اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ﴾ یعنی جس طرح ستاروں کے راستے مختلف ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تمہاری باتیں مختلف ہیں، کبھی کہتے ہو پاگل ہے، کبھی کہتے ہو کہ ساحر ہے، کبھی کہتے ہو شاعر ہے، اس میں مشرکین کے قولی اختلاف اور مقاصد کی منافات کو ستاروں کی گزرگاہوں سے تشبیہ دی گئی، کیونکہ آسمانی راستوں میں بھی باہم بڑی دوریاں اور مقاصد میں اختلاف ہے، بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں، اور ہر ایک کی بات دوسرے سے مختلف ہے، کوئی کہتا ہے دنیا ازلی وابدی ہے، کوئی کہتا ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں، کوئی کہتا ہے قیامت برپا نہ ہوگی، کوئی کہتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے کے لیے بار بار اس دنیا میں جنم لیتا ہے، کوئی کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو صلیب پر موت دے کر انسانوں کے ازلی گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، کچھ لوگ سب کچھ مان کر کہتے ہیں کہ بزرگ ہمارے شفیع (سفارشی) ہیں، یہ سب قیاس وگمان سے حکم لگانے والے ہیں۔

Scanned by CamScanner

حقیقت کو جاننے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعے دیتا ہے، اس علم کے صحت کے متعلق آدمی اپنا اطمینان اس طرح کر سکتا ہے کہ آفاق وانفس میں جو نشانیاں ہیں ان پر نظر غائر ڈالے اور سوچے کہ یہ نشانیاں اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہیں یا نہیں، جو نبی کہہ رہا ہے۔

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿٩﴾

اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔(۹)

﴿ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴾ جس کو قرآن اور رسول پر ایمان لانے سے محروم کر دیا جاتا ہے وہی محروم رہتا ہے، ایک فصیح و بلیغ شخص آپ کے پاس آتا ہے اور آپ کو شکوک و شبہات میں مبتلا کرتا ہے تو آپ دھوکہ کھا جائیں گے، اس طرح رسول کو جھٹلانے والے بڑے چرب زبان اور مکار ہیں، یہ لوگوں کو رسول سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے یعنی یہ گمراہی کا سبب بنیں گے مگر گمراہ وہی ہوگا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ حق کے لائق نہیں ہے۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾

اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں۔(۱۰)

﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾ غارت ہوں اٹکلیں لگانے والے یا اٹکل باتیں کرنے والے ہلاک ہوں، یا بے سند باتیں کرنے والے، "خرص" کا مطلب ہے کسی یقینی دلیل کے بغیر کسی بات کا گمان کرنا، دلیل مضبوط نہ ہو پھر بھی اپنے موقف پر ڈٹے رہنا، جیسے پُر جنم کا عقیدہ، عمل کے بجائے شفاعت پر تکیہ کر لینا۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾

رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے۔(۱۷) اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔(۱۸)

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴾ ھجوع کا مطلب ہے رات کو سونا، یعنی وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾

اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔(۱۹)

اسی کو سورۂ معارج میں کہا ﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ (سورۂ معارج:۲۵) محروم وہ ہے جو کسی معذوری یا حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے گزر بسر کا سامان نہ پاتا ہو۔

Scanned by CamScanner

وہاں حق کے ساتھ معلوم بڑھا دیا، یہاں نہیں بڑھایا، اس لیے کہ سورۂ معارج میں حق معلوم سے مراد زکوٰۃ ہے کیونکہ اس سے پہلے فرائض کا ذکر ہے اور سورہ ذاریات میں نفلی صدقہ و خیرات مراد ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے نفلی عبادت کا ذکر ہے۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾

اور خود تمہارے نفوس میں تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ (٢١)

پہلے زمین کا تذکرہ پھر نفس کا، پھر آسمان کا، نفس کو زمین اور آسمان کے درمیان لایا گیا ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ (١) مادی (٢) روحانی۔ نفس مادی پہلو سے زمین کی طرف رجحان رکھتا ہے اور روحانی پہلو سے آسمان کی طرف میلان رکھتا ہے۔

وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٢٢﴾

اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔ (٢٢)

یہاں رزق عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمارے لیے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، اس میں بارش بھی داخل ہے۔ ﴿وَمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ سے مراد جنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنت آسمان میں ہے، زمین پر یا کہیں اور نہیں ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿٢٣﴾

تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم! یہ (اسی طرح) قابلِ یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔ (٢٣)

اصمعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک اعرابی نے یہ آیت سن کر چیخ ماری اور کہا سبحان اللہ! رب جلیل کو کس نے غضبناک کر دیا کہ اس نے قسم کھائی، اس نے تین بار یہ الفاظ کہے اور اس کی جان نکل گئی، بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ مخاطب کا انکار جس درجے کا ہوتا ہے خبر دینے والا کلام کو اسی قدر تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے، پہلے قسم کھائی پھر "اِنّ" تحقیق کا استعمال کیا پھر لام تاکید ذکر فرمایا اور پھر کہا کہ یہ حق ہے اور آخر میں کلام کی حقانیت کو نطق انسانی سے تشبیہ دی جو کھلی ہوئی محسوس حقیقت ہے، یعنی جیسے تم جانتے ہو کہ تم بولتے ہو، یا جس طرح تمہارے لیے ایک لفظ بول دینا آسان ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے بڑے سے بڑا کام کر دینا آسان ہے۔

﴿مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾ ہر انسان کو اپنے بولنے کا یقین ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ہم میں سے کوئی اپنے بولنے کا انکار نہیں کرتا ہے اور جب بولتا ہے تو اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ بولا، اسی طرح قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام حق ہے جس طرح ہمارا بولنا حق ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿٢٤﴾

بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ (٢٤)

Scanned by CamScanner

﴿ضَيْفِ﴾ "ضیف" کی جمع "ضیوف" اور "اضیاف" بھی آتی ہے، لیکن "ضیف" مفرد لایا گیا، کہا گیا ہے
﴿ضَيْفِ﴾ مصدر یطلق علی الواحد والکثیر کہ ضیف کا اطلاق ایک اور زیادہ (مفرد تثنیہ اور جمع) پر بھی ہوتا ہے۔
اس میں مہمان نوازی کا ایک ادب یہ بھی بتایا گیا کہ میزبان کو تمام مہمانوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرنا چاہئے، ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دے یعنی تمام مہمان ایک ہی آدمی کے حکم میں ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ ان آیات میں مہمانی کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں، مہمان کو چاہئے کہ میزبان کو سلام کرے اور میزبان کو چاہئے کہ مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ آپ کھانا کھائیں گے؟ کیونکہ مہمان تکلفاً اکثر انکار کر دیتا ہے بلکہ چپکے سے کھسک جائے اور جو کچھ میسر ہو، لے آئے، مہمانی کے لیے اچھی چیز گوشت ہے، جہاں مہمان بیٹھے وہیں لا کر کھانا رکھے، اصرار کرے تا کہ مہمان کی جھجک ختم ہو، کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں مگر ہماری خاطر کھایئے، مہمان اجنبی بھی ہو تو کھانے کے لیے پوچھا جائے، ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں سے یہ بھی نہیں کہا میں جا کر کھانا لاتا ہوں، بلکہ چپکے سے کھسک گئے، اس وقت سارہ کی عمر ۹۹، اور ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ ر سال تھی۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان۔ (۲۵)

سلام کے آداب:

مہمان سلام کرے میزبان سلام کا جواب اس سے اچھا دے، سلام مشروع ہے، سلام کو چھوڑ کر "اھلاً و سھلاً و مرحبا" اور "کیف حالک" خدا حافظ وغیرہ کہنا غیر مشروع ہے، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے، تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں، سوار، پیدل کو سلام کرے، اسی طرح اوپر والا نیچے والے کو سلام کرے، جیسے لفٹ وغیرہ سے کوئی اوپر سے نیچے آرہا ہے یا ایک شخص سیڑھی پر چڑھ رہا ہے اور دوسرا اتر رہا ہے تو چڑھنے والا سلام کرے، سلام میں پہل کرنے والا بہتر ہے، سلام ایسی آواز سے کرے جو سنی جائے، سلام کرنے والا شرح صدر اور خندہ پیشانی کے ساتھ سلام کرے، اور کوئی آپ سے کہے فلان یسلّم علیک (فلاں نے آپ کو سلام کہا ہے) تو آپ اس سے "علیک وعلیہ السلام" کہیں۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾

تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے۔ (۲۶)

﴿فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾ "رَاغَ اِلٰی، أی انسل بخفیۃ وسرعۃ" چپکے اور تیزی سے کھسک گئے، یہ ضیافت کا بہترین انداز ہے، یہ نہیں کہا بیٹھئے میں کھانا لے کر آتا ہوں اور بالکل تاخیر نہیں کی، گئے اور کھانا لے کر آ گئے۔
﴿عِجْلٍ سَمِيْنٍ﴾، مہمان کو فربہ جانور کا تازہ گوشت کھلائے یعنی مہمان کو اچھے سے اچھا کھانا کھلانے کی کوشش کرے۔

Scanned by CamScanner

فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾

(اور کھانے کے لیے) ان کے آگے رکھ دیا کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ (۲۷)

﴿اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ یہ درخواست ہے اور درخواست حکم سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾

اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی۔ (۲۸)

﴿وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ﴾ یہاں تین بشارتیں ہیں، لفظ غلام سے معلوم ہوا کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہوگا لڑکی نہیں۔ وہ لڑکا عالم ہوگا اور پیدا ہونے والا بچہ شعور کی دہلیز میں قدم رکھے گا۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾

تو ابراہیم کی بیوی چلاتی آئی اور اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگی کہ (اے ہے ایک تو) بڑھیا اور (دوسرے) بانجھ۔ (۲۹)

﴿فِیْ صَرَّةٍ﴾ "أی فی صیحة سرور" خوشی کی چیخ کے ساتھ، اسی سے قلم سے نکلنے والی آواز کو صریر کہتے ہیں۔ فَصَكَّتْ۔ تعجب سے اپنا ہاتھ اپنے چہرے پر مارا۔ ﴿عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ﴾ بڑھیا اور بانجھ کو بچہ!

﴿عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ﴾ یہاں تین تین موانع موجود ہیں: (۱) میں ایسی عمر کو پہنچ چکی ہوں جس عمر میں عورتوں کو بچے نہیں ہوتے۔ (۲) میں بانجھ ہوں میرا رحم بچے کی ولادت کے لائق ہی نہیں۔ (۳) تیسرا مانع سورہ ھود میں ہے کہ یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں، قرآن میں تین چیزوں کے لیے لفظ عقیم استعمال ہوا ہے، یہاں ﴿عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ﴾ اسی میں آگے ہے ﴿الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ﴾ اور سورۂ حج میں ﴿عذاب یَوْمٍ عَقِیْمٍ﴾ امام ضحاک رحمہ اللہ نے کہا کہ ﴿عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ﴾ کا مطلب ہے۔ التی لا ولد لها (وہ عورت جو بانجھ ہو) اور ﴿الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ﴾ کا مطلب ہے التی لا برکة فیها ولا منفعة ولا تلقیح (وہ ہوا جس میں کوئی برکت اور فائدہ اور پانی نہ ہو) اور ﴿عذاب یَوْمٍ عَقِیْمٍ﴾ کا مطلب ہے یوم لا لیلة له (ایسا دن جس کے بعد رات نہ آئے) یعنی عذاب دن میں رہا رات آئی ہی نہیں۔

ظالموں کی بستی میں چند اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے موجود ہوں تو عذاب الٰہی ٹال دیا جاتا ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۲۷

سورۃ الذاریات

(آیت: ۳۱)

تا

سورۃ الحدید

(آیت: ۲۹)

مجمع بالقبس للبحوث الإسلامية
حیدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

ستائیسواں پارہ

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۳۲﴾
لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ ﴿۳۳﴾

ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟ (۳۱) انہوں نے کہا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (۳۲) تا کہ ان پر کنکر برسائیں۔ (۳۳)

﴿حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ﴾ پکی ہوئی مٹی کے گول پتھر، دنیا کے کسی پہاڑ میں ایسے پتھر نہیں نکلتے جو قوم لوط پر برسائے گئے۔

مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۳۴﴾

جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیئے گئے ہیں۔ (۳۴)

﴿مُسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ﴾ یہ نشانی آج بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے Dead Sea کا جنوبی علاقہ آج بھی تباہی کے آثار پیش کر رہا ہے، ایک برطانوی تحقیقاتی ٹیم نے اس سمندر کی تہ میں اس تباہ شدہ بستی کے آثار دریافت کر لیے ہیں۔ یہ دنیا کا واحد سمندر ہے جس میں کوئی جاندار چیز باقی نہیں رہتی، پانی کی کثافت (Density) اور اچھال (Buoyancy) اتنی زیادہ ہے کہ جو شخص تیرنا بھی نہ جانتا ہو وہ بھی نہیں ڈوبتا۔

لوط علیہ السلام کے بارے میں ﴿فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ کہا۔ "فأخرجنا لوطاً وأهل بيته" نہیں کہا، اس لیے کہ یہاں ایمان کی شان بیان کی جارہی ہے، اس لیے کہ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب سے نجات اس لیے دی کہ وہ اپنے رسول پر ایمان لائے اس لیے نہیں کہ وہ لوط علیہ السلام کے اہل وعیال تھے۔

فَمَا وَجَدۡنَا فِيۡهَا غَيۡرَ بَيۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۶﴾

اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ (۳۶)

Scanned by CamScanner

ایک ہی گھر کیوں کہا؟ کیونکہ ایک ہی گھر اسلام پر تھا، اگر ایک سے زیادہ ہوتا تو ہم ضرور بچا لیتے۔

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾

اور جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لے وہاں نشانی چھوڑ دی۔(۳۷)

اس آیت میں تین اہم مضامین بیان ہوئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات اس وقت تک کسی قوم کی کامل تباہی کا فیصلہ نہیں کرتا جب تک اس میں کچھ قابل لحاظ بھلائی موجود رہے، برے لوگوں کی اکثریت کے مقابلے میں اگر قلیل عنصر بھی ایسا پایا جاتا ہو جو بدی سے روکنے اور نیکی کے راستے کی طرف بلانے کے لیے کوشاں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو کام کا موقع دیتا ہے، مگر حالت جب یہ ہو جائے کہ قوم کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی خیر باقی نہ رہے تو اللہ تعالی کا قانون ہے کہ ان چند لوگوں کو بچا لیتا ہے اور باقی لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو ہر ہوشمند باغبان اپنے باغ کے سڑے ہوئے پھلوں کے ساتھ کرتا ہے۔

(۲) تمام انبیاء کے پیروؤں کا نام مسلمان تھا۔

(۳) مسلم و مومن میں فرق ہے، ہر مومن، مسلم ہے مگر ضروری نہیں کہ ہر مسلم، مومن ہو، دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿٤٧﴾

اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے۔(۴۷)

یہ آسمان ہم نے کسی کی مدد سے نہیں بنایا بلکہ اپنے زور سے بنایا ہے اور اس عظیم کائنات کو ایک دفعہ بنا کر نہیں رہ گئے بلکہ مسلسل اس کی توسیع کر رہے ہیں، سائنسداں کہتے ہیں کہ کائنات ایک دھماکے کے ساتھ وجود میں آئی ہے، جسے وہ بگ بینگ تھیوری کا نام دیتے ہیں اس عظیم دھماکے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی وسعت کا عمل اب تک جاری ہے، ماہرین فلکیات نے اعتراف کیا ہے کہ اس کائنات کی انتہا کا ہمیں علم نہیں اور یہ مسلسل پھیلتی جا رہی ہے یہ اعتراف اس آیت کی صداقت کی واضح دلیل ہے۔

وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ﴿٤٨﴾

اور ہم ہی نے زمین کو بچھایا تو (دیکھو) ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں۔(۴۸)

زمین کی سطح کو اس خوبی سے پھیلایا ہے کہ اس پر چلنا آسان ہو گیا ہے، جغرافیہ کے لحاظ سے دیکھیں تو زمین کا قطر تیس ہزار میل اور اس کی سطح تقریباً پچاس کروڑ کلومیٹر ہے جس سے اس کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾

تو تم لوگ اللہ کی طرف بھاگ چلو میں اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔(۵۰)

Scanned by CamScanner

﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾

نکتہ عجیبہ: جب جنت کی بات آئی تو اللہ نے فرمایا ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (آل عمرآن: ۱۳۳) اور طلب دنیا کی بات آئی تو فرمایا ﴿فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا﴾ (سورۂ ملک: ۱۵) اور جب اللہ کی بات ائی تو کہا گیا ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح راستے پر گاڑی کی (Speed) رفتار کتنی ہونی چاہئے اس سے زیادہ رفتار پر جرمانہ پڑتا ہے مگر اللہ کے راستے اور جنت کے راستے میں رفتار کی کوئی تقیین نہیں صرف اور صرف بھاگنا ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾

اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ میں اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔ (۵۱)

﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ تمہارے مزعومہ شرکاء تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ (۵۶)

مقصدِ تخلیق انسانی توحید عبادت ہے، یہاں ارادۂ تشریعیہ یعنی ان کو عبادت کا حکم دینا مراد ہے، نہ کہ ارادۂ تکوینیہ یعنی عبادت پر مجبور کرنا۔

غور کیا جائے تو دنیا کی تمام چیزیں انسان کے کام کے لیے ہیں، اگر یہ ساری چیزیں نہ ہوتیں تو انسان کا نظام ضرور بگڑ جاتا لیکن انسان نہ ہوتا تو اُن کا کچھ نہ بگڑتا، اب سوال یہ ہے کہ دنیا کی ہر شئے جب انسان کے لیے ہے تو پھر انسان کس کے لیے ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کوئی نہ کوئی مقصد ہونا چاہئے ورنہ انسان کی پیدائش محض فضول ہوئی اور انسان کی عظمت و شرافت کو تسلیم کرتے ہوئے کوئی عاقل یہ باور نہیں کرسکتا کہ انسان جیسی ہستی عبث اور فضول پیدا کی گئی ہے، واضح ہوا کہ تمام موجودات انسان کے لیے ہیں اور انسان صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ (۵۷)

اپنے اور اپنے اولاد کی رزق کی فراہمی کو مقصود اصلی نہ سمجھے۔

Scanned by CamScanner

سورة الطور (مكية)

وَالطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾

(کوہِ) طُور کی قسم!۔(۱)

﴿وَالطُّوۡرِ﴾ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جس پہاڑ میں درخت ہوں وہ طور ہے اور جس میں درخت نہ ہوں وہ جبل ہے۔

وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾

اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔(۲)

﴿وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ﴾ سے مراد لوح محفوظ ہے۔

فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾

کشادہ اوراق میں۔(۳)

رُقُوق جَمعُ رق، كل ما يكتب فيه جلداً كان أو غيره ۔رقوق، رق کی جمع ہے۔رق کا مطلب ہر وہ چیز ہے جس پر لکھا جائے، وہ چمڑا ہو یا کوئی اور چیز ہو، رق، ہر آسمانی کتاب کو بھی کہتے ہیں۔

وَّالۡبَيۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾

اور آباد گھر کی۔(۴)

بیت معمور سے مراد:

فَرُفِعَ لِي البَيْتُ المَعْمُورُ، فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ، فَقَالَ: هَذَا البَيْتُ المَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ۔ (بخاری، کتاب بدء الخلق: ۳۲۰۷)

بیت معمور ساتویں آسمان پر وہ عبادت خانہ ہے، مالک بن صعصعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

Scanned by CamScanner

جبرئیل علیہ السلام نے معراج میں بتایا کہ یہ بیت معمور ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب ایک دفعہ وہاں سے نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾

اور اونچی چھت کی۔ (۵)

﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ﴾ (بلند چھت) اس سے مراد آسمان ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾

جس دن ان کو آتشِ جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائیں گے۔ (۱۳)

الدعّ کا مطلب ہے الدفع بالعنف (شدت کے ساتھ ڈھکیلنا) جہنمیوں کو شدت سے ڈھکیل کر جہنم میں داخل کیا جائے گا، یعنی جہنم میں داخل کرتے وقت انہیں بہت ذلیل کیا جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہِ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔ (۲۱)

بزرگوں کے ساتھ تعلق آخرت میں کام دے گا، مگر بشرط ایمان، یعنی جن کے باپ عمل و کردار کی بنا پر جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی ایماندار اولاد کے درجے بلند کر کے ان کو ان کے باپوں کے ساتھ ملا دے گا، یہ نہیں کرے گا کہ باپوں کے درجے کم کر کے ان کی اولاد کے کمتر درجے میں لے آئے، یہ بات اس کے فضل و احسان سے فروتر ہوگی۔ وہ بی کلاس والوں کو اے کلاس عطا کرے گا، یہ اس کا احسان ہوگا جو اولاد پر آباء کے نیک عملوں کی برکت سے ہوگا۔ ایک حدیث مسند احمد میں ہے کہ اولاد کی دعا سے آباء کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے، ایک شخص کے درجے جب جنت میں بلند ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کا سبب پوچھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیری اولاد کی دعاء مغفرت کی وجہ سے۔

(مسند احمد: ۱۰۶۱۰)

﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾

یہ نجات سے متعلق اصل ضابطہ ہے کہ عمل ہی چھڑائے گا اور عمل ہی ہلاک کرے گا، لہٰذا کوئی اپنے بزرگوں پر بھروسہ کر کے اعمال صالحہ کی کوشش سے آزاد نہ بن جائے۔

Scanned by CamScanner

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ، فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الآيَةَ: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ، أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ بَلْ لاَ يُوقِنُونَ، أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ﴾ "قَالَ: كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ. (بخاری: کتاب التفسیر، ۴۸۵۴)

جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے سنا اور جب آپ ﷺ اس آیت ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ﴾ پر پہنچے تو میرا دل اُڑنے کو ہو گیا۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بیشک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔ (۲۸)

﴿اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ﴾ انسان کی نجات میں اصل عامل کی حیثیت عقیدۂ توحید کی ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾

تو (اے پیغمبر!) آپ نصیحت کرتے رہو آپ اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہو اور نہ دیوانے۔ (۲۹)

جہاں تک مجنوں کی بات ہے تو کیا دنیا میں کبھی کسی پاگل کے گرد اتنے عقلمندوں کا اجتماع ہوا ہے؟ اور کاہن تو خبائث میں ملوث رہتے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾

کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں؟۔ (۳۰)

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ﴾ تم بھی کلام پر قادر ہو اگر قرآن شاعری ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر دکھا دو۔

﴿رَيْبَ الْمَنُوْنِ﴾ کا معنیٰ ''گردشِ زمانہ'' ہے۔

المراد من الريب أي الشک لأنها لا تدوم ولا تبقى فيكون استعارة تصريحية، المنون من أَمَنَّ بمعنى قَطَعَ وهو القطع إسم للموت أو الدهر لأنه يقطع العدد وينقص المدد۔

ریب سے مراد شک ہے، کیونکہ وہ دائم اور باقی نہیں رہتا، تو یہ استعارۂ تصریحیہ ہے اور منون، ''اَمَنَّ'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ اس کا ایک معنی موت بھی ہے کیونکہ موت زندگی کو کاٹ دیتی ہے، اور یہ زمانے کے معنی میں بھی

Scanned by CamScanner

آتا ہے۔ کیونکہ یہ عدد کو کاٹ دیتا ہے اور مد د کو کم کر دیتا ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؁۳۵

کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔(۳۵)

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ یہ بڑا چبھتا ہوا سوال ہے کہ انسان بغیر خالق کے کیسے پیدا ہو گیا؟ یا وہ خود ہی خالق ہے؟ ان دونوں باتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے، واضح ہوا کہ ایک خالق کا وجود نا قابل انکار حقیقت ہے، کیونکہ انسان تین حالتوں سے خالی نہیں۔

(۱) کسی خالق نے انہیں پیدا نہیں کیا بلکہ از خود وجود میں آ گیا، جو کہ ناممکن ہے۔

(۲) اپنے آپ کو پیدا کر لیا، یہ بھی محال ہے۔

(۳) تیسری صورت متعین ہو گئی کہ انہیں خالق نے پیدا کیا ہے۔

﴿مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ کیا یہ آپ ہی آپ بن گئے ہیں؟ ایسا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ کوئی حادث بغیر محدث کے نہیں ہو سکتا۔

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کیوں بگڑ رہے ہو؟ کیا تم خود بن گئے ہو؟ کسی بنانے والے نے تمہیں نہیں بنایا، یا اپنے بنانے والے تم خود ہو؟ یا یہ وسیع کائنات تمہاری بنائی ہوئی ہے؟ اگر تم اللہ تعالیٰ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہو تو غصے کے لائق یہ بات ہے کہ جو خالق نہیں ان کی بندگی کی جائے اور جو خالق ہے اس کی بندگی نہ کی جائے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ؁۳۷

کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں؟۔(۳۷)

﴿اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ﴾ یہ کفار مکہ کے ایک اعتراض کا جواب ہے کہ آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نبی بنائے گئے؟ جواب یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے کسی کو تو بہر حال رسول مقرر کیا جانا تھا اب سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا کس کا کام ہے کس کو بنائے کس کو نہ بنائے؟ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے رسول کو نہیں مانتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کائنات کا مالک یہ اپنے آپ کو سمجھ بیٹھے ہیں، یا پھر ان کا زعم یہ ہے کہ اس کائنات کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اس میں حکم ان کا چلے، اور اگر یہ رسول کی بات ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ان کے پاس حقیقت کو جاننے کا آخر ذریعہ کیا ہے؟ کیا ان میں سے کسی شخص نے عالم بالا پہنچ کر اللہ تعالیٰ یا فرشتوں سے براہ راست معلوم کر لیا ہے کہ یہ جن عقائد کو اپنائے ہوئے ہیں وہ صحیح ہیں؟ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہے تو وہ سامنے آئے۔

وجود باری کی دلیل:

دنیا میں جس قدر اشیاء موجود ہیں وہ سب کی سب ممکنات سے ہیں، یعنی ان کا ہونا نہ ہونا، یعنی وجود وعدم برابر درجے کے ہیں۔

پس جب تک ان کے وجود کے لیے کوئی مرجح اور موجد اور خالق و فاعل نہ ہو اس وقت تک ان چیزوں کا وجود اپنے عدم سے نکل کر موجود نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خود بخود یا اتفاق وقت سے کوئی چیز بلا سبب موجود نہیں ہوسکتی، یہ مسئلہ ہر دین، ہر ملت، ہر علم اور ہر جدید وقدیم فلسفے میں مسلّم ہے کہ بلا سبب کوئی چیز اپنا عدم اصلی چھوڑ کر وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کے وجود کے لیے کوئی نہ کوئی سبب اور موجد ہونا ضروری ہے، جو اسے عدم سے ترجیح دے کر وجود میں لائے، ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا اور یہ محال ہونے کے علاوہ ہر ذی ہوش کے نزدیک ظاہر البطلان بھی ہے۔ جب اس کے لیے مرجح ضروری ہوا، تو ہر سمجھدار آدمی کے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ یہ مرجح اپنی ذات میں مستقل اور غیر محتاج اور واجب الوجود ہے۔ یا وہ خود منجملہ ممکنات کے ایک ممکن ہے۔ اور اپنے وجود میں آنے کے لیے دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر اس مرجح کو بھی ممکن کہا جائے تو اس کے لیے کوئی اور مرجح ہوگا۔ پھر دوسرے مرجح کے لیے یہی گفتگو ہوگی۔ اس طرح مرجحوں کا یہ سلسلہ الی غیر النہایہ چلا جائے گا جو خود محال ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ مرجحوں کا سلسلہ اخیر میں ایک ایسے مستقل اور غیر محتاج اور واجب الوجود مرجح پر جا کر ختم ہوگا کہ جس کے وراء الورا کوئی مرجح نہیں۔ یہی ذات واجب الوجود ہے جسے اہل اسلام اللہ کی ہستی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ثبوت:

اللہ تعالیٰ کا تصور شروع میں جس طرح بھی پیدا ہوا ہو بہر حال پیدا ہوا، اور اب جب کہ یہ تصور ذہن انسانی میں موجود ہی ہے تو اس تصور کو تو ختم کیا ہی نہیں جا سکتا، یہ اور بات ہے کہ کسی کوشش کے ساتھ اس کی تصدیق کو شک کے ساتھ مخلوط کر دیا جائے، اس تصور کا بقاء اور پھر اس تصدیق کے مقابلہ میں جارحانہ کوششیں جو ایک طبقہ کی طرف سے ہمیشہ سے جاری ہیں اور اب زیادہ نمایاں طور پر جاری ہیں، یہی ایک خالی الذہن فرد کے ذہن میں ذوقِ تحقیق پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ جس کے ساتھ طبیعت کی افتاد، ذہن کی روش اور دلائل کا وزن بہت سوں کو بہر حال اس کے ماننے کی دعوت دیتا رہے گا۔

اللہ یعنی کیا؟ کائنات کے لیے ایک مبدأ اول کا وجود تو سب کے نزدیک مسلّم ہے، مادّیین اور طبیعیین بھی عالم کا ایک مبدأ قرار دیتے ہیں، اسے نیچر کہا جائے یا ذرّاتِ مادہ، لیکن وہ اللہ کو تسلیم نہیں کرتے، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ صرف کسی مبدأ اول کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ قیود کی ضرورت ہے، انہیں قیود کے ماننے اور نہ ماننے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اقرار اور انکار کا امتیاز وابستہ ہے۔ پہلی قید یہ ہے کہ وہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کائنات میں شامل نہیں ہے بلکہ اس کے ماوراء ہے، مادّیین و طبیعیین جس مبدأ اول کے قائل ہیں وہ اس کائنات کا جز ہے اور اس کے اندر کارفرما ہے۔ اس فرق کو یوں سمجھنا چاہئے کہ کوئی بھی مرکب شئے جو تیار کی جائے اس میں چار چیزیں ہوتی ہیں جو اس کے وجود میں دخیل ہیں۔

(۱) وہ اجزاء جن سے مل کر وہ چیز بنائی گئی ہے جیسے تخت کے لیے لکڑی کے تختے، لوہے کے پتّر اور کیلیں۔ ان کو علّت مادّیہ کہتے ہیں۔

(۲) وہ صورت جو ان اجزاء کے اجتماع سے پید ہو، اسے ''علّتِ صوریہ'' کہا جاتا ہے۔

(۳) وہ شخص جو اس کا تیار کرنے والا ہے جیسے وہ بڑھئی جس نے تخت تیار کیا ہے یہ ''علتِ فاعلیہ'' ہے۔

(۴) وہ مقصد جس کے لیے یہ تخت تیار کیا گیا۔ یہ ''علتِ غائیہ'' ہوتی ہے۔ یہ تو ایک خاص مرکب چیز ہے، اب اسی معیار پر اس

Scanned by CamScanner

تمام عالم کے مجموعہ پر نظر ڈالیے۔ اس تمام عالم کے لیے مادیین اور طبیعیین جس مبدأ اول کو تسلیم کرتے ہیں وہ فقط علتِ مادیہ ہے، وہ اس کائنات سے الگ کچھ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مرکب کی طرح اس عالم کے لیے بھی ایک ''علّتِ فاعلیہ'' تسلیم کی جائے جسے اس دنیا کا موجد کہا جا سکے، اس کا اقرار اللہ تعالیٰ کا اقرار ہے اور اسے تسلیم نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک قوت کو اس تمام خلق میں کارفرما مان کر یہ سمجھنا کہ یہ بھی ایک طرح اللہ تعالیٰ کا اقرار ہو گیا درست نہیں ہے۔ جب تک کہ اس قوت کو اس کائنات سے خارج مان کر فاعل تسلیم نہ کیا جائے۔ اس فاعل حقیقی کو مان لیا جائے تو بیشک اللہ تعالیٰ کا اقرار ہو گیا۔ چاہے پھر اس کی تعبیر قوت ہی کے لفظ سے کر لی جائے۔ کیونکہ تعبیرات سے اصل حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ایمان کا تعلق حقیقتوں کے ماننے کے ساتھ ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے جن سے ان حقیقتوں کا اظہار کیا جائے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ مادّیین و طبیعیین جس مبدأ اول کے قائل ہیں اس کے افعال یا خواص میں شعور کا کوئی سوال نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کو ماننے کے معنی ہیں ایک ایسی ذات کو ماننا جو علم وشعور کی مالک ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس علم و ارادہ کی حقیقت کے سمجھنے میں علمائے مذاہب یا فلاسفۂ الٰہیّین باہم مختلف نظر آتے ہیں۔ لیکن اصل علم وشعور کا ثبوت ایک نقطۂ مشترک ہے جس کے مانے بغیر اللہ تعالیٰ کا تصور قابل قبول نہیں ہے۔ اس طرح اللہ کو ماننے کے معنی قرار پاتے ہیں: ''کائنات کے لیے ایک باشعور خالق کا اقرار''۔ اسی ذات کو جسے ''درونِ پردۂ کائنات'' ''باشعور کارساز'' مانا جا سکے، اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

وجوبِ وجود:

جس چیز میں ہستی کے ساتھ نیستی کا گزر ہو، اسے ممکن اور حادث کہتے ہیں اور جس میں نیستی کا گزر نہ ہو اسے ''واجب الوجود'' کہتے ہیں، عالم کی ہر چیز ممکن اور حادث ہے، جب ان سب کا مجموعی طور پر تصور کر کے ان کے لیے خالق کو تسلیم کیا تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ اس سلسلہ کا جزء نہیں ہے بلکہ اس سے خارج ہے، اور جب اس سے خارج ہے تو واجب الوجود ہے۔ اس طرح تمام عالم کائنات کے ماوراء، واجب الوجود کو ماننا اور اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنا دونوں باتیں لازم وملزوم ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ کو ثابت کرنے کے طریقے: مذکورہ بالا بنیادوں پر اللہ تعالیٰ کی تصدیق حاصل کرنے کے دو راستے ہو گئے۔ ایک ممکنات کے ماوراء، واجب الوجود کی ضرورت ثابت کرنا۔ یہ فلاسفہ کا راستہ ہے۔ دوسرے مخلوق کے لیے خالق کی ضرورت ثابت کرنا۔ یہ متکلمین کا راستہ ہے۔ اور چونکہ پہلا راستہ اصطلاحات کے وزن کی وجہ سے زیادہ بوجھل ہے، اس لیے خواص ہی کے دماغ کو زیادہ متوجہ کر سکتا ہے۔ اور دین خواص وعام سب کے لیے ہوتا ہے اس لیے رہنمایانِ دین نے زیادہ تر دوسرے طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ اور قرآن وحدیث میں بیشتر اسی رُخ سے استدلال نظر آتا ہے لیکن نتیجہ میں دونوں راہیں ایک ہی منزل پر پہنچتی ہیں۔ پھر اندازِ استدلال اور اسلوبِ استناد سے ہر طریقے میں مختلف طریقے ہو گئے، جو زیادہ تر انہی دو راستوں کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ یہ دونوں راستے تو نظری حیثیت سے ہیں، اس کے علاوہ نفسیاتی اور ذوقی کچھ اور راستے علمائے دین نے اختیار کیے ہیں، جو بہت سے افراد کی اطمینانِ ضمیر کا باعث بنتے رہے ہیں۔

Scanned by CamScanner

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک دلیل:

(واجب الوجود کی اصطلاح، شرعی اصطلاح نہیں ہے، یہ متکلمین کی ایجاد ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے) تمام عالم کائنات کو ایک مجموعہ کی صورت میں خیال کیا جائے اور اس مجموعہ کے متعلق اس پر غور کیا جائے کہ یہ بذاتِ خود وجود کا متقاضی ہے یا نہیں؟ اگر یہ اپنی ذات کے ساتھ وجود کا حقدار اور اس کا متقاضی ہوتا تو ہمیں اس میں ناپائیداری، بے ثباتی، تغیر اور انقلاب، نظر نہ آتا۔ پھر یہ کہ اگر وجود اس کے ذاتیات میں داخل ہوتا تو اس عالم کی کسی شئے کے بھی تصور کے وقت یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی کہ وہ ہے یا نہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہوش میں ہماری عقل دونوں پہلوؤں کی گنجائش دیکھتی ہے۔ یہ بھی کہ وہ ہو اور یہ بھی کہ وہ نہ ہو۔ یہ بھی کہ وہ آج ہو اور کل نہ ہو، اور یہ بھی کہ وہ کل ہو، آج نہ ہو۔ پھر جب بذاتِ خود اس میں کسی ایک بات کا تقاضا نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ پورا مجموعہ ممکن ہے، تو اس کے وجود کو عدم پر ترجیح کیونکر ہوئی؟ یقیناً اس کے لیے کوئی خارجی سبب ہونا چاہئے، اور وہ خارجی سبب ایسا ہی ہوسکتا ہے جس کی ذات سے وجود الگ نہ ہو سکے۔ اسی کو واجب الوجود کہتے ہیں۔

استدلال کی دوسری دلیل:

دنیا میں ہر چیز اپنے ایک مرکز کا پتہ دیتی ہے مثلاً ایک خوردہ فروشی کی دکان پر جائیے تو وہاں متفرق چیزیں نظر آئیں گی، تھوڑا سا کاغذ رکھا ہوا ہے، کچھ قلم رکھے ہوئے ہیں، کچھ دواتیں ہیں، کچھ تالے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ غور کیجئے تو یہ چیزیں آپس میں ایسا تعلق نہیں رکھتیں کہ ہوں تو ایک ہی ساتھ ہوں، اس لیے عقل طے کرتی ہے کہ ان میں ہر ایک کا اصل مخزن دوسرے سے علیحدہ ہے۔ وہاں سے یہ تھوڑا تھوڑا سا لا کر یہاں اکٹھا کر لیا گیا ہے، اور جو، ہر ایک کا مرکز ہے، وہاں وہی چیز ہوگی دوسری نہ ہوگی۔ مثلاً پیپر مِل میں کاغذ ہی کاغذ ہوگا، قلم نہ ہوں گے۔ قلم کے کارخانہ میں کاغذ نہیں ہوگا، اور اسی طرح تمام چیزیں۔ وہ ان کا جُزئی وجود ہے جو دوسری چیزوں کے ساتھ مجتمع نظر آتا ہے۔ ورنہ ہر ایک کا اصل مرکز وہ ہے جس میں دوسرے کی شرکت نہیں ہے۔ اب دیکھئے کہ عالمِ امکان کی تمام چیزوں میں ہستی و نیستی ہم عنان ہیں۔ ہر شئے میں ہستی کا پہلو بھی ہے اور نیستی کا بھی۔ لیکن خود ہستی اپنی حقیقت کے لحاظ سے نیستی کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ ان دونوں کا اجتماع، محل کی خصوصیت سے عارضی حیثیت رکھتا ہے اور نیستی کا ایک اصلی مرکز ہے، جہاں نیستی کا گزر نہیں اور وہ واجب الوجود کی ذات ہے۔

تیسری صورت:

جب ہم کائنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو وجود کے ساتھ نقائص نظر آتے ہیں اور ان نقائص کے لحاظ سے ہم مختلف ماہیات و طبائع کا تصور کرتے ہیں، یہ مختلف طبائع کی تفریق اور مختلف انواع کی تشکیل صرف ان حدود و قیود سے ہوتی ہے جو وجود کے ساتھ منضم ہوئے ہیں اور یہ حدود و قیود سب عدمی ہوتے ہیں۔ مثلاً جسم کیا ہے؟ وہ موجود جو محتاج مکان و حیّز ہو۔ یہ احتیاج امر عدمی ہے اور جسمیت اسی سے وابستہ ہے۔ پھر اجسام میں جماد کیا ہے؟ وہ جسم جو بس جسمیت رکھتا ہو۔ ''بس'' یعنی اس میں نشوونما نہیں ہے۔ اس حدِ عدمی سے جمادیت وابستہ ہے۔ پھر نباتات وہ جن میں نشوونما ہے اور بس۔ یہاں ''بس''

Scanned by CamScanner

کے معنی یہ ہیں کہ احساس اور حرکت ارادی نہیں ہے، تو اس عدم سے نباتات کی حقیقت وابستہ ہے۔ یوں ہی حیوان وہ ہے جس میں احساس اور حرکت ارادی ہے، اور انسان جس میں نفسِ ناطقہ یعنی ادراک کلیات کی قوت اور صلاحیت فکر و نظر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عالم کائنات جو مختلف طبائع و ماہیات پر منقسم ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ محدود وجودات کا مجموعہ۔ یہ حدیں کہاں سے آتی ہیں؟ عدم کی طرف سے۔ مگر یہ وجود جس میں قیدیں لگتی ہیں، کہاں سے آیا ہے؟ ان حدود سے نہیں، کیونکہ وہ تو عدمی ہیں، اور خود اسی وجود میں ملحق ہوئی ہیں۔ اس کے لیے یقیناً ایک اصل وجود ماننا ضروری ہے۔ جس میں کوئی حد و قید نہ ہو، وہی وجود غیر محدود ''واجب الوجود'' کہا جائے گا۔

امکان و حدوث کا اصل سرچشمہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں وجود سے زائد ایک اس کی ماہیت و طبیعت ہے اور وہ ''وجود غیر محدود'' وہ موجود ہے جس میں وجود کے علاوہ کوئی طبیعت و ماہیت نہیں ہے، اس لیے کہیں پر اس میں نیستی کا گذر نہیں، واجب الوجود ہونے کے معنی یہی ہیں۔

ایک قدیم طریقہ:

عالم متغیر ہے، یہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔ اور ہر متغیر حادث ہے، کیونکہ تغیر کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو حالت اب رونما ہوئی وہ پہلے نہ تھی، یہ عدم کی آمیزش ہی حدوث کی نشانی ہے، اور ہر حادث کے لیے عدم سے وجود میں لانے کے لیے ایک موجد کی ضرورت ہوتی ہے، اب وہ موجد بھی اگر حادث ہوا تو اس کے لیے ایک اور موجد کی ضرورت ہوگی اور پھر یہی سوال اس موجد میں پیدا ہوگا، یہاں تک کہ یا تو یہ سلسلہ برابر یونہی چلتا رہے گا اور کہیں پر ختم نہ ہوگا تو اس کا نام تسلسل ہے۔ اور یا کسی منزل پر آکر یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا موجد وہی قبل والا ہے تو اس کو دَور کہتے ہیں اور دور و تسلسل دونوں عقلاً محال ہیں، اس سے مفر صرف اسی صورت میں ہے کہ موجد کو قدیم (یعنی ہمیشہ سے موجود) اور واجب الوجود مانا جائے تا کہ وہ اپنے وجود میں کسی موجد کا محتاج نہ ہو۔

خالق کا ثبوت:

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے یہی وہ طریقہ ہے جس پر قرآن مجید اور حدیث میں زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ: ۱۶۴)

خلاصہ اس استدلال کا یہ ہے کہ ہر نقش اپنے نقاش کا، ہر تصنیف اپنے مصنف کا اور ہر عمارت اپنے معمار کا پتہ دیتی ہے، اسی طرح اس کائنات عالم کا ہر ذرہ اس کا گواہ ہے کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اسے ایک معمولی دماغ والا بچہ اور سطحی نگاہ رکھنے والا جاہل اپنی زبان میں سمجھ سکتا ہے اور اسی کو ایک فلسفی اپنے علمی اصطلاحات سے ثابت کرتا ہے جو عوام کو ایک پیچیدہ

Scanned by CamScanner

مسئلہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ مگر بات یہی ایک ہے کہ اثر بغیر موثر کے نہیں ہوتا اور صنعت بغیر صانع کے وجود میں نہیں آسکتی۔ لہٰذا یہ کائنات بغیر کسی خالق کے نہیں ہوسکتی، وہی امکان وحدوث اور علّت ومعلول والا استدلال جو فلسفی اصطلاحات کے جال میں پھنس کر ہفت خوان بن جاتا ہے، اس کو ایک ضعیف العمر بڑھیا بالکل آسان طریقہ سے اس وقت کہہ دیتی ہے۔ جب اس کے سامنے چرخا ہو اور وہ کات رہی ہو اور کوئی پوچھے کہ تم نے اپنے اللہ تعالیٰ کو کیونکر پہچانا؟ وہ جواب دے گی، کہ اسی چرخے سے، دیکھو جب تک میں اسے چلاتی رہتی ہوں یہ چلتا رہتا ہے اور ادھر میں نے ہاتھ روکا بس یہ رُک گیا، پھر جب یہ اتنا سا چرخہ بغیر کسی چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو دنیا کا اتنا بڑا انتظام بغیر کسی منتظم کے کیونکر قائم رہ سکتا ہے؟

توحید باری کی دلیل:

(۱) اہل اسلام کا راسخ عقیدہ ہے کہ موجد عالم ایک ہی ہے، اگر ایک سے زائد ہوئے تو ان کی آپس میں مخالفت ممکن ہوگی۔ مثلاً ایک زید کو مارنا چاہتا ہے اور دوسرا اسی وقت اس کے لیے زندگی چاہتا ہے، پس ضروری ہے کہ اس کے لیے زندگی ہوگی یا موت، پھر اگر اس کو موت ہوگئی تو موت دینے والا غالب اور دوسرا مغلوب ہوگا، اور مغلوب وعاجز کبھی اللہ تعالیٰ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اور اگر آدھی آدھی دنیا پر الگ الگ دو معبودوں کو حکمراں تسلیم کرلیا جائے تو ان کی الوہیت میں نقص لازم آئے گا۔

(۳) دو معبود ہوں تو یا دونوں متفق ہوجائیں گے یا مختلف رہیں گے، اگر وہ متفق ہوجائیں تو کسی چیز کو ایجاد نہیں کر سکتے ورنہ لازم آئے گا کہ دو موثروں کا ایک ہی اثر ہو اور یہ محال ہے، اس واسطے کہ ہر ایک کی ایجاد سے عالم کا ایک جداگانہ اور مستقل وجود ہو، تو لازم آئے گا کہ عالم کے دو خارجی وجود پائے جائیں، یہ بداہۃً باطل ہے، کیونکہ عالم ایک ہی وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہے۔ اور اگر دونوں نے مل کر ایجاد کیا تو دو قوتیں مل کر ایک قوت بنے گی، اور دو معبود مل کر ایک معبود ہوجائے گا۔ اس میں کوئی مستقل موجد نہ ہوا۔

❁❁❁

سورۃ النجم (مکیۃ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: "أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ وَالنَّجْمِ، قَالَ: فَسَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ مَنْ خَلْفَهُ إِلَّا رَجُلًا رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَسَجَدَ عَلَيْهِ"، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذَلِكَ قُتِلَ كَافِرًا، وَهُوَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ (بخاری، کتاب التفسیر: ۴۸۶۳)

Scanned by CamScanner

سب سے پہلے نازل ہونے والی سجدہ کی سورت، سورۂ نجم ہے، رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ سب لوگوں نے سجدہ کیا، مگر ایک شخص نے مٹھی میں مٹی لے کر سجدہ کیا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، کہتے ہیں میں نے اس کو دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اور وہ اُمیہ بن خلف تھا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿١﴾

تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔ (۱)

ستارے کی قسم کیوں کھائی؟

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى﴾ ستارے کی قسم کھانے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کی ذات کی نسبت تم اندھیرے میں نہیں ہو آخر وہ تمہارے درمیان چالیس سال رہ چکے ہیں اور ان کی زندگی تمہارے لیے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ تو تم ان کو غلط راہ پر پڑا ہوا اور بہکی بہکی باتیں کرنے والا کیسے قرار دیتے ہو؟

واضح رہے کہ ضلالت (بھٹکنا) کے مقابلے میں ہدایت اور غوایت (بہکنا) کے مقابلے میں رشد (سوجھ بوجھ) ہے۔ اندھیرے میں کوئی انسان کسی درخت کو دیکھ کر جن سمجھ سکتا ہے، راستے میں پڑی رسی کو سانپ سمجھ سکتا ہے، اور کسی ابھری چٹان کو دیکھ کر خیال کر سکتا ہے کہ کوئی درندہ بیٹھا ہے، مگر جب ستارے ڈوب جائیں اور صبح نمودار ہو جائے تو اس وقت کسی چیز کی اصلیت سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا، ایسا ہی معاملہ تمہارے ہاں محمد ﷺ کا ہے، وہ چالیس سال بعد نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں، تو ذرا سوچو وہ جھوٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾

کہ تمہارے رفیق (محمد ﷺ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں۔ (۲)

ضلالت اور غوایت میں فرق:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی پوری سیرت بیان کر دی ہے، لاعلمی کی بنیاد پر صحیح راستے سے انحراف، ضلالت ہے اور علم کی بنیاد پر صحیح راستے سے انحراف، غوایت ہے۔

﴿صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ لفظ ''صاحب'' اور اس کی اضافت ضمیر جمع مخاطب ''کُم'' کی طرف کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ محمد ﷺ کہیں باہر سے نہیں آئے اور تمہارے لیے کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں، جن کے صدق و کذب میں تمہیں اشتباہ ہو، وہ تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں، ان کا بچپن تمہارے درمیان گزرا ہے، تمہارے درمیان ہی جوان ہوئے اور تم نے تجزیہ کر لیا کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جو انسانوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، غضب ہے، اس پر الزام لگاتے ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جھوٹ بولا ہے۔

Scanned by CamScanner

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔(۳)

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رائے واجتہاد سے کچھ نہیں کہتے حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم دیا پھر بذریعۂ وحی بدلا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھا۔ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ''وحی'' قاعدۂ کلیہ کی شکل میں آتی ہے اور احکام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے جس میں یہ امکان رہتا کہ کوئی غلطی سرزد ہوجائے، مگر انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ احکام جو وہ اپنے اجتہاد سے بتاتے ہیں اگر غلط ہوجائے تو بذریعہ وحی، اس کی اصلاح کردی جاتی ہے، بخلاف علماء ومجتہدین کے کہ اگر ان سے خطاء اجتہادی ہو جائے تو اس کی اصلاح کا کوئی آسمانی ذریعہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان کے اجتہادات کو کتاب وسنت کی میزان پر رکھ کر ان کے صحیح اور غلط ہونے کو جان لیا جائے۔

نطق رسول کی قسمیں:

نطق رسول کی تین قسمیں ہیں: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾

(۱) أن ينطق بالقرآن (قرآن سے بولیں)

(۲) أن ينطق بالسنة الموحاة إليه (وحی کی ہوئی سنت سے بولیں)

(۳) أن ينطق باجتهاد لا يريد به إلّا المصلحة ہم بولتے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے اور اس کے پیچھے خواہش نفس کا بھی دخل ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی انسان ھویٰ سے بچا ہوا نہیں ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھویٰ سے نہیں بولتے اور جب آپ ھویٰ سے نہیں بولتے تو ثابت ہوا کہ آپ حق بولتے ہیں۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵

ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا۔(۵)

﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ جبرئیل علیہ السلام کی ایک صفت شدید القوی (انتہائی طاقتور) لائی گئی، تاکہ اس فرشتے کو کوئی صورت خیالیہ نہ سمجھے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶

(یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوگیا۔(۶)

﴿ذُوْ مِرَّةٍ﴾ دوسری صفت ﴿ذُوْ مِرَّةٍ﴾ (زور آور) ہے۔ ''مِرّۃ'' کا مطلب رسّی کی لڑی ہے، یہاں مراد جسم کی توانائی ہے، اور ''ذو مرّۃ'' کا ایک مطلب ہے ''ذو جمال وحسن'' (انتہائی حسن وجمال والا) ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿فَاسْتَوٰى﴾ تیسری صفت کو فَاسْتَوٰى بیان کیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے جبرئیل علیہ السلام کو مقرر کیا ہے وہ اس کے لیے تیار و آمادہ ہوئے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۞

اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے۔ (۷)

﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى﴾ جبرئیل علیہ السلام آسمان کے کنارے پر نظر آئے، ایک بار دنیا میں اپنی اصلی صورت میں، پھر معراج میں اپنی اصلی صورت میں نظر آئے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۞

تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ (۹)

﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ "هذا مثل يضرب للقُرب" عربوں کے یہ قربت کو ظاہر کرنے کا ایک محاورہ ہے، پھر اتنا قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا، یہ قرب جسمانی کی طرف اشارہ ہے۔

﴿اَوْ اَدْنٰى﴾ بلکہ قریب سے بھی قریب، بعض کے نزدیک یہ قرب روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ "أدنىٰ" اسم تفضیل ہے اس کا مفضل علیہ محذوف ہے أي "أدنىٰ من قاب قوسين" دو کمانوں کے فاصلے سے بھی زیادہ قریب تھے۔

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۞

پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔ (۱۰)

﴿فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى﴾ پھر دل کے قریب پہونچ کر اللہ تعالیٰ کے بندے پر وحی کی جو چاہا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۞

جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔ (۱۱)

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ دلِ محمد نے اسے جھوٹ نہیں سمجھا۔ جس چیز کو دیکھا، دل نے یقین کر لیا، کبھی دل کوئی چیز دیکھتا ہے تو آنکھ اسے جھٹلاتی ہے اور کبھی آنکھ کوئی چیز دیکھتی ہے اور دل اسے جھٹلا دیتا ہے مگر نبی ﷺ نے جو کچھ معراج میں دیکھا بصر اور بصیرۃ (دل اور آنکھ) دونوں کے ساتھ تھا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۞

کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو۔ (۱۲)

﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى﴾ تو کیا اے کفار! محمد ﷺ کی دیکھی ہوئی چیز پر جھگڑ رہے ہو؟

Scanned by CamScanner

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳

اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔(۱۳)

جبرئیل علیہ السلام کو ایک بار ہی دیکھنا نہیں ہوا، بلکہ معراج میں انہیں سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴

پرلی حد کی بیری کے پاس۔(۱۴)

﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ ''سدرۃ'' تک آپ کی رسائی ہوئی اور وہاں جنۃ الماویٰ ہے،سدرۃ ،بیری کا ایک درخت ہے،اس کی صفت منتہیٰ اس وجہ سے ہے لأنہ ینتھی إلیھا کلّ صاعد من الأرض وینتھی إلیھا کلّ نازل من عند اللہ کیونکہ زمین سے چڑھنے والی ہر چیز یہیں رک جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر چیز یہیں رک جاتی ہے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵

اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔(۱۵)

﴿جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ لفظ ماوٰی سے معلوم ہوا کہ قبر ٹھہرنے کی جگہ نہیں بلکہ وہ گزرگاہ اور آنے والا کل ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَالْفِرْدَوْسُ أَعْلَاهَا دَرَجَةً وَمِنْهَا تُفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْأَرْبَعَةُ، وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُونُ الْعَرْشُ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ

(ترمذی،أبواب صفۃ الجنۃ:۲۵۳۱)

جنت کا اعلیٰ درجہ فردوس ہے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶

جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔(۱۶)

سدرۃ کو انوار وتجلیات نے ڈھانک رکھا تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷

ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) بڑھی۔(۱۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نے خطا نہ کی، جو دیکھا تھا اصلی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا صرف دیکھا ہی نہیں محسوس بھی کیا۔

Scanned by CamScanner

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: "نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ"

(مسلم: کتاب الایمان، ۱۸۰۱ء)

ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ۔ (وہ نور ہے، میں کہاں اس کو دیکھ سکتا ہوں؟)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "مَنْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَعْظَمَ، وَلَكِنْ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ فِي صُورَتِهِ وَخَلْقُهُ سَادٌّ مَا بَيْنَ الأُفُقِ" (بخاری، کتاب بدء الخلق: ۳۲۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا، جس نے پورے افق کو ڈھانک رکھا تھا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: سَأَلْتُ زِرَّ بْنَ حُبَيْشٍ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى. فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ "رَأَى جِبْرِيلَ، لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ" (بخاری: کتاب بدء الخلق ۳۲۳۲)

ہم سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، ان کے چھ سو پَر تھے، یہ دیکھنا سدرۃ المنتہیٰ پر ہوا۔

سوال: ما الفرق بین القلب والفؤاد یعنی قلب اور فؤاد کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: قلب عام طور پر عقل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور فواد احساس وشعور کے لیے مستعمل ہوتا ہے، فؤاد، بوابۃ القلب (دل کا گیٹ) ہوتا ہے۔ ﴿وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (سورۂ قصص: ۱۰)

اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل خالی ہو گیا، یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے، اسی لیے اس آیت میں پہلے فَرَاغُ الْفُؤَادُ (دل کا خالی ہونا) کا ذکر کیا اور اس کے بعد ربط علی القلب (دل کو مضبوط کرنا) کا ذکر کیا۔ فؤاد کے لیے کہیں بھی عقل کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ عقل کے لیے دل کا استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا﴾ (سورۂ حج: ۴۶) قلبِ اُمِّ موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل) ہر قسم کے احساس وشعور سے عاری تھا، یہاں احساس وشعور کو بیان کرنا تھا اس لیے فواد سے تعبیر کیا اور چونکہ مضبوط کرنے اور ثابت کرنے کا تعلق قلب سے ہوتا ہے لہٰذا وہاں قلب کا لفظ استعمال ہوا۔ اور ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل: ۳۶) میں سمع وبصر کے بعد فؤاد لا کر یہ بتایا گیا کہ صرف سمع وبصر کے بارے میں ہی نہیں پوچھا جائے گا بلکہ باقی حواس کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا جیسے حواس خمسہ ظاہرہ اور حواس خمسہ باطنہ، گویا کہ یہ تعمیم بعد التخصیص ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ، أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ فَهُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، وَأَلْيَنُ قُلُوبًا، وَالْكُفْرُ قِبَلَ الْمَشْرِقِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَهْلِ

Scanned by CamScanner

الْخَيْلِ، وَالْإِبِلِ وَالْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ، وَالسَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ" (مسند احمد: ۸۹۴۲)

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾

وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی یہ لوگ محض ظنِ (فاسد) اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ (۲۳)

﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ الخ﴾ یعنی یہ نام ہی نام ہیں ان کا کوئی مسمّٰی موجود نہیں اور اگر کوئی لوہے کا نام لکڑی رکھ دے تو لوہا لکڑی نہیں ہو جائے گا، اسی طرح بتوں کا نام معبود رکھ دینے سے وہ معبود نہیں ہو جاتے، مشرکین ہند نے بہت سے مزعومہ دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں بنالیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو پوجنے سے وہ خوش ہوں گے اور ان کی حاجتیں پوری کریں گے، مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ یہ محض فرضی نام ہیں نہ کہیں کسی دیوتا کا وجود ہے نہ دیوی کا، جو لوگ بتوں کو معبود بنا لیتے ہیں ان کے پاس اس کے جواز کی کیا دلیل ہے؟ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ ان کے اپنے ہاتھوں کے تراشے بتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات موجود ہیں؟ انسان اور کائنات کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اس نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی لہٰذا بت پرستی کے لیے کوئی علمی بنیاد نہیں، عقیدہ دراصل کسی ٹھوس علمی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے، مشرکین نے دیوی دیوتاؤں کا جو فلسفہ گھڑا ہے وہ محض وہم و گمان ہے۔ دیویوں اور دیوتاؤں کے حق میں کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں، یہ جزا و سزا کی خلش سے انسان کو محفوظ و مامون کر دینے کے لیے شیطان کا فریب ہے۔ اسی طرح ہر بدعت کے پیچھے گمان اور خواہش نفس کا خنّاس ہے۔ جب انسان کا نفس کسی حقیقت کے تقاضے پورے کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا اور اس کا انکار بھی اس کے لیے آسان نہیں ہوتا تو ایسی کوئی شکل اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ بظاہر اس کا انکار بھی نہ ہو اور اس کے اقرار سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس سے فرار کی کوئی آسان راہ بھی نکل آئے۔

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ﴾ دنیا میں مشرکین اللہ تعالیٰ پر جو بھی کذب و افتراء کرتے ہیں اس کے دو اسباب ہیں: (۱) ظن (۲) ھویٰ اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کو سورۂ نجم کی اس آیت میں جمع کر دیا ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾

کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے؟ (۲۴)

"تمنّى الشيء إذا أحب أن يكون له وإن لم يتخذ له أسبابه: کسی چیز کی تمنا کا مطلب یہ ہے کہ اسباب اختیار کئے بغیر انسان یہ چاہے کہ وہ چیز اس کی ہو جائے جیسے جواری جوئے سے مال کی تمنا کرتا ہے اور جوا مالداری کا حقیقی سبب نہیں، اسی

طرح دنیاوی لذتوں میں تعجیل اور توبہ میں تاخیر کرے۔

شفاعت کی تین شرطیں ہیں: ﴿لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ﴾

(۱) اللہ جس کو اجازت دے وہی سفارش کر سکتا ہے۔

(۲) جس کی سفارش کی جارہی ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے سے راضی ہو۔

ایمان بالیوم الآخر تین چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) قیامت ضرور قائم ہوگی۔

(۲) قبر میں آزمائش ہوگی اور تین سوال کئے جائیں گے۔ من ربك؟ ما دينك؟ ومن نبيك؟

(۳) قیامت میں جو کچھ ہوگا جیسے میدان حشر کی ہولناکیاں، حساب، میزان، صراط، جنت اور جہنم وغیرہ۔

﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى﴾ کتنے لوگ ہیں جو تمنا کرتے ہیں لیکن انہیں اس تمنا سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ﴿۲۸﴾

حالانکہ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ (۲۸)

"الظن، الوهم الذي لا حقيقة له" ظن اس وہم کو کہتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، یہاں ظن وہم کے معنی میں ہے۔

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ أَوْ قَالَ: أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لِأَبِي مَسْعُودٍ مَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: فِي »زَعَمُوا؟« قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: »بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ زَعَمُوا (ابوداؤد: کتاب الادب، ۴۹۷۲، صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بری سواری "زعموا" ہے، یعنی آدمی یہ کہے کہ اس مسئلے میں فلاں صاحب کا یہ خیال ہے، ظن انسان کی طرف سے ہے اور علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾

تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔ (۲۹)

﴿وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ جس نے دنیا چاہی اسے کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

Scanned by CamScanner

ان کے علم کی یہی انتہا ہے تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور اس سے بھی خوب واقف ہے جو رستے پر چلا۔ (۳۱)

﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ ان کے علم کی یہی انتہا ہے۔وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا (ترمذی: ۳۵۰۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر اور ہمارے علم کی انتہا مت بنا۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بیشک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ﴾ اجتناب کا نکتہ۔ یجتنبون ای یبتعدون اجتناب کرتے ہیں یعنی دور رہتے ہیں۔ ابتعاد (دور رہنا) کو اجتناب (بچنا) کہا کیونکہ انسان ایک جانب (طرف) ہوتا ہے اور جس سے بچتا ہے وہ دوسری جانب ہوتا ہے، یعنی وہ گناہوں سے دور رہتے ہیں اور گناہوں سے متصل نہیں ہوتے۔

گناہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کبائر الاثم۔ بڑے بڑے گناہ جن پر آخرت میں وعید اور دنیا میں حد مقرر ہے۔

(۲) الفواحش۔ یہ بھی کبیرہ گناہ ہی ہیں مگر ان میں فحش اور قبح کی زیادتی ہے، تو یہ زیادہ عظیم اور سخت کبیرہ گناہ ہیں۔ کیونکہ طبع سلیم انہیں انتہائی گندہ اور گھناؤنا سمجھتی ہے۔

(۳) اللمم۔ چھوٹے چھوٹے گناہ مگر عدم اصرار کی شرط کے ساتھ، کہ ان چھوٹے گناہوں کو عادت نہ بنالے۔ کلبی نے کہا کہ لمم کی دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ گناہ جس کی دنیوی سزا اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان کی اور نہ آخرت میں اس پر عذاب کی کوئی صراحت کی وہ "لمم" ہے۔

(۲) وہ بڑا گناہ جس کا ارتکاب انسان بار بار کرلیتا ہے پھر اس سے توبہ کرلیتا ہے وہ "لمم" ہے۔ یا وہ گناہ جو انسان سے صادر ہوجائیں ان پر جمانہ رہے۔ یعنی گناہ اس کا معمول اور عادت نہ بن جائے۔ وہ "لمم" ہے۔ (تفسیر قرطبی)

Scanned by CamScanner

توبہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) انسان کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ سے معاف کر دیتا ہے، گویا اس نے کیا ہی نہیں۔
(۲) کبیرہ گناہ سے توبہ نہ کی تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے، اگر چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو سزا دے۔
(۳) کبیرہ گناہوں سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

﴿اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ایک تو خمیر تمہارا مٹی ہے ﴿وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ پھر تم ماں کے پیٹ میں تھے۔

﴿فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ اپنی پاکی کا دعویٰ نہ کرو، یہ کہے کہ میں نے نماز پڑھی، میں نے صدقہ دیا، گویا وہ اللہ تعالیٰ پر احسان کر رہا ہے، اگر تم متقی ہو تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے، تو تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں، میں نے یہ کیا اور میں نے وہ کیا، اس میں ان صوفیاء کا بھی رد ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اپنا تزکیہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایسی حد کو پہنچ گئے ہیں جہاں ہمارے اوپر کتاب وسنت کی اتباع لازم نہیں، اور جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فنا فی اللہ ہو گئے جیسے قطرہ سمندر میں مل جاتا ہے، اس آیت میں انسان کے وجود کا جس حقارت آمیز انداز میں ذکر کیا گیا ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے ہی جزء کو حقارت سے ذکر کرے گا؟

وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾

اور تھوڑا سا دیا (پھر) ہاتھ روک لیا۔ (۳۴)

﴿وَاَكْدٰى﴾ بخل کیا۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾

اور یہ کہ وہ ہنساتا اور رلاتا ہے۔ (۴۳)

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى﴾ ضحک (ہنسنا) سرور کی وجہ سے ہوتا ہے اور بکاء (رونا) حزن وغم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خوشی اور غم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے تو خوشی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جائے اور غم دور کرنے کے لیے اسی سے التجا کی جائے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

اور یہ کہ وہی شعریٰ کا مالک ہے۔ (۴۹)

﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى﴾ ''شعریٰ'' کا بھی رب اللہ تعالیٰ ہی ہے، ستاروں کی نہ کوئی تاثیر ہے نہ کوئی تدبیر، اس

Scanned by CamScanner

لیے یہ عقیدہ کہ ٹوٹتے تارے کو دیکھ کر کچھ مانگا جائے تو مل جاتا ہے، شرک ہے۔ ہاں، دنیا میں قوموں کو ان کی نافرمانیوں کا ثمرہ ضرور دیا جاتا ہے۔

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (سورۂ نجم: ۳۸) سے ﴿وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى﴾ (سورۂ نجم: ۵۰) تک بارہ باتیں بیان کی گئیں۔

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾

پھر ان پر چھایا جو چھایا۔ (۵۴)

﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى﴾ قوم لوط کی بستی کو ڈھانک لیا جس چیز نے اس کو ڈھانک لیا۔ ڈھانکنے والی چیز کے ابہام سے ہول (دہشت) دلانا مقصود ہے کہ وہ کیا چیز تھی، پتھر تھے؟ عذاب شدید کی کوئی شکل تھی؟ یا قہر الٰہی کا کوئی انداز خاص تھا؟

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

تو (اے انسان) تو اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت پر جھگڑے گا۔ (۵۵)

غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت میں شریک کرنا اللہ کی نعمت میں جھگڑا کرنا ہے، اللہ کی ہر ہر نعمت اس کی توحید پر برہان قاطع ہے۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾

آنے والی (یعنی قیامت) قریب آ پہنچی۔ (۵۷)

﴿اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ﴾ قیامت قریب ہے۔

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾

اس (دن کی تکلیفوں) کو اللہ کے سوا کوئی دُور نہیں کر سکے گا۔ (۵۸)

کفار کا سوال یہ ہے کہ وہ کتنی قریب ہے؟ جواب ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ﴾ سے دیا گیا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔ اس کے مخفی رکھنے میں مصلحت ہے کہ ابہام سے ہر وقت خوف لگا رہتا ہے اس لیے جو کچھ کرنا ہے جلد کر لینا چاہئے۔ دور سمجھ کر انسان غافل ہو جاتا ہے جیسے موت کا معاملہ ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾

(اے منکرین) کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟ (۵۹)

تو اے منکرینِ آخرت! تمہیں تعجب ہو رہا ہے کہ جب ہزاروں برسوں سے عالم ہے، تو یہ کیسے فنا ہو جائے گا؟

Scanned by CamScanner

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾

اور تم غفلت میں پڑ رہے ہو۔ (٦١)

﴿وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ﴾ اور تم غفلت میں ڈوبے ہوئے ہو، غفلت کا عالم یہ ہے کہ جہاں چند روز رہنا ہے وہاں کے لیے جائز و ناجائز تدابیر میں اس طرح لگے رہنا کہ ہوش نہ رہے کہ کہیں جانا بھی ہے۔

سورة القمر (مكية)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿١﴾

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ (١)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِقَّتَيْنِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اشْهَدُوا" (بخاری: کتاب المناقب، ٣٦٣٦)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا ایک پہاڑ (جبل ابو قبیس) پر رہا اور دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ (جبل قعیقعان) پر رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِشھدوا (گواہ رہو)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ اس واقعے کے عینی گواہ ہیں۔ منکرین، قیامت کو ناممکن خیال کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک لمحے کے لیے چاند کے دو ٹکڑے کر کے انہیں قیامت کی ایک جھلک دکھا دی کہ جب چاند پھٹ سکتا ہے تو اجرام فلکی بھی درہم برہم ہو سکتے ہیں۔

جہاں تک چاند کی سطح کا تعلق ہے، سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اس پر بکثرت آتش فشانی گڑھے (Cratrers) ہیں، اور اب چاند کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں، ان سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے، اس لیے عجب نہیں کہ کسی آتش فشانی دھماکے کے نتیجے میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں اور پھر قانون انجذاب نے فوراً دونوں کو ملا دیا ہو، چاند پھٹنے کا واقعہ منیٰ میں ۸ نبوی میں پیش آیا، چاند کا پھٹنا علامت ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾

اور ان کو ایسے حالات (سابقین) پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت ہے۔ (٤)

Scanned by CamScanner

اور ان کے پاس وہ خبریں آ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے۔ ''أُزدجر'' النهر بشدة وعنف۔ (انتہائی سختی سے ڈانٹنا)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾

توتم بھی ان کی کچھ پروانہ کروجس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف بلائے گا۔ (٦)

﴿يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ﴾ داعی پکارے گا، چلو اپنے اعمال کا حساب دینے، فلاں بن فلاں حاضر ہو۔

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾

اس بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے کافر کہیں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔ (٨)

﴿مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ﴾ مھطعین کا مطلب مسرعین خاضعی الاعناق (گردن جھکا کر تیزی سے دوڑتے ہوئے) ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿٩﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی۔ (٩)

عبودیت کی تین قسمیں ہیں: ﴿فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا﴾

(۱) عبودية عامة۔ یہ تمام مخلوقات کو شامل ہے۔

(۲) عبودية خاصة بالمؤمنين ﴿وعباد الرحمن الذين يمشون على الأرض هونا﴾ (سورۂ فرقان: ٦٣)

(۳) عبودية خاصة با الأنبياء ﴿الحمد لله الذى انزل على عبده الكتاب﴾ (سورۂ کہف: ۱)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ (١٧)

﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ یہ استفہام، تشویق (شوق دلانا) کے لیے ہے کہ کیا کوئی رسولوں کو جھٹلانے والوں کے انجام سے نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾

سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ (١٦)

سوال: قوم عاد کے بارے میں اسے دو بار کیوں کہا؟ ایک ابتداء قصہ میں، دوسرے اختتام قصہ میں؟

Scanned by CamScanner

جواب: یہ ہے کہ پہلے میں ان کے دنیاوی عذاب کی خبر دی گئی اور دوسرے میں ان کے اخروی عذاب کی خبر دی گئی اور ان دونوں عذابوں کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فصلت کی آیت لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى میں جمع کر دیا ہے۔ (سورۂ فصلت:۱۶)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟۔ (۲۲)

سورۂ قمر میں اس جملے کو چار بار لایا گیا ہے، اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ قرآن بہت آسان ہے، دوسرے شیطان نے کہا تھا ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ، وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴾ (سورہ اعراف:۱۷) کہ میں اولادِ آدم پر چار طرف سے حملے کروں گا تو قرآن چاروں طرف سے اس کے بچاؤ کے لیے ہے۔

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ (سورۂ قمر)۔ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ (سورۂ مرسلات)۔ ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ (سورۂ رحمٰن) یہ سب آیات بار بار دہرائی گئی ہیں، تو تکرارِ آیات میں کیا حکمت ہے؟

ایک جواب تو یہ ہے کہ ایک واقعہ کے متعدد پہلو ہوتے ہیں اور ہر پہلو کا ایک اہم نتیجہ ہوتا ہے، متعدد مقامات پر ایک ہی واقعہ کو ذکر کرنے سے ہر مقام کے مناسب ایک نیا فائدہ اور نتیجہ اخذ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ انہیں مقاصد و نتائج کی کثرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیان واقعہ یا اس کے اجزاء میں تکرار کو اختیار کیا جاتا ہے، دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ چیز مکرر ذکر کی جا رہی ہے، لیکن غرض اور مقصد کے اعتبار سے وہ نئی ہوتی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ کسی کام میں مَلکہ (مہارت) پابندی اور بار بار کی مشق کے بغیر نہیں ہوسکتا، روزہ نماز اور دیگر عبادات کی تکرار کی وجہ یہ ہے کہ ہم اطاعت الٰہی کے خوگر ہو جائیں، یہی حال مضامین قرآنیہ کی تکرار کا بھی ہے۔ تاکہ یہ قلوب میں پوری طرح جم جائیں اور طبیعت انہیں کے رنگ میں رنگ جائے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾

ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔ (۱۹)

﴿ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴾ دنوں کا، فی نفسہ انسان کی سعادت و شقاوت میں کوئی دخل نہیں، اسی کے اعمال کا نیک و بد ثمرہ ایام (دنوں) میں ظہور کرتا ہے اس لیے اس دن کو منحوس یا سعید کہہ دیتے ہیں، ورنہ ایک ہی دن ہے جو کسی کے لیے نحس (منحوس) اور کسی کے لیے سعد (مبارک) ہوتا ہے۔ اگر ایام میں کوئی تاثیر ہوتی تو سب کے لیے برابر ہوتے، ایسے توہمات سے تمدن میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾

اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے، ہم اس کی پیروی کریں؟ یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔ (۲۴)

﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ﴾ بَشَرًا نکرہ ہے، جو تحقیر کے لیے ہے کہ بشر ہے مگر ذلیل وحقیر ہے۔ کوئی معروف معزز شخص نہیں، جب کہ یہ الٹی بات ہے، مجالست (ایک ساتھ بیٹھنا) انسان کا اصلی حال دریافت کر کے اعتقاد دلانے کا عمدہ ذریعہ ہوتی ہے، کیونکہ آپس کے لوگوں سے کوئی بات مخفی نہیں ہوتی۔ سچ ہے کان میں جواہرات کی، باغ میں پھولوں کی کوئی قدر نہیں، جب تک وہ کسی بادشاہ کے تاج کا حصہ نہ بنے۔

وَاحِدًا: وہ تنہا ہے، جماعت کثیرہ اس کے ساتھ نہیں ہے، لہٰذا کمالات کی قدردانی کو اسباب ظاہر یہ پر منحصر جاننے کو منع فرمایا گیا، جب فہم نے رسائی نہیں کی تو ﴿كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ کہہ دیا، اَشِرٌ کا مطلب مدع مالیس لہ (اس چیز کا دعویٰ کرنے والا جو اس کے لیے نہیں ہے) ہے، یا اَشِرٌ کا مطلب متعاظم ہے، یعنی وہ بڑا نہیں ہے، مگر بڑا بن رہا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ (۳۲)

ایک بزرگ نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے، ''ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کے لیے سہل کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی حفظ کرنے والا؟'' اس آیت میں ذکر سے مراد نصیحت ہے نہ کہ حفظ۔ اس کی دلیل آیت کا سیاق وسباق ہے، قیامت کے منکرین کو قرآن کی نصیحت پر کان دھرنے کی دعوت دی گئی ہے اس سلسلے میں قوم نوح وغیرہ کا انجام پیش کیا گیا تاکہ منکرین عبرت حاصل کریں، اس کتاب کا مخاطب ہر شخص ہے، اس کتاب کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، یہ خیال بالکل غلط ہے، جو لوگ قرآن کو سمجھنا پسند نہیں کرتے حفظ وتلاوت کی فضیلتیں بیان کر کے اسی میں مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾

لوط کی قوم نے بھی ڈرسنانے والوں کو جھٹلایا تھا۔ (۳۳)

فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو کھینچ کر گھر میں کر لیا تو قوم کے لوگ کواڑ توڑنے لگے۔ تو دروازے پر موجود لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا اور لوط علیہ السلام سے کہا کہ تم مومنوں کو لے کر نکل جاؤ۔ وہاں کی مصیبت یہاں کی مصیبت سے بڑی تلخ ہے یعنی ان کو دنیا میں سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾

(اے اہلِ عرب!) کیا تمہارے کافران لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے (پہلی) کتابوں میں کوئی

Scanned by CamScanner

فارغ خطی لکھ دی گئی ہے۔(۴۳)

﴿اَکُفَّارُکُمۡ خَیۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِکُمۡ﴾ اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ یہ معبوداللہ کے قہر کی پکڑ سے تمہیں بچالیں گے تو آخر معتوب اور معذب قوموں کو ان کے معبودوں نے کیوں نہیں بچایا؟ وہ بھی تو تمہاری طرح ان معبودوں کو اللہ تعالیٰ سے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر پوجتے تھے، دعوت کا کام کرنے والوں کو دعوت فکر دی گئی ہے کہ دعوت واصلاح کا کام کتنے ہی بہترین طریقے سے انجام دیا گیا ہو اور اس کو انجام دینے والی شخصیت کتنی ہی اعلیٰ کردار کی حامل ہو، ضروری نہیں کہ تمام لوگ دعوت قبول کر لیں۔لہٰذا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر اپنا فریضہ بحسن وخوبی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

ہم نے ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔(۴۹)

اس کائنات کی ایک حد معین ہے ایک دن یہ فنا ہوجائے گی۔

قرآن سے تعلق کی برکت یہ ہے کہ آدمی کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو اس آیت پر وقف کیا۔ ﴿اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ﴾ اور اسی پر ان کا انتقال ہوگیا۔

علامہ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری جس آیت کی تفسیر کی تھی، جس پر ان کا انتقال ہوا وہ یہ آیت تھی۔

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَیُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ (مجادلہ:۲۲)

﴿اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ اس کائنات کی ایک حد معین ہے ایک دن یہ فنا ہوجائے گی۔

❀❀❀

سورۃ الرحمٰن (مکیة)

سورۂ رحمٰن اللہ کی تخلیق کے عظیم رازوں کو بیان کرتی ہے۔

قَامَ عِنْدَ الْمَقَامِ فَقَالَ: (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. الرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْآنَ) ثُمَّ تَمَادَى رَافِعًا بِهَا صَوْتَهُ

Scanned by CamScanner

وَقُرَيْشٌ فِي أَنْدِيَتِهَا، فَتَأَمَّلُوا وَقَالُوا: مَا يَقُولُ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ؟ قَالُوا: هُوَ يَقُولُ الَّذِي يَزْعُمُ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ أُنْزِلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ ضَرَبُوهُ حَتَّى أَثَّرُوا فِي وَجْهِهِ. (قرطبی)

سورۂ رحمٰن کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اہل قریش کو سنانے کے لیے مقام ابراہیم کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھی تو انہیں مار مار کر لہولہان کر دیا گیا۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲

(اللہ جو) نہایت مہربان۔(۱) اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔(۲)

آپ خاص تلمیذ رحمٰن ہیں اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵

سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔(۵)

پورا نظام فلکی بِحُسْبَانٍ (حساب سے) چل رہا ہے، تم بھی حساب سے چلو، سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶

اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔(۶)

ستارے بلندی پر ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے ہیں، ستاروں کے جھکنے کا مطلب یہ ہے کہ جس زاویے پر انہیں رکھا گیا ہے، اسی زاویے پر رہ کر گردش کر رہے ہیں، درخت بھی اس کے حکم کے سامنے جھکے ہوئے ہیں کوئی پتہ بغیر اس کے حکم کے نہیں گرتا اور نہ درختوں کا کوئی پتہ اس کے حکم کے بغیر حرکت کرتا ہے۔

اَلنَّجْمُ سے بے تنہ کے پودے اور اَلشَّجَرُ سے تنہ دار درخت مراد ہیں۔یعنی نَجْمٌ وہ ہے جو اپنی ساق پر نہ کھڑا ہو اور شَجَرٌ وہ ہے جو اپنی ساق پر کھڑا ہو۔(تفسیر طبری)

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷

اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔(۷)

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا﴾ آسمان کو اتنا بلند کر دیا کہ سائنس اپنے ترقی یافتہ وسائل کے باوجود اس کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔

﴿وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ﴾ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو نظام عدل پر قائم کیا ہے، ذرہ برابر بے اعتدالی ہو جائے تو یہاں زندگی کا نام و نشان نہ رہے، اسی طرح اگر تم عدل نہیں کرو گے تو یہ تمہاری، فطرت کائنات سے بغاوت ہوگی، میزان سے مراد توازن ہے، یعنی آسمان کی بلندی کی طرف جب نگاہیں اٹھتی ہیں تو اجرام فلکی کا ایسا نظام مشاہدے میں آتا ہے جو نہایت

Scanned by CamScanner

متوازن ہے، اگر اس کا توازن بگڑ جائے تو کائنات حادثے سے دو چار ہو جائے۔
آسمان کو اتنا بلند کیا کہ سائنس اس کی بلندی نہیں ناپ سکی نہ چھو سکی۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾
اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔ (۹)

دنیاوی اور دینی حقوق میں انصاف قائم کرنے کے لیے ترازو ہاتھ میں رکھنے اور تولنے کا حکم ہے، یہاں اگر میزان میں کمی کرو گے تو آخرت کی میزان میں تمہارے اعمال سبک ہو جائیں گے، لہٰذا ﴿ لَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴾ مومن بے ایمان نہیں ہوتا۔
﴿ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴾
عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ، قولہ: (وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ) قال: كلّ شيء فيه الروح. (طبری)
ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انام ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے اندر روح ہو۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾
اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔ (۱۱)

زمین پر انسان کو جو رزق مل رہا ہے سب اسی کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ اور دیتا ہے تو قدرتی پیکنگ کے ساتھ دیتا ہے۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾
اور اناج جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ (۱۲)

رَيْحَانُ کے معنی خوشبو کے ہیں، خوشبوؤں سے آدمی کا دماغ معطر رہے یعنی انسان کی جمالیاتی ذوق کی تسکین کا بھی سامان کیا گیا ہے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾
تو (اے گروہ جن و انس!) تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (۱۳)

اس آیت کو پوری سورت میں ۳۱ بار ذکر کیا گیا ہے، انسان کو تنبیہ کرنا اور اس سے غفلت دور کرنا مقصود ہے، کہ ہر نعمت کے ذکر پر متنبہ ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور اٰلَآءِ سے مراد نعمتوں کے علاوہ عجائبات قدرت یا کمالات قدرت بھی ہیں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾
اسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے بنایا۔ (۱۴)

مٹی سے انسان اور آگ سے جن جیسی حیرت انگیز مخلوق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾

وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک ہے۔(۱۷)

یہ اشارہ کائنات کے دو اطراف کی طرف ہوسکتا ہے گویا ایک خط ہے جو کائنات کے درمیان شمالاً، جنوباً کھینچا ہے، گیند (Ball) پر روشنی ڈالیں، ایک طرف ہند دوسری طرف امریکہ، مشرق بھی دو، مغرب بھی دو۔

دو مشرقوں اور دو مغربوں سے مراد جاڑے کے چھوٹے چھوٹے دن اور گرمی کے بڑے بڑے دن بھی ہوسکتے ہیں۔ قطب جنوبی وشمالی پر چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہیں، دوسرے چھ مہینے میں جب رات ہی رات رہتی ہے تو مشرق بھی مغرب بن جاتی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾

اسی نے دو دریا رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں۔(۱۹)

پانی کی طبیعت میں اختلاط، امتزاج اور اتصال ہے، تو سوائے قدرتِ الٰہی کے کون سی چیز دو دریاؤں کے پانی کو ایک دوسرے میں خلط ملط ہونے سے روکنے والی ہے؟

ڈابھیل (گجرات) سمندر سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے، مد کے وقت جب سمندر کا پانی اُدھر کی ندیوں میں آتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھارا پانی زور سے چڑھ جاتا ہے، لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مخلوط نہیں ہوتے۔ اور جزر کے وقت اوپر سے کھارا پانی اتر جاتا ہے اور میٹھا پانی جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے۔

The verse that showed howed cousteau the ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ right way فرانسیسی سائنسداں جیک دی کوسٹو نے جو سمندر کے اندر پانی میں تحقیقات کے لیے مشہور ہے یہ دریافت کیا کہ بحر روم اور بحر اوقیانوس کیمیاوی اور حیاتیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں موصوف نے اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے آبنائے جبرالٹر کے نزدیک زیرِ سمندر تحقیقات کر کے بتایا کہ جبل الطارق کے جنوبی ساحلوں (مراکش) اور شمالی ساحلوں (اسپین) پر بالکل غیر متوقع طور پر میٹھے اور تازہ پانی کے چشمے ابلتے ہیں۔ یہ سمندری پانیوں میں ہوتے ہیں۔ یہ چشمے ایک دوسرے کی طرف ۴۵ ڈگری کا زاویہ بنا کر تیزی سے بڑھتے ہوئے ایک ڈیم کی طرح کنگھی کی دندانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اس عمل کی وجہ سے بحر روم اور بحر اوقیانوس اندر سے ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ کوسٹو کو یہ آیات دکھائی گئیں تو بے حد حیران ہوا اور قرآن کی عظمت کی تعریف کرتے ہوئے مسلمان ہوگیا۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾

دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔(۲۲)

Scanned by CamScanner

اس پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ موتی اور مونگے تو کھارے پانی سے نکلتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے سمندر میں جہاں میٹھا اور کھارا پانی جمع ہوتا ہے وہاں سے نکلتے ہوں، جہاں اس کی تہ سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

مَرْجَانُ: کا معنی مونگا ہے، یہ درخت کی طرح شاخیں اُگاتا ہے، سمندر ہی میں اُگتا ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾

اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں۔ (۲۴)

الجواری کا معنی السُفُن (کشتیاں) ہیں، الْمُنْشَئٰتُ کا معنی المرفوعات (بلند) ہے اور اَعْلَام علم کی جمع ہے جس کا معنی الجبل الطویل (لمبا پہاڑ) ہوتا ہے۔ چیزیں پانی میں ڈوب جاتی ہیں مگر بڑے بڑے جہاز اس کی سطح پر کھڑے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کنٹرول ان پر ایسا ہے کہ جب چاہے انہیں ڈبو دے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾

جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔ (۲۶)

زندگی کے ایام محدود ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارنا چاہئے، دنیا کی نعمت زوال پذیر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہی سے لو لگانے میں بھلائی ہے، تکلیف ومصیبت میں صبر کرنا چاہئے، یہاں کی خوشی، غم سب عارضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں کو معبود نہ بنایا جائے اس لیے کہ فانی معبود نہیں ہوسکتا۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴿٢٩﴾

آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ (۲۹)

ہر آن اس کی نئی شان ہے، اپنی مخلوق کی حاجتیں پوری کرتا ہے کسی کی دعا سنتا ہے، بیماروں کو شفا دیتا ہے، کمزوروں کی دستگیری کرتا ہے، مظلوموں کی فریاد رسی کرتا ہے، کسی کو بخشتا ہے، کسی کو پکڑتا ہے، کسی کو ہدایت دیتا ہے کسی کو گمراہ کرتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے، کسی کو ذلت دیتا ہے کسی کو فتح دیتا ہے کسی کو شکست سے دوچار کرتا ہے۔

﴿يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان وکافرین اور مشرکین تو اس سے نہیں مانگتے، مگر یہاں کہا گیا کہ سبھی مانگتے ہیں، جواب یہ ہے کہ کوئی مانگے یا نہ مانگے سب کی ضرورتیں وہی پوری کرتا ہے۔

﴿يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ ایک اہم حقیقت جس پر ان دونوں مخلوقوں کو متنبہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو بھی تم معبود، مشکل کشا اور حاجت روا بناتے ہو خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء واولیاء یا اور کسی قسم کی مخلوق ہو، ان کی حاجتیں بھی اللہ تعالیٰ نے پوری کی تھیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے، ان کے ہاتھ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور پھیلے ہوئے ہیں، وہ خود اپنی مشکل کشائی نہیں کر سکتے تو تمہاری مشکل کشائی

Scanned by CamScanner

کیسے کر سکتے ہیں؟ یونس نے اسی سے مانگا، آدم علیہ السلام نے اسی سے مانگا، تمام نبیوں نے اسی سے مانگا۔ پوری کائنات میں اسی کی کارفرمائی ہے، کسی میں یہ طاقت وقوت نہیں کہ وہ کسی معاملے میں کسی بندے کی قسمت پر اثر انداز ہوسکے۔

اُخروی آلام ومحن بھی بیان کر دیے تاکہ ان کوسن کران امور سے پرہیز کریں، جو ان آلام ومحن کے اسباب ہیں، لہٰذا ان امور کا ذکر بھی انعام ہے۔

سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾

اے دونوں جماعتو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ (۳۱)

ثَقَلٰن سے مراد انس وجن ہیں، انہیں ثَقَلٰن اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ یہ احکام الٰہیہ کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں، یعنی دونوں شریعت کے مکلف ہیں۔

﴿سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ﴾ ستؤن مختلفه (مختلف کاموں) میں سے صرف ایک شان یا ایک ہی کام ہوگا یعنی درخواستوں اوران کے قبول اوران پر عمل کا سلسلہ بند ہوجائے گا۔

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ﴿۳۳﴾

اے گروہِ جن وانس! اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے۔ (۳۳)

اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ سے آسمان وزمین کے حدود مراد ہیں، زمین کے حدود سے نکل سکتے ہو، مگر بحیثیت مجموعی اس کائنات سے باہر نہیں جاسکتے، اس سے مقصود، دونوں گروہوں کی بےبسی ظاہر کرنا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں رہنے کے لیے مجبور ہیں تو پھر اس سے بغاوت کر کے انہیں کہاں پناہ مل سکتی ہے؟

يُرۡسَلُ عَلَيۡكُمَا شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنۡتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کرسکو گے۔ (۳۵)

﴿شُوَاظٌ مِّنۡ نَّارٍ﴾ انسان ڈر کر بدی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کے راستے پر آجائے، یہ بھی نعمت ہے۔

فَاِذَا انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ وَرۡدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾

پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہوجائے گا (تو) وہ کیسا ہولناک دن ہوگا۔ (۳۷)

﴿كَالدِّهَانِ﴾ اگر عالم فنا نہ ہوتو عالم آخرت جہاں بدلہ ملنا ہے، ظاہر نہ ہوگا۔ لہٰذا یہ بھی ایک نعمت ہے۔

Scanned by CamScanner

فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُسۡـَٔلُ عَنۡ ذَنۡۢبِهٖۤ اِنۡسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾

اس روز نہ تو کسی انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں پرسش کی جائے گی اور نہ کسی جن سے۔(۳۹)

گناہ گار انس وجن سے سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ ریکارڈ تو پہلے سے موجود ہی ہوگا۔

يُعۡرَفُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ بِسِيۡمٰهُمۡ فَيُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِىۡ وَالۡاَقۡدَامِ ﴿۴۱﴾

گنہگار اپنے چہرے ہی سے پہچان لئے جائیں گے تو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔(۴۱)

جس طرح مومنین اپنے روشن اعضائے وضو سے پہچان لیے جائیں گے۔اسی طرح مجرموں کو ان کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا۔

﴿فَيُؤۡخَذُ بِالنَّوَاصِىۡ وَالۡاَقۡدَامِ﴾ انہیں پیشانی کے بال اور پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔یہ تہدید (دھمکی) کا کلام ہے جو انسان کو سعادت کی طرف کھینچ کر لاتا ہے،لہٰذا یہ نعمت ہے۔

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہیں۔(۴۶)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں۔یہ آیت ایسی ہے جو بڑی بڑی تقریروں پر بھاری ہے،کیونکہ اس آیت نے کتنے گنہگاروں کو گناہ کے کاموں سے روک دیا۔

عَنۡ أَبِي بَكۡرِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ قَيۡسٍ، عَنۡ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "جَنَّتَانِ مِنۡ فِضَّةٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنۡ ذَهَبٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيۡنَ الْقَوۡمِ وَبَيۡنَ أَنۡ يَنۡظُرُوا إِلَى رَبِّهِمۡ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبۡرِ، عَلَى وَجۡهِهِ فِي جَنَّةِ عَدۡنٍ" (بخاری کتاب التفسیر،۴۸۷۸)

دو جنتیں چاندی کی ہوں گی۔جن میں ہر چیز چاندی کی ہوگی۔اور ان کے علاوہ دو جنتیں سونے کی ہوں گی۔ان میں ہر چیز سونے کی ہوگی۔

حوریں بہتر ہیں یا جنتی عورتیں؟ علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ جنتی عورتیں حوروں سے بہتر ہوں گی۔کیونکہ دنیا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق اپنی زندگیاں گزاری ہیں،لہٰذا ان کو ان کی پسند سے شوہر ملیں گے اور حوروں کو،جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا دے دے گا۔

فِيۡهِمَا مِنۡ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوۡجٰنِ ﴿۵۲﴾

ان میں سب میوے دو دو قسم کے ہیں۔(۵۲)

ان دونوں جنتوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ پھلوں کی ایک قسم جس سے وہ دنیا میں آشنا تھا دوسری قسم اس کے خواب وخیال میں بھی نہ تھی۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾

ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں جن کو اہلِ جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ (۵۶)

حوروں کی عفت اور حسنِ سیرت کو قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ سے بیان کیا گیا، یعنی جنتی عورتیں تبرج نہیں کرتیں اور خَيْرٰتٌ حِسَانٌ سے حوروں کی حسنِ صورت کو بیان کیا گیا، عورت کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو باعفت نہ ہو تو بیکار ہے۔

﴿لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ جنتی انسانوں کے علاوہ جنتی جنوں کو بھی حوریں ملیں گی۔

﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ وہ عورتیں حوریں ہونگی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی۔

عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ، طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا، لِلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ، يَطُوفُ عَلَيْهِمِ الْمُؤْمِنُ فَلَا يَرَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا" (مسلم: کتاب الجنۃ، ۲۸۳۸)

جنت میں ایک خیمہ ایک ہی موتی سے بنا ہوا ہوگا جس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی، ہر کونے میں جنتی کے اہل ہوں گے جس کو دوسرے کونے والے نہ دیکھ سکیں گے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾

اور ان دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔ (۶۲)

دو جنتیں اصحاب الیمین کے لیے اور دو جنتیں مقربین کے لیے اور دو جنتیں عام صالحین کے لیے۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾

دونوں خوب گہرے سبز۔ (۶۴)

یہ دونوں باغ گہرے سبز رنگ کے ہوں گے، سبز رنگ آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوتا ہے۔

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾

ان میں نیک سیرت (اور) خوبصورت عورتیں ہیں۔ (۷۰)

جنتی عورتیں حسن وجمال میں یکتا اور عفت و پاکدامنی میں لاثانی ہوں گی۔

Scanned by CamScanner

امرأۃ خیرۃ، بروزن فَعْلَۃ یہ امرأۃ شرّۃ کے خلاف ہوں گی، خَیْرٰتٌ یعنی اخلاق وکردار کی خوبی واچھائی والیاں اور حِسَانٌ کے معنی صورت کی خوبی واچھائی والیاں۔

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کون کون سے کرشموں کو جھٹلاؤ گے، اس آیت کریمہ کی تکرار اس لیے ہے تاکہ توجہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور کرشموں پر مرکوز ہو اور قلب وروح بیدار ہو۔

نکاتِ سورۂ رحمٰن:

﴿یَسْجُدٰنِ﴾ یہ سجدہ حقیقی ہے لیکن ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

سورۂ رحمٰن اور سورۂ واقعہ میں ربط یہ ہے کہ سورۂ واقعہ میں پانچ چیزوں کا علی الترتیب بیان ہے:

(۱) وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ.(۲) اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ (۳) اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (۴) تخلیق انسانی (۵) عظمت قرآن۔ سورۂ رحمٰن میں اس کو بالکل الٹ دیجئے۔

﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (سورۂ ص:۲۹) نزول قرآن کے تین مقاصد ہیں۔(۱) تبرک (۲) تدبر (۳) تذکر

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کی تکرار برائے تقریر (دل ودماغ میں بٹھانا) ہے۔

التکرار ثلاثۃ أنواع: تکرار تین طرح کی ہے۔

(۱) تکرار حرف (۲) تکرار مد (۳) تکرار لفظ

بعد کے دو باغ أصحاب الیمین کے لیے ہیں، جس میں صرف فاکھۃ ہے۔ جب کہ پہلے کے دو باغ السابقون کے لیے ہیں، وہاں من کلّ فاکھۃ ہے، دوسرے دو باغ پہلے کے دو باغوں سے کمتر درجے کے ہیں، بعد کے دو چشمے ابلنے والے، پہلے کے دو چشمے بہنے والے یعنی دور تک سطح زمین پر بہتے ہوئے۔

نعمت کی دو قسمیں: (۱) روحانی (۲) جسمانی، سورۂ رحمٰن میں پہلے نعمت روحانی کا تذکرہ ہے اور تمام نعم روحانیہ میں سب سے بڑی نعمت روحانی قرآن ہے۔ ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کی تکرار صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت کے اعتبار سے ہر جملہ ایک نئے مضمون سے متعلق ہونے کی وجہ سے تکرار محض نہیں ہے۔

کس کو قرآن سکھایا، یہ نہیں کہا گیا، تنزیل قرآن کا مقصد ساری ہی خلق اللہ کو ہدایت کی راہ دکھانی ہے۔ تخلیق انسان کا مقصد ہی تعلیم قرآن ہے۔ تعلیم قرآن، بیان کے بغیر ممکن نہیں اور بیان تقریری اور تحریری دونوں ہوتا ہے۔

مصنوعات ربانی اور مصنوعات انسانی میں فرق یہ ہے کہ انسان کی بنائی مشین کتنی ہی مضبوط ہو، مرمت کی محتاج ہے، مگر مصنوعات ربانی کسی مرمت کی محتاج نہیں۔ روئے زمین پر سب سے وزنی چیزیں یہی دو مکلف مخلوقات، انسان اور جن ہیں۔ وزن دار یعنی قابل قدر ہے، اسی وجہ سے ان کو ثقلان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾ سجدہ، نماز کا اعلیٰ جزء ہے، ﴿واسجد و اقترب﴾، انسان کے جسم میں اس کی عظمت کا نشان اس کا سر ہوتا ہے اس لیے تاج سر پر رکھا جاتا ہے، تو گویا بندہ جب اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اے اللہ! ساری عظمتوں کا حقدار تو ہی ہے۔

یہاں کہا گیا کہ بے جان چیزیں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہیں تو انسان جو اشرف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت سے نوازا تو اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو۔

﴿اَلْمِيْزَانِ﴾ پوری کائنات عدل پر قائم ہے لہٰذا شرعی امور میں بھی عدل مطلوب ہے۔

النخل کے ساتھ ذات الاکمام کی قید یہ بتاتی ہے کہ انسان کی پیکنگ نقصان دہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی پیکنگ اعلیٰ درجے کی ہے۔

﴿وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ﴾ حَبٌّ انسان کا کھانا اور عَصْفِ جانوروں کا، حبٌّ، بدن کی غذا اور ریحان، روح کی غذا ہے۔

آلاء کا اطلاق نعمتوں اور قدرتوں دونوں پر ہوتا ہے اسی لیے کہیں کہیں نعمت کا ذکر اور کہیں کہیں قدرت کا ذکر ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی بیان ہے اور قدرتوں کا بھی، جھٹلانے کا مطلب یہ ہے (۱) اللہ کی نعمتوں کا انکار۔ کہے کہ میرے اوپر اللہ کی نعمتیں نہیں ہیں۔ (۲) نعمتوں کا اعتراف کرنا اور ان کی قدر نہ کرنا۔

انشقاق قمر جس طرح قیامت کی ایک علامت ہے اسی طرح نزول قرآن بھی قیامت کی ایک نشانی ہے۔

برکت کا مفہوم یہ ہے کہ بلڈنگ جتنی اونچی ہوتی جائے اس کے گرنے کا امکان بڑھتا جاتا ہے، مگر برکت میں یہ مفہوم ہے کہ بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اس میں ثبات واستقرار بھی ہے۔

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ جیسے باپ سے آدمی ڈرتا بھی ہے اور اس سے محبت بھی کرتا ہے۔

حوروں میں بھی فرق ہے۔ ﴿خَيْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ ﴿كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ﴾

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ نیکی کر کے ناامید نہ ہو، کوئی نیکی رائیگاں نہیں جائے گی۔

﴿فَاكِهَةٌ﴾ تفکہ اور طعام میں فرق یہ ہے کہ جو چیزیں بطور تلذذ کھائی جائیں وہ فاکھۃ ہے جو بطور قُوت (روزی) کھائی جائے وہ طعام ہے۔

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ دو الگ الگ طریقے کے دریا ہیں، جو پوری دنیا میں گیارہ (۱۱) جگہیں ہیں۔

(۱) کناڈا میں (۲) امریکہ میں (۳) UK میں (۴) انڈیا میں ایک الکھنندا ہے اور دوسری بھاگی رتھی ہے، یہ دونوں ندیاں ہمالیہ سے نکلتی ہیں اور دیو پریاگ میں ملتی ہیں۔ دیو پریاگ اُترا کھنڈ میں ضلع گڑھوال میں ہے۔ ایک پانی ہرا ہے دوسرا انارمل ہے، پانی کا رنگ بھی الگ ہے اور ذائقہ بھی الگ ہے، مگر دونوں آپس میں ملتے نہیں، دونوں کے درمیان ایک لکیر ہے۔ یہ اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتے تو انسان کو بھی حدود اللہ سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔

Scanned by CamScanner

حسبان سے مراد ایک حد ہے، ان کی ایک حد ہے اس کے بعد فنا ہو جانے والے ہیں، اسی طرح تم بھی ایک دن فنا ہو جاؤ گے۔

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ المخلوق فان والرب باق۔ (مخلوق فانی ہے اور رب باقی ہے)

﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمان میں فرشتے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں اور زمین میں سوال کرنے والوں کے سوال کی دو قسمیں ہیں (۱) السوال بلسان القال (۲) السوال بلسان الحال۔ مومن تو ہمیشہ اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اور کافر بزبان حال اللہ تعالیٰ سے مانگنے پر مجبور ہے اور جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو زبان قال سے بھی مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ﴾ (ہم جلد ہی تمہارے لیے فارغ ہوں گے اے دو بھاری گروہو!) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ابھی مشغول ہے اور بعد میں فارغ ہوگا، بلکہ یہ جملہ وعید یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے میں تجھے دیکھ لوں گا۔

﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ﴾ (مجرم لوگوں کو ان کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا) کیونکہ ان کے چہرے کالے ہوں گے۔

﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سر کو قدم سے ملا دیا جائے گا تو لکڑی کی طرح توڑ دیا جائے گا۔

﴿كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ﴾ یاقوت اور مرجان دو نفیس جوہر ہیں، یاقوت صفائی میں اور مرجان سرخی میں یعنی حوریں صفائی میں یاقوت کی طرح اور سرخی میں مونگے کی طرح ہوں گی، یعنی یاقوت کی شفافیت مرجان کی سفیدی سے آمیختہ۔

﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ درختوں کی کثرت کی وجہ سے دونوں باغ کالے دکھائی دیں گے۔

﴿فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ﴾ دو چشمے ابل رہے ہوں گے اور دو چشمے بہہ رہے ہوں گے اور بہنا ابلنے سے زیادہ کامل ہوتا ہے، کیونکہ ابلنے والا اپنی جگہ میں رہتا ہے اور بہنے والا سفر کرتا ہے۔

ابتداء اَلرَّحْمٰنُ سے ہے اور اختتام الاکرام پر ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلال و اکرام والا ہے، اس کی قدر کرنا کسی مخلوق کے بس میں نہیں۔

﴿ذِي الْجَلَالِ﴾ یعنی صفت جلالی کے ساتھ، ذوالاکرام یعنی صفت جمالی بھی رکھتا ہے، یعنی صاحب عظمت ہونے کے باوجود، وہ انسانوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورۃ الواقعۃ (مکیۃ)

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾

جب واقع ہونیوالی واقع ہو جائے۔(۱)

﴿وَاقِعَةُ﴾ یہ قیامت کی ایک صفت ہے۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔(۳)

یہ بھی قیامت کی دو صفتیں ہیں۔یعنی قیامت،منکرین اور بدکاروں کو پست کرنے والی اور نیکوں کو بلند کرنے والی ہوگی یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو اٹھایا جائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو گرایا جائے گا،اس میں انسانوں کے لیے درس ہے کہ وہ ایسے اعمال کریں جو محشر میں بلندی کا سبب بنیں اور ایسے اعمال سے بچیں جو پستی کا سبب بنیں،وہاں کی مصیبت یہاں کی مصیبت سے بڑی تلخ ہے۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾

اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔(۵)

یہ بس الغنم سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی بکریوں کو ہنکانے کے ہوتے ہیں۔یعنی قیامت کے دن پہاڑ ہنکائے جائیں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾

وہ بہت تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔(۱۳) اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔(۱۴)

اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ ثلّۃ من الأولین سے مراد وہ تمام امتیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک

Scanned by CamScanner

گزاری ہیں اور قلیل من الآخرین سے امت محمدیہ مراد ہے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾

(لعل و یاقوت وغیرہ سے) جڑے ہوئے تختوں پر۔(۱۵)

ای منسوجة بقضبان الذهب۔ یعنی سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے تختوں پر۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾

آمنے سامنے تکیہ لگائے ہوئے۔(۱۶)

ٹیک لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾

یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔(۱۷)

والمعنی انهم مخلوقون للبقاء ولا يتغيرون وهم على سن واحد یعنی یہ بچے ہمیشہ ایک ہی عمر میں رہیں گے۔ ان کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔(۱۹)

﴿وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾ النزف هو إخراج شئى من شيئ۔ نزف ایک چیز کو ایک چیز سے نکالنے کو کہتے ہیں۔ جیسے کھانے کے بعد قے کر جانا اور النزف کا ایک مطلب اختلاط العقل ہے، یعنی جنتی شراب پینے کے بعد آدمی کی عقل خراب نہیں ہوگی۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور میوے جس طرح کے ان کو پسند ہوں۔(۲۰) اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا ان کا جی چاہے۔(۲۱)

فَاكِهَةٍ کا ذکر پہلے اور لحم کا بعد میں، کیوں؟ کیونکہ فواکہ زیادہ قیمتی ہوتے ہیں، فَاكِهَةٍ کے لیے تَخَيَّرُ اور لَحْمِ کے لیے اشتہا اس لیے لایا گیا کیونکہ فواکہ کی بہ نسبت اشتہا کا تعلق کھانے سے زیادہ ہے۔ منتخب کا تعلق فواکہ سے ہے۔ مختلف قسم کے میووں میں چن چن کر کھانے میں الگ لذت ہوتی ہے۔ وَلَذَّةٍ: کھانا کتنا بھی لذیذ ہو، اس کا نمبر بعد میں آتا ہے جب بھوک زوروں کی لگی ہو تو پہلے کھانے کی طلب ہوتی ہے کہ جو بھی ملے کھایا جائے۔ اسی لیے گوشت کے ساتھ يَشْتَهُوْنَ کا لفظ لایا گیا۔

Scanned by CamScanner

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾

اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔(۲۲) جیسے (حفاظت سے) تہ کئے ہوئے (آب دار) موتی۔(۲۳)

جنت کی حوریں۔

(مومنین کے لیے) گوری گوری، خوشنما اور بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی جیسے پوشیدہ رکھے ہوئے موتی۔

﴿وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾ (سورۂ طور:۲۰) ہم ان کی شادی کردیں گے حور عین سے۔

حُوْرٌ، حَوْرَاء کی جمع ہے۔اس لفظ کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حیرۃ سے ماخوذ ہے یعنی حیرت میں ڈال دینے والی۔ یعنی جس عورت کا سراپا اتنا دلکش، جاذب نظر اور پرکشش ہو کہ دیکھنے والے حیران رہ جائیں۔دوسرا مطلب ہے بہت زیادہ کالی، انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔افریقہ کے بعض قبائل میں جو لڑکی بہت ہی زیادہ کالی ہو اسے ملکہ حسن سمجھا جاتا ہے۔لہٰذا انسان کی محبوبہ خواہ گوری ہو یا کالی اسے حور کہہ سکتا ہے۔

مجنوں ولیلیٰ کی افسانوی محبت تو زبان زد خاص وعام ہے۔کہا جاتا ہے کہ لیلیٰ اس قدر کالی تھی کہ والدین نے شب تاریک کی مانند سمجھ کر اس کا نام لیلیٰ رکھ دیا تھا اور رات کو عربی میں لیل کہتے ہیں۔بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حور سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے غایت درجہ کی سفیدی۔عربی زبان میں گورے بدن والی عورتوں کو حواریات کہا جاتا ہے جیسے اردو زبان میں خوبصورت لڑکی کو گوری کا نام دے دیا جاتا ہے۔بعض علماء نے حور کا مطلب یہ بتایا ہے کہ رنگ بہت گورا ہو اور بال انتہائی کالے ہوں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب حادی الأرواح إلى بلاد الأفراح میں لکھا ہے کہ لفظ "حور" حیرت سے مشتق نہیں ہے۔حور کا اصل معنی سفیدی ہے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حور کا معنی سفیدی ہے۔مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حور کے معنی سفید چہرے کے ہیں۔اور تحویر کا معنی تبییض (سفید کرنا) ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ حور سے ماخوذ ہے جو آنکھوں میں ہوتا ہے یعنی سخت سفیدی اور سخت سیاہی والی آنکھیں۔چنانچہ حور دو چیزوں (سخت سیاہی اور سخت سفیدی) کو متضمن ہے۔صحاح میں ہے کہ حور آنکھ میں سخت سفیدی کا سخت سیاہی میں ہونے کو کہتے ہیں۔حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حوراء وہ عورت ہوگی جس کی آنکھوں میں سیاہی سخت سیاہ اور سفیدی سخت سفید ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آنکھ میں حور کا معنی یہ ہے کہ اس میں سیاہی اور سفیدی کا حسن جمع ہو چکا ہو اور ان دونوں میں تناسب بھی ہو اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے حسن حاصل کرتا ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ کسی عورت کو اس وقت تک حوراء نہیں کہا جاسکتا جب تک اس کی آنکھوں کے حسن کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کا رنگ بھی سفید نہ ہو۔

عِیْن یہ عیناء کی جمع ہے جس کا معنی ہے عورتوں میں بڑی بڑی آنکھوں والی عورت۔ رجل اعین اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو بڑی بڑی آنکھوں والا ہو۔ صحیح بات یہ ہے عِیْن وہ عورتیں کہلاتی ہیں جن کی آنکھوں میں حسن اور ملاحت (نمکینی) دوصفات جمع ہوں۔

Scanned by CamScanner

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حوریں صور پھونکتے وقت نہیں مریں گی اس لیے کہ وہ باقی رہنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ حوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ﴾ (سورۂ رحمن:۷۲) حوریں ہیں جو رُکی رہنے والیاں ہیں خیموں میں، ان کے شوہروں کے علاوہ ان کو کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔

سورۂ رحمن میں ان کی ایک صفت قاصرات الطرف آئی ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو اپنے شوہروں پر منحصر رکھیں گی، غیر کا ارادہ نہیں کریں گی۔

پھر فرمایا کأنھن الیاقوت والمرجان (سورۂ رحمن:۵۸) وہ کیسی ہیں؟ جیسے لعل و مونگا۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام مفسرین کا کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے حوروں کو رنگ کی صفائی میں یاقوت و مرجان سے تشبیہ دی ہے۔

فیا خاطب الحسناء إن کنت راغبًا

فھذا زمان المھر فھو المقدم

اے حوروں کو پیغام دینے والے! اگر تجھے رغبت ہے تو یہ دنیا ان کے مہر کا زمانہ ہے اور مہر تو پہلے ادا کی جاتی ہے۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ﴿۲۵﴾

وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ (۲۵)

اللغو۔ (الکلام الذی لا خیر فیه) ایسا کلام جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ والتأثیم ہو الکلام القبیح۔ اور تاثیم گندے کلام کو کہتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں جنت میں نہیں پائی جائیں گی۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾

(یعنی) بے خار کی بیریوں میں۔ (۲۸)

بغیر کانٹے والی بیری۔

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

اور تہ بتہ کیلوں۔ (۲۹)

تہ بہ تہ لدے ہوئے کیلے۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾

اور لمبے لمبے سایوں۔ (۳۰)

الذی لا یتقلص کظل الدنیا یعنی جنت کے سائے ایسے ہوں گے جو دنیا کے سائے کی طرح سمٹیں گے نہیں بلکہ ہمیشہ

Scanned by CamScanner

پھیلے رہنے والے سائے ہوں گے۔

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾

اور پانی کے جھرنوں۔

بہتا ہوا پانی۔

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾

اور میوہائے کثیرہ (کے باغوں) میں۔(۳۲)

بے شمار پھل۔

لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾

جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔(۳۳)

توڑنے سے پھل ختم نہ ہوں گے اور جو توڑنا چاہے گا اسے روکا نہیں جائے گا۔

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾

اور اونچے اونچے فرشوں میں۔(۳۴)

اور اونچے درجے کے بچھونے ہوں گے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾

ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا۔۳۵۔تو ان کو کنواریاں بنایا۔(۳۶)

﴿ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴾ اللہ تعالیٰ نے بغیر طریقۂ ولادت کے انہیں تخلیق کیا ہے، وہ بالکل انوکھی ہوں گی اور اس انوکھے پن کو ﴿ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾ سے بتایا گیا کہ وہ شادی کے بعد بھی ہمیشہ کنواری ہی رہیں گی۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾

(اور شوہروں کی) پیاریاں اور ہم عمر۔(۳۷)

عُرُب، عَرُوبَة کی جمع ہے۔جس کا مطلب ہے المرأة المتحببة إلى زوجها (شوہروں کو پیاری) یا العاشقة لزوجها (اپنے شوہروں سے بے انتہا محبت کرنے والی) ہے۔

اَتْرَابًا: اتراب، ترب کی جمع ہے جس کا معنی المساوی لک فی السن (عمر میں برابر) ہے۔لانہ یمس جلدھما

التراب فی وقت واحد یعنی ایک ہی وقت میں مٹی دونوں کی جلد کو چھوتی ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ﴾ کریم فی ثوابه یعنی قرآن اپنے ثواب میں کریم ہے کہ ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں وکریم فی آثاره علی القلوب اوردلوں پر اپنے اثر میں کریم ہے کیونکہ قرآن کی قراٗت دلوں کو نرم کر دیتی ہے۔

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ﴾ اللہ نے حلقوم کا ذکر کیا ہے کیونکہ حلقوم مجری النفس (سانس کی نلی) ہے اوراس کے انقطاع سے انسان مرجاتا ہے پس جب روح، حلقوم میں پہونچ گئی اور وہ بدن کے نچلے حصے سے اس تک چڑھ گئی تواس وقت تمام علائق دنیویہ کٹ جاتے ہیں اورانسان جان لیتا ہے کہ آخرت آرہی ہے اور دنیا چھوٹ رہی ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَدْخُلُ أَهْلُ الجَنَّةِ الجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِينَ أَبْنَاءَ ثَلَاثِينَ أَوْ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً" (ترمذی:۲۵۴۵)

جنتیوں کی عمر ۳۰ یا ۳۳ سال ہوگی۔

فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ، وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، (مسلم:۲۸۴۱) ہر جنتی آدم کی شکل کا ہوگا اوراس کی لمبائی ۶۰ رگز ہوگی۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾

دیکھوتو کہ جس (نطفے) کو تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو۔(۵۸)

انسان کی پیدائش اور کھیت میں بیج ڈالنے میں مشابہت ہے۔ دونوں میں انسان کا فعل موثر نہیں ہوتا۔ جس طرح منی رحم میں ڈالنے کے بعد امید وبیم کے ساتھ انتظار کرنا پڑتا ہے، اسی طرح کسان زمین میں بیج ڈالنے کے بعد امید وبیم کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾

کیا تم اس (سے انسان) کو بناتی ہو یا ہم بناتے ہیں؟(۵۹) ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں۔(۶۰)

نہ تمہاری پیدائش تمہارے اختیار میں ہے نہ تمہاری موت۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تم نے پہلی بار پیدائش تو جان ہی لی ہے پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟(۶۲)

اگر مٹی سے انسان پیدا کیا جاسکتا ہے تو دوبارہ مٹی سے اسے کیوں کھڑا نہیں کیا جاسکتا؟

Scanned by CamScanner

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾

بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو۔(۶۳)

ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾

کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ (۷۲) ہم نے اسے یاددلانے اور مسافروں کے برتنے کو بنایا ہے۔(۷۳)

شَجَرَتَهَا میں 'ھا' کی ضمیر، النار کی طرف راجع ہے۔

﴿نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ﴾ تَذْكِرَةً پہلے اور مَتَاعًا بعد میں لاکر یہ بتایا گیا کہ اخروی فائدہ زیادہ قابل ذکر ہوتا ہے۔ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ کا مطلب ہے کہ مسافروں کے لیے فائدے کی چیز بنایا ہے، مقوین لفظ ''قوا'' سے مشتق ہے اور'' قوا'' کا معنی ہے ویران اور بیابان۔ جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔ یا وہ جگہ جو آبادی سے دور ہو۔ بہ نسبت مقیم لوگوں کے مسافروں کو آگ کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک مقوین کا معنی دولت مند طبقہ ہے۔ کوئی مالدار ہوجائے یا اس کے جانور موٹے ہوجائیں تو کہا جاتا ہے اقوی الرجل وہ آدمی قوت والا ہو گیا۔ چونکہ مالداروں کے پاس مہمان زیادہ آتے ہیں اس لیے وہ کھانا زیادہ پکاتے ہیں تو خصوصیت کے ساتھ آگ مالداروں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾

ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم۔(۷۵)

ستارے ٹوٹ کر گرتے ہیں، یہ یکے بعد دیگرے دنیا سے گزر جانے اور اس کو خالی کرنے کو یاددلاتے ہیں۔

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ قرآن، کریم (عزت والا) ہے۔

سوال: قرآن کی صفت کریم کیوں لائی گئی؟

جواب: یہ ہے کہ جب کسی کلام کو بار بار پڑھا جاتا ہے تو اس کی اہمیت نظروں میں کم ہو جاتی ہے۔ اسی لیے آپ دیکھیں کہ بادشاہوں کی محفل میں کوئی بات ایک دفعہ کہہ دی جائے تو اس کو دہرایا نہیں جاتا، قرآن کی صفت، کریم لاکر یہ بتایا گیا کہ کثرت تلاوت کے باوجود بھی اس کلام کی اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، ہر بار ایک نیا لطف اور ایک نئی تازگی ملتی ہے۔

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾

اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔(۷۹)

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ محدث (بے وضو) جنبی اور حائضہ کے قرآن پڑھنے سے ممانعت کی کوئی

Scanned by CamScanner

حدیث صحیح موجود نہیں ہے۔بغیر وضو قرآن کو ہاتھ لگانے کو حرام کہنا فقہی شدت کے سوا کچھ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو خط لکھا تو کیا اسے تاکید کی کہ بلا وضو ہاتھ نہ لگائے؟

﴿لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ پر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نکتہ ہے۔جس طرح لوح محفوظ میں قرآن کے حروف لکھے ہیں اور ان کو صرف طاہر بدن والے یعنی فرشتے ہی چھو سکتے ہیں ایسے ہی قرآن کے معانی تک پہونچنے کے لیے طاہر قلوب کی ضرورت پڑتی ہے اور ایسے دل متقیوں کے پاس ہوتے ہیں۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو؟(۸۱)

باندازِ تعجب سوال کیا گیا ہے، کیا یہ قرآن جس کو تمہارے رب نے اس اہتمام سے (۲۳ سالوں میں) تمہاری ہدایت کے لیے اتارا ہے اس بے اعتنائی کا سزاوار ہے جو تم اس سے برت رہے ہو؟ یعنی تم اتنے بدذوق ہو گئے ہو کہ گہر اور خذف ریزے میں کوئی تمیز نہ رہ گئی۔

﴿مُّدْهِنُوْنَ﴾ ادہان سے ماخوذ ہے۔نرم کرنے کے لیے دُھن (تیل) استعمال کرنا۔مجازاً اخلاق و معاملات کو بظاہر نرم کرنے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، پھر اس لفظ کا استعمال نفاق میں ہونے لگا، پھر تکذیب کرنے والے اور جھٹلانے والے کو مُدْہِن کہا جانے لگا۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو؟۔(۸۲)

قرآن رزق ہے اس کے بغیر تم زندہ نہ رہ سکو گے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾

بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے۔(۸۳)

اگر تم ایک ذات برحق کے محکوم نہیں ہو تو مرنے والے کی روح کو لوٹا کیوں نہیں دیتے اور موت سے اس کا پیچھا کیوں نہیں چھڑا دیتے؟

فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾

تو (اس کے لیے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔(۸۹)

﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ﴾ قال أبو العباس بن عطاء:الروح إلى النظر إلى وجه الله والريحان الاستماع لكلامه ووحيه (دُر الأسرار) ابوالعباس ابن عطاء کہتے ہیں کہ رَوح کا مطلب اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا

Scanned by CamScanner

اور ریحان کا مطلب اس کے کلام کو سننا ہے۔

عن سعيد بن جبير، في قوله: (فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ) قال: الرَّوح: الفرح، والرّيحان: الرزق. (تفسیر طبری)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رَوح سے مراد خوشی ہے اور ریحان سے مراد رزق ہے، میت نیک ہے تو اس کو راحت ہوتی ہے اور ایسی خوشبو پیش کی جاتی ہے جس سے اس کو فرحت ہوتی ہے۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾

تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام۔ (۹۱)

میت اگر نیک ہے تو خوشخبری دیتے ہیں کہ تیرے لیے سلامتی ہے۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾

تو (اس کے لئے) کھولتے پانی کی ضیافت ہے۔ (۹۳) اور جہنم میں داخل کیا جانا۔ (۹۴)

میت بُری ہے تو بری خبر سنائی جاتی ہے کہ کھولتے پانی سے مہمانی ہوگی اور جہنم میں جلایا جانا ہے۔

❀❀❀

سورۃ الحدید (مکیۃ)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ (۱)

لفظ تسبیح مختلف صیغوں میں آیا ہے، کہیں بصیغہ ماضی کہیں مضارع کہیں بصورت مصدر آیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی حال میں منقطع نہیں بلکہ ہر حال میں ہونی چاہئے، گویا یوں فرمایا کہ اس کی تسبیح ہوتی آئی ہے اور ہو رہی ہے اور ہونی چاہئے، اور ہوتی رہتی ہے اور ہوگی اور اے لوگو تم بھی کرو۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾

وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور (اپنی ذات سے) پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ (۳)

Scanned by CamScanner

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ وہ ظاہر اپنے آثار اور اپنی نشانیوں کی وجہ سے ہے، اور باطن اپنی ذات کے اعتبار سے ہے، کسی قطار میں کھڑا پہلا لڑکا، پہلا لڑکا ہے وہ آخری نہیں ہو سکتا، اول و آخر باہم متعارض ہیں جو باطن (مستور) ہے وہ ظاہر نہیں، مگر یہ اصول مخلوقات کے بارے میں ہے، خالق کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ (۴)

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ یہاں معیت سے مراد معیتِ عامہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم جہاں کہیں بھی رہو اس کے علم کے دائرے سے باہر نہیں ہو سکتے، یہ تصور ہی انسان کو لرزا دینے کے لیے کافی ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

(وہی) رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ (۶)

﴿وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اگر آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے دل میں ایسی چیز چھپائیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں؟ اگر آپ مؤمن ہیں تو آپ اپنے دل کو ریا، نفاق، کینہ، حسد، بغض اور نفرت سے پاک کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کی تمام حالتوں سے آگاہ ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾

(تو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کرتے رہے ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔ (۷)

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾ تم اس مال کے خالق و مالک نہیں

Scanned by CamScanner

کہ صرف اسی ہو لہٰذا تم اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر تصرف کرو اور اس کے حضور میں پائی پائی کی جواب دہی کے لیے تیار رہو۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾

جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے کہ ان (کے ایمان) کا نُور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) تم کو بشارت ہو (کہ آج تمہارے لئے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بڑی کامیابی ہے۔ (۱۲)

﴿يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم﴾ ایک سوال ذہن میں کھٹکتا ہے، وہ یہ ہے کہ آگے آگے نور کا ہونا تو سمجھ میں آتا ہے مگر نور کے دائیں جانب دوڑنے کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص دائیں ہاتھ پر روشنی لیے چل رہا ہو تو روشنی بائیں جانب بھی ہوگی، مگر امر واقعہ یہ ہوگا کہ روشنی اس کے دائیں ہاتھ پر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد اصحاب الیمین ہیں یہ لوگ میدان حشر یا عدالت الٰہی میں یا جنت کے دائیں جانب جاتا ہو تو نور آگے اور دائیں جانب ہی درکار ہوگا۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۚ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ ۚ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾

اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر (شفقت) کیجئے کہ ہم بھی تمہارے نُور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور (وہاں) نُور تلاش کرو پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی جانبِ اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو جانبِ بیرونی ہے اس طرف عذاب (واذیت)۔ (۱۳)

نفاق کے بیان میں قرآن نے مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی ذمہ داری نمایاں طور پر بیان فرمائی ہے، وجہ یہ ہے کہ منافقین عشاء اور فجر میں اور بزدلی کے بڑے اہم عوامل میں سے ہیں۔ یہی دو چیزیں دراصل نفاق میں مبتلا کرتے والی ہیں، منافقین کے ساتھ منافقات کا ذکر خاص اہتمام کے ساتھ ہوا۔

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ

وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

تو (منافق لوگ مومنوں سے) کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے لیکن تم نے خود اپنے تئیں بلا میں ڈالا اور (ہمارے حق میں حوادث کے) منتظر رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لا طائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور اللہ کے بارے میں تم کو (شیطان) دغاباز دغا دیتا رہا۔ (۱۴)

ابلیس کے دھوکے سات قسم کے ہیں:

(۱) اطاعت سے روکتا ہے، بندہ اس کا رد اس طرح کرے کہ یہ آخرت کے سفر کا توشہ ہے اور توشہ کے بغیر سفر نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) چلو آج رہنے دو کل کر لینا، اس کو اس طرح دفع کرے کہ موت میرے قبضے میں نہیں۔

(۳) جلدی جلدی کرو، وہ اس کو اس طرح مسترد کرے کہ تھوڑی نیکی سکون و اطمینان اور اعتدال کے ساتھ اس نیکی سے بہتر ہے جو مقدار میں زیادہ مگر ناقص ہو۔

(۴) ریا میں مبتلا کرتا ہے، اس کو اس طرح مسترد کرے کہ میں عمل نمائش کے لیے کیوں کروں؟ کیا صرف اللہ تعالیٰ کا دیکھنا میرے واسطے کافی نہیں۔

(۵) عُجب میں مبتلا کرتا ہے کہ تو کتنا باعظمت ہے؟ کتنا شب بیدار ہے؟ اس کو اس طرح مسترد کرے کہ اس میں میری کیا بزرگی ہے، یہ سب تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس نے مجھ گنہگار کو توفیق بخشی اور یہ بھی اس کا کرم ہے کہ میرے ناقص اعمال کو شرف قبولیت بخشی، اگر اس کا کرم نہ ہوتا تو میرے ان قلیل اور ناقص اعمال کی کیا وقعت تھی؟

(۶) شیطان کہتا ہے اے بندے! تو لوگوں سے پوشیدہ پوشیدہ اعمال کرتا ہے اللہ تعالیٰ تیرے اعمال کو مشتہر کر دے گا۔ یہ کہنے سے شیطان کا مقصد انسان کو رِیا میں مبتلا کرنا ہوتا ہے، اس کو اس طرح مسترد کرے کہ میں اس کا متمنی نہیں کہ میری نیکیاں عوام میں مشہور ہوں بلکہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، وہی درست ہے۔ چاہے ظاہر کرے یا نہ کرے، لوگوں کے سامنے اظہار یا عدم اظہار میرے نزدیک مساوی ہے کیونکہ لوگوں کے ہاتھ میں میرا نفع اور نقصان نہیں ہے۔

(۷) ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے اس روز جو بُرا ہو گیا وہ بُرا ہی رہے گا اور جو اچھا ہو گیا وہ اچھا ہی رہے گا، تو تمہارے اعمالِ نیک و بد سے فیصلۂ ازلی میں ہرگز فرق نہیں آ سکتا، اس کا جواب اس طرح دے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور بندے کا کام صرف حکم کی تعمیل کرنا ہے اور اللہ، رب العالمین ہے، اس لیے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے اور اس کے علاوہ عبادت و طاعت کسی طرح بھی مضر نہیں۔ کیونکہ اگر میں علم الٰہی میں سعید ہوں تو پھر بھی اور زیادہ ثواب کا محتاج ہوں۔ اور معاذ اللہ! اگر میرا نام بدبختوں میں لکھا ہے تو نیک اعمال کرنے سے اپنے اوپر یہ ملامت تو نہیں کروں گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ، عبادت و طاعت نہ کرنے پر سزا دے گا۔ کم از کم نافرمان بن کر جہنم میں جانے کی بہ نسبت مطیع و فرمانبردار بن

کر جانا بہتر ہے۔لیکن یہ تو صرف احتمالات ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور اس کا کلام قطعاً سچا ہے۔اللہ تعالیٰ نے تو طاعات پر ثواب جمیل کے وعدے کرر کھے ہیں تو جو شخص ایمان وطاعت کے ساتھ رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا وہ ہر گز دوزخ میں نہ جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت میں جگہ پائے گا۔لیکن حقیقت میں یہ دخول بھی وعدۂ الٰہی کی وجہ سے ہوگا۔

غُرور بالضم: یعنی غرور کی غین پر اگر پیش ہو تو اس کا مطلب ''دھوکا'' ہوتا ہے اور غرور بالفتح یعنی اگر غرور کی غین پر زبر ہے تو اس کا مطلب ''شیطان'' ہے۔

اَلَمۡ يَاۡنِ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾

کیا ابھی تک مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو (اللہ) برحق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے قوت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں پر ان پر زمانہ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔(۱۶)

مردہ دلوں کو زندہ کرنے والے اسباب:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ذکر (۲) اس کی نازل کردہ کتاب (۳) صدقہ

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطٰمًا ؕ وَفِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۙ وَّمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٌ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾

جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (وآرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال واولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں

(کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاعِ فریب ہے۔(۲۰)

﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا﴾

اللعب حركة للانسان ليس لها مقصد حسن: لعب انسان کی اس حرکت کو کہتے ہیں جس کا کوئی اچھا مقصد نہ ہو۔ جیسے چھوٹے بچوں کی حرکتیں، جن کا مقصد صرف وقت گزاری ہوتا ہے۔

واللعب يكون قبل زمن التكليف فإن كان بعد التكليف فهو لهو۔ لأنه يلهيك عن العمل الصالح: اور لعب انسان کے مکلف ہونے کے زمانے سے پہلے ہوتا ہے اور اگر مکلف ہونے کے بعد ہو تو اسے لھو کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ آپ کو عمل صالح سے غافل کر دیتا ہے۔

والزينة۔ الشيئي الزائد عن قوام الحياة وضرورياتها: اور زینت، زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے زائد چیز کا نام ہے۔

والتفاخر، أن تفخر على غيرك إما بشئي في ذاتك كالصحة أو العافية أو الجمال أو بشيئي خارج عن الذات كالمال والأولاد والجاه والسلطان: اور اپنے علاوہ پر اپنی ذات کے بارے میں جیسے صحت اور عیش و آرام پر یا ذات سے خارج چیز جیسے مال واولاد، مرتبے اور دبدبے پر فخر کرنا ''تفاخر'' کہلاتا ہے۔

والتكاثر كذلك هو التباهي والاستعلاء بما عندك من الأموال والأولاد: اور اپنے پاس موجود مال واولاد کی وجہ سے بلندی چاہنا ''تکاثر'' کہلاتا ہے۔

لعب، وہ کھیل ہے جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو اور لہو، وہ کھیل ہے جس کا اصل مقصد، وقت گزاری اور دل بہلانا ہوتا ہے۔ ضمنی طور پر کوئی ورزش یا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ غور کرو کہ انسان ہر دور میں جس حال میں رہتا ہے اسی کو بہتر جانتا ہے۔ مگر جب ایک دور سے دوسرے دور کی طرف منتقل ہوتا ہے تو سابقہ دور کی لغویت سامنے آجاتی ہے۔ بچے سے کھیل کی کوئی چیز لیں تو صدمہ ہوتا ہے جیسے کسی نے بنگلہ چھین لیا ہے لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ جس کو مقصود حیات بنایا تھا وہ سب خرافات تھی۔ بچپن میں لہو ولعب۔ جوانی میں زینت وتفاخر اور بڑھاپے میں تکاثر فی الاموال والاولاد۔ (مال واولاد پر فخر کرنا) قرآن کہتا ہے یہ حال بھی گزر جائے گا آگے کی فکر کرو۔

﴿اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ﴾ اس آیت میں انسانی زندگی کے پانچ مراحل کا تذکرہ ہے، یعنی ایک انسان جو عمر طبعی پا سکتا ہے وہ ان پانچ مرحلوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کیونکہ اس کا سارا مطلب ان پانچ مرحلوں میں محدود ہے اور ان مرحلوں کو طے کرنے کے لیے انسانی عمر کے تین حصے لازم ہیں (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) بڑھاپا۔ بچپن میں کھیل تماشہ، جوانی میں زینت وتفاخر اور بڑھاپے میں مال واولاد کی حرص وطمع۔ ان مرحلوں کی تفصیل یہ ہے کہ بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ اول، اول کھیل سوجھتا ہے اس میں اپنے آپ کو کھو دیتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر رہتا ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف کسی نے چھیڑ دیا

Scanned by CamScanner

توڑ دے گا، روٹھ جائے گا، اور مچل پڑے گا۔ پھر کوئی کھیلنے کی چیز دے دی گئی تو بہل گیا، خوش ہو گیا اور سب کچھ بھلا دیا۔

دل میں ہوسِ زلفِ چلیپا نہیں رکھتے
ہمسر نہیں رکھتے کوئی سودا نہیں رکھتے

اس کے بعد قدرے ہوش آتا ہے تب تماشہ سوجھتا ہے، بڑوں کی نقلیں کرنا شروع کر دیتا ہے کوئی مصنوعی باغ لگاتا ہے تو کوئی کھیتی کرتا ہے اور کوئی مکان بناتا ہے۔ علی ھذا القیاس جو دیکھتا اور سنتا ہے، اس کی نقل کرتا ہے۔ چنانچہ اس قول کی تائید میں جامی نے کہا ہے ؎

دلا تاکے دریں کاخِ مجازی
کنی مانند طفلاں خاک بازی

اس کے بعد جوانی کا آغاز ہوتا ہے، اس وقت اسے زینت اور بناؤ سنگھار سوجھتا ہے، اپنے کو سنوارنے میں مقدور بھر کوشش کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ میرے سوا کسی دوسرے جوان پر کسی کی نظر نہ جائے، یعنی لوگ میری ہی جوانی اور خوبصورتی کے دلدادہ رہیں، پھر جب جوانی ذرا ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے تب عقل آتی ہے تو جو کچھ حاصل کیا ہے وہ مال ہو، خواہ کمال و جمال ہو اس پر فخر کرنا اور اترانا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد جب آخری مرحلہ (بڑھاپا) پر پہونچتا ہے تب مال اور اولاد کی بہت زیادہ حرص وطمع کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی ساری عمر کٹ جاتی ہے۔ آخر اسے موت کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے۔ یہ تو دنیا داروں کو دنیا کا فائدہ ہوا۔ اب رہ گئی آخرت۔ تو آخرت میں یا تو سخت عذاب ہے یا اللہ تعالیٰ کی رضامندی و بخشش۔ ان مرحلوں کو طے کرنے میں اگر اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا تو اس کی رضامندی اور بخشش سے ہمکنار ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کو بھول گیا تو اس کے لیے عذابِ دردناک ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

(بندو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت (کی طرف) جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں لپکو یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ (۲۱)

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ یعنی مغفرت کو سستی اور تکاسل سے نہیں مغفرۃ ہی غایت اور ہدف ہے اور اس ہدف کو مسابقت سے ہی پایا جا سکتا ہے۔ حاصل کیا جا سکتا اور مسابقت یہاں اعمال صالحہ اور طاعات میں ہے۔ دوسری آیت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں

ہے۔ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ﴾ (سورۂ انبیاء:۹۰) اس آیت میں ﴿فِى الْخَيْرٰتِ﴾ کہا گیا ﴿اِلَى الْخَيْرٰتِ﴾ نہیں کہا کیوں کہ خیرات وسیلہ ہیں۔ فی ذاتہا غایت نہیں۔ یہ وسیلہ ہیں ایک عظیم غایت کے لیے اور وہ ''مغفرت'' ہے اور اس آیت میں خیرات کو جمع لایا گیا کیونکہ نیکیاں متفاوت ہیں۔ انسان کسی بھی نیکی میں سبقت کرسکتا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾

کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے (اور) یہ کام اللہ کو آسان ہے۔(۲۲)

عجیب نکتہ: زمین پر مصیبت یہ ہے کہ دنیا سے امن وسکون غارت ہوجاتا ہے اور انسان کے نفس پر مصیبت یہ ہے کہ وہ بیماری یا مالی خسارہ وغیرہ سے دوچار ہوجاتا ہے۔ یہ مصیبتیں اس پر اس لیے نازل ہوتی ہیں کہ جو لوگ اپنی اوقات بھول جاتے ہیں انہیں ان کی اوقات یاد دلادی جائے۔ یعنی ہر انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اس کے عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ راحت و فضل وکرم اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تاہم مصیبت اللہ تعالیٰ کے اذن سے نازل ہوتی ہے۔

﴿لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ﴾ دنیا کی دو چیزیں انسان کو اللہ کی یاد اور فکر آخرت سے غافل کرنے والی ہیں۔ ایک راحت وعیش، کہ اس میں مبتلا ہوکر انسان اللہ تعالیٰ کو بھول بیٹھتا ہے، دوسری چیز مصیبت وغم ہے کہ اس میں مبتلا ہوکر انسان مایوس ہوکر اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجاتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کریں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ اکو معلوم کرلے بیشک اللہ قوی (اور) غالب ہے۔(۲۵)

بنی آدم کے معاملات دو قسم پر ہیں، ایک اس کی ذات کے متعلق عقائد وعبادات سے لے کر تمام اعمال حسنہ تک۔ دوم، امور تمدن، جن میں حقوق العباد ہیں۔ پہلی قسم کے لیے اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کہا گیا کیونکہ کتاب اعتقادات واعمال کی درستگی کے لیے ہے۔ اور اَلْمِيْزَانَ معاملات کی درستگی کے لیے ہے۔ میزان، تول کر یہ بتاتا ہے کہ کس کے پاس کتنا حق ہے۔ پھر

Scanned by CamScanner

اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ ان کے لیے ہے جو قانون پر نہ چلیں۔ یعنی معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے تو کتاب اور معاملہ بندوں سے ہے تو میزان اور معاملہ سرکشوں سے ہے تو حدید (لوہا) عدل قائم کرنا رسولوں کے مقاصد بعثت میں سے ہے یعنی سیاست، حکومت، معیشت اور فیصلے سب کو اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کا پابند بنایا جائے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ﴾ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے اور کون دکھاوے کا مجنوں ہے اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ لاکر یہ بتایا گیا کہ ان اللہ لا یحتاج الی النصرة من خلقه کہ اللہ تعالیٰ اپنی کسی مخلوق کی مدد کا محتاج نہیں ہے، وہ قوت والا اور غالب ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اس آیت میں دو خاص انبیاء (نوح علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام) کا ذکر کیا گیا۔ نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء ہوئے سب انہیں کی نسل سے ہیں اور ابراہیم کے بعد جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں اور جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے سب انہیں کی اولاد کی نسل سے ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں میں شفقت اور مہربانی ڈال دی اور لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیئے تھا نباہ بھی نہ سکے پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ (۲۷)

﴿وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ اسلام میں رہبانیت نہیں مگر زھد ہے۔ جہاد کے فریضے کو چھوڑ کر تصوف اختیار کرنا ہی رھبانیت ہے پھر دینی پیشوائی کو جاہ و حشم اور دنیا طلبی کا ذریعہ بنانا، نا قابل عفو گناہ ہے اور کسی عمل کی ایجاد ایک اچھے محرک سے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز ہو تو بدعت ہے۔ نصاریٰ کو ہم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس سے بدعت کی تعریف بھی معلوم ہوگئی کہ ہر وہ کام جسے دین اور ثواب سمجھ کر کیا جائے، جب کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو، وہ بدعت ہے۔ اس میں دعوت کا کام کرنے

Scanned by CamScanner

والوں کو دعوت فکر دی گئی ہے کہ دعوت و اصلاح کا کام کتنے ہی بہترین طریقے سے انجام دیا گیا ہو اور اس کو انجام دینے والی شخصیت کتنی ہی اعلیٰ کردار کی حامل ہو، ضروری نہیں کہ سارے لوگ اس کی دعوت قبول کر لیں، لہٰذا نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر اپنا فریضہ بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔

رَهْبَانِيَّةَ: الرهبانية هي المبالغة في التعبد عبادت گزاری میں مبالغہ کو رہبانیت کہا جاتا ہے۔ إن الرهبانية وجدت من بعد عيسىٰ بمائة وخمسين سنة۔ جاء وابها من عند أنفسهم کہا جاتا ہے کہ رہبانیت عیسیٰ علیہ السلام کے ڈیڑھ سو سال بعد ایجاد کی گئی اور لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا۔ تعبد کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہ طریقہ خود ایجاد کیا تھا مگر اسے نبھا نہیں سکے۔ ظاہر ہے کہ جو فطرت کے خلاف جنگ کرتا ہے تو فطرت اس سے جنگ کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راہبات کے میل جول نے گرجا گھروں کو بدکاری کے اڈوں میں تبدیل کر دیا۔

مسلمانوں میں بھی تصوف کی راہ سے خانقاہیت آ گئی۔ گوشہ نشینی، مراقبے، ریاضتیں، هُوْ حَق جیسی چیزیں ایجاد کی گئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں اس راستے سے بدعات کی بھرمار ہو گئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲۸)

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطاء فرمائے گا اور تمہارے لیے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ، وَأَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآمَنَ بِهِ وَاتَّبَعَهُ وَصَدَّقَهُ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَعَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَدَّى حَقَّ اللهِ تَعَالَى وَحَقَّ سَيِّدِهِ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ فَغَذَّاهَا، فَأَحْسَنَ غِذَاءَهَا، ثُمَّ أَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ

(مسلم: کتاب الایمان، ۱۵۴)

تین قسم کے آدمی ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک کتابی جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کا حق اور اپنے آقا کا حق ادا کیا۔ تیسرا وہ آدمی جس کی کوئی لونڈی تھی اور اسے اچھی طرح کھانا کھلایا، اچھا ادب دیا، پھر آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔

Scanned by CamScanner

نکات سورۂ حدید:

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

﴿اَلْاَوَّلُ﴾ لیس قبلہ شیئی: (اس کے پہلے کوئی چیز نہیں) کیونکہ اگر اس سے پہلے کوئی چیز ہوتو اللہ معاذ اللہ مخلوق ہوجائے گا لہٰذا اللہ تعالیٰ کے پہلے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز نہیں۔

﴿وَالْاٰخِرُ﴾ لیس بعدہ شئی: (آخر وہ ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں) کیونکہ اگر اس کے بعد کوئی چیز ہوتو اس کے بعد جو چیز ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہ ہوگی جب کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں تو ھوالاول لا ابتداء لہ والآخر لا انتھاء لہ۔ تو اول وہ ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں اور آخر وہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اَلظَّاھِرُ۔ لیس فوقہ شئی۔ (ظاہر وہ ہے جس کے اوپر کوئی چیز نہیں)۔ تمام چیزیں اس کے نیچے ہیں اس کے اوپر کوئی چیز نہیں۔ اَلْبَاطِنُ۔ لیس دونہ شئی أی لا یحول دونہ شئی: (باطن وہ ہے جس کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو) اس کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی نہ پہاڑ نہ اشجار، نہ دیواریں۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

﴿اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ یہ دو صفتیں زمانے کے عموم پر مشتمل ہیں اور بعد کی دو صفتیں اَلظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ مکان کے عموم پر مشتمل ہیں۔

﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں۔

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال کا مالک بنادیا ہے تو ہم اگر خرچ کریں تو یہ اللہ تعالیٰ پر ہمارا احسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہم پر ہے، کہ اس نے ہمیں مال عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا پہلا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں مال کا مالک بنایا دوسرا احسان یہ کہ مال کا خرچ کرنا مشروع کیا۔ تیسرا احسان یہ ہے کہ اس پر ثواب دینے کا وعدہ کیا۔ چوتھا احسان یہ کہ ''سب'' خرچ کرنے کے لیے نہیں کہا بلکہ ''کچھ'' خرچ کرنے کے لیے کہا جو ''اَنْفِقُوْا مِمَّا'' میں مِنْ تبعیضیہ سے ظاہر ہے۔

مال میں شح (بخیلی) بہت بڑی بے عقلی ہے کیونکہ یہ مال اگر تمہاری زندگی ہی میں فنا ہو جائے تو تم مفلس ہو جاؤ گے اور اگر تمہاری موت کے بعد باقی رہا تو تمہارے بعد کے لوگ اس کے وارث ہوں گے تو اگر اس مال کا وارث کوئی صالح شخص بنا تو وہ تم سے زیادہ خوش نصیب ہے اور اگر کوئی برا آدمی اس مال کا وارث بنا تو تم نے ایسی چیز اپنے پیچھے چھوڑی جو اس کے اور بگڑنے پر معاون ہوگی، پہلا اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمہارا مال خرچ کر کے تم سے زیادہ خوش نصیب بن جائے گا دوسرے کے لیے یہ مال اللہ تعالیٰ کی معصیت پر معاون بن جائے گا۔

Scanned by CamScanner

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ﴾

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں وہی لوگ اپنے رب کے نزدیک صدیقوں اور شہداء کے زمرے میں ہوں گے، ان کے لیے ان کا اجر بھی ہے اور ان کا نور بھی، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم والے ہیں۔

ایمان باللہ چار چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۱) الإيمان بوجوده۔ وہ موجود ہے۔

(۲) الإيمان بربوبيته۔ وہی رب ہے۔

(۳) الإيمان بألوهيته۔ وہی معبود ہے۔

(۴) الإيمان بأسمائه وصفاته ۔اس کے اچھے نام ہیں اور اس کی صفات میں نقص نہیں۔

پانچ چیزیں ہیں: ﴿اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا﴾

(۱) اللعب بالجوارح (اعضاء بدن کے ذریعے کھیلنا) کہ انسان ایسے اعمال کرے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز سے روک دیں۔

(۲) اللّٰہم بالقلوب۔ اس سے مراد غفلت ہے جس کی وجہ سے انسان اطاعت کی لذت کھو دیتا ہے۔

(۳) زینت اچھا لباس، اچھا مکان، اچھی گاڑیاں وغیرہ

﴿وَتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ﴾ ہر آدمی دوسرے پر فخر کرے، قبیلے اور خاندان پر فخر، علم پر فخر وغیرہ، یہی دنیا کی حقیقت ہے اور ان میں کوئی چیز دائمی نہیں بلکہ ہر چیز عارضی اور زوال پذیر ہے۔

﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۙ﴾ مختال فی فعله، فخور فی قوله۔ مختال وہ ہے جو اپنے فعل پر اترائے۔ اور فخور وہ ہے جو اپنے قول پر اترائے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

(۲۸)

سورۃ المجادلۃ

(آیت:۱)

تا

سورۃ التحریم

(آیت:۱۲)

مجمع بلقیس للبحوث الإسلامیۃ
حیدرآباد، الهند

Scanned by CamScanner

اٹھائیسواں پارہ

سورة المجادلة (مدنيه)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

(اے پیغمبر!) جو عورت آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث وجدال کرتی اور اللہ سے شکایت (رنج وملال) کرتی تھی اللہ نے اس کی التجا سن لی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا دیکھتا ہے۔(۱)

یہ آیت خولہ بنت ثعلبہ اوران کے شوہر اوس بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ تَبَارَكَ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ كُلَّ شَيْءٍ إِنِّي لَأَسْمَعُ كَلَامَ خَوْلَةَ بِنْتِ ثَعْلَبَةَ وَيَخْفَى عَلَيَّ بَعْضُهُ وَهِيَ تَشْتَكِي زَوْجَهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَكَلَ شَبَابِي وَنَثَرْتُ لَهُ بَطْنِي حَتَّى إِذَا كَبِرَتْ سِنِّي وَانْقَطَعَ وَلَدِي ظَاهَرَ مِنِّي اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْكُو إِلَيْكَ فَمَا بَرِحَتْ حَتَّى نَزَلَ جِبْرَائِيلُ بِهَؤُلَاءِ الْآيَاتِ ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ﴾ (ابن ماجه كِتَاب الطَّلَاقِ بَاب الظِّهَارِ، حديث:۲۰۶۳)

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ وہ بڑی برکت والا ہے جو ہر چیز کو سنتا ہے۔ میں (ساتھ والے کمرے میں ہوکر) خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی بات نہ سن پائی۔ وہ اپنے شوہر کے متعلق شکایت کررہی تھی کہ اے اللہ کے رسول! میرا خاوند میری جوانی کھا گیا اور میرا پیٹ اس کے لئے چیرا گیا۔ جب میں ضعیف ہوئی اور اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہی تو اس نے مجھ سے ظہار کیا۔ یا اللہ! میں اپنا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ پھر وہ یہی کہتی رہی یہاں تک کہ جبرئیل یہ آیات لے کر اترے ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ﴾ یعنی سن لی

Scanned by CamScanner

اللہ نے اس عورت کی بات جو جھگڑتی تھی تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور اللہ سے شکوہ کرتی تھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ لَقَدْ جَاءَتْ الْمُجَادِلَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا فِي نَاحِيَةِ الْبَيْتِ تَشْكُو زَوْجَهَا وَمَا أَسْمَعُ مَا تَقُولُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ {قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا} (ابن ماجه كِتَاب الْمُقَدِّمَةِ بَاب فِيمَا أَنْكَرَتْ الْجَهْمِيَّةُ، حديث:۱۸۸)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کا آوازوں کو سننا اپنی وسعت رکھتا ہے نبی کریم ﷺ کے پاس جھگڑا آیا درآنحالیکہ میں گھر کے ایک گوشہ میں تھی وہ (عورت) اپنے شوہر کے متعلق شکایت کر رہی تھی اور میں اس کی بات کو نہیں سن رہی تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا" اللہ نے سن لی بات اس (عورت) کی جو آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے سلسلہ میں مجادلہ کر رہی تھی۔

وَإِذَا عَائِشَةُ تَغْسِلُ شِقَّ رَأْسِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن کبریٰ بیہقی، کتاب الظہار:۱۵۲۵۶)

عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت رسول اللہ ﷺ کا سر دھلا رہی تھیں،

قوله تعالى: ﴿تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ أي في أمر زوجها والأصح أنها خولة بنت ثعلبة، وزوجها أوس بن الصامت، وذلك أنه ظاهر منها فجاءت إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، فقالت: يا رسول الله، إن زوجي أوس بن الصامت تزوجني وأنا شابة غنية ذات مال وأهل، حتى إذا أكل مالي وأفنى شبابي ونقضت له بطني وتفرق أهلي وكبرت سني، ظاهر مني، فقال - عليه السلام -: حرمت عليه، فقالت: أشكو إلى الله فقري وفاقتي وضعفي ووحدتي وصبية صغاراً إن ضممتهم إليه ضاعوا، وإن ضممتهم إلي جاعوا، فقال: - عليه الصلاة والسلام -: ما أراك إلا حرمت عليه" فجعلت تقول: اللهم أشكو إليك، فأنزل الله (قَدْ سَمِعَ اللَّهُ).

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲

جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے بیشک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔(۲)

(غرائب التفسیر وعجائب التاویل لمحمود بن حمزۃ الکرمانی)

قوله: ﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ﴾ اس وقت اس عورت نے آکر قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ میں پہلے جوان اور مالدار تھی اب عمر رسیدہ اور مفلس ہو گئی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اُنہیں اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں اور شوہر کے پاس رکھوں تو برباد ہو جائیں اور

مجھے اپنے شوہر سے محبت بھی ہے۔اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب بتایئے میں کیا کروں؟ پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔

کَظَھرِ اُمّیْ:

سوال: کیا پیٹھ کے علاوہ کسی اور عضو کا نام لینے سے ظہار ہوگا؟

جواب: (اختلاف ہے) جمہور کا مسلک ہے کہ ظہار ہوگا۔

سوال: کیا محرمات میں سے کسی کے ساتھ ایسا کرنے سے ظہار ہو جائے گا؟

جواب: کوئی بھی مُحرّم (حرام) رشتہ ہو خواہ وہ نسبی رشتہ ہو یا رضاعی یا سسرالی رشتہ ہو، کسی کے بارے میں بھی ایسا کہا جائے، جیسے انت علی کظھر اختی تو ظہار ہو جائے گا۔زمانۂ جاہلیت میں "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ" کے جملے سے عرب طلاق دیتے تھے اور جاہلیت میں ظہار، طلاق تھا۔جب اسلام آیا تو ظہار کرنے والے پر کفارہ واجب کر دیا۔ یہ جملہ عربوں کے یہاں طلاق سے بھی زیادہ شنیع تھا کیونکہ یہ اپنی بیوی کو اپنی ماں سے تشبیہہ دینا تھا۔اس میں ماں کی فضیلت کا اظہار ہے۔تو صحیح نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں سے تشبیہہ دے کیونکہ ظھر یہاں علو کے معنی میں اور انتہائی شنیع بات ہے کہ ماں کے حق میں یہ ذکر کیا جائے۔

﴿مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا﴾

اَلْمُنْكَرُ هُوَ الْقَوْلُ الَّذِیْ يُنْكِرُهُ الْعَقْلُ وَيُنْكِرُهُ الذَّوْقُ السَّلِيْمُ، وَالزُّوْرُ هُوَ الْكِذْبُ وَالْبَاطِلُ

منکر اس قول کو کہتے ہیں کہ عقل اور ذوق سلیم اس کا انکار کرے اور زور جھوٹ اور باطل کو کہتے ہیں۔تو بیوی کو ماں سے تشبیہہ دینا منکر بھی ہے اور جھوٹ بھی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ﴿۵﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (اسی طرح) ذلیل کئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے تھے اور ہم نے صاف اور صریح آیتیں نازل کر دی ہیں جو نہیں مانتے ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔(۵)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ قالَ ابنُ كثير يعنى الَّذِيْن هُمْ فِي حَدٍّ وَالشَّرْعُ فِي حَدٍّ

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ لوگ ایک حد میں ہیں اور شریعت ایک حد میں ہے۔یعنی اللہ اور اس کے رسول اور ان کے مخالفین ندی کے دو پاٹ کی طرح ہیں جو آپس میں کبھی نہیں ملتے۔

﴿كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اَلْكَبْتُ بمعنى اَلصَّدَمَةُ الشَّدِيْدَةُ التى تُسْكِتُ الْمَرْءَ کبت کے معنی ایسے سخت صدمے کے ہیں جو آدمی کی بولتی بند کر دے۔

Scanned by CamScanner

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾

جس دن اللہ ان سب کو جِلا اٹھائے گا تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو جتائے گا اللہ کو وہ سب (کام) یاد ہیں اور یہ ان کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔(۶)

﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ میں امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آدمی اگر اپنے ہر گناہ کو پتھر کی شکل میں اپنے گھر میں رکھے تو تھوڑے ہی عرصے میں اس کا گھر بھر جائے گا لیکن انسان اپنے گناہوں کو یاد رکھنے کے سلسلے میں تساہل (ست) واقع ہوا ہے، جب کہ فرشتے ایک ایک چیز ریکارڈ کر رہے ہیں۔ انسان گناہ کو بھول جاتا ہے مگر فرشتے لکھ رہے ہیں۔

﴿اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ اگر ساٹھ یا ستر سال کے آدمی سے پوچھیں کہ تم نے زندگی میں کتنے گناہ کئے ہیں؟ تو وہ تم سے کہے گا کہ مجھے یاد نہیں کیونکہ نسیان انسانی فطرت ہے۔ اللہ محصی ہے اور انسان ناسی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

مومنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو اللہ تم کو کشادگی بخشے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔(۱۱)

اگر جگہ میں کشادگی کا بدلہ دنیا میں رزق کی کشادگی ہے اور جنت میں منازل کی ترقی ہے جب کہ کشادگی کرنے والے کو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی، تو ذرا تصور کیجئے کہ اس آدمی کا کیا مقام ہوگا جو دنیا میں کسی مسلم کی تکلیف دور کردے یا اس کی کوئی ضرورت پوری کردے۔

﴿تَفَسَّحُوْا﴾ مجلس کے آداب۔ وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ وغیرہ کے خطبے ہوں تو کھل کر بیٹھو اور مجلس کا دائرہ وسیع رکھو۔ تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ رہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهِ، ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ وَلَكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا (مسلم، کتاب السلام: ۲۱۷۷)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: کوئی شخص دوسرے کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ جب جگہ تنگ ہو تو کھل کر بیٹھو اور آنے والوں کو جگہ دو۔

﴿فَافْسَحُوْا﴾ اس کی تفسیر میں امام رازی کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اللہ کے بندوں پر خیر وراحت کے دروازے کشادہ کردے تو اللہ اس کے اوپر دنیا وآخرت کی بھلائیوں کا دروازہ وسیع کر دیتا ہے اور عقل مند کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس آیت کو صرف مجلس کی وسعت کے ساتھ خاص کرے۔

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

علامہ آلوسی رحمہ اللہ کہتے ہیں عالم بھی تو ایمان والے ہیں۔ان کا ذکر الگ سے کیوں کیا گیا؟ جواب: سارے مومن کتنے ہی عابد ومبلغ ہو جائیں علماء کے درجات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ مجلس میں اہل علم کو ترجیح دی جائے۔

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ﴾ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو قرآن کی تصدیق کرتے ہوئے اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ اسے دنیا اور آخرت دونوں میں بلندی عطا کرتا ہے۔اس لئے کہ قرآن ہی علم کی اصل ہے اور علم کا منبع ہے بلکہ پورا کا پورا علم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا (مجمع اور) کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں پھر جو جو کام یہ کرتے رہے ہیں قیامت کے دن وہ (ایک ایک) ان کو بتائے گا بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔(۷)

سرگوشی کے آداب:

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ﴾ نَّجْوٰى کا معنی ہے سرگوشی کرنا (کانا پھوسی کرنا)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ

(مسلم: ۲۱۸۳ كِتَابُ السَّلَام)

اس حدیث میں ممانعت کی گئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں سرگوشی کرنے لگیں کیونکہ اس صورت میں لامحالہ تیسرا شخص غمگین ہوگا کہ مجھ سے کیا حرکت سرزد ہوئی جو یہ چھپ کر ایسا کر رہے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

کیا تم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا پھر جس (کام) سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے اور یہ تو گناہ اور ظلم اور رسول (اللہ) کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے اللہ نے تم کو دعا نہیں دی اس سے تمہیں دعا دیتے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ (اے پیغمبر!) ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے یہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔(۸)

اثم، عدوان اور معصیت رسول (رسول کی نافرمانی):

﴿بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾

بظاہر ان تینوں کے مقصد میں کوئی فرق نہیں۔مگر گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک بندوں کی حق تلفی، دوسرے اللہ کی حق تلفی۔یہاں بِرّ کے مقابل عدوان اور تقویٰ کے مقابل معصیتِ رسول لایا گیا ہے۔اور اثم میں دونوں شامل ہیں اور امر میں اتقوا اللہ دونوں کو شامل ہیں۔

منافقین سرگوشی کرتے تھے جس سے صحابہ کو تکلیف ہوتی تھی۔پھر نبی سے سرگوشی کرنے لگے۔بات کچھ نہیں ہوتی تھی صرف مشیخت جتانے کے لیے ایسا کرتے تھے۔اور اس لئے بھی کہ اس عرصے میں نبی کو وعظ و پند کا موقع نہ ملے اور مسلمان کوئی مسئلہ شرعیہ آپ سے دریافت نہ کرسکیں۔لہٰذا حکم دیا گیا کہ اگر سرگوشی کرو تو اچھی باتوں کے لیے کرو۔اسے ﴿وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ سے بتایا گیا۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩

(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غمناک ہوں مگر اللہ کے حکم کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا تو مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔(۱۰)

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ نَجْوٰى (سرگوشی) نبی کے روبرو چونکہ اچھا فعل نہ تھا لہٰذا مِنَ الشَّيْطٰنِ کہا اور مومنین کے لئے رنج رساں کہا گیا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯

اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے یہ جو کچھ کرتے ہیں یقیناً بُرا ہے۔(۱۵) انہوں نے اپنی قسموں

کوڈھال بنالیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روک دیا ہے سوان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔(۱۶)

کافر دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو کافر تو ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی نہیں رکھتے۔ تو ان کے لئے عذاب الیم کہا گیا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے عذاب الیم تو ہے ہی ساتھ میں کبت یعنی ذلت اور ﴿ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ بھی ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱

جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ (ایسا کرنے سے) کام لے نکلے ہیں دیکھو یہ جھوٹے (اور برسرِ غلط) ہیں۔(۱۸)

یہ منافق اور اپنے نفاق میں اتنے رسوخ کو پہونچے ہوئے ہیں کہ عالم دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کی حرکتیں برقرار ہیں کہ قیامت میں بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ ابن عاشور کہتے ہیں فَاِنَّ النُّفُوْسَ اِنَّمَا تُكْتَسَبُ تزكيةً أوْ خُبْثًا فِي عَالَمِ التَّكْلِيْفِ یعنی انسان کے نفس پر انسان کے اخلاق کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے اور اس کا اثر قیامت کے دن بھی ظاہر ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ⑳

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔(۲۰)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴾ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ان سے زیادہ ذلیل ترین مخلوق کوئی نہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ㉒

جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان کی ہی لوگ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو

Scanned by CamScanner

بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔(۲۲)

ابن کثیر رحمہ اللہ میں ہے کہ یہ آیت ابوعبیدہ بن الجراح کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے غزوۂ بدر میں اپنے مشرک باپ کو قتل کیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مجلس شوریٰ قائم کی تو چھ حضرات کی خاص خصوصیت میں یہ فرمایا: "اولئک السِتَّةُ الذین رضی اللہ عنھم" کہ یہ چھ ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔

﴿وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ﴾ کا مصداق ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہوئے۔

﴿اَوْ اَبْنَآءَهُمْ﴾ کا مصداق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں کہ وہ چاہتے تھے کہ اگر ان کے بیٹے عبدالرحمٰن جو مشرکین مکہ کی فوج میں تھے ان کے سامنے آئے تو قتل کر دوں گا۔

﴿اَوْ اِخْوَانَهُمْ﴾ کا مصداق مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں انھوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بدر میں قتل کیا۔

﴿اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ سے مراد عمر رضی اللہ عنہ ہیں جب انھوں نے اپنے خاندان کے کئی افراد کو قتل کیا۔

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ﴾ ان کے الواحِ قلوب پر ازلی قلم سے ایمان لکھ دیا گیا۔

﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ﴾ حزب اللہ قرآن میں صرف دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۂ مائدہ اور ایک یہاں سورۂ مجادلہ میں۔ اس میں اشارہ ہے کہ حزب اللہ میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی محبت ومودت خالص ہو اور اس کی دوستی مومنین کے لئے صاف اور خالص ہو۔ اور اعدائے اسلام ومنافقین وفاسقین کی دوستی اسے مبغوض ہو۔ وہ کسی بھی صورت اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے۔ خواہ وہ ان کے ماں باپ، بچے، بھائی، قبیلے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان سعادت مندوں کے لئے اللہ نے پانچ نعمتوں کا اعلان فرمایا

(۱) ان کے دلوں میں ایمان کو جما دیا ہے۔

(۲) ان کی غیبی مدد کی جائے گی۔

(۳) انھیں جنت ملے گی۔

(۴) اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

(۵) اور انھیں کامیابی کا مژدہ سنا دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

سورۃ الحشر (مدنیة)

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥

اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے (بغیر لڑائی بھڑائی کے) دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۶)

مال فئی اور اس کے حقدار (مستحقین):

لسان العرب میں ہے کہ فئی اس غنیمت اور خراج کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار کے اموال سے بے جنگ و جہاد حاصل ہو۔ اصل میں فئی کے معنی رجوع کرنے کے ہیں گویا اصل میں یہ مسلمانوں کا ہی مال تھا انہی کی طرف لوٹ آیا اور اسی وجہ سے فئی اس سائے کو کہتے ہیں جو بعدِ زوال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مغرب کی جانب سے مشرق کی جانب لوٹ جاتا ہے۔ باغ فدک وغیرہ اللہ کا مال ہے لشکر کا اس میں کوئی حق نہیں۔ مال فئی کے حقدار چھ ہیں۔ (۱) اللہ (۲) رسول (۳) رسول کے قرابت دار (۴) یتیم (۵) مساکین (۶) مسافر۔ یہ مال رسول کے پاس رہے گا اور وہی مذکورہ مصارف میں اسے خرچ کریں گے۔

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ﴾ اگرچہ یہاں مسئلہ مال فئی کا بیان کیا جارہا ہے لیکن اس کے ضمن میں اسلامی اقتصادیات کا ایک اہم فلسفہ بھی بیان کر دیا گیا وہ یہ کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ دولت، چند مالداروں کے ہاتھوں میں گردش کرتی رہے بلکہ اسلام اس کا ایک طریقے سے پھیلاؤ چاہتا ہے کہ سماج کا کوئی فرد اور کوئی طبقہ محروم نہ رہے۔ زکوٰۃ، صدقات اور میراث وغیرہ کی تقسیم میں یہی فکر کارفرما ہے۔ اقتصادیات کے اس عظیم فلسفہ کے علاوہ قانون سازی کے منبع اور مصدر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے وہ یہ کہ جو چیز تم کو پیغمبر دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

Scanned by CamScanner

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے، وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے، سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔(۷)

﴿ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ﴾

تاکہ دولت چند لوگوں کے ہاتھ میں سمٹ کر نہ رہ جائے، اگر ایسا ہو جائے تو امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جائے گا۔ زکوٰۃ اسلام کا رکن ہے: زیورات میں بھی زکوٰۃ ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهَا: »أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا؟« ، قَالَتْ: لَا، قَالَ: »أَيَسُرُّكِ أَنْ يُسَوِّرَكِ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟« ، قَالَ: فَخَلَعَتْهُمَا، فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَتْ: هُمَا لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ (ابوداؤد کتاب الزکوۃ، حدیث: ۱۵۶۳، حسن)

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ایک حدیث آئی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا اللہ ان عورتوں پر لعنت کرتا ہے جو گودے اور گدوائے اور اپنی پیشانی کے بال نوچے اور خوبصورتی کے لئے اپنے دانتوں میں کشادگی کروائے۔ ایک عورت کو یہ بات پہونچی وہ ابن مسعود کے پاس آئی اور کہنے لگی آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ انھوں نے کہا ہاں صحیح ہے۔ جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ عورت نے کہا میں نے وہ لعنت اللہ کی کتاب میں نہیں دیکھی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تو نے یہ آیت ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ نہیں پڑھی۔ ابن مسعود نے رسول ﷺ کے حکم کو عین اللہ کا حکم قرار دیا۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۸

(اور) ان مفلسانِ تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار رہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔(۸)

Scanned by CamScanner

مہاجرین کے بارے میں ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ فرمایا۔ صادقین سے کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق مار لیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اس جائداد کو خلافت ہی کا مال سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء میں تقسیم نہیں کیا۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹

اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور) خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ (۹)

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ﴾ انصار مراد ہیں کہ وہ دار یعنی دار الهجرة (مدینہ) میں رہتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے وہ ایمان لا چکے تھے۔

﴿تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ﴾ اس میں تغلیب ہے۔ کقول الشاعر

وَلَقَدْ رَأَيْتُكَ فِي انوغىٰ مَتَقَلَّداً سَيْفاً ورمحا میں نے تم کو جنگ میں دیکھا، تلوار کو اور نیزے کو گردن میں ڈالے ہوئے۔ مع ان الرمح لايُتقلّد جب کہ نیزے کو گردن میں نہیں ڈالا جاتا۔ وَالْاِيْمَانَ ای تَبَوَّؤُ الْاِيْمَانَ ای جَعَلُوه وَطَناً أيْ جَعَلُوا الْاِيْمَانَ وَطَنَا یعنی انھوں نے ایمان ہی کو اپنا گھر بنا لیا۔

﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انھیں خود احتیاج ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَعَثَ إِلَى نِسَائِهِ فَقُلْنَ: مَا مَعَنَا إِلَّا المَاءُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »مَنْ يَضُمُّ أَوْ يُضِيفُ هَذَا«، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: أَنَا، فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَقَالَ: أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: مَا عِنْدَنَا إِلَّا قُوتُ صِبْيَانِي، فَقَالَ: هَيِّئِي طَعَامَكِ، وَأَصْبِحِي سِرَاجَكِ، وَنَوِّمِي صِبْيَانَكِ إِذَا أَرَادُوا عَشَاءً، فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا، وَأَصْبَحَتْ سِرَاجَهَا، وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا، ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ، فَجَعَلَا يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ، فَبَاتَا طَاوِيَيْنِ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:

Scanned by CamScanner

»ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ، أَوْ عَجِبَ، مِنْ فَعَالِكُمَا « فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (بخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۷۹۸)

ایک شخص آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت بھوکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے یہاں پتہ کروایا مگر وہاں سے جواب آیا پانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس کی مہمانی کرے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اسے گھر لائے اور اپنی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کا اکرام کرو۔ انھوں نے کہا بمشکل بچوں کا کھانا بچا ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا بچوں کو سلا دو۔ ہم دونوں آج رات کھانا نہیں کھائیں گے اور جب ہم دونوں اور مہمان کھانا کھانے لگیں تو چراغ بجھا دینا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ، فلاں مرد (ابوطلحہ رضی اللہ عنہ) اور فلاں عورت (ام سلیم رضی اللہ عنہا) پر بہت خوش ہوا اور اسے ہنسی آ گئی۔

بُخل اور شح میں فرق:

یہ ہے کہ بخل کا مطلب ہے منع کر دینا، نہ دینا۔ اور شُحّ وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ مذموم صفت پیدا ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ (۱۰)

اس میں غل (کینہ) کی نفی کی گئی ہے۔ چاہے کینہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔ اور جب کسی چیز کی نفی کر دی جائے تو اس کی ضد ثابت ہوتی ہے تو یہاں غل کی ضد یہ ہے کہ مومنوں کے درمیان محبت اور موالات پیدا ہو۔ تو گویا اللہ سے یہ دعا کی جا رہی ہے کہ اے اللہ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی محبت پیدا فرما۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ دعا کے آداب میں سے ہے کہ آدمی پہلے اپنے لئے دعا کرے بعد میں دوسروں کے لئے کرے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے (بالمواجہہ) نہیں لڑ سکیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (مستور ہو کر) ان کا آپس میں بڑا رعب ہے تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ (۱۴)

Scanned by CamScanner

دلوں کے درمیان جو تفرقہ پایا جاتا ہے اس کا سبب عقل کی کمزوری ہے اس لئے کہ ﴿ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ﴾ کے بعد فرمایا گیا۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴾ اور عقل کی کمزوری کو دور کرنے کی ایک ہی دوا ہے کہ اسے وحی کے نور سے منور کیا جائے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

(منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔(۱۶)

﴿ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ جب شیطان انسان کو بہکا کر کافر بنا دیتا ہے تو الگ ہو جاتا ہے اور الٹا اسی کو ملامت کرنے لگتا ہے۔اس سے پتہ یہ چلا کہ بہکانے والا مصیبت کے وقت ساتھ نہیں دیتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئیے کہ اس نے کل (یعنی فردائے قیامت) کے لئے کیا (سامان) بھیجا ہے اور (ہم پھر کہتے ہیں کہ) اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔(۱۸)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ یہ دنیا دار العمل ہے۔اور آخرت دار الجزاء ہے۔ذہین طلبہ کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ امتحان آنے سے پہلے سارے سوالات حل کر لیتے ہیں۔وَلْتَنْظُرْ میں امر میں تاکید ہے کیونکہ عمل میں مشقت ہے۔غَدٍ: گویا دنیا کی حیات ایک دن ہے اگلا دن دوسرے جہان کا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے یہ بدکردار لوگ ہیں۔(۱۹)

﴿ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ اس کے معاً بعد کہا گیا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

Scanned by CamScanner

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ فکر کریں۔(۲۱)

نکتہ یہ ہے کہ جن فاسقین کا حال بیان کیا گیا ہے ان کے فسق کی وجہ قرآن کو چھوڑ دینا ہے۔ان کی طرح ہونے سے ایمان والوں کو منع کیا گیا ہے۔

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ کی تفسیر میں امام ضحاک رحمہ اللہ کا جملہ ہے۔ فَاَمَرْتُهُ، بِالَّذِي اَمَرْتُكُمْ بِهِ وَخَوَّفْتُهُ بِالَّذِي خَوَّفْتُكُمْ بِهِ إِذًا يَصَدَّعُ وَيَخْشَعُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ فَأَنْتُمْ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْا وَتَذِلُّوْا وَتَلِيْنُ قُلُوْبُكُمْ بِذِكْرِ اللهِ جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا ہے یا جن چیزوں سے تمہیں ڈرایا ہے اگر ان چیزوں کا حکم پہاڑوں کو دیا جاتا اور ان چیزوں سے پہاڑوں کو ڈرایا جاتا وہ اللہ کی خشیت سے ریزہ ریزہ ہوجاتے۔تو تم زیادہ حقدار ہو کہ تمہارے دل اس کے اوامر نواھی کے لئے نرم ہوں۔

کلام الٰہی کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اگر پہاڑوں کو فہم وشعور ودیعت کر دیا جائے تو باوجود اپنی سختی وقوت کے اتنے متاثر ہوتے کہ اللہ کی خشیت سے پارہ پارہ ہوجاتے۔مگر انسان کی حالت قابل افسوس ہے کہ انسانی شعور واحساس رکھتے ہوئے بھی اللہ کی خشیت سے متاثر نہیں ہوتے۔اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ اگر تمہاری دعوت سے لوگ متاثر نہیں ہورہے ہیں تو اس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قرآن ان کو سنا رہے ہیں، یہ تو وہ چیز ہے کہ اگر پہاڑ پر نازل ہوتا تو وہ بھی اللہ کی خشیت سے سرنگوں ہوجاتا۔لیکن ان کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ اس سے کوئی اثر نہیں لے رہے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝٢٢ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٢٣ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢٤

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔(۲۲)۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا۔اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔(۲۳) وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد واختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب نام اچھے ہیں جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔(۲۴)

﴿القدوس﴾ ہر عیب ونقص سے پاکی میں مبالغہ ہے۔ماضی وحال کے نقصانوں سے بری۔

Scanned by CamScanner

﴿السَّلَامُ﴾ ہر نقصان وزوال سے محفوظ وسلامت۔آئندہ کے نقصانوں سے بری۔

﴿المومن﴾ خوف سے امان دینے والا۔

﴿المھیمن﴾ نگراں،نگہبان۔ ھمن علی کذا "ھیمن علی کذا" کا مطلب ہے حفاظت کی،نگہبانی کی۔

﴿الجبار﴾ ٹوٹے کا جوڑنے والا۔یہ جَبَرْتُ العظمَ ہڈی کو جوڑ دیا،سے ماخوذ ہے۔غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کرنے والا۔عالم کو جاہل اور جاہل کو عالم بنانے والا۔

﴿المتکبر﴾ یہ مخلوق میں مذموم صفت ہے اور خالق میں محمود وعظیم صفت ہے۔مخلوق میں صفت نقص اور خالق میں صفت کمال ہے۔یہ خالق میں صفت ذاتیہ اور مخلوق میں نقلی صفت ہے۔تکبر اس لئے مذموم ہے کیونکہ ہر انسان میں ہزارہا عیوب ونقائص ہوتے ہیں۔ان کے ہوتے ہوئے بڑائی کرنا یقیناً مذموم ہوگا کیوں کہ اس بڑائی کرنے میں وہ جھوٹا ہوگا۔اس کے برعکس رب العزت تو ہر کمال سے متصف ہے جب وہ اپنی بڑائی ظاہر کرے گا تو یہ بات حقیقت کے عین مطابق ہوگی۔

﴿الخالق﴾ عدم سے وجود میں لانے والا کیونکہ اَلْخَلْقُ، اِیْجَادٌ مِنَ الْعَدَمِ۔عدم سے وجود میں لانے کو خلق کہتے ہیں۔

﴿الباری﴾ مخلوق کو ایسی صورت میں لانا تاکہ وہ اپنا وہ فریضہ پورا کرسکے جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے تبری القَلَمَ لِتَکْتُبَ بِہٖ آپ قلم کو تراشتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے لکھا جائے۔

﴿المصور﴾ ایسی صورت دینے والا جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔

نکتہ عجیبہ: مذکورہ اسماء درحقیقت اللہ کی صفات ہیں۔دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اس کی صفت،حسنیٰ ذکر فرمائی ہے۔اگر یہ اسماء ہوتے تو ان کی صفت،حسان آنی چاہئے تھی۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انجینئر کوئی معین چیز بنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے سانچہ بناتا ہے جس سے ایک جیسے نمونے نکلتے ہیں۔لیکن اللہ ہر انسان کو بالکل الگ بناتا ہے جو کبھی ایک دوسرے کے عین مطابق نہیں ہوتے۔ہر کوئی جانتا ہے کہ ہر انسان کا نشان انگشت دوسرے سے بالکل الگ ہوتا ہے۔انسان کی تخلیق میں یہ تمایز (فرق) نہ ہوتا تو اگر کوئی جرم ہوتا تو ہم کیسے جانتے کہ اس کا انجام دینے والا کون ہے؟ اللہ اسم ہے اور اس کے علاوہ اسماء درحقیقت صفات ہیں۔شہرت کی وجہ سے وہ وصف سے اسم کی طرف منتقل ہو گئے ہیں جیسے المصور صفت ہے لیکن چونکہ اس کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی پر نہیں ہوتا اس لئے یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اسم ہو گیا۔شہرت کی وجہ سے کبھی کوئی وصف،موصوف سے اس طرح چپک جاتا ہے کہ وہ وصف جب بولا جاتا تو وہی مخصوص شخص ہی "متبادر الی الذہن" ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

سورة الممتحنة (مدنية)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ
كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ
اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِيْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا
اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے (مکہ سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دینِ) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں تم ان کی طرف پوشیدہ پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا(۱)

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾

جو اللہ کے دشمن اور دین کے دشمن ہیں وہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ ان سے دوستی کے روابط نہ بڑھاؤ۔

روي أن مولاة لأبي عمرو بن صيفي بن هاشم يقال لها سارة أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة وهو يتجهز للفتح فقال لها أمسلمة جئت؟ قالت: لا قال أفمهاجرة جئت؟ قالت لا قال فما جاء بك قالت احتجت حاجة شديدة، فحث عليها بني عبد المطلب فكسوها وحملوها وزودوها، فأتاها حاطب ابن أبي بلتعة وأعطاها عشرة دنانير وكساها برداً واستحملها كتاباً إلى أهل مكة نسخته من حاطب بن أبي بلتعة إلى أهل مكة اعلموا أن رسول الله يريدكم فخذوا حذركم فخرجت سارة ونزل جبريل بالخبر فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا وعمارا وعمرو وطلحة والزبير والمقداد وأبا مرثد وكانوا

فرساناً وقال انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ فإن بها ظعينة معها كتاب من حاطب إلى أهل مكة فخذوه منها وخلوها فإن أبت فاضربوا عنقها فأدركوها فجحدت وحلفت فهموا بالرجوع فقال علي والله ما كذبنا ولا كذب رسول الله صلى الله عليه وسلم وسلّ سيفه وقال أخرجي الكتاب أو تضعي رأسك فأخرجه من مقاص شعرها وروى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمن جميع الناس يوم الفتح إلا أربعة هي أحدهم فاستحضر رسول الله صلى الله عليه وسلم حاطباً وقال ما حملك (تفسیر النسفی)

حاطب بن ابی بلتعہ، علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو دوڑایا کہ وہ عورت فلاں باغ میں ملے گی۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدری مہاجر صحابی ہیں۔ مکہ میں ان کے خاندان کے کچھ افراد رہ گئے تھے۔ صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ قریش سے ہوا تھا جب انھوں نے اسے توڑ ڈالا تو حاطب نے یہ سوچ کر کہ ایسے ہنگامے میں میرے اہل وعیال کی حفاظت کی کوئی صورت ہو جائے تو اچھا ہے۔ قریش مکہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ کی روانگی کی اطلاع دیدی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ جاؤ، وہاں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا، وہ لے لو۔ پہلے تو اس عورت نے منع کیا پھر بالوں کے جوڑے سے نکال کر وہ خط دیدیا۔ حاطب نے کہا ایسا میں نے اس لئے کیا تا کہ میرے اہل وعیال کی حفاظت ہو۔ میں ایسا کفر کی وجہ سے نہیں کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیجئے اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ بدر والوں پر اللہ نے جھانک کر دیکھا تو عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِن شَيْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۴﴾

تمہیں ابراہیم اوران کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہوسکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا اے اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں (ہمیں) لوٹ کر جانا ہے۔ (۴)

Scanned by CamScanner

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ﴾ اس قسم کے کفار کا حکم ہے کہ ان سے ترک موالات کرنا چاہئے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۸)

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: "نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ" (بخاری، کتاب الھبۃ: ۲۶۲۰)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! میری ماں آئی ہوئی ہے اور وہ مشرکہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ معلوم ہوا کہ ان کافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے قرآن منع نہیں کرتا جو تم سے جنگ نہ کریں اور وہ غیر مسلم جو جارح نہیں ہیں، ان کے ساتھ بھی دوستی کی پینگیں بڑھانے کے لئے نہیں کہا گیا ہے بلکہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے اور اخلاقی حقوق کو ادا کرنے اور ان کے معاملے میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس سے ان مسلمانوں کو جو غیر اسلامی ریاستوں میں رہتے ہیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو۔

دشمن اسلام تین قسم کے تھے:

(۱) ان کی دشمنی ہنوز باقی تھی۔ (۲) جن کی دشمنی دور ہو جانے کی امید تھی۔

(۳) جن کی دشمنی جاری تھی۔ ان آیات میں ان کے احوال بیان کر کے ہر ایک فریق سے ان کے مناسب، معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اے پیغمبر جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی

Scanned by CamScanner

بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۲)

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ﴾ ہندہ ایمان لے آئیں۔ بیعت کرنے کے لئے جب دیگر عورتوں کے ساتھ آئیں، تو رسول ﷺ سے ڈرتے ہوئے کونے میں چھپی ہوئی تھیں۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا عہد کرو کہ چوری نہیں کرو گی تو کہنے لگیں ابوسفیان کے مال میں سے کچھ لے لیتی ہوں کیونکہ وہ مال کے حریص اور بخیل ہیں یعنی گھر کے مصارف کے لئے ان سے چھپا کر کچھ لینا پڑتا ہے۔ ابوسفیان ان کے خاوند وہاں موجود تھے، بولے، ہندہ آج تک تم نے جو کچھ لیا اور آئندہ جو کچھ تم لوگی، تمہارے لئے حلال ہے۔ عمرؓ نے فرمایا عہد کرو کہ بچوں کو قتل نہ کرو گی، وہ بولیں ہم نے ان کو پالا اور بدر میں تم لوگوں نے قتل کر دیا۔ فاروقؓ کو ہنسی آ گئی۔

عَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ نُبَايِعُهُ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، نُبَايِعُكَ عَلَى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَأْتِيَ بِبُهْتَانٍ نَفْتَرِيهِ بَيْنَ أَيْدِينَا وَأَرْجُلِنَا، وَلَا نَعْصِيَكَ فِي مَعْرُوفٍ، قَالَ: »فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ، وَأَطَقْتُنَّ«. قَالَتْ: قُلْنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا، هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ، أَوْ مِثْلُ قَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ« (نسائی، کتاب البیعۃ: ۴۱۸۱، صحیح)

امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ کچھ عورتوں کے ساتھ رسول ﷺ کے پاس بیعت کرنے کے لئے آئیں تو بیعت کرتے وقت کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

❀❀❀

سورۃ الصف (مدینہ)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ کی تنزیہ کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (۱) مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ (۲)

Scanned by CamScanner

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اس آیت میں زبان کے غازیوں کو تنبیہہ ہے۔ جو صرف باتوں کے دھنی اور گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ اللہ کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں جن کے قول وعمل میں مطابقت نہیں ہوتی۔ اسلام کے نزدیک قوالی کی نہیں فعالی کی ضرورت ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝١٠ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝١١

مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے مخلصی دے؟ (۱۰)۔ (وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۱۱)

نافع تجارت:

تجارت، ایک شئی کا دوسری شئی سے معاوضہ کا نام ہے۔ دنیا کی ہر تجارت میں نفع اور نقصان دونوں کا امکان ہوتا ہے۔ مگر ایک تجارت ایسی ہے کہ اس میں صرف نفع ہی نفع ہے۔ اس میں گھاٹے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ دو چیزیں ہیں۔ (۱) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔ (۲) اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد۔

تجارت کے لئے ایک مال تو ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان) دوسرا مال، ﴿ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ (اپنی جان اور مال سے جہاد) ہے۔ مال سے زیادہ جان عزیز ہے اس لئے مال کے بعد جان کا ذکر کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ کا ایک مطلب مجاہدہ ہے۔ یعنی خواہشات نفسانیہ کو روکے۔ اپنے نفس کی تکمیل کے بعد تکمیلِ غیر کا مرحلہ ہے۔ پھر ان تجارتی مالوں سے جو نفع حاصل ہوا وہ بتایا گیا۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝١٢

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے۔ (۱۲)

اللہ کی راہ میں جو لوگ جانی ومالی قربانیاں پیش کرتے ہیں، ان قربانیوں کی قدر کرتے ہوئے اللہ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور جنت میں ایسے خوبصورت مکانات کی خوشخبری دیتا ہے جو ہمیشہ رہیں گے۔

اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے، کہ تمہارے گناہ کسی کے واسطے اور طفیل یا وسیلہ سے نہیں بلکہ تمہاری اس تجارت کی وجہ

Scanned by CamScanner

سے بخشے جائیں گے۔ مال دو قسم کے لگائے گئے تو بدلے میں نفع بھی دو قسم کا ملا۔ ایک مغفرت دوسرے دخول جنت۔ تیسری چیز ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ (مدد غیبی) اپنی طرف سے عطا کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا آخر الامر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (۱۴)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ﴾ مفسرین کہتے ہیں یہ بارہ دھوبی تھے جنھیں حواری کہا گیا۔ (تفسیر القرطبی)

❀❀❀

سورۃ الجمعہ (مدنیہ)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ حقیقی پاک ذات زبردست حکمت والا ہے (۱) وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (۲)

اس آیت میں بعثت نبوی کے تین مقاصد بیان کئے گئے۔

(۱) تلاوت آیات۔ (۲) تزکیہ۔ (۳) تعلیم کتاب وحکمت۔

حکمت سے مراد وہ تعلیمات و ہدایات ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً وعملاً ثابت ہیں اور تزکیہ سے مراد عقائد واعمال کو پاکیزہ بنانا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بُری ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۵)

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ﴾

اس آیت میں یہود کی بے عملی کی مثال گدھے سے دی گئی کہ جس طرح گدھا نہیں جانتا کہ وہ کتنی قیمتی شئی اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہے، ایسے ہی یہ یہودی تورات اٹھائے پھرتے ہیں مگر انھوں نے تورات کی قدر نہ جانی۔ یہ مثال ان مسلمانوں پر بھی چسپاں ہوتی ہے جنھیں قرآن جیسی نعمت ملی مگر انھوں نے اس کی قدر نہ کی، نہ اس کو سمجھا، نہ اس کی ہدایتوں پر عمل کیا۔ یہ مثال بیان کر کے اللہ امت محمدیہ کو خبردار کر رہا ہے کہ اگر تم نے بھی اس کتاب پر عمل نہ کیا تو تمہارا حال انھیں جیسا ہوگا۔

گدھے کی یہ مثال سورۂ جمعہ میں کیوں رکھی گئی؟ جواب یہ ہے کہ اس میں خطیب کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم اس گدھے کی طرح نہ ہو جانا کہ تقریر کرتے رہو مگر قرآن پر تمہاری کوئی محنت نہ ہو۔ ورنہ تمہاری مثال یہود کی سی ہو جائے گی کہ کتابیں تو ان کے پاس بھی تھیں لیکن ان کتابوں میں کیا لکھا ہے اس سے وہ ناواقف تھے۔

﴿بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ کتاب الٰہی پر عمل نہ کرنا تکذیب آیات کے مترادف ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

کہہ دو کہ اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور اَور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔ (۶)

موت کا شدید ترین خوف یہودیوں کے تحت الشعور میں ہے وہ کبھی ایسی جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے جس میں

Scanned by CamScanner

موت یقینی ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور (خریدو) فروخت ترک کردو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔(۹)

جمعہ کی فرضیت: سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جمعہ اہل قریہ اور اہل شہر دونوں پر فرض ہے۔اس میں منکرین حدیث کا رد بھی ہے کیونکہ اذان دینے کا حکم تو دیا گیا مگر یہ نہیں بتایا گیا اذان کیسے دی جائے؟ ظاہر ہے کہ یہ حدیث ہی سے معلوم ہوگا۔

﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ مطلب یہ نہیں دوڑتے ہوئے آؤ بلکہ اذان کے بعد کاروبار بند کر کے فوراً آجاؤ۔

﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ : بیع (خرید و فروخت) کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا جو انسان کی ضرورت ہے۔اور نفوس جن کی طرف مائل ہیں جب اس کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تو دیگر مشاغل کو چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔

﴿فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ عورتوں پر جمعہ واجب نہیں کیونکہ آیت میں خطاب مردوں سے ہے۔

اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ ہماری شریعت ایک طرف تو اللہ کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دیتی ہے تو وہیں دوسری طرف انسانی نفس کو جن چیزوں کی ضرورت ہے جیسے طلب معاش وغیرہ۔ان کی رعایت کرنے کی بھی تاکید کرتی ہے، یعنی ہماری شریعت صرف حقوق اللہ پر نہیں ابھارتی بلکہ دنیا میں انسان کی جو بنیادی ضروریات ہیں ان کی تکمیل کا بھی حکم دیتی ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکاسب دنیا میں مشغول ہونے کے باوجود ایک مومن اللہ کو نہ بھولے مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (اللہ کا فضل) یعنی روزی تلاش کرنے کے لئے نکل جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری زندگی سے کبھی نہیں نکلنا چاہئے۔

خطبہ اور جمعہ دونوں کے لیے ایک جامع لفظ ''ذکر'' ہے، خطبہ نماز ہی کا حصہ ہے، یہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے، یہود نے سبت کا احترام نہیں کیا، اس امت پر جمعہ کی پابندی اس کا احترام واجب ہے، وہ رزق دیتا ہے جہاں سے آدمی کو گمان نہیں ہوتا۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔(۱۰)

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خطبۂ جمعہ کا وقت نماز سے پہلے ہے اس لیے کہ اللہ نے نماز کے بعد زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾

جمعہ کے دن تعطیل کا حکم: سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن تعطیل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں کیونکہ اللہ نے نماز کے بعد تلاش رزق کے لئے کوشش کا حکم دیا ہے۔ انسان رزق کے لئے محنت کے وقت اللہ کا ذکر بکثرت کرے۔ ایسے رزق کا حصول، عبادت بن جاتا ہے۔ نیز رزق کے حصول میں اس سے آسانی پیدا ہوتی ہے، اور رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔

❀❀❀

سورۃ المنافقون (مدنیہ)

اس سورہ میں منافقین کے ظاہر و باطن کے تضاد کو بیان کیا گیا ہے۔ یوں تو قرآن میں بہت سے مقامات پر منافقین کے قابل نفرت اوصاف دکھائے گئے ہیں مگر یہ سورت تو ان کی مذمت کے لئے مخصوص ہے۔ آج آنکھیں کھول کر لیڈروں کا محاسبہ کیجئے تو یہ ساری صفات ان کے اندر موجود نظر آئیں گی، آج کا سب سے بڑا مسئلہ ظاہر و باطن اور قول و عمل کا تضاد ہے، صرف لچھے دار باتیں ہیں، اور خالی ڈھول ہیں جو پیٹے جا رہے ہیں اور جن کی ہیبت ناک آواز دور دور تک سنائی دے رہی ہے۔ نہ ان کے دلوں میں ایمان ہے، نہ خلق اللہ کے لیے محبت ہے، نہ ان پر احسان ہے، نہ ان کے لئے ایثار ہے، بلکہ منافقت، گٹر کی نجاست کی طرح ابل ابل پڑتی ہے۔ ان کو بات کرنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے لیکن اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں، یہ ظاہری اور جسمانی اعتبار سے بڑے پرکشش محسوس ہوتے ہیں مگر انھیں دنیا سے اتنی محبت ہے کہ موت کا تذکرہ کان میں پڑ جائے تو ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس سورت کے اختتام پر مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ مال و اولاد میں مشغول ہو کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۴﴾

اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر کو توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں (بزدل ایسے کہ) ہر زور کی آواز کو سمجھیں (کہ) ان پر (بلا آئی) یہ (تمہارے) دشمن ہیں ان سے بےخوف نہ رہنا اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں (۴)

Scanned by CamScanner

﴿وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ﴾

منافقین کی خباثت: یہ منافقین کے ظاہر و باطن کی تصویر ہے کہ ان کے جسم بہت اچھے لگتے ہیں مگر ان کا اندرون خباثت سے لبریز ہے، انھوں نے حلال و حرام طریقے سے دولت جمع کر رکھی ہے، اچھا پہنتے ہیں اور اچھا کھاتے ہیں مگر حد درجہ بخیل ہیں اور اسلام کی حمایت میں ظاہراً اس طرح بولتے ہیں کہ مخاطب متاثر ہو جائے۔ حرام کاموں کے لئے ان کی دولت کے دروازے کھلے ہیں مگر دین کا کوئی کام آجائے تو چمڑی چلی جائے مگر دمڑی نہ جائے کے محاورے کا مصداق بن جاتے ہیں۔

سوال: خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں دیکھنا کیوں منع ہے؟ اس میں حرج کیا ہے

جواب: یہ ہے کہ عریاں (ننگی) تصاویر بظاہر اچھی لگتی ہیں مگر انسانوں کے نفس کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں۔ نیز اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ ضرور ایسی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں، جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ جیسے اللہ نے منافقین کے بارے میں کہا ﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ﴾

﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ﴾ یہ منافقین کے بارے میں کہا گیا ہے۔ اول وہلہ میں یہ صفت سن کر سامع کو حیرت ہوتی ہے کیونکہ اس جملے کا تقاضا ہے کہ یہی دشمن ہیں، ان کے سوا کوئی دشمن نہیں حالانکہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے، روزے رکھتے، حج کرتے اور صدقہ دیتے تھے۔ لیکن جب ان کی حقیقت کو جان لو تو یہ تعجب زائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے دل اس دین اور اس دین پر چلنے والوں کے خلاف بغض و حسد سے بھرے تھے اور اسلام دشمنوں کی محبت سے بھرے تھے۔

﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟ اَلْاِ فْكُ صَرْفُ الشَّيْئِ عَنْ وَجْهِهٖ لِذٰلِكَ سُمِّيَ الْكِذْبُ إِفْكًا لِأَنَّ الْكَاذِبَ يُخْبِرُ بِقَضِيَّةٍ تُخَالِفُ الْوَاقِعَ فَيَأْتِيْ بِهَا عَلٰى غَيْرِ وَجْهِهَا أَوْيُوْجِدُهَا وَهِيَ غَيْرُ مَوْجُوْدَةٍ أَوْيُنْكِرُ وُجُوْدَهَا وَالْمُنَافِقُ كَاذِبٌ افك: کا معنی ہے چیز کو اس کے رخ سے پھیر دینا۔ اسی وجہ سے جھوٹ کو بھی اِفک کہا جاتا ہے، کیونکہ جھوٹا ایسے معاملے کی خبر دیتا ہے جو واقعہ کے خلاف ہے۔ تو گویا وہ خبر کا چہرہ پھیر دیتا ہے، یا ایسی چیز ایجاد کرتا ہے جو موجود ہی نہیں ہوتی، یا اس کے وجود کا انکار کر دیتا ہے، اس اعتبار سے منافق بھی کاذب ہوتا ہے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٦﴾

تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو ان کے حق میں برابر ہے اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا بیشک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (۶)

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ گناہوں پر اصرار کرنے والوں کو اللہ مغفرت سے محروم کر دیتا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

Scanned by CamScanner

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔(۸)

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ عزت اللہ اور اس کے رسول اور تمام مومنوں کے لئے ہے۔"اَلْعِزَّةُ مَاخُوْذَةٌ مِنْ مَعْنًى مَادِّيٍّ وَهُوَ الصَّلَابَةُ وَالشِّدَّةُ وَالْاَرْضُ الْعَزَازُ أَيِ الصُّلْبَةُ الَّتِي لَايَنَالُ مِنْهَا الْمِعْوَلُ ثُمَّ نُقِلَتْ اِلٰى كُلِّ شَدِيْدٍ فَكُلُّ شَيْئٍ شَدِيْدٍ فِيْهِ عِزَّةٍ عزت مادی معنی سے ماخوذ ہے۔اور وہ ٹھوس پن اور سختی ہے۔اسی سے ارض عزاز اس زمین کو کہا جاتا ہے جو انتہائی سخت ہوتی ہے اور جس پر پھاوڑے کام نہیں کرتے۔پھر اس کو ہر سخت چیز کی طرف منتقل کر دیا گیا تو ہر وہ چیز جس میں سختی ہو اس میں عزت ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝۹

مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں۔(۹)

مال واولاد فی نفسہ بری چیزیں نہیں ہیں، مگر ان کا غلط استعمال مذموم ہے، اگر غلط استعمال کیا گیا تو ہلاکت وبدنصیبی ہے اور اگر صحیح استعمال کیا تو اللہ کے تقرب کا سبب اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔﴿لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ﴾ کہہ کر منافقین کے فتنے سے باخبر کیا گیا اس لئے کہ ان کی علامت یہی (اللہ کے ذکر سے غافل ہونا) تھی۔اس سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ آدمی اللہ کو جتنا یاد کرے گا اتنا نفاق سے دور رہے گا۔

نکتہ: ﴿لَا تُلْهِكُمْ﴾ کہا "لَا تُشْغِلْكُمْ" کیوں نہ کہا؟ جواب یہ ہے کہ شغل کبھی کبھی محمود بھی ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا (ابوداؤد کتاب الصلاۃ:۹۲۳) اور جیسے قرآن نے جنتیوں کے بارے میں ﴿اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ﴾ کہا اور جہاں تک "لہو" کی بات ہے تو لہو کہتے ہی ہیں ایسے شغل کو جس میں کوئی خیر نہ ہو لہٰذا وہ ہر حال میں مذموم ہے اس لئے ﴿لَا تُلْهِكُمْ﴾ لایا گیا۔

﴿لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِۚ . اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾ (سورۂ حدید:۲۰) ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ (سورۂ عنکبوت:۶۴)

ایک ہے مکلف کا لعب اور ایک ہے غیر مکلف کا لعب، دونوں میں فرق ہے، سورۂ عنکبوت میں لھو کو لعب پر مقدم کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے علاوہ چیزوں میں ان کی مشغولیت انتہا درجے کو پہنچ گئی ہے اور فساد نے غیر مطلوب چیزوں میں مشغول کر کے انھیں مطلوب چیز سے ہٹا دیا ہے۔بچہ مکلف ہونے سے پہلے کھیلتا ہے تو کھیل کی وجہ سے وہ اہم چیزوں سے غافل نہیں، کیونکہ ابھی وہ ان چیزوں کا مکلف ہی نہیں ہوا۔لیکن انسان جب مکلف ہونے کے مرحلے میں آ گیا تو کھیل اس کو

Scanned by CamScanner

ایسی چیزوں سے ہٹا دیتا ہے جو چیزیں اس سے مطلوب ہیں۔

﴿اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ﴾ یہاں مال کو اولاد پر مقدم کیا گیا ہے۔ تو کیا مال، اولاد سے زیادہ اہم اور قیمتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ مال تھوڑا بہت ہر ایک کے پاس ہوتا ہے مگر بہت سے لوگ اولاد سے محروم ہوتے ہیں۔ کُلٌّ وَاحِدٍ لَهٗ مَالٌ وَلَيْسَ لِكُلِّ وَاحِدٍ بَنُوْنَ یعنی ہر ایک کے پاس مال ہوتا ہے مگر ہر ایک کے بچے نہیں ہوتے۔

ذکر اور ذکر اللہ میں فرق:

ذکر جب مطلق بولا جائے تو اس سے مراد اللہ کی نعمتوں اور اس کی عظمت وقدرت اور اس کی صفات کمال کو یاد کرنا ہے، اور ذکر اللہ نماز وغیرہ میں ذکر کو کہتے ہیں، اور ذکر کبھی عبرت حاصل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور کبھی طاعت اور خیر کے ذریعے ذکر ہوتا ہے۔ اور کبھی تسبیح وتحمید کو ذکر کہا جاتا ہے۔

﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾ اللہ کی راہ میں خرچ اور حج کی استطاعت ہو تو تاخیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ موت کا کوئی پتہ نہیں کب آجائے اور یہ فرائض اس کے ذمہ رہ جائیں۔ موت کے وقت آرزو کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

❀❀❀

سورة التغابن (مدنية)

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٦﴾

یہ اس لئے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آتے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟ تو انہوں نے (ان کو) نہ مانا اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی بے پروائی کی اور اللہ بے پروا (اور) سزاوار حمد (وثنا) ہے۔ (۶)

﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾ یہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسولوں کے بشر ہونے کا انکار کریں۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

Scanned by CamScanner

جس دن وہ تم کو اکٹھا ہونے (یعنی قیامت) کے دن اکٹھا کرے گا وہ نقصان اٹھانے کا دن ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ اس سے اس کی بُرائیاں دُور کر دے گا اور باغہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔(۹)

﴿یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ﴾

قیامت کے دن کو "یوم التغابن" یعنی ہار جیت کا دن کہا گیا۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر ہار جیت کیا ہوگی کہ ایک گروہ جنت میں چلا جائے اور ایک گروہ جہنم میں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾

کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔(۱۱)

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

مصائب تین طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) انسان کی اپنی شامتِ اعمال ہوتے ہیں۔
(۲) اہل ایمان کی آزمائش کے لئے ہوتے ہیں۔
(۳) ناگہانی حوادث ہوتے ہیں۔ ان سے مومنوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

نکتہ: ضرّاء وہ حالت ہے جو انسان کو ناگوار گذرے اور سرّاء وہ حالت ہے جو انسان کو گوارا ہو، ان دونوں کی حالت بڑھ جائے تو قلب کو اپنی طرف مشغول کر لیتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حالت زیادہ گوارا ہو، وہ نصرت ہے اور جو حالت زیادہ ناگوار ہو وہ مصیبت ہے، پس مسرت اور مصیبت کی ذات نہیں بلکہ ان کا درجہ مانع ہے، انبیاء کو مصائب اور نعمتوں سے ایسا تاثر نہیں ہوتا جو ان کو اللہ سے غافل کر دے، غرضیکہ دو چیزیں مانع ثابت ہوئیں، (۱) مصیبت (۲) نعمت۔ علاج اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ہے یعنی ہر چیز اللہ کے حکم سے آتی ہے، یہ خاص نسخہ ہے کہ ہر مصیبت اللہ کی طرف سے ہے، پھر ایک عام نسخہ بتایا کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے جس میں مریض و تندرست سب برابر ہیں۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۲﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔(۱۲)

Scanned by CamScanner

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾

تمہارا نسخۂ علاج رسول کے ذریعے تم تک بھیج دیا گیا ہے، رسول کے ذمہ دوا اور پرہیز بتا دینا ہے شفا وصحت، طبیب کے ذمے نہیں ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ﴾

بیوی بچے انسان کو سب سے زیادہ بخل و بزدلی پر مجبور کرنے والے ہوتے ہیں۔ "مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ" میں لفظ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ یعنی بعض بیویاں اپنی جہالت اور کم فہمی کی بنا پر زیادہ سے زیادہ مال کمانے پر شوہر کو مجبور کرتی ہیں۔ اور بعض اولاد معیار زندگی کو بلند کرنے پر اسے اکساتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ حلال وحرام کی تمیز بھول جاتا ہے۔ اور بس دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور دین کے تقاضوں پر عمل نہیں کر پاتا۔ یعنی آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ سب بیویاں اور اولاد ایسے ہوتے ہیں بلکہ بعض ایسے ہوتے ہیں مگر ایسی بیویاں اور اولاد جو نیکیوں پر اس کا تعاون کرتے ہیں۔ ایسی اولاد، صالح اور ایسی بیویاں بہترین رفیقۂ حیات ہوتی ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور (اس کے احکام کو) سنو اور (اس کے) فرمانبردار رہو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو (یہ) تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو شخص طبیعت کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ (۱۶)

ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تخفیف (آسانی) کا پہلو بھی ہے اور تکلیف کا بھی پہلو ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم اس آیت کا یہ مفہوم لیں کہ جہاں تک تم سے ہو سکے نیکیوں کے بارے میں کوتاہی نہ کرو، تو یہ تکلیف کا پہلو ہے۔ اور اگر یہ معنی لیں کہ تمہارے لیے استطاعت سے زیادہ کچھ لازم نہیں تو یہ تخفیف کا پہلو ہے۔

﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ خالص اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کیا جائے۔ خوش دلی سے دیا جائے۔ ضرورت مند ہونے کے باوجود دیا جائے۔

❀❀❀

سورة الطلاق (مدنية)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دو) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ صریح بیحیائی کریں (تو نکال دینا چاہیئے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا ملعوم کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کردے۔(۱)

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾

اہل علم نے طلاق کی پانچ قسمیں کی ہیں:

(۱)حرام (۲)واجب (۳)مکروہ (۴)سنت (۵)مباح

طلاق مکروہ: وہ ہے جو بلا ضرورت دی جائے۔

طلاق مستحب: وہ ہے جو بیوی کے طلب کرنے پر دی جائے۔

طلاق واجب: وہ ہے جب طلاق نہ دینے میں بیوی کا نقصان ہو۔

مثلاً: شوہر بیوی سے ایلاء کرلے اور چارہ ماہ بعد تک رجوع نہ کرے تو پھر یا تو اسے معروف طریقے لوٹا لے یا پھر طلاق دیدے۔

Scanned by CamScanner

طلاق حرام: وہ ہے جو ایسے طہر میں دی جائے جس میں شوہر نے اس سے ہم بستری کی ہو یا حالت حیض میں اسے طلاق دے۔

طلاق سنت کا طریقہ یہ ہیکہ آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے وہ حالت حمل میں ہو یا اسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اسکے ساتھ ہم بستری نہ کی ہو۔

طلاق بدعت کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی لفظ یا زیادہ لفظوں میں دے یا اسے ایک سے زیادہ میں اس حال میں دے کہ وہ حیض ونفاس کے ایام میں ہو یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اسکے ساتھ ہم بستری کہ ہو۔

نوٹ: طلاق کے لئے بیوی کی موجودگی یا اسے علم ہونا شرط نہیں ہے جیسے آدمی نے طلاق کے الفاظ بولے یا طلاق دی تو طلاق صحیح ہے اگرچہ بیوی کو اسکا علم نہ ہو۔ پاگل کی دی ہوئی طلاق نہیں ہوگی، زبردستی دلائی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ شدید غصہ کہ عقل وتمیز کھو بیٹھے تو وہ پاگل کے حکم میں ہوگا، اور صحیح قول کے مطابق طلاق واقع نہ ہوگی۔

عورت طلاق چاھتی ہے اور شوہر اسے طلاق نہیں دیتا تو عورت کو چاہئے کہ اپنا معاملہ قاضی کے پاس لے جائے قاضی اسے طلاق دینے کے لئے کہے گا۔

عَنْ عِكْرِمَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: طَلَّقَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنْ يُرَاجِعَهَا» قَالَ: إِنِّي قَدْ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ: «قَدْ عَلِمْتُ»، وَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ الْآيَةَ قَالَ: فَارْتَجَعَهَا۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۱۰۲۶)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، تو نبی کریم ﷺ نے کہا کہ اس سے رجوع کرلو، تو اس نے کہا کہ میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم ہے اور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ الْآيَة﴾ پڑھی۔

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اس کو لوگ رزق مالی پر محمول کرتے ہیں جب کہ رزق کا معنی اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ کا رزق اس شکل میں بھی ملتا ہے کہ آزمائشوں پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ یعنی انسان اگر تقویٰ اختیار کرے تو اللہ آزمائشوں پر صبر کرنے کی صلاحیت دے گا۔ یہ بھی ایک قسم کا رزق ہے۔

﴿يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا﴾ سے معلوم ہوا کہ انسان کیسی ہی تکلیف اور غم میں ہو، نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اللہ کا تقویٰ۔ سورۂ طلاق میں بار بار تقویٰ کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کیونکہ طلاق وعدت کے احکام اور زوجین کے ایک دوسرے کے حقوق کا جو تقاضا ہے اس پر قدم قدم پر تقویٰ کی ضرورت پڑتی ہے۔ نکاح کے وقت مسنون خطبۃ الحاجۃ میں تین آیتیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں سے ایک بھی آیت میں نکاح کا تذکرہ نہیں ہے، تینوں میں تقویٰ کا ذکر ہے، گویا یہ سبق دیا جارہا ہے کہ

Scanned by CamScanner

آنے والی نئی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے قدم قدم پر تقویٰ کی ضرورت پڑے گی۔

وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا ﴿۳﴾

اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ (۳)

﴿قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا﴾ اللہ کی مدد کے ظہور کا ایک وقت مقرر ہے ظہور میں دیر ہوتی ہے اس سے مقصود بندوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔

وَالّٰٓـىِٔۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآٮِٕكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـىِٔۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ﴿۴﴾

اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔ (۴)

﴿وَالّٰٓـىِٔۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ﴾ جس کا حیض بند ہو گیا ہو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے، عدت تک نان ونفقہ دینا مرد کے ذمہ ہے، عورت دودھ پلائے تو اس کی اجرت لے سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ باپ کا ہوتا ہے۔ اگر بچہ ماں کا ہوتا تو اجرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

اصول طلاق و خلع:

طلاق اسلام میں رجعی ہے امام رازی فرماتے ہیں کہ طلاق اسلام میں رجعی ہے، رجعی کا مطلب ہے کہ ایک آدمی طلاق دینے کے بعد اپنی بیوی سے رجوع ہو سکتا ہے کیونکہ ایک آدمی جب بیوی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے تو بڑے آرام سے اس کی زندگی گزرتی ہے اس کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، طلاق دینے کے بعد جب وہ بیوی سے جدا ہوتا ہے تو اسے تکلیف محسوس ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے مل جائے۔ اللہ کو یہ بات معلوم ہے کہ انسان جلد باز ہے، اس لئے طلاق کو رجعی رکھا، اگر کوئی غصہ میں یا جلد بازی میں ایک وقت میں تین طلاق دے دے تو وہ صرف ایک طلاق ہو گی اور شوہر بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔

Scanned by CamScanner

جو لوگ کہتے ہیں کہ ایک دم تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، یہ بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ طلاق رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایسا ہی تھا کہ کوئی ایک ساتھ تین طلاق دیتا تو اسے ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ پھر عمر بن خطاب نے فرمایا کہ لوگ اس معاملے میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں جس میں انہیں مہلت ملی تھی۔ کاش ہم اسے ان پر نافذ کردیتے، پھر انھوں نے اس کو ان پر نافذ کردیا (صحیح مسلم: کتاب الطلاق)

عمر رضی اللہ عنہ نے خاص حالات کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا تھا، تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ایک دور ایسا آیا کہ عراق اور شام سے گرفتار ہوکر آنے والی عورتوں کی تعداد میں جب اضافہ ہونے لگا اور یہ عورتیں اپنے حسن و جمال میں ممتاز تھیں تو عرب باشندے ان پر کچھ ایسے فریفتہ ہورہے تھے کہ اپنی بیبیوں کو تین طلاقیں بیک وقت دینے لگ گئے تاکہ اپنی پسندیدہ عورتوں کو مطمئن کرسکیں، باہر کی عورتیں ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی ایسی ہوتی تھیں جن کی شادی کے لئے یہ شرط ہوتی تھی کہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدو۔ پھر باہم ایسی بدمزگیاں پیدا ہوتی کہ زندگی کا سکون غارت ہوجاتا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو ان حالات میں خرابیوں پر قابو پالینے کی تدبیر یہ نظر آئی کہ بیک وقت دی جانے والی تین طلاقوں کو ''تین مرتبہ کی طلاق'' کا درجہ دے دیا جائے تاکہ عرب اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینے سے باز آجائیں۔

طریقۂ طلاق:

عورت کو پاکی کی حالت میں ایک طلاق دے۔ یہ طلاق رجعی ہوگی، یعنی مرد چاہے تو اپنی بیوی سے مل سکتا ہے اور اگر ملنے کا ارادہ نہیں ہے تو دوسری پاکی میں دوسری طلاق دے یہ طلاق رجعی ہے، پھر تیسری پاکی میں تیسری طلاق دے اس کے بعد مرد اپنی بیوی سے نہیں مل سکتا، وہ اس پر حرام ہوگی۔ حاصل کلام یہ کہ ایک ماہ میں ایک طلاق ہوگی اور دوسرے ماہ میں دوسری طلاق ہوگی اور تیسرے ماہ میں تیسری طلاق ہوگی۔ اگر کوئی ایک ہی وقت میں، ایک ہی دن میں، ایک ہی محفل میں تین طلاقیں دیدے تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی، بقیہ دو طلاقیں بیکار ہوجائیں گی۔ تیسری طلاق کے بعد شوہر اب نہ رجوع کرسکتا ہے اور نہ اس سے نکاح کرسکتا ہے جب تک کہ یہ عورت کسی اور جگہ نکاح نہ کرلے اور دوسرا شوہر اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے یا وہ مر جائے، تو اس کے بعد پہلے شوہر سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔ لیکن اس کے لئے جو حلالہ کا طریقہ رائج ہے یہ لعنتی فعل ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ إِسْمَاعِيلُ: وَأُرَاہُ قَدْ رَفَعَہُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَعَنَ اللّٰہُ الْمُحَلِّلَ، وَالْمُحَلَّلَ لَہُ (ابوداؤد، کتاب النکاح: ۲۰۷۶)

نبی کریم ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حلالہ کی غرض سے کیا گیا نکاح، نکاح نہیں زناکاری ہے۔ قرآن میں '' الطلاق مرتان '' میں بتلایا گیا کہ دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ اس آیت میں کہا جارہا ہے کہ رجوع عدت کے اندر اندر ہوسکتا ہے۔ عدت گذرنے کے بعد نہیں اس لیے یہ تکرار نہیں۔

Scanned by CamScanner

خلع کا طریقہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق کی کسی خرابی کے سبب سے مجھے ان پر غصہ نہیں ہے اور نہ دین میں کسی کمی کی وجہ سے ہے۔ لیکن میں اسلام کی حالت میں ناشکری کو پسند نہیں کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کا باغ اسے واپس کردوگی؟ کہا ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم اپنا باغ لے لو اور اسے طلاق دیدو۔ (صحیح بخاری، کتاب الطلاق ۵۲۷۳)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "وَلٰكِنِّىْ لَا اُطِيقُهٗ" لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس گذارش کا ماحصل یہ ہے کہ میں اپنے شوہر سے جدائی چاہتی ہوں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ میرے شوہر کے دین اخلاق میں کسی قسم کا نقص ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ مجھے طبعی طور پر پسند نہیں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے۔ اللہ کے رسول نے حکم دیا باغ لے لو اور ایک طلاق دیدو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے اسی طرح عورت کو خلع کا حق حاصل ہے، اگر مرد کے ساتھ اس کا نباہ ناممکن ہو رہا ہے تو عورت، شوہر کو کچھ دے کر یا مہر لوٹا کر اس سے چھٹکارا حاصل کرسکتی ہے۔ ایک عورت خلع لینے کے بعد اپنے سابقہ شوہر سے شادی کرنا چاہتی ہے تو وہ شادی کرسکتی ہے۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹ میں خلع کا بیان ہے یعنی عورت شوہر سے جدائی حاصل کرنا چاہے تو اس صورت میں شوہر عورت سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے۔ شوہر اگر عورت کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو تو عدالت شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گی، اور اگر وہ اسے نہ مانے تو عدالت نکاح کو فسخ کردے گی، گویا خلع بذریعہ طلاق بھی ہوسکتا اور بذریعہ فسخ بھی۔ دونوں صورتوں میں عدت ایک حیض ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) عورت کو یہ حق دینے کے ساتھ اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ عورت بغیر کسی معقول عذر کے شوہر سے علیحدگی یعنی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں کے لئے سخت وعید فرمائی ہے کہ وہ جنت کی خوشبو تک بھی نہیں پائے گی۔ تیسرے طہر میں دستور کے مطابق رکھ لو یا احسان و مروت کے ساتھ چھوڑ دو۔ رکھنا ہو یا چھوڑنا ہو تو ثقہ مسلمانوں کو گواہ بنالو تا کہ بعد میں کوئی نزاع نہ پیدا ہو۔ کیونکہ فریقین میں سے کسی کی موت پر وراثت کا جھگڑا کھڑا ہوسکتا ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷

صاحبِ وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔ (۷)

﴿سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾ تنگی میں قانع و صابر رہو اور اللہ کے حدود کو قائم کرو تو اللہ تنگی کے بعد

Scanned by CamScanner

آسانی پیدا کردے گا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸

اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام کی سرکشی کی تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر (ایسا) عذاب نازل کیا جو نہ دیکھا تھا نہ سنا۔(۸)

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا﴾ حدود الٰہی کے معاملے میں کوئی بھی احتساب سے بالا نہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰

سو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ لیا اور ان کا انجام نقصان ہی تو تھا۔۹۔اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اے ارباب دانش جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اللہ نے تمہارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے۔(۱۰)

﴿يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ عقل و ایمان میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے جو ایمان سے بہرور نہیں وہ آسمان و زمین کا طول و عرض ناپنے میں کتنا ہی ماہر ہو لیکن اس کی عقل میں بہت فتور ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲

اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی زمینیں ان میں (اللہ کے) حکم اترتے رہتے ہیں تا کہ تم لوگ جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔(۱۲)

سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی ہیں، وہاں کس طرح کی مخلوق ہے؟ اور وہاں کیسے احکام نازل ہوتے ہیں؟ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة التحريم (مدنية)

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾

اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی تو (اس نے دوسری کو بتا دی) جب اس نے اس کو افشا کیا اور اللہ نے اس (حال) سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر نے (ان بیوی کی وہ بات) کچھ تو بتائی اور کچھ نہ بتائی تو جب وہ ان کو جتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو یہ کس نے بتایا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبردار ہے۔ (۳)

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾ اس سے نکتہ ملا بیوی سے راز کی باتوں میں شریک کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ پیٹ کی ہلکی نہ ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾

مومنو! اپنے آپ کو اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔ (۶)

روح المعانی میں ایک روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو جہنم سے کیسے بچائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ نے جن کاموں سے تم کو منع کیا ہے ان کاموں سے ان کو منع

کرواور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کاموں کے کرنے کا ان کو حکم کرو۔اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر ضروری ہے کہ اپنی بیوی کو اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کرے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ: إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ" (بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۴۴)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں بہت سے لوگ باکمال ہوئے لیکن عورتوں میں صرف تین باکمال ہوئیں۔فرعون کی بیوی آسیہ، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

عن ابن عباس قال: (خط رسول الله -صلى الله عليه وسلم- في الأرض أربعة خطوطٍ، ثم قال: تدرون ما هذا؟ قالوا: الله ورسوله أعلم. قال: أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، ومريم ابنة عمران، وآسية بنت مزاحم امرأة فرعون) (اسناده صحيح)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروہ ہے کہ رسوال اللہ ﷺ نے زمین میں چار لکیریں کھینچیں، پھر پوچھا، کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے کہا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت کی سب سے افضل عورتیں یہ ہیں، خدیجہ بنت خویلد، فاطمۃ بنت محمد، مریم بنت عمرآن اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی رضی اللہ عنہن اجمعین۔

عن انس بن مالک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خير النساء العالمين أربعٌ: مريم بنت عمران، و خديجة بنت خويلد، و فاطمة بنت محمد، و آسية امرأة فرعون" (صحيح الجامع الترمذی)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا کی سب خیر والی عورتیں چار ہیں، مریم بنت عمرآن، خدیجۃ بنت خویلد، فاطمۃ بنت محمد اور آسیہ امرأۃ فرعون۔

تینوں احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے، پہلی حدیث کا تعلق کمال سے ہے، دوسری حدیث کا تعلق افضلیت سے ہے اور تیسری حدیث کا تعلق خیر سے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۸

مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دُور کر دے گا اور تم کو باغہائے بہشت میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں

Scanned by CamScanner

کو جوان کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نورِ ایمان ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہوگا اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لئے پورا کردے اور ہمیں معاف فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔(۸)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾

"نصوح" فَعُوْل کے وزن پر ہے اس کا مطلب ہر کھوٹ، نقص اور فساد سے خالی ہونا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ سے اس طرح ثابت ہو کہ پھر اسکی طرف نہ پلٹے جیسا کہ دودھ تھن سے نکل کر پھر اس میں واپس نہیں جا سکتا۔

توبۂ نصوح:

قرآن میں بارہ محرمات ایسے بیان کئے ہیں جن سے باز رہے بغیر کسی انسان پر لفظ "تائب" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

(۱) کفر	(۲) نفاق	(۳) عصیان	(۴) عدوان
(۵) منکر	(۶) شرک	(۷) فسق	(۸) اثم
(۹) فحشاء	(۱۰) بغی	(۱۱) قول علی اللہ بلا علم	(۱۲) مومنوں کے علاوہ دوسری راہ پر چلنا

کفر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کفر اکبر (۲) کفر اصغر

کفر اکبر کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) کفر تکذیب۔(۲) کفر استکبار (گھمنڈ سے انکار کرنا۔(۳) کفر اعراض (دل اور کان کی آواز سے پھیر لے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب بلکہ بے توجہی اور لاپرواہی کی راہ اختیار کرے۔(۴) کفر شک۔ نبی کی سچائی یا جھوٹ سی پر یقین نہ ہو ڈانوا ڈول رہے۔(۵) کفر نفاق۔ زبان سے ایماں کا اقرار مگر دل میں کفر ہو۔

کفر جحود کی دو قسمیں:

(۱) کفر مطلق عام۔ اللہ نے جو کچھ اتارا اسکا بالکلیہ انکار۔

(۲) جحود (مقید خاص) فرائض میں یا محرمات میں یا اللہ کی صفات ثابتہ میں کسی چیز کا قصداً شخصی رائے کو مقدم رکھتے ہوئے انکار۔

تَوْبَة کے لغوی معنی ہیں 'لوٹنا'۔ اصطلاح شریعت میں توبہ یہ ہے کہ (۱) زبان سے استغفار (۲) دل میں نادم ہو (۳) اعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے۔ اور نصوح، نصح اور نصاحت سے مشتق ہے۔ اس کو نصح سے لیا جائے تو اس کا معنی "خالص کرنا" ہے۔ اور نصاحت سے لیں تو اس کے معنی کپڑے کو سینے اور جوڑ لگانے کے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے نصوح کے معنی یہ ہوں گے کہ ریا و نمود سے خالص ہو اور محض اللہ کے خوف سے گناہ چھوڑے۔ دوسرے معنی کے اعتبار نصوح کا مطلب ہوگا

Scanned by CamScanner

کہ اعمال صالحہ کا لباس جو گناہ کی وجہ سے پھٹ گیا تھا اس کو یہ توبہ جوڑنے والی ہے۔

﴿تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ گناہ کو طلاق مغلظہ دے اور پھر پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔یعنی سچے عزم، اور دل کے پورے انقیاد کے ساتھ توبہ کرنا، توبۂ نصوح ہے۔اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کے اثرات کو ان کے اوپر سے دور کردے گا۔

توبہ کے شرائط:

(۱) جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اسے ترک کردے۔

(۲) ندامت ظاہر کرے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے۔

(۳) آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس کی تلافی کرے۔حق کا تعلق مال سے ہو تو اگر مظلوم مر چکا ہو تو ورثاء کو دے ورنہ صدقہ کردے۔اگر زبان سے متعلق ہے جیسے گالی، غیبت، چغلی وغیرہ، تو اس کے حق میں دعا کرے۔

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾

وعدہ کو بلفظ عَسٰی جو امید کا معنی دیتا ہے۔اس سے تعبیر کر کے اشارہ کر دیا کہ توبہ ہو یا انسان کے دوسرے اعمال صالحہ، ان میں سے کوئی بھی جنت ومغفرت کی قیمت نہیں اور نہ اللہ کے ذمہ از روئے انصاف یہ لازم آتا ہے کہ جو عمل صالح کرے اس کو ضرور ہی جنت میں داخل کرے، بلکہ حصولِ جنت، اللہ کے فضل وکرم اور انعام پر موقوف ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔(۱۰)

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ﴾

پہلی دو عورتیں پیغمبروں کی بیویاں تھیں، کفر وشرک کی وجہ سے جہنم میں گئیں اور برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت انھیں عذاب سے نہ بچاسکی، اس سے معلوم ہوا کہ ایک مومن کا ایمان اس کے کافر عزیز کے کچھ کام نہیں آسکتا لہٰذا انبیاء واولیاء کے بیٹے ومتعلقین بےفکر نہ ہوں کہ محض نسبت سے ان کی نجات ہو جائے گی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

Scanned by CamScanner

اور مومنوں کے لیے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اس نے اللہ سے التجا کی کہ اے پروردگار! میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال (زشت م آل) سے نجات بخش اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کو مخلصی عطا فرما۔(۱۱)

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ﴾

بعد کی دو عورتیں شدید ترین حالات میں ایمان پر جمی رہیں اور اپنے عمل کی وجہ سے انھیں بلند مقام عطا ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ برے سے برے ماحول میں ایمان کی حفاظت واجب ہے۔ آسیہ شاہی محل کو عیش و آرام کی جگہ نہیں بلکہ اسے دارالعذاب سمجھ رہی تھیں۔ اور یہ دعا کرتی تھیں ﴿رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے اور ظالم قوم سے نجات دے۔

﴿اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ﴾ کے بارے میں ﴿كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ﴾ کہا گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عورت، مرد کے ماتحت ہوتی ہے۔ عورت کو اس کا حق نہیں کہ وہ مرد پر راج کرے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ شریعت کی خلاف ورزی ہے اور فطرت کی بھی۔ ہر وہ خاتون جو ماحول کے خراب ہونے کی شکایت کرے یا اس کی شکایت کرے کہ حق پر چلنے کے لیے کوئی اس کا ساتھ دینے والا نہیں، ایسی ہر خاتون کے لیے قیامت تک کے لئے امرأۃ فرعون (آسیہ) کو نمونہ قرار دیا گیا ہے کہ جس کے قبول حق کی راہ میں نہ تو اس کا سرکش شوہر رکاوٹ بن سکا اور نہ ان کے آس پاس کا ماحول۔ اور اللہ نے ان کو یہ ثمرہ دیا کہ جنت میں تو جائیں گی ہی، سارے عالم کی عورتوں کے لیے نمونہ بن گئیں۔ نوحؑ و لوطؑ کی بیویاں ایمان نہ ہونے کی بنا پر جہنم میں گئیں، انہیں اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں کی زوجیت بھی عذاب سے نہ بچا سکی۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں میں سے تھیں۔(۱۲)

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ﴾

مریم کسی کی بیوی نہیں تھیں، مگر ایمان و اعمال صالحہ پر ان کو یہ درجہ دیا کہ ان کو نبوت کے کمالات عطا فرمائے، اگرچہ وہ نبی نہ تھیں، ان مثالوں سے واضح ہوا کہ ایک مومن کا ایمان کسی کافر عزیز کے کام نہیں آسکتا اور ایک کافر کا کفر کسی مومن عزیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اس لیے نیکوں کی بیویاں خوش نہ ہوں کہ شوہروں کی وجہ سے انھیں نجات مل جائے گی۔ ہر ایک کو اپنے ایمان و عمل کی فکر کرنی چاہئے۔

Scanned by CamScanner

اصل تقابل امرأۃ نوح ولوط کا امرأۃ فرعون کے ساتھ تھا۔لیکن تقویٰ اور ایمانی معرفت کے وصف میں شریک ہونے کے باعث مریم کا بھی ذکر ہو گیا اور ان دونوں کو بحیثیت نمونہ ایمان وہدایت ہونے کے پیش کر دیا۔

﴿وَامْرَاَتَ لُوْطٍ﴾

قرآن مجید میں بیویوں کے لئے دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ایک امرأۃ کا لفظ ہے اور ایک زوج کا لفظ ہے اور قرآن مجید کسی بھی لفظ کو ایسے ہی استعمال نہیں کرتا بلکہ اس میں کوئی نہ کوئی نکتہ ضرور ہوتا ہے۔قرآن مجید نے جہاں کہیں امرأۃ کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ وہیں استعمال ہوا ہے جہاں میاں بیوی میں کسی نہ کسی حیثیت سے موافقت نہیں ہوتی، چاہے وہ دینی اعتبار سے ہو یا کسی اور اعتبار سے،اسی لئے نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کے لئے زوج کا لفظ نہیں بلکہ امرأۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اس لئے کہ یہاں دینی اعتبار سے موافقت نہ تھی، یہ دونوں نبی تھے مگر ان دونوں کی بیویاں مومن نہ تھیں،اسی طرح فرعون کی بیوی کے لئے بھی امرأۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس لئے کہ ان دونوں میں بھی دینی موافقت نہ تھی۔ یہ مومنہ تھیں اور فرعون کافر، مدعی ربوبیت تھا،اور اگر میاں بیوی میں موافقت ہو تو وہاں قرآن نے زوج کا لفظ استعمال کیا ہے،اس لئے کہ یہاں میاں بیوی کے درمیان کلی موافقت پائی جاتی ہے،اسی لئے اللہ کے نبی کی بیویوں کے لئے زوج ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ الخ ﴾ (سورۂ احزاب) اور جنت میں جو بیویاں ملیں گی ان میں اور جنتی مردوں میں کلی موافقت پائی جائی ہے۔اس لئے وہاں زوج کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔

﴿ وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ﴾

ان دونوں کے فرق کو ایک اور مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو جب اولاد نہ تھی تو قرآن نے وہاں امرأۃ کا لفظ استعمال کیا ہے اس لئے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ابھی کل موافقت پیدا نہ ہوئی تھی ''وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ'' اور جب انہیں اللہ نے اولاد سے نوازا تو وہاں زوج کا لفظ استعمال ہوا ہے۔''وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَه''

برے ماحول کے اندر اعلیٰ تربیت کی مثال مریم ہیں۔جس دور میں وہ پیدا ہوئیں اس وقت بنی اسرائیل رومیوں کے غلام تھے اور اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے ان کا زوال اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ یحییٰ اور عیسیٰ نے انھیں ملامت کی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ برے سے برے ماحول میں ایمان کی حفاظت واجب ہے، اگر دارالعذاب ہو تو ہر قسم کی مصیبتیں جھیل کر ایمان کی حفاظت کرے۔اس سے اس عام غلط فہمی کو بھی رفع کر دیا گیا کہ عورت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ اپنی خلقت کے اعتبار سے خیر وشر دونوں صلاحیتوں کی حامل ہے۔اپنے اختیار کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے تو بہتر سے بہتر رفیق کی بدترین ساتھی ہے اور اگر ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو جائے تو حورِ جنت ہے۔

مذکورہ تمام پیغمبروں اور عورتوں کے تذکرے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ آدمی کے کام آنے والی چیز اس کا عمل ہے نہ کہ بڑوں سے نسبت۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۲۹

سورۃ الملک
(آیت:۱)
تا
سورۃ المرسلات
(آیت:۵۰)

مُجمع بلقیس للبحوث الإسلامیة
حیدرآباد الهند

Scanned by CamScanner

انتیسواں پارہ

سورۃ الملک (مکیۃ)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ﴿۱﴾

وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۱)

﴿بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾

اسی کے ہاتھ میں بادشاہت ہے جس کو چاہے امیر کرے جس کو چاہے غریب کرے۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾

اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔(۲)

﴿اَلَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾

یہ آیت تخلیق کا مقصد واضح کرتی ہے اس کے باوجود لوگ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تمام دنیا اللہ نے اپنے کسی پیارے کی وجہ سے بنائی ہے۔ان کا استدلال اس موضوع قول "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" (سلسلہ ضعیفہ للالبانی: ۲۸۲) سے ہے۔

موت کا ذکر حیات سے پہلے کیوں؟

اس وجہ سے کیا کیونکہ موت تلخ ہوتی ہے۔ اور موت کی تلخی کا تصور آدمی کو چونکا دیتا ہے۔ نیز موت انسان کے لئے مُوجبِ کمال ہے۔ بچہ ماں کے شکم میں ایام حمل کو پورا کرتا ہے جب باہر آتا ہے تو چلاّتا ہے کیونکہ اس کے آرام میں خلل آتا ہے لیکن ولادت پا کر جب عالمِ دنیا کے لذائذ سے متمتع ہونے لگتا ہے تو پھر واپس ماں کے پیٹ میں جانا پسند نہیں کرتا۔ یہی حال انسان کا عالمِ دنیا سے موت کے وقت علیحدہ ہونے پر ہوتا ہے۔ اگر اسے یقین ہو کہ یوم موت، عالم آخرت میں اس کا

یوم ولادت ہے تو قطعاً موت کا خوف اس کے دل میں پیدا نہ ہو۔ موت کا خوف دو طرح کے لوگوں کو ہوتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ انسان مادّی زندگی تک ہی محدود ہے اس کے بعد اس کے لئے کوئی زندگی نہیں۔ وہ لذات دنیا سے علیحدہ ہونا ناگوار خیال کرتے ہیں۔ جیسے ''گبریلا'' کہ وہ گوبر ہی میں خوش رہتا ہے، وہ باغ و بوستاں کی لطیف زندگی سے بے خبر ہے ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ (بقرہ:۹۶) دوسرے وہ شخص جو مابعد موت کی زندگی پر یقین تو رکھتا ہے مگر اپنے گناہوں کی وجہ سے آنے والے عذاب سے ڈرتا ہے ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرے اور دل کو رجوع الی اللہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ موت جنت کا ایک دروازہ ہے۔ اگر موت نہ ہوتی تو جنت میں داخلہ کیسے متصور ہوتا۔ اللہ نے اسی لئے موت کو اظہار احسان کے موقع پر ذکر کیا ہے حالانکہ بظاہر حیات کو موت سے پہلے ذکر کرنا چاہئے تھا۔ موت وہ چیز ہے جو انسان کو حیات حقیقی تک پہچاتی ہے اور حیات دنیا، حیات آخرت کے مقابلے میں ناقابل اعتبار حیات ہے۔ چونکہ حیات آخرت ایک بھاری نعمت ہے اس لئے جو چیز ایسی نعمت کے حصول کا ذریعہ ہو وہ بجائے خود ایک نعمت ہے۔

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح سوال کیا کرتے تھے۔ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ یعنی کون سا عمل افضل ہے؟ گویا اللہ نے انہیں یہ توفیق دی تھی کہ وہ کثرت عمل سے زیادہ حسن عمل کے سلسلے میں مقابلہ کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:۲۶)

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾ ابتلاء و عذاب میں فرق یہ ہے کہ

(۱) عذاب کا نتیجہ تباہی مگر ابتلا کا نتیجہ یہ نہیں ہوتا۔

(۲) عذاب کے نتیجے میں نقصان کی زیادتی ہوتی ہے اور ابتلا کے نتیجے میں نفع کی زیادتی ہوتی ہے۔ ابتلا کی مثال ایسی ہے جیسے ربر کی گیند کو جتنی طاقت سے پھینکو وہ اتنا اچھلتی ہے۔ مگر عذاب میں گر کر انسان اوپر نہیں اٹھ سکتا۔

(۳) عذاب میں مایوسی اور گھبراہٹ ہوتی ہے اور ابتلا میں دل میں اطمینان ہوتا ہے۔

(۴) ابتلا کے وقت تکلیف میں بھی لذت محسوس کرتا ہے۔

(۵) عذاب کو دور کرنے کی کوشش ہے کیونکہ جب انسان گرتا ہے تو پہلے ٹھوکر کھاتا ہے۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧

گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟ (۸)

﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ جہنم مارے غصہ کے پھٹ پڑنے کو ہوگی۔ یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی تصویر ہے۔ ہانڈی اُبلتی ہوئی دیکھی ہے؟ جب ہانڈی اُبلتی ہے تو اس کے بعض فقاقیع (بلبلے) باہر آجاتے ہیں اور ہانڈی سے جدا ہو

Scanned by CamScanner

جاتے ہیں۔یہی ﴿تَمَيَّزُ﴾ ہے۔اسی طرح انسان جب حالت غیظ میں ہوتا ہے تو اس کے منہ سے کچھ چیزیں باہر آجاتی ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۝۱۰

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔(۱۰)

ہم نے اپنے کان بند کر لئے تھے اور عقل کو معطل کر لیا تھا اگر ان کو استعمال کرتے تو آج اس انجام کو نہ پہنچتے۔اس سے یہ ثابت ہوا کہ ''عقل صحیح'' انسان کو نامناسب چیزوں میں پڑنے سے روکتی ہے۔اور ایک عقل دنیوی عقل ہوتی ہے جس سے آدمی اپنی دنیا کو بہتر بناتا ہے۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۝۱۴

بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔(۱۴)

انسان کی کوئی تخلیق کامل نہیں ہوتی۔وہ تخلیق سے زیادہ صنعت (Processing) ہوتی ہے۔مثال کے طور پر کسی نے کمپیوٹر بنایا تو اس کی باڈی کسی نے بنائی، ڈسک کسی نے اور مدر بورڈ وغیرہ کسی اور نے بنایا ہے۔مگر خام مادہ (Raw Material) کسی نے نہیں بنایا۔اللہ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۝۱۵

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور (تم کو) اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے۔(۱۵)

﴿وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾ کس طرح بیج، زمین میں دبانے کے بعد پھر زمین سے ابھر رہے ہیں جب کہ مٹی میں مل کر خاک ہو گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد اسی شکل وصورت میں رونما ہو رہے ہیں جو شکل وصورت پہلے تھی۔بعث بعد الموت کا یہ نمونہ دنیا کی نظروں کے سامنے ہے۔جو بتاتا ہے کہ سڑ گل کر آدمی فنا نہیں ہوتا صرف شکل بدل جاتی ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ۝۱۶

کیا تم اس (یعنی اللہ) سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو؟ کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے۔(۱۶)

﴿أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُوْرُ﴾ انڈیا کے صوبہ مہاراشٹر کے لاتور ضلع کے زلزلے میں تیس (۳۰) ہزار سے زیادہ افراد ہلاک ہو گئے اور ایک گاؤں کلاری میں پانچ ہزار افراد کے مکانات قبرستان بن گئے مگر انسان کی

غفلت بڑی شدید ہے وہ ایسے واقعات کی مختلف توجیہیں کرتا ہے۔

اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾

بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر گر پڑتا ہو وہ سیدھے رستے پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر برابر چل رہا ہو۔ (۲۲)

اس میں دین باطل کا چلنے والے کو اس شخص سے تشبیہہ دی گئی ہے جو ایسے راستے پر چلے جس پر جگہ جگہ گڈھے ہوں۔ وہ ٹھوکر کھا کر کہیں منہ کے بل گر جاتا ہے۔ ایک گڈھے سے بچتا ہے تو دوسرا سامنے آجاتا ہے۔ منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ نہ وہ ٹھوکروں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کیا ایسا آدمی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسے ہی اللہ کی معرفت نہ رکھنے والا شخص آخرت کی کامیابی سے محروم رہے گا۔ غور کیجئے، جس شخص کے سامنے کوئی واضح مشن اور ہدف ہو، اس کی زندگی کیسے گذرتی ہے؟ اور جس کے سامنے کوئی مشن اور ہدف نہ ہو، اس کی زندگی کیسے گذرتی ہے؟ ﴿یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ﴾ اور ایک شخص سیدھے راستے پر جس پر کوئی گڈھا نہیں بڑی تیزی سے جا رہا ہے۔ آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان دونوں میں کون زیادہ ہدایت پر ہے؟ ایک مومن اور سائنسداں میں فرق یہ ہے کہ سائنسداں کو ہر چیز اوندھی دکھائی دیتی ہے۔

❀❀❀

سورۃ القلم (مکیۃ)

مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲﴾

کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) آپ اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔ (۲)

دنیا میں کتنے ہی مصلحین گذرے ہیں کہ قوم نے انھیں دیوانہ کہہ کر پکارا ہے مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بُطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ شہادت دیتا ہے کہ زمانے میں ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقائے دوام کی مہر ثبت کر دی ہے۔ "کَانُوۡ یُلَقِّبُونَہ بِالۡاَمِینِ وکانوا یا مَنُونَہ علی اموالھم وکلُ شئی لہٗ قِیمۃٌ ولَتَعرِف کَیفَ یَتَنَاقَضُ الکفّارُ مَعَ اَنۡفُسِھِمۡ تَقُولُ لَھُمۡ کَیۡفَ تَأتمنون انسَانَا مَجۡنُونَا عَلَی اَغۡلیٰ ما تَمۡتَلِکُون؟ ھل ھَذَا یَتَمَشّیٰ مَعَ العَقۡلِ بہ؟" کفار مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امین کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے مالوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بطور امانت رکھتے تھے اور ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ ذرا سوچیں کفار کس تناقض کا شکار ہیں! آپ ان سے پوچھیں کہ کیسے تم ایک پاگل انسان کے پاس اپنی

Scanned by CamScanner

چیزیں بطور امانت رکھتے ہو۔ کیا یہ بات عقل کے ساتھ چل سکتی ہے؟

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔(۴)

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ یہی نہیں کہ آپ ﷺ صاحب خلق عظیم ہیں بلکہ آپ ﷺ اخلاق عظیمہ پر وی ہیں کیونکہ لفظ ''علیٰ'' استعلاء کے لئے آتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸

تو تم جھٹلانے والوں کا کہانہ ماننا۔(۸)

اللہ نے نبی ﷺ سے ﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کہا۔ ''لاتکذب'' نہیں کہا۔ اس سے یہ اشارہ کردیا کہ میرا ﷺ اس قسم کے اخلاق سے بری ہے کیونکہ ''لاتکذب'' میں یہ ہے کہ وہ جھوٹ بول سکتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی ختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔(۹)

مومن کے لئے کفار سے مدارات (خاطر تواضع اور رعایت) تو جائز ہے مگر مداہنت جائز نہیں۔ مداہنت کا مطلب ہے تجھے جو کرنا ہے تو کر، اور مجھے جو کرنا ہے وہ میں کروں گا' آج ہمارے زمانے میں اسے سیکولرزم کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہر نسان کو اس کے حال پر چھوڑ دو حکومت حکومت ہے، مذہب مذہب ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰

اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل اوقات ہے۔(۱۰)

بہ کثرت قسمیں وہی کھاتا ہے جو اپنا اعتماد کھو چکا ہو۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲

بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا گنہگار ہے۔(۱۲)

﴿مُعْتَدٍ﴾ جو نہ کرنے والے کاموں کو کرے۔

﴿اَثِيْمٍ﴾ جو کرنے والے کاموں کو نہ کرے۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝۱۷

ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے

Scanned by CamScanner

قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہوتے ہم اس باغ کے پھل توڑ لیں گے۔(۱۷)

﴿اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ﴾ کا واقعہ کے آخر میں ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ﴾(۳۳) کہا گیا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں بخیلی کرنے کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری تدبیر بڑی مظبوط ہے۔(۴۵)

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ﴿وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ﴾

ہم انہیں اس طرح دھیرے دھیرے (تباہی کی طرف) لے جائیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ بیشک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔ ظالم اللہ کے قانون ''امہال'' سے مغرور ہو جاتے ہیں اور ان کی سرکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی ظالمانہ سیاست عین عدل ہے پھر جب وہ اللہ کی پکڑ سے خود کو مامون سمجھ بیٹھتے ہیں تو اچانک ان کو پکڑ لیا جاتا ہے۔

وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

اور کافر جب (یہ) نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔(۵۱)

﴿وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ﴾ آپ کو نظر نہ لگا دیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہ عنہ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''الْعَیْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَیْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَیْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا'' (مسلم کتاب السلام ۲۱۸۸) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نظر برحق ہے۔

Scanned by CamScanner

سورة الحاقة (مكية)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾

(وہی) کھڑکھڑانیوالی (جس) کوثمود اور عاد (دونوں) نے جھٹلایا۔(۴)

عام طور پر قرآن میں عاد کا ذکر پہلے اور ثمود کا بعد میں آتا ہے مگر سورۃ الحاقۃ میں ثمود کا ذکر پہلے اور عاد کا بعد میں ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت ''القارعہ'' کے ذکر ختم ہوں گے۔اور ''قارعہ'' اُس آواز کو کہتے ہیں جس کی شدت لوگوں کی سماعتوں کو پھاڑ دے۔ثمود کا ذکر پہلے کیا گیا کیونکہ ان کو اسی قبیل کا عذاب دیا گیا تھا۔ جسے قرآن نے ﴿اَلصَّيْحَةُ﴾ (چیخ کا عذاب) سے تعبیر فرمایا۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾

توجس کا (اعمال) نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجئے میرا اعمال نامہ پڑھئے۔(۱۹)

کامیابی کی اپنی ایک لذت ہوتی ہے گویا قیامت میں جو کامیاب ہو گیا وہ چیخ کر کہے گا کہ آؤ میری کتاب پڑھو۔ جیسے دنیا میں ایک محنتی طالب علم جب امتیازی پوزیشن حاصل کرتا ہے تو خوشی سے چیخ کر اپنا رزلٹ دوسروں کو بتانے کی کوشش کرتا ہے۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾

پس وہ (شخص) من مانے عیش میں ہوگا۔(۲۱)

﴿رَاضِيَةٍ﴾ کہا گیا ''مَرْضِية'' نہیں کہا گیا کیونکہ ان کو جو زندگی ملے گی وہ انھیں کے شایان شان ہوگی تو گویا کہ وہ جس طرح اس زندگی سے راضی ہوں گے وہ زندگی بھی ان سے راضی ہوگی اس لئے کہ وہ زندگی حقدار تک پہنچ گئی۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾

Scanned by CamScanner

اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا (اعمال) نامہ نہ دیا جاتا۔(۲۵)

اور جو فیل ہو جاتا ہے وہ اپنا رزلٹ دوسروں کو دکھانا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میرے ہاتھوں میں میرا رزلٹ نہ دیا جاتا۔ اسی طرح قیامت کے دن کافر کو حسرت ہوگی، وہ پچھتائے گا کہ قرآن پر ایمان نہ لا کر اس نے سخت غلطی کی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝۳۸ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۳۹

تو ہم کو ان چیزوں کی قسم جو تم کو نظر آتی ہیں۔(۳۸) اور جو ان کو نظر نہیں آتیں۔(۳۹)

اس آیت میں اللہ نے دکھائی دینے والی اور نہ دکھائی دینے والی چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ کیونکہ عالم میں دو ہی قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جو آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ دوسرے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔ آدمی انھیں عقل سے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ تو بعض چیزیں جو تمہارے محسوسات کے دائرے سے باہر ہیں انھیں رسول کریم ﷺ کے کہنے سے ماننے میں تمہیں کیا اشکال ہے؟ اللہ نے بندوں پر غیر اللہ کی قسم کھانا حرام قرار دیا ہے۔ لیکن اللہ کی شان بندوں کی شان سے جدا ہے۔ وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب، نافع یا مہتم بالشان یا مقسم علیہ کے لئے حجت و دلیل کا کام دے سکیں۔ یہاں قیامت کی قسم اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے کھائی گئی ہے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝۴۶

پھر ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔(۴۶)

﴿وَتِيْن﴾ رگ گردن کو کہتے ہیں۔ آپ ﷺ منصب رسالت پر رہتے ہوئے بھی قرآن میں ایک شوشے کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ اس میں ضمناً آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی دلیل بھی دیدی۔

سورۃ المعارج (مکیۃ)

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝۱۱

(حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دیدے یعنی اپنے بیٹے۔(۱۱)

Scanned by CamScanner

قیامت کے دن مجرم چاہے گا کہ عزیز واقارب بلکہ دنیا بھر کے لوگوں کو فدیہ میں دے کر خود کو چھڑا لے لیکن اس کے پاس فدیہ نہ ہوگا نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾

کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔

انسان نہایت کمزور دل واقع ہوا ہے اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بے قرار ہو جاتا ہے۔اور اگر اللہ اسے نعمتوں سے نوازے تو خیر کے راستے میں خرچ نہیں کرتا۔مگر اس سے اس شخص کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جس کے اندر آٹھ اوصاف پائے جاتے ہیں۔جس میں سب سے پہلے نمازی ہونا ہے۔اور آخر میں نماز ہی کا تذکرہ کیا گیا۔جس میں اشارہ ہے کہ ان خوبیوں سے اتصاف نماز ہی کی برکت سے ہوگا۔اور جو مومن ان خوبیوں سے متصف ہوگا، وہی نماز کا محافظ ہوگا۔اور وہی ''هَلُوع'' جیسی مذموم صفت سے محفوظ رہے گا۔

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ بہت جلد ہمت ہار جاتا ہے۔اس لئے کہ وہ بے صبرا پیدا ہوا ہے۔تکلیف پہونچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے،اور جب آسائش ملتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے۔مگر یہ کمزوریاں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر قابو نہ پایا جا سکے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

جو نماز کا التزام رکھتے (اور بلاناغہ پڑھتے) ہیں۔(۲۳)

نماز پر مداومت (ہمیشگی) کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾

اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے۔(۲۴)(یعنی) مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔(۲۵)

سائل سے مراد پیشہ ور گداگر نہیں بلکہ جو فی الواقع مانگنے پر مجبور ہو۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جو شخص اپنا مال بڑھانے کے لئے سوال کرتا ہے وہ دراصل آگ کے انگارے طلب کرتا ہے۔اب وہ چاہے تو زیادہ کرلے چاہے تو کم کرلے۔(مسلم کتاب الزکاۃ:۱۰۴۱)

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔(۲۶) اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔(۲۷)

اگر انسان قیامت کے برپا ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے مگر ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتا ہو کہ پیر حضرات مریدوں کو بخشوا لیں گے تو ایسا ایمان غیر موثر ہو کر رہ جاتا ہے۔اس سے اللہ کے عذاب سے خوف پیدا نہیں ہو سکتا۔

Scanned by CamScanner

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور جو اپنی امانتوں اور قول وقرار کا پاس رکھتے ہیں۔(۳۲)

امانتیں مالی بھی ہوتی ہیں اور قولی بھی مثلاً کسی کا راز بھی امانت ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔(۳۴)

لفظ محافظت تمام آداب وشرائط کا جامع ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی، یقیناً ہم قادر ہیں۔(۴۰)

دیگر سیاروں اور ستاروں کے بھی مشرق ومغرب ہیں۔

❀❀❀

سورۃ نوح (مكية)

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾

اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔(۱۰)

عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: قَحَطَ الْمَطَرُ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ يَسْتَسْقِي، فَلَمْ يَذْكُرْ إِلا الاسْتِغْفَارَ حَتَّى نَزَلَ، فَلَمَّا نَزَلَ قِيلَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا سَمِعْنَاك اسْتَسْقَيْتَ، قَالَ: لَقَدْ طَلَبْتُ الْغَيْثَ بِمَجَادِيحِ السَّمَاءِ الَّتِي بِهَا يُسْتَنْزَلُ الْقَطْرُ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾ (تفسیر الوسیط للواحدی)

عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ منبر پر استسقاء کے لئے چڑھے تو صرف استغفار کیا اور استغفار کی آیات پڑھیں۔ انھیں میں سے سورہ نوح کی یہ آیت ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾ تھی۔ پھر کہا کہ آسمان سے بارش بند ہو جائے تو اس کو کھولنے والی چیز استغفار ہے۔

Scanned by CamScanner

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔ (۱۲)

وروى الربيع بن صبيح أَنَّ رجلا أتى الحسن رحمه الله فشكا إليه الجدوبة، فقال له الحسن رحمه الله: استغفر الله، وأتاه آخر فشكا إليه الفقر، فقال له: استغفر الله، وأتاه آخر فقال: ادع الله أن يرزقني ابنا، فقال له: استغفر الله، وأتاه آخر فشكا إليه جفاف بساتينه فقال له: استغفر الله فقلنا أتاك رجال يشكون أبوابا ويسألون أنواعا فأمرتهم كلهم بالاستغفار، فقال: ما قلت من ذات نفسي في ذلك شيئا إنّما اعتبرت فيه قول الله سبحانه حكاية عن نبيّه نوح (عليه السلام) إنّه قال لقومه: اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَاراً.

(تفسير ثعلبی)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے قحط سالی میں بارش نہ ہونے کا شکوہ کیا۔ آپ نے کہا استغفار کرو۔ دوسرے نے قلت مال اور فقر و فاقہ کا شکوہ کیا۔ اس سے بھی کہا استغفار کرو۔ تیسرے نے اولاد نرینہ نہ ہونے کا شکوہ کیا۔ اس سے بھی کہا استغفار کرو۔ تو ان سے سوال کیا گیا کہ شکوے الگ الگ ہیں مگر انہیں علاج آپ نے ایک ہی بتایا۔ تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل میں یہ آیت پیش کی۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وَدّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔ (۲۳)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، "صَارَتِ الأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي العَرَبِ بَعْدُ أَمَّا وَدٌّ كَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الجَنْدَلِ، وَأَمَّا سُوَاعٌ كَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَأَمَّا يَغُوثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ، ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالجَوْفِ، عِنْدَ سَبَإٍ، وَأَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الكَلاَعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ، أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا، فَلَمْ تُعْبَدْ، حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَنَسَّخَ العِلْمُ عُبِدَتْ"

(بخاری: کتاب التفسیر ۴۹۲۰)

ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پانچوں قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے۔ ان کے مرنے کے بعد انھیں کے نام پر بت بنائے گئے۔ شیطان نے عقیدت مندوں سے کہا ان کے تماثیل بنا کر تم گھروں اور دوکانوں میں رکھ لو۔ تاکہ ان کی یاد

تازہ رہے۔ جب یہ تصویریں بنانے والے مر گئے تو اگلی نسلوں کو شیطان نے یہ کہہ کر شرک میں مبتلا کر دیا کہ تمہارے آباء ان کی عبادت کرتے تھے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

(آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا (۲۵)

کافر ڈوبے اور اپنے خداؤں کو بھی لے ڈوبے۔

❀❀❀

سورۃُ الجِنّ (مكية)

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ (۲)

جنوں میں ہر مذہب کے جن ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جن بھی جنت یا جہنم میں جائیں گے۔
﴿لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾ جنوں نے کہا ہم شرک نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن مشرک بھی ہیں۔

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد۔ (۳)

﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جن عیسائی اور یہودی بھی ہیں۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ﴿۱۸﴾

اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

مسجدیں اللہ کے لیے ہیں۔ یعنی مسجدوں کا مقصد، ایک اللہ کی عبادت ہے۔ اس میں کسی اور سے دعا یا کسی کے طفیل سے دعا مانگنا اور اس کے گھر میں کسی اور کی لکھی ہوئی کتاب کو قرآن کا درجہ دے کر اسی کو پڑھنے پر زور دینا قطعاً جائز نہیں۔

Scanned by CamScanner

بچوں کا مسجد میں آنا:

عن ابن صھیب قال کان زر وابو وائل اذا رأونا فی الصف ونحن صبیان اخرجونا

(کتاب الصلوۃ مصنف ابن ابی شیبہ)

یہ روایت صحیح ہے۔ ابن صہیب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ زِر ابو وائل جب ہمیں نماز کی صف میں دیکھتے اس وقت ہم لوگ بچے تھے تو ہم کو نکال دیتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کو صفوں سے نکال دیا جائے، مسجد سے نکالا جائے۔ یعنی یہ اخراج،''اخراج من الصف لا من المساجد'' ہے۔ ابن عثیمین کا فتویٰ یہ ہے کہ بچے اگر تشویش پیدا کریں تو نکال دینا چاہیے۔ انہوں نے دلیل میں حدیث'' عن جابر رضی اللہ عنہ، نھی رسول اللہ ﷺ عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة، فاكلنا منها، فقال: ''من اكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فان الملائكة تاذى، مما يتاذى منه الانس'' (مسلم: کتاب المساجد: ۵۶۴) پیش کی ہے۔ کیونکہ اس کی بو سے تشویش پیدا ہوتی ہے۔ جب بچے صفوں کے آگے دوڑیں، شرارت کریں اور ایک دوسرے سے لڑیں جھگڑیں۔ یہ ساری چیزیں تشویش کے زمرے میں آتی ہیں۔ رہا عورتوں کا مسجد میں شیر خوار بچوں کا لانا تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ (۲۶)

اللہ کہتا ہے کہ میرے غیب پر دوسرا مطلع نہیں۔ نجومی کہتا ہے کہ ستارے ہمیں غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں۔ اسی طرح بدعتی کہتا ہے کہ رسول کو غیب کا علم ہے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ اور نبی ﷺ کو جو علم ہوتا ہے وہ اظہاری بالفاظ دیگر اطلاعی ہوتا ہے۔ اس آیت میں ﴿فَلَا يُظْهِرُ﴾ سے نبی ﷺ کے علم کو علمِ اظہاری کہا گیا اور ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورہ آل عمران: ۱۷۹) میں آپ کے علم کو علم اطلاعی کہا گیا۔ یعنی آپ ﷺ کو غیب اطلاعی و اظہاری تھا۔ بدعتی کا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیبِ عطائی تھا یعنی علم غیب آپ ﷺ کو بخش دیا گیا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی ﷺ کو الوہیت بخش دی گئی۔ کیونکہ اس آیت ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (سورہ نمل: ۶۵) میں علم غیب کو الوہیت (اللہ) کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ لہٰذا بدعتی کا نبی کریم ﷺ کے متعلق غیب کا تصور ایک مشرکانہ تصور ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: ''مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ، فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ'': ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ ''وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ، فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ: لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ'' (بخاری کتاب التوحید ۷۳۸۰)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ کو غیب کا علم ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔

Scanned by CamScanner

نکاتِ سورۂ جنّ:

دو عالم مخفی ہیں۔ایک عالم الجن، یہ جہالت سے قریب ہے۔دوسرے عالم الملائکہ، یہ کمال سے قریب ہے۔ملائکہ نور سے اور جن آگ کے شعلہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔وہ ہمیں دیکھتے ہیں مگر ہم انھیں نہیں دیکھ پاتے۔

جنّات منجملہ ممکنات:

قرآن وحدیث سے جنّات کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔لوگوں کے اخبار وقصص اور بے شمار واقعات بھی اس پر شاہد ہیں لیکن بعض عقل پرست اور ماڈرن لوگ سرے سے ان کے وجود ہی کا انکار کر دیتے ہیں اگر چہ سائنس کوئی دلیلِ قطعی نہیں ہے لیکن ان حضرات کے لئے ضرور دلیلِ قطعی ہے اور درج ذیل تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائنس نے بھی جنّات کے وجود کو ممکن قرار دیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

"پورا سائنسی علم تین بنیادی اجزاء پر منحصر ہے جن کو ہم پروٹان، نیوٹران اور الیکٹران کے نام سے جانتے ہیں۔کیا کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے جو ان عناصر کی مکمل صورت انسانی نظروں کو دکھا سکے؟ بعض بیماریوں کے جرثومے (وائرس) جو نظر نہیں آتے ہیں کسی نے دیکھے ہیں؟ کیا ہم نے بیکٹیریا یا اور فنجی جیسے عنصر کو تسلیم نہیں کیا جو آج تک نظروں سے دیکھے نہ جا سکے۔ دراصل جب کسی مسئلے پر تحقیق کی جاتی ہے تو ہمیں کچھ چیزیں فرض کرنی پڑتی ہیں اور یہ فرض کی ہوئی چیزیں بنیادی اصول ہوتی ہیں جو تحقیق کی بنیاد کا کام دیتی ہیں۔اگر یہ فرض کی ہوئی چیزیں (بنیاد) اس تحقیق (عمارت) سے نکال دیں تو یہ عمارت مکمل ہونے کے بجائے زمین بوس ہو جائے گی۔جس طرح انسان کی تخلیق ہوا، مٹی اور پانی سے ہوئی۔اسی طرح جنّات کی تخلیق کے لئے مٹی کے بجائے سلفر (گندھک) اور سلیکون، ہوا کے بجائے گرم ہوا اور پانی کے بجائے فلورین گیس سے ہوئی۔یہاں گرم ہوا کی تشریح ضروری ہے۔گرم ہوا یا نارسموم جیسی ہوا یا گیس ہوتی ہے جو عام ہوا کی طرح خلا میں موجود ہے لیکن عام ہوا اور نارِ سموم میں فرق یہ ہے کہ ہوا میں حِدّت، تابکاری اثرات اور دھواں وغیرہ شامل ہیں جب کہ نارسموم خالص گیس کی شکل میں خلا میں موجود ہے۔نارِ سموم ایکسرے کی لہروں کی طرح ٹھوس تر اجسام میں سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔جنّات کے پیدائشی اجزاء میں نارِ سموم کی وجہ سے اس مخلوق میں ٹھوس تر اجسام میں گزرنے کی بھی صلاحیت ہوتی ہے۔

سائنس کی ایک شاخ مابعد الحیاتیات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ فلورین گیس اور سلفر کے باہمی میل سے ایسی مخلوق خلق ہو سکتی ہے جو آگ کی خصوصیت رکھتی ہو اور سلفر کی طرح آٹھ سو درجہ سینٹی گریڈ پر اپنی اصل صورت میں برقرار رہ سکتی ہے۔سلیکون کو سلفر سے ملا کر کسی مخلوق کو وجود میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ یہ مادہ بنیادی مسالے کی حیثیت رکھتا ہے۔جنّات کو ان مرکبات سے ہی بنایا گیا ہے اور اسی وجہ سے وہ آتشیں مخلوق کہلائی۔سائنس یہ بات ثابت کرتی ہے کہ اگر کوئی جسم، سلفر سلیکون اور فلورین کاربن کی مدد سے بنایا جائے تو وہ اپنی شکل وصورت کو حالات اور موسم کے مطابق ہر طرح کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔ان کا نہ تو غذا سے تعلق ہوگا اور نہ ہی انھیں سورج سے توانائی کی ضرورت ہوگی۔

Scanned by CamScanner

''اسٹیفن ایچ ڈول''اور''کارل سیگان'' جیسے نوبل انعام یافتہ سائنس دان تحقیقات میں مصروف ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ کائنات میں ایسی مخلوق کا پایا جانا ممکن ہے جو ہماری طرح غذا کی ضرورت کی محتاج نہ ہو اور جب کسی جسم کو غذا کی ضرورت نہیں ہوگی تو اس کے جسم میں نظام ہاضمہ کے اعضاء بھی ضروری نہیں ہیں۔اس کا جسم نہ تو وزن رکھے گا اور نہ ہی کوئی خاص شکل۔اس کا جسم اتنا لطیف ہوگا کہ وہ جب چاہے فضا میں بغیر کسی سہارے کے پرواز کر جائے۔اور جب چاہے نظروں سے غائب ہو جائے اور جب چاہے مختلف شکل اختیار کر جائے۔ایسا جسم صرف فضا سے قوت حاصل کر کے اپنی زندگی قائم رکھ سکتا ہے۔

ایک امریکی ماہر مابعد الحیاتیات''جوشوبرگ''اپنے ایک مقالے میں تحریر کرتا ہے کہ ہمارے کہکشانی نظام میں موجود اربوں ستاروں میں سے چونسٹھ کروڑ قسم کے حیاتی نمونے موجود ہیں۔ان نمونوں میں سے ہر حیاتی نمونہ دوسرے حیاتی نمونے سے مختلف ہے ان سیاروں میں عین ممکن ہے کہ کسی سیارے میں زندگی موجود ہو جس کے متعلق ہمیں علم حاصل نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، جنّات فلورین گیس جیسی گرم گیس سے بنے ہیں تو وہ کرۂ ارض پر آ کر برف کی طرح جم کیوں نہیں جاتے؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ان کا جسم عادی ہے کہ وہ اپنی شکل تبدیل کر لے۔اس لئے جب زمین پر آتے ہیں تو اپنی اصلی شکل کے بجائے زمین پر بسنے والے جانوروں (کبھی انسانوں،کبھی چھپکلی اور کبھی بلی وغیرہ) میں تبدیل کر لیتے ہیں اور یوں ان کے لئے زمین کا درجۂ حرارت قابلِ قبول بن جاتا ہے۔

مشہور امریکی سائنس داں''ڈاکٹر ہیرالڈسی ارے''اپنی کتاب''دی کیمیکل ورلڈ''میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم سلیکون عنصر سے کوئی ایسی مخلوق بنائیں جس میں سلفر اور فلورین گیس کو شامل کر دیں تو جو مخلوق وجود پذیر ہوگی۔نہ اسے کسی غذا کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی وہ مسلسل کسی ایک خاص ہیئت میں رہے گی بلکہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی شکل بدلتی رہے گی۔سلیکون سے بنی ہوئی اس مخلوق کا پسندیدہ مقام ستارہ زہرہ یا مشتری ہوسکتا ہے۔جہاں سے وہ سورج سے براہِ راست حرارت حاصل کر سکتے ہیں۔

امریکہ کے ماہر روحانی سائنس داں ڈاکٹر''سرلاج''، ڈاکٹر''سرجیمسن''اور''پروفیسر جوڈ''اس بات پر متفق ہیں کہ حقیقتاً نظام شمسی کے کسی سیارے سے کوئی مخلوق زمین پر آ کر اپنے خصوصی کارندوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور انہیں اپنا تابع بنا کر عقل سے بعید حرکات سرزد کراتی ہیں۔مثلاً چیزوں کا خود بخود حرکت کرنا وغیرہ یہ سب کچھ جنّات کی شرارت کے سبب ہوتا ہے۔

قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ اگرچہ جنّات کا وجود عقل اور سائنس سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ بات پیش نظر رہے کہ ہمارے ہاں جو بہت سارے جنّات کے ماہرین ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ تھوک کے حساب سے جنّات ان کے قبضے میں ہیں ان میں سے اکثر گپ باز اور جھوٹے ہیں اور دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شخص بھی ان کے پاس جاتا ہے خواہ اس کی دوکان نہ چلتی ہو، یا کاروبار ٹھپ پڑا ہو، یا ملازمت نہ ملتی ہو، یا کوئی اچھا رشتہ نہ آ رہا ہو، یا کوئی گھریلو رنجش ہو، یا کوئی جسمانی یا دماغی بیماری ہو، یہ ہر شخص کو دو باتیں ہی کہتے ہیں۔

(۱) یا تو یہ کہ تم پر کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ (۲) یا یہ کہ تم پر جنّات کا اثر ہے۔

اس طرح کے لوگ کسی چیز کے ماہر نہیں ہوتے بلکہ ان کا مقصد صرف''جلبِ زر''ہوتا ہے۔یہ دوکانیں سجا کر بیٹھ

Scanned by CamScanner

جاتے ہیں اور گاہکوں کو پھانسنے کے لئے ہر جھوٹ بولتے ہیں اور ہر حربہ آزماتے ہیں۔

اس سورہ میں جنوں کے اقوال کے معرض میں سولہ ۱۶ر حکمتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) جنوں نے قرآن سنا اس پر ایمان لائے اور شرک چھوڑ دیا۔

(۲) اللہ اس سے بلند ہے کہ اس کے بیوی اور بچے ہوں۔

(۳) جاہل جن رہ حق سے ہٹی ہوئی بات اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ اس کے بیوی اور بچہ ہے۔

(۴) یہ اندھے مقلد ہیں کہ کچھ جھوٹے جنوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اس کے بیوی اور بچہ ہے اور انھوں نے بھی وہی اعتقاد باندھ لیا۔

(۵) کچھ انسان بیابانوں میں جنوں کی پناہ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جن پناہ دیتے ہیں۔

(۶) اور جنوں نے انسانوں کی طرح گمان کرلیا کہ مرنے کے بعد زندگی نہیں۔

(۷) جن آسمان کی خبریں طلب کرتے ہیں تو انھیں روک دیا جاتا ہے۔

(۸) جن خالی جگہوں پر بیٹھتے ہیں تا کہ وہ سننے پر قادر ہوسکیں۔

(۹) جنوں کو یہ معلوم نہیں کہ زمین پر شر نازل ہوتا ہے یا خیر۔

(۱۰) جنوں میں کچھ ابرار ہیں کچھ فُجّار ہیں۔

(۱۱) جنوں کو معلوم ہے کہ اللہ کے حکم سے بھاگ نہیں سکتے۔

(۱۲) جنوں نے ہدایت کو جب سنا تو ایمان لے آئے تو مومن کا ثواب کم نہیں ہوگا اور اسے ناپسندیدہ چیز (مکروہ) نہیں پہونچے گی۔

(۱۳) جنوں میں دو گروپ ہیں (۱) عادل (۲) ظالم۔ تو عادل مومن جنت کی راہ پر ہیں اور ظالم جہنم کا ایندھن بننے کی راہ پر ہیں۔

(۱۴) انسان اور جن جب طریقۂ مُثلی (اسلام) پر رہتے ہیں تو اللہ ان پر ان کا رزق وسیع کر دیتا ہے اور جو اس کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں انھیں عذاب شاق میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

(۱۵) جو مساجد میں داخل ہو وہ خالص اللہ کی عبادت کرے۔ شرک نہ کرے جیسا کہ مشرکین کرتے ہیں۔

(۱۶) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو جنوں کی بھیڑ جمع ہو جاتی ہے۔ جو تعجب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سنتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو دیکھتے ہیں۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة المُزّمّل (مكية)

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿٤﴾

یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ (۴)

قرآن کی تلاوت کا صحیح طریقہ ''ترتیل'' ہے۔ ترتیل سے قرآن پڑھنا درحقیقت تدبر قرآن کی دعوت ہے اس لیے کہ جب رات کی تنہائی میں حضور قلب کے ساتھ کوئی ترتیل کے ساتھ تلاوت کرے گا تو تدبر کی کیفیت خود بخود پیدا ہو جائے گی۔ ترتیل کی اصل عدم التلاصق (صاف صاف پڑھنا) ہے۔ کیونکہ عدم التلاصق کا مطلب کسی چیز کا آپس میں نہ چپکنا ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہم نے جبریل کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن تھوڑا تھوڑا پڑھایا ہے۔ قرآن کی ایک ترتیب تھی، جبرئیل علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تھے۔ ''مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے قرأت قریش کی غایت پر کتابت کروائی کیونکہ تلفظ کا اختلاف مسئلہ بن گیا تھا۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿٦﴾

دل جمعی کے لیے انتہائی مناسب ہے۔ اور بات کو بہت زیادہ درست کر دیتا ہے۔ (۶)

قرآن یاد کرنے اور نسیان سے بچنے کے لیے رات کی نماز بہت معاون ہے۔

﴿أَقْوَمُ قِيلًا﴾

وَقَالَ أَبُو عَلِيٍّ: أَقْوَمُ قِيلًا أَيْ أَشَدُّ اسْتِقَامَةً لِفَرَاغِ الْبَالِ بِاللَّيْلِ. وَقِيلَ: أَيْ أَعْجَلُ إِجَابَةً لِلدُّعَاءِ. (قرطبی) ابوعلی نے کہا کہ اقوم قیلا کا مطلب ہے کہ رات میں خالی الذہن ہونے کی وجہ سے انتہائی مستقیم ہوتا ہے۔ اور رات میں دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ رات میں سماء دنیا پر اترتا ہے۔ وَقَالَ عِكْرِمَةُ: عِبَادَةُ اللَّيْلِ أَتَمُّ نَشَاطًا، وَأَتَمُّ إِخْلَاصًا، وَأَكْثَرُ بَرَكَةً. (قرطبی) عکرمہ کہتے ہیں کہ رات کی عبادت میں بہت زیادہ نشاط ہوتا ہے۔ اور اس میں زیادہ اخلاص اور زیادہ برکت ہوتی ہے۔ عن زید ابن أَسْلَمَ: أَجْدَرُ أَنْ يَتَفَقَّهَ فِي الْقُرْآنِ. (قرطبی) زید ابن اسلم کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے۔

ابتدائی آیات میں جس ریاضت کی ہدایت کی گئی ہے وہ قول ثقیل یعنی قرآن کریم اور تبلیغ کی تیاری کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک تہجد کا درجہ استحباب کا ہے۔ نہ امت پر فرض ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ تخفیف صرف امت پر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا پڑھنا ضروری تھا۔ قیام اللیل کا صحیح وقت رات کا نصف آخر، پچھلا پہر ہے۔ اس مبارک ساعت میں جو بستر سے اٹھے وہ اپنی خواہشوں پر غلبہ پانے کی قوت حاصل کر لیتا ہے۔ اور زبان سے نکلی ہوئی دعا کی ادائیگی پختگی کے ساتھ ہوتی ہے۔

"وَقَالَ قَتَادَةُ أَثْبَتُ فِی الْخَيْرِ وَاَحْفَظُ لِلْقِرَأَةِ" (تفسیر مظہری) قتادہ کہتے ہیں نیکی میں جمانے والی اور قرأت کو محفوظ رکھنے والی ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ﴿۱۰﴾

اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریقے سے ان سے کنارہ کش رہو۔ (۱۰)

صبر جمیل، صفح جمیل اور ھجر جمیل میں فرق:

ابن قیم رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ "صبر جمیل"، صفح جمیل اور "ھجر جمیل" میں کیا فرق ہے؟ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا "الصبرا لجمیل: ھوالذی لاشکوی فیه ولا معه۔ والصفح الجمیل ھوالذی لاعتاب معه۔ والھجر الجمیل: ھوالذی لااذی معه" صبر جمیل وہ ہے جس میں شکوہ نہ ہو۔ اور صفح جمیل وہ ہے جس کے ساتھ انتقام نہ ہو۔ اور ھجر جمیل وہ ہے جس کے ساتھ تکلیف نہ ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی ۙ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا کرتے ہو اور اللہ تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا)

قرآن پڑھ لیا کرو اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک (اور خلوصِ نیت سے) قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۲۰)

سورۂ مزمل کی آخری آیت:

﴿هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ حالات جیسے بھی ہوں تلاوت قرآن کی تاکید کی گئی ہے۔تو کیا تلاوت قرآن کے بارے میں سستی کرنے والے جو الٹے پلٹے عذر پیش کرتے ہیں ان کا اعتبار ہوگا؟ مرض،سفر،قتال یہ سارے حالات ہیں اور سب میں قرآن کو پڑھنے کے لئے کہا گیا ہے۔

نکاتِ سورۂ مزمل:

﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ نماز میں قیام کرو مگر تھوڑی سی رات ،یعنی نصف شب، کہ اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو یا اس نصف سے تھوڑا کم کردو یا نصف سے کچھ بڑھادو۔

﴿اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا﴾

﴿انْقُصْ﴾ کی قید﴿قَلِيْلًا﴾ لائی گئی۔مگر﴿زِدْ عَلَيْهِ﴾ کو مطلق ذکر کیا۔کیونکہ زیادتی میں کثرت اچھی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو قلت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔بخلاف نقص کے کہ اسے مطلق ذکر کیا جاتا تو احتمال تھا کہ نصف سے زیادہ کم کیا جاسکتا ہے۔

قیام کے وقت کی مقدار میں تین صورتوں میں اختیار ہے۔(۱)نصف شب (۲)ثُلُث (۳)ثلثین شب(دوتہائی رات)

عن عمر بن جعفر عَنْ حُمَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يَصُومَ مِنْهُ وَيَصُومُ حَتَّى نَظُنَّ أَنْ لَا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ۔(بخاری: کتاب التہجد،1141)

محمد بن جعفر،حمید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا مہینہ افطار کرتے یہاں تک کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں روزہ نہیں رکھیں گے اور کسی مہینہ میں روزہ رکھتے تو ہم گمان کرنے لگتے کہ اب افطار نہیں کریں گے اور ہم رات کو جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے دیکھ لیتے اور سوئے ہوئے دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے۔

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِیۡلًا﴾ رات کو اٹھ کر عبادت کرنا کچھ آسان نہیں۔اس میں نفس کو روندا جاتا ہے۔نیند اور آرام اور خواہشات پامال ہوتی ہیں چونکہ اس وقت ماحول پر سکون ہوتا ہے اس وقت دعا اور ذکر سیدھے دل سے نکلتے ہیں۔اور دعا اور قرأت کے الفاظ خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں۔اور جی بھی خوب لگتا ہے۔اس طرح زبان ودل دونوں موافق ہوجاتے ہیں۔

عکرمہ رحمہ اللہ نے اول شب میں قیام کو ناشئہ کہا ہے۔اور حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عشاء کے بعد ہر نماز ناشئہ ہے۔(تفسیر مظہری)

﴿نَاشِئَةَ﴾ "فاشبِهَت بالسَّحابة التی تَتَنَشَّأ من الأُفقِ بعد صَحْوٍ" رات کے قیام کو آسمان صاف ہونے کے بعد افق سے اٹھنے والی بدلی سے تشبیہ دی کیونکہ یہ نماز نیند سے اٹھنے کے بعد ہے۔اسی وجہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر القیام بعد النوم سے کی ہے۔"وقالت عائشة رضي الله عنها: النَّاشِئَةُ: الْقِيامُ بعد النوم" (التفسیر الوسیط للواحدی)

﴿اَشَدُّ وَطۡاً﴾

"أی أشَدُّ مُوَافَقَةً": زبان دل کے بالکل موافق ہوتی ہے اور جو بات زبان سے نکلتی ہے دل ودماغ میں خوب جمتی چلی جاتی ہے اور چونکہ ہمارا رب اس وقت سماء دنیا پر نزول کرتا ہے تو اس وقت قلب کو ایک عجیب قسم کے سکون وقرار اور لذت و اشتیاق کی کیفیت میسر ہوتی ہے۔

﴿وَطۡاً﴾

"وضع الرجل علی الارض ای اشد وقعا واشد اثراً فی نفس المصلی" آدمی کا زمین پر پیر رکھنا "وَطْاً" کہلاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ رات میں قیام نمازی کے دل پر زبردست اثر ڈالتا ہے۔

﴿وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا﴾ رات کی عبادت کے علاوہ دن میں بھی اللہ کا تعلق غالب رہنا چاہئے۔مخلوق سے معاملہ کرتے وقت اٹھتے بیٹھتے اس کا ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

﴿وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا﴾

"قال قتادة اخلص له الدعوة والعبادة" قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ "وتبتل اليه تبتيلا" کا مطلب ہے اللہ ہی کو پکارو اور اسی کے لئے عبادت کو خاص کردو۔یہاں "تبتل" سے مراد وہ انقطاع (کٹنا) نہیں ہے جو رہبانیت تک پہونچا دیتا ہے۔بلکہ اس کا مطلب ہے کہ انسان کے سارے تعلقات رب کے تعلق میں مدغم ہوجائیں۔"یقال تبتلت الشیئ اذا قطعته" جب آپ کہتے ہیں "تبتلت الشیئ" تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ نے اس چیز کو کاٹ دیا۔

﴿تبتل﴾، باب "تفعل" سے ہے۔اس کا مصدر ﴿تبتلاً﴾ نہ لاکر باب تفعیل کا مصدر ﴿تبتیلاً﴾ لایا گیا اس میں ایک تو فواصل کی رعایت ہے۔دوسرے جب کاٹ دینے کا فعل ہوتا ہے۔تو اس کے بعد کٹ جانا ہوتا

Scanned by CamScanner

ہے۔تبتل (کٹ جانا) اکثر کسبی ہوتا ہے۔ جو گہری نظر اور کوشش کا محتاج ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑا تبتل شرک سے کٹ جانا ہے۔ تبتل، بتّل کا مطاوع ہے۔ کیونکہ ﴿تَبۡتِيۡلًا﴾ "ای الانقطاع یقتضی التبتیل" کیونکہ ﴿تبتل﴾ کے معنی انقطاع (کٹ جانا) کے ہوتے ہیں۔ جو تبتیل کا تقاضا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے "قطعتہ فتقطع" میں نے کاٹا تو وہ کٹ گیا۔ یعنی جب کاٹیں گے تب کٹے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ نفس کو اس تبتل پر راضی کرنا پڑے گا اس کے بعد وہ راضی ہوگا۔

تبتل کا نکتہ یہ ہے کہ اس میں پانچ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

تدریج کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک ہی دفع مفعول کا حصول ممکن ہو جیسے تجرع الماء (پانی گھونٹ گھونٹ پیا) مگر ایک دفعہ بھی ممکن ہے۔

(۲) ایک ہی دفعہ مفعول کا حصول ممکن نہ ہو جسے تحفظ التصرف (گردان تھوڑی تھوڑی) یاد کی۔

ایک ہی دفعہ یاد بھی ممکن ہے جس کے لئے وہ وضع کیا گیا ہے۔

تعمل کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ماخذ، فاعل میں گھل مل جائے جدا نہ ہو، پیوست ہو جائے جیسے تدھّن

(۲) ماخذ، فاعل میں پیوسٹ نہ ہو قریب ہو، متصل ہو جسے تَتَرّس (خود کو ڈھال سے بچایا)

(۳) ماخذ، فاعل سے مقارن ہو لیکن بالکل جدا ہو جیسے تَخَیَّمَ (خیمہ بنایا) خیمہ مقارن تو ہے لیکن بالکل جدا ہے۔

(۱) "تدریج" درجہ بدرجہ کرنا۔

(۲) "تکلف"۔ تکلیف اٹھانا، مشقت برداشت کرنا۔

(۳) "تعمل"۔ کوشش و محنت کرنا۔

(۴) "تکثر"۔ حصول کثرت۔

(۵) "المبالغۃ" آخری حد کو پہونچنا، پوری کوشش کرنا۔

اور تبتیل کا مطلب "ٹکڑے ٹکڑے کرنا" ہے۔ جب آپ کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں تو اس میں ایک چیز تدریج ہوتی ہے کہ وہ چیز ایک دم نہیں کٹ جاتی، بلکہ دھیرے دھیرے کٹتی ہے۔ دوسرے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں آدمی کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اور اس میں کوشش و محنت بھی ہوتی ہے۔ نیز ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کثرت کا بھی مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اس کام کو ختم کرنے کے لئے آخری حد تک پہونچنے کا بھی مفہوم پایا جاتا ہے۔

﴿فَعَصٰى فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ﴾ جب موسیٰ کے منکرین کی سخت پکڑ کی تو محمد ﷺ کے منکرین کی گرفت کیوں نہیں کرے گا؟ پہلے صحابہ کرام سے تقریباً ایک سال تاکید کے ساتھ ریاضت شاقہ کروائی گئی کیونکہ یہی لوگ آئندہ تمام امت کے رہبر بننے والے تھے۔ پھر اس قیام لیل کے حکم میں تخفیف فرمائی کہ اب جس کو اٹھنے کی توفیق ہو وہ جتنی نماز اور اس میں جتنا قرآن پڑھنا چاہے پڑھ لے۔

Scanned by CamScanner

﴿قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ چار طریقوں سے قرآن ثقیل ہے:

(۱) معنی اور بلاغت کے اعتبار سے ثقیل۔

(۲) نزول کے وقت ثقیل۔ خصوصاً صلصلة الجرس کے وقت۔

(۳) منافقین پر ثقیل۔ کیونکہ انھیں قرآن کی وجہ سے غم ہوتا تھا۔

(۴) قرآن کے اوامر نواھی کی اتباع میں ثقیل۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

قیام لیل کے حکم میں تخفیف کی وجوہات:

(۱) ﴿مَرْضٰى﴾ بعض مریض ہوتے ہیں وہ قیام لیل پر قادر نہیں ہوتے۔

(۲) ﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ حالت سفر میں ہوتے ہیں۔

(۳) ﴿يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ طلب رزق یا طلب علم میں مشغول ہوتے ہیں۔

(۴) ﴿وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ بعض جہاد میں مشغول ہوتے ہیں۔

(۵) ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ہاں فرض نمازوں سے غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

(۶) ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ زکوۃ واجبہ سے پہلو تہی نہیں ہونی چاہیے۔

(۷) ﴿وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا﴾ زکوۃ واجبہ کے علاوہ دیگر نفقات بھی ہونے چاہئیں۔

مسلمان اور قرآن سورۂ مزمل کے آئینے میں:

قرآن کے بارے میں امت مسلمہ کے دو گروہ ہیں:

(۱) "فریق لا یھتم بھذا الدین ولا بالقرآن" دین اور قرآن سے انھیں کچھ لینا دینا نہیں ہے۔

(۲) "یقرؤن القرآن" قرآن پڑھتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

اس دوسری قسم کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) قرآن پڑھتے ہیں مگر غور وفکر نہیں کرتے۔
(۲) قرآن پڑھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔
(۳) قرآن کے حفظ کا بڑا اہتمام کرتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔
(۴) کچھ لوگ ایک ہی رات (شبینہ) میں قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں۔
(۵) گھروں اور دوکانوں میں خیر و برکت کے لئے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔
(۶) کچھ لوگ تعویذوں میں لکھ کر دیتے ہیں۔
(۷) کچھ لوگ تو قرآن کا نام نہیں لیتے بلکہ اسے بڑی کتاب کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کا نام لینے سے پہلے وضو ضروری ہے۔
(۸) رمضان میں کئی کئی بار بلا سمجھے پڑھتے ہیں۔
(۹) کچھ لوگ گھروں میں خصوصاً عورتیں صرف تلاوت پر اکتفا کرتی ہیں اور قرآن میں کیا احکامات ہیں؟ ان کے بارے میں انھیں کچھ پتہ نہیں۔
(۱۰) کچھ لوگ ہر تین دن میں قرآن کو قرأتاً ختم کرتے ہیں۔

اللہ نے اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے متبعین سے نو (۹) باتوں کا مطالبہ کیا ہے:

(۱) بستر سے اٹھیں اور رات میں قیام کریں ایک تہائی، آدھی، دو تہائی رات میں ان تینوں کے درمیان اختیار ہے۔
(۲) قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھیں۔
(۳) رات اور دن تسبیح و ذکر سے غافل نہ ہوں۔
(۴) ماسوا اللہ سے خود کو الگ کرلیں۔
(۵) اسی پر توکل کریں اور اپنے تمام امور اسی کو سونپ دیں۔
(۶) کافرین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اللہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اس پر صبر کریں۔
(۷) ان سے بدلہ نہ لیں۔
(۸) مخالفین کے معاملے کو اللہ کے سپرد کردیں وہ ان سے بدلہ لے گا۔
(۹) کچھ دن مہلت دیں۔ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کا انجام اور ان کو ان کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورۃ المدّثر (مکیۃ)

انسانی زندگی کو بین الاقوامی معیار پر بلند کرنے کے لیے انسانوں کے اندر چار اخلاق کا پیدا ہونا ضروری ہے:۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾

اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔(۳)

اخبات: اللہ کی طرف جھکنا۔ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔(۴)

طہارت: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾

اور ناپاکی سے دُور رہو۔(۴)

سماحت: ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾

اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔(۶)

عدالت: ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ص وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ لا وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ

Scanned by CamScanner

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کیا ہے (اور) اس لئے کہ اہلِ کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہلِ کتاب اور مومن شک نہ لائیں اور اس لئے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں) کہیں کہ اس مثال (کے بیان کرنے) سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو بنی آدم کے لیے نصیحت ہے۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ مادی و معنوی لشکر مراد ہیں۔ مادی (ہتھیاروں) معنوی، ایک عظیم لشکر کو ایک کیڑے کے ذریعے ہلاک کردے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔ (۳۸)

ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔ اس کا عمل ہی اسے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ۴۳۔ اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ ۴۴۔ اور اہلِ باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے۔ ۴۵۔ اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔ (۴۶)

مذکورہ چار آیات میں جہنم میں لیجانے والے چار بڑے اعمال بیان کیے گئے ہیں:

(۱) نماز نہیں ادا کرتے تھے۔ حقوق اللہ

(۲) مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ حقوق العباد

(۳) فضول بحث کرنے والوں کے ساتھ فضول بحث کرتے تھے۔

(۴) آخرت کے منکر تھے۔

جہنمی اپنے جرائم میں سب سے پہلے ''ترک صلوٰۃ'' کو گنوائیں گے اس وقت انھیں معلوم ہوگا کہ سب سے بڑی غلطی ترک صلوٰۃ تھی۔ اگر وہ نماز کا اہتمام و التزام کرتے تو صلوٰۃ انہیں دیگر برائیوں سے روک دیتی۔

Scanned by CamScanner

جنتی جنت میں رہتے ہوئے مجرمین سے جو دوزخ میں ہوں گے کلام کریں گے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں یہ بات انسانوں کے لئے تعجب خیز ہوسکتی تھی لیکن ٹیلیفون، وائرلیس اور موبائل کی ایجاد سے قرآن کے بیان کی صداقت اور زیادہ روشن ہوگئی۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔(۴۸)

کافرومشرک ہونے کی وجہ سے انھیں کسی کی شفاعت فائدہ نہ پہونچائے گی۔

نکاتِ سورۂ مدثر:

ولید ابن مغیرہ نے اپنے گھر میں یا دارالندوہ میں ایک مجلس قائم کی اور کہا اے قریشیو! موسم حج آ گیا ہے۔ عرب کے ہر کونے سے حج کی غرض سے لوگ آئیں گے اور ظاہر ہے کہ تمہارے اس نبی کے بارے میں وہ لوگ سن چکے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کریں گے۔ وہ گھروں کو لوٹیں گے تو آپ کی دعوت مکہ سے نکل کر پورے عرب میں پھیل جائے گی۔ اس کو کیسے روکا جائے؟ اس لئے اس مجلس میں ایک بات طے کرلو اور سب وہی بات کہو۔ سبھوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ کسی نے کہا کاہن کہیں گے، ولید نے رد کیا کہ محمد کی باتیں کاہنوں کی باتوں کی طرح چیستاں (پہیلی) نہیں ہیں، کسی نے کہا شاعر کہیں۔ اس کا بھی رد کیا۔ کسی نے کہا پاگل کہیں گے۔ اس کا بھی رد کیا۔ سبھی لوگوں نے زچ ہوکر کہا کہ تب کیا کہیں؟ کہا اگر کہنا ہی ضروری ہے تو جادوگر کہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ مدثر کا مطلب ہے دثار پہننے والا۔ "الدِّثَارُ الثوب الذی یلبس فوق الثوب الذی یلبس مباشرا للجسد الذی یسمی شعارا وفی الحدیث الانصار شعار والناس دثار"۔ دثار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اس کپڑے کے اوپر پہنا جاتا ہے جو بدن سے متصل ہوتا ہے۔ جسے شعار کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ انصار شعار ہیں اور دوسرے لوگ دثار ہیں۔

نبی کو سات (۷) چیزوں کا حکم دیا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾

(۱) ﴿قُمْ﴾ عزم وحوصلہ کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ۔ مستعد ہوجاؤ، معلوم ہوا کہ داعی کو تبلیغ دین کے بارے میں کبھی سست نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیشہ چست اور سرگرم رہنا چاہئے۔ اور داعی کے دل میں دعوت کی محبت ہو۔

(۲) ﴿فَاَنْذِرْ﴾ "الانذار معناہ الاعلام المراد بہ التخویف" ایسی خبر جس سے ڈرانا مقصود ہو "انذار" کہلاتی ہے۔ انذار منصب نبوت کا مقتضی ہے۔ یہاں صرف انذار کا حکم دیا۔ تبشیر (بشارت دینا) اس وجہ سے نہیں فرمایا کیونکہ یہ آیت ابتداء نبوت کی ہے۔ اس وقت باستثناء چند کوئی مسلمان نہ تھا تو انذار ہی انسب (زیادہ مناسب) تھا۔

Scanned by CamScanner

(۳) ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ "صف ربک بصفات التعظیم" اس میں تمام نقائص سے تنزیہ (پاک کرنا) شامل ہے۔ اس میں توحید الوہیت اور اولاد سے اللہ کی پاکی کا بیان ہے اور اس کی کبریائی کا بھی بیان ہے کہ وہ سب سے بڑا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ اکبر کو نماز کے افتتاح کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داعی اعلیٰ صفات کا حامل ہو۔

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ "عظم ولا تشرک بہ"۔ اس کی تعظیم کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔

(۴) ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ تطہیر الثیاب۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا اور قلب کا لباس پاک ہو۔ طہارت ظاہر، طہارت باطن کا اتمام ہے۔

(۵) ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ "وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ مَعْنَاهُ: اتْرُكِ الْمَآثِمَ" (تفسیر بغوی) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گناہ کو چھوڑ دو۔ "وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: اترك المآثم، وقيل الشّرك والمعنى اترك كل ما أوجب لك العذاب من الأعمال والأقوال" (تفسیر خازن) ایسے تمام اعمال واقوال کو چھوڑ دو جو موجب عذاب ہیں۔

(۶) ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ "ان لا یمن علی اصحابک"۔ دعوت دین کا احسان لوگوں پر مت رکھئے۔ کسی کو مال دنیوی کے بدلے، یا کسی لالچ میں مت دو بلکہ محض اللہ کے لئے دیجئے۔

(۷) ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ "صبر"۔ مخالفین کے دل آزار رویوں پر صبر کیجئے۔ اور انذار کی راہ میں جو تکلیف و ایذا پیش آئے اس پر صبر کیجئے۔

﴿فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ﴾

"نقر" کا معنی ہے کسی چیز کو اتنا کھٹکھٹانا کہ آخر اس میں سوراخ ہو جائے۔ پرندے کی چونچ کو منقار اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔ اسی سے "نَقْرَةُ الْغُرَابِ" ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح چونچ مارنے سے منع کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ شِبْلٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: "نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ، وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ، وَأَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ ۸۶۲ حسن)

اس انذار (ڈرانا) کے بعد جو ایمان نہ لائے اس کے لئے وعید ہے کہ ایک دن صور پھونکا جائے گا وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا۔ ذرا آسانی نہ ہوگی۔ یہ عام کفار کا بیان تھا۔ اس کے بعد خاص کفار کا بیان ہے۔

﴿فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ. عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ کافی تھا۔ "غیر یسیر" اس لئے لایا گیا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ ایسا عسر (سختی) ہوگا کہ دنیا کی طرح اس کی تیسیر (آسانی) کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کافرین کے لئے وعید کی زیادتی ہے اور مومنوں کے لئے ایک قسم کی خوشخبری ہے کہ ان کے ساتھ سہولت ہی سہولت ہوگی۔ اور یوم آخر کو

Scanned by CamScanner

یاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ وہ بہت سخت ہے۔

﴿ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا﴾۔ ''الوحید، المنفرد عن غیرہ فی مکان او حال''۔ مقام و مرتبے میں سب سے الگ اور کئی خصوصیات کی بناء پر اسے وحید کہا جاتا تھا۔ مکہ میں اسے ریحانۃ قریش کہا جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جس کے پاس چار چیزیں ہوں وہ یکتا (غیر معمولی) ہوتا ہے۔

(۱) قوتِ مال (Money power) اس کو ﴿وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا﴾ (۱۲) سے ظاہر کیا۔

(۲) قوتِ اولاد (Man power) اس کو ﴿وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا﴾ (۱۳) سے ظاہر کیا۔

(۳) قوتِ فکر (Thinking power) اس کو ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ (۱۸) سے ظاہر کیا۔

(۴) قوتِ فیصلہ (Judging power) اس کو ﴿وَقَدَّرَ﴾ (۱۸) سے ظاہر کیا۔

اور یہ چاروں چیزیں ولید ابن مغیرہ میں موجود تھیں۔

﴿وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا﴾ اس کا مال بڑھتا ہی رہتا تھا۔

﴿وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا﴾ ولید کے دس بیٹے تھے جن میں تین ایمان لائے۔ (۱) خالد (۲) ہشام (۳) عمارہ۔ اور سارے بیٹے حاضر باش اور فرمانبردار تھے۔ کوئی نافرمان نہ تھا۔ بوجہ فراغتِ معاش کے اس کو اور اس کے بیٹوں کو تلاش معاش کے لئے کہیں باہر نہیں جانا پڑتا تھا۔ اہل عرب میں بیٹوں کی بڑی اہمیت تھی۔

(۱) باعث فخر (۲) باعث رعب۔ قبیلہ کا دفاع کرنے والے۔

﴿وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا﴾ اسے ایسی صلاحیتیں اور ایسے اسباب دنیاوی عطا کئے جس کی وجہ سے اسے سرداری کا مقام حاصل ہوا۔ اور اس کے لئے ترقی کے تمام وسائل آسان کر دیئے۔ اور مال و اولاد کے علاوہ لمبی عمر عطا کی۔

﴿ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ﴾ شکر گزاری کے بجائے نعمت میں اضافے کی امید ولید بن مغیرہ کا کردار ہے۔

﴿ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ﴾ اس کو نعمت وافرہ (کافی نعمت) دیئے جانے پر باوجودیکہ وہ شکر کرتا کہ ایمان لے آتا۔ نعمت کی ناشکری و بے قدری کی کہ اسے قلیل (تھوڑا، معمولی) سمجھ کر اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ مرنے کے بعد میں اسے دوزخ کے ایک پہاڑ ''صعود'' پر چڑھاؤں گا۔

﴿كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا﴾ میں جرم کا ذکر ہے۔ فرد جرم سنائی گئی۔

﴿عَنِیْدًا﴾ عند یعند (ض) سے ہے۔ ''اذا نازع و جادل الحق البین''۔ کھلے ہوئے حق کی مخالفت کرے۔

﴿سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا﴾ میں سزا کا اجمالاً ذکر فرمایا۔ صعود جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے۔

﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ﴾ نبی پر نکتہ چینی کے لئے سوچا۔

﴿وَقَدَّرَ﴾ اندازہ لگایا کہ وہ نبی کے متعلق کیا کہے۔

﴿فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ﴾ غارت ہو کیسا اندازہ لگایا۔ یہ اظہار تعجب یا استہزاء ہے۔ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ کی تکرار غایت

Scanned by CamScanner

ذم (انتہائی مذمت) کے لیے ہے کہ کیسی بے جوڑ اور مہمل بات تجویز کی۔

﴿ ثُمَّ نَظَرَ ﴾ "تامل فیما ھیأ من الطعن" جو اعتراض تیار کیا تھا اس میں غور کیا۔

﴿ ثُمَّ نَظَرَ ﴾ پھر حاضرین کے چہروں کو دیکھا۔ کہ ان کی رائیں معلوم کرے کہ قرآن کو کیا کہا جائے؟

﴿ ثُمَّ عَبَسَ ﴾ جب نکتہ چینی کی کوئی چیز نہ ملی تو پیشانی پر بل ڈال لئے یا تیوری چڑھالی۔

﴿ وَبَسَرَ ﴾ اپنے دماغ پر بہت زیادہ زور ڈالنے کے بعد بھی جب اسے کوئی ایسا اعتراض نہیں ملا جسے عقل رد نہ کر سکے تو اس نے منہ بگاڑ لیا۔ یا اس نے منہ اس وجہ سے بنایا تا کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ اسے قرآن سے کتنی کراہت اور انقباض ہے۔

﴿ ثُمَّ اَدْبَرَ ﴾ پھر منہ پھیرا جیسا کہ عادت ہے کہ کسی چیز کو قابل اعتناء نہیں سمجھتے تو اس کا تذکرہ کرتے ہوئے گردن پھیر لیتے ہیں۔

﴿ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ ﴾ اور بڑا بن کر کہنے لگا۔

﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴾ (پھر بولا یہ تو محض ایک جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے) اگر کچھ کہنا ضروری ہے تو جادوگر کہہ دو کیونکہ یہ ایسی تعلیم لایا ہے جس میں جادو کا سا اثر ہے۔ یہ مشورہ کر کے مجلس برخواست ہوگئی اور یہ سب مکہ میں داخل ہونے والوں کے راستوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔

﴿ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴾ (۲۶)

﴿ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴾ (۲۸)

سقر کسی کو زندہ نہیں چھوڑتی اور نہ اس کے اندر کوئی مردہ چیز رہتی ہے۔ جب دوزخی جل جائے گا تو از سر نو بدنی ڈھانچہ درست ہو جائے گا۔

ضحاک رحمہ اللہ نے کہا: کہ ہر چیز کی تیزی ایک حد پر پہونچ کر سست ہو جاتی ہے مگر سقر کی تیزی دھیمی نہ پڑے گی۔

﴿ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴾ کھال کو بگاڑ دے گی۔

﴿ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ سقر پر اُنیس فرشتے مسلط ہیں۔

اُنیس کی عدد ذکر کرنے کی حکمت:

حقیقتاً اللہ کو معلوم ہے مگر بعض مفسرین نے جو وجہیں ذکر کی ہیں ان میں سب سے اقرب یہ ہے کہ اصل عذاب کی وجہ عقائد حقہ کی مخالفت ہے۔

عقائد قطعیہ نو (۹) ہیں:

(۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالملائکہ (۳) ایمان بالکتب (۴) ایمان بالرسل (۵) ایمان بالتقدیر (۶) ایمان بالیوم لآخر (۷) جنت کا یقین (۸) جہنم کا یقین (۹) عالم کے فانی ہونے کا یقین۔

Scanned by CamScanner

عقائد قطعیہ جو عمل سے متعلق ہیں وہ دس ہیں۔

ان میں پانچ مامورات میں سے ہیں۔

(۱)شھادتین کا اقرار۔(۲)اقامۃ صلوۃ (۳)ایتاء زکوۃ (۴)صوم رمضان (۵) حج بیت اللہ۔

پانچ منہیات سے متعلق ہیں:

(۱) سرقہ، چوری (۲) زنا (۳)قتل اولاد (۴) بہتان (۵) عصیان فی المعروف۔شاید ان میں سے ہر ایک کے مقابلے میں ایک فرشتہ مقرر رہوا اور چونکہ ان میں سب سے بڑا عقیدہ، عقیدۂ توحید ہے لہٰذا ان اُنّیس فرشتوں میں سب سے بڑا فرشتہ "مالک" مقرر ہوا۔ (واللہ اعلم باسرارہ) بڑے نگراں فرشتے تو اُنّیس ہیں مگران کے اعوان و انصار بہت زیادہ ہیں جیسا کہ حدیث مسلم ہے کہ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا" (مسلم کتاب الجنۃ:۲۸۴۲)

اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی۔اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً﴾ ہم نے جہنم کے دربان صرف فرشتے مقرر کئے ہیں کوئی اور مخلوق نہیں۔

﴿لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾

مومن پر فوری تصدیق و انقیاد لازم ہے اگر چہ اسے کسی حکم کی علت یا سِرّ یا مقصد معلوم نہ ہو کیونکہ یہ خبر اللہ کی طرف سے ہے۔

﴿وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ تمام مسائل دین میں یقین ضروری ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جہنم کے نگراں فرشتوں کی قلت تعداد کو ہم نے فتنہ یعنی گمراہی کا سبب بنا دیا۔انھوں نے مذاق اُڑایا۔اس تعداد کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اہل کتاب نبی کی نبوت اور قرآن کی صداقت کا یقین کرلیں کیونکہ فرشتوں کی اس تعداد کی صراحت تورات وانجیل میں کی گئی ہے۔اور ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہو جائے کہ اہل کتاب اس کی تصدیق کریں گے اور اس تصدیق سے مومنوں کے وثوق میں مزید زیادتی ہوگی۔

﴿وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اہل کتاب اور مومنین فرشتوں کی اس تعداد کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہوں۔

﴿وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ﴾ منافقین اور کافرین نے اسے بعید از عقل قرار دیا۔

﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ جہنم کے دربان تو اُنیس ہیں مگر ان کے معاون کتنے ہیں؟ ان کی تعداد اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔

﴿وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾ اس سے مقصود انسان کے لئے نصیحت ہے۔

﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ﴾ پہلے چاند کا بڑھنا پھر گھٹنا نمونہ ہے۔ اس عالم کے رونق پھر فنا کا۔

﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ اس عالم کا ختم ہو جانا رات گذرنے کے مشابہ ہے۔ اور عالم آخرت کا ظہور اسفار صبح کے مشابہ ہے۔

﴿اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ﴾ سقر بڑی بلاؤں میں سے ایک بلا ہے۔

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ﴾ دونوں فریق کے لئے نذیر ہے۔ ایک وہ جو نیکیوں میں آگے بڑھنا چاہتا ہے اور دوسرا وہ فریق جو گناہ میں پڑا رہنا چاہتا ہے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے جہنم میں داخل ہوگا۔ یعنی ہر شخص کو ان کے اعمال کے بدلے گروی رکھ لیا جائے گا مگر مومنوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اللہ ان پر رحم کرے گا، ان کی نیکیوں کو قبول کرے گا اور ان کی خطاؤں سے درگذر کرے گا۔

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ﴾ (سوال کریں گے) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی) سقر میں دو چیزیں ہیں تعذیب، اور زیادت تعذیب۔ کفر و تکذیب، تعذیب (عذاب) کا سبب ہیں۔ اور ترک صلوۃ وغیرہ زیادت تعذیب کا سبب ہیں۔ یعنی عقائد پر تعذیب اور اعمال پر زیادت تعذیب۔

﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ﴾ وعظ و نصیحت کی محفلوں سے کنی نہیں کاٹنی چاہئے۔

﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ (۱) گدھا بلادت وحماقت میں مشہور ہے (۲) اس کو وحشی کہا کہ طبعاً وہ بعض نہ ڈرنے والی چیزوں سے بھی بدکتا ہے۔ (۳) شیر سے اس کا ڈرنا فرض کیا کہ اس صورت میں اس کا بھاگنا انتہائی درجے کا ہوگا۔

❀❀❀

سورة القيمة (مكية)

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾

اور قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو ملامت کرنے والا ہو۔

Scanned by CamScanner

نفس کی تین حالتیں ہیں:

(۱)نفس مطمئنہ (۲)نفس امارہ (۳)نفس لوامہ۔

(۱)سب سے اچھا نفس، نفس مطمئنہ ہے۔

(۲)سب سے برا نفس، نفس امارہ ہے۔

(۳)ان دونوں کے درمیان نفس لوّامہ ہے۔

جب انسان کسی برائی کا ارتکاب کرنے لگتا ہے تو اس کا نفس اسے ملامت کرتا ہے اور اسے ٹوکتا ہے۔ اگر روز جزاء میں جزاوسزا کا معاملہ پیش نہ آنے والا ہوتا تو برائی کے ارتکاب پر اس کا ضمیر اسے ملامت نہ کرتا۔ گویا انسان کا دل ایک عدالت ہے اور نفس لوامہ اس میں بیٹھا ہوا ایک جج ہے۔ جو برائیوں پر اسے ٹوکتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی عدالت کسی بڑی عدالت کی دلیل نہیں؟

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿١٥﴾

کتنے ہی بہانے پیش کرے۔(۱۵)

﴿وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ اگرچہ اپنی بے گناہی پر حیلے بہانے پیش کرے۔ "معاذیر، معذار" کی جمع ہے۔ پردے کو معذار کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کو چھپانے کے لئے پردے چھوڑ کر دروازے بند کر کے کام کرے۔ پھر بھی سودمند نہ ہوگا۔ اس کا نفس خود اس کے خلاف شہادت دے گا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔(۱۶)

ہم قرآن کو سینوں میں بھی جمع کر دیں گے۔ اور سفینوں میں بھی۔ اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب یہی ہے۔ اور بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔ کیونکہ اگر کتاب کو جمع نہ کیا جائے تو اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کتاب کو لوگ نہ سمجھیں تو بھی اس کے ضائع ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾

اور لوگ کہنے لگیں (اس وقت) کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔

تیل اور پانی پر دَم کرنے سے علماء نے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث موجود نہیں۔ نہ صحابہ نے ایسا کیا۔ نیز پانی اور تیل پر دَم کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا قرآن اثر میں پانی اور تیل کا محتاج ہے۔ ایک حدیث کے پیش نظر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رقیہ پر اجرت لینا اُس وقت جائز ہے جب مریض کو شفا حاصل ہو جائے ورنہ اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ ایسا ہی عرب کے مشہور عالم شیخ ھادی مدخلی نے کہا ہے۔

Scanned by CamScanner

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِینَ لَا یَسْتَرْقُونَ، وَلَا یَتَطَیَّرُونَ، وَعَلَی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُونَ"

(بخاری، کتاب الرقاق: ۶۴۷۲)

حدیث میں ﴿لَا یَسْتَرْقُونَ﴾ کا مطلب:

(۱) لٹکانے والی تعویذ سے رقیہ نہیں کروائیں گے۔

(۲) تیل اور پانی پر دَم کرا کر استعمال نہیں کریں گے۔

(۳) بیمار ہونے سے پہلے رقیہ نہیں کریں گے۔

(۴) مایوسی کے وقت رقیہ نہیں کرائیں گے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾

اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے۔(۲۹)

اور پنڈلی سے پنڈلی مل جائے گی۔ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک ساق سے مراد دنیا اور دوسری ساق سے مراد آخرت ہے۔دنیا کا آخری دن ہوگا اور آخرت کا پہلا دن ہوگا۔

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿۳۳﴾

پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔(۳۳)

(پھر اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا) ﴿یَتَمَطّٰی﴾ کا ہلی سے انگڑائیاں لیتا ہے۔اس میں سبق ہے کہ حق کی دعوت سے کبھی بیزار نہیں ہونا چاہئے۔

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿۳۴﴾

افسوس ہے تجھ پر پھر افسوس ہے۔(۳۴)

خرابی تیری! خرابی پر خرابی تیری۔یہ کلمہ ڈرانے کے لئے آتا ہے یعنی "قَارَبَکَ الشَّرُ فَاحْذَرْ" تیری تباہی کا وقت قریب ہے اس لیے بچ کر رہ۔اس صورت میں ﴿اولیٰ﴾ "ولی یلی" سے مشتق ہوگا۔دوسرا معنی ہے تیری تباہی ہو یا تیری تباہی ہوگی۔اس تقدیر پر ﴿اولیٰ﴾ اصل میں ﴿اویل﴾ تھا اور ﴿اویل﴾ ویل سے اسم تفضیل بروزن افعل ہے یعنی بڑی تباہی ہو تیرے لئے۔یا ﴿اولیٰ﴾ ماضی کا صیغہ ہے یعنی "اولاك الله ما تكره" اللہ تجھے جو چیز دے گا وہ ناگوار ہوگی۔دنیا میں تیری سزا ہوگی، مرتے وقت سزا ہوگی، قبر میں سزا ہوگی، آخرت میں سزا ہوگی، جہنم میں سزا ہوگی۔(تفسیر مظہری)

Scanned by CamScanner

سورۃ الدھر (مکیۃ)

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی۔(۱)

بیشک انسان پر ایک ایسا وقت آ چکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔

رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ هَذِهِ الْآيَةَ: لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَذْكُوراً فَقَالَ عُمَرُ: لَيْتَهَا تَمَّتْ يُرِيدُ لَيْتَهُ بَقِيَ عَلَى مَا كَانَ (تفسیر البغوی)

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ آیت پڑھتے سنا تو کہا ﴿لَيْتَهَا تَمَّتْ﴾ یعنی کاش کہ یہ چیز پوری ہو گئی ہوتی۔کاش کہ میں شئ مذکور نہ ہوتا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ②

ہم نے انسان کو نطفۂ مخلوط سے پیدا کیا تا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔(۲)

ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔﴿اَمْشَاجٍ﴾ "مشیج" کی جمع ہے اور "مشج الشیئ" (چیز کو مخلوط کر دیا) سے ماخوذ ہے چونکہ نطفہ میں مرد اور عورت کا پانی مخلوط ہوتا ہے۔قتادہ نے کہا: ﴿اَمْشَاجٍ﴾ کا مطلب "اطوار" ہے یعنی مختلف طور والا نطفہ کیونکہ نطفہ، علقہ بنتا ہے اور پھر مضغۃ وغیرہ۔بعض مفسرین نے کہا کہ ﴿اَمْشَاجٍ﴾ مفرد ہے اس کا معنی مخلوط ہے یعنی عورت اور مرد کے پانیوں کا مخلوط مجموعہ۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③

(اور) اسے رستہ بھی دکھا دیا (اب) خواہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا۔(۳)

﴿شَاكِرًا﴾ اور ﴿كَفُوْرًا﴾ لایا۔دونوں کے لئے مبالغہ کا صیغہ یعنی کفوراً کے ساتھ شکوراً کیوں نہیں لایا گیا؟ اس لیے کہ اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔اس لیے اس سے مبالغے کی نفی کر دی گئی اور ناشکری کے لیے نہیں کی گئی۔

آیت کا مطلب ہے کہ ہم نے دونوں راستے بتا دیئے، ایک شکر کا اور ایک کفر کا۔ انسان ﴿ کفور ﴾ تو آسانی سے بن جاتا ہے لیکن شکر ادا کر کے بھی شاکر تو بن جاتا ہے مشکور نہیں بن پاتا۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶

یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس میں سے (چھوٹی چھوٹی) نہریں نکال لیں گے۔ (۶)

﴿ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴾ جنت میں اس چشمہ کی شاخ کو اپنے مکانوں اور محلات میں جہاں چاہیں گے آسانی سے بہا کر لے جائیں گے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷

یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہوگی خوف رکھتے ہیں۔ (۷)

﴿ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ ﴾ وہ لوگ نذر کو پوری کرتے ہیں۔ نذر کے انعقاد کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں:

(۱) نذر معصیت نہ ہو۔

(۲) پہلے سے اللہ کی طرف سے واجب کردہ نہ ہو۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰

ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں کو) کریہہ المنظر اور (دلوں کو) سخت (مضطر کر دینے والا) ہے۔ (۱۰)

﴿ قَمْطَرِيْرًا ﴾ "قمطریر" کے معنی شدید کے ہیں۔ یہ "اقمطر" (شدید ہوگیا) سے ماخوذ ہے۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝۱۳

ان میں وہ تختوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔ (۱۳)

﴿ شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴾

"عن مجاهد، قال: الزمهرير: البرد المفظع" (طبری) مجاہد کہتے ہیں کہ "زمہریر" خوفناک سردی کو کہتے ہیں۔ اور جنت میں نہ دھوپ کی شدت ہوگی نہ سردی کی۔ یوں کہا جا سکتا ہے جنت پوری ایئر کنڈیشنڈ ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝۱۴

Scanned by CamScanner

ان سے (ثمر دار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ (۱۴)

﴿وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا﴾ لیٹے رہیں یا بیٹھے رہیں۔ پھل خود لٹک کر ان کے پاس آجائے گا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۟﴿۱۵﴾

(خدام) چاندی کے برتن لئے ہوئے ان کے اردگرد پھریں گے اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس۔ (۱۵)

آئینہ بنانے کے لئے شیشے پر چاندی کی پالش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شفاف (Transparent) گلاس کی خصوصیات کو بہتر بنانے کے لئے بعض دھاتیں ملائی جاتی ہیں۔ غالباً وہ ساغر ایسے شیشے کے بنے ہوں گے جن میں چاندی کی آمیزش ہوگی۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾

اور ان کے پاس لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ (ایک ہی حالت پر) رہیں گے جب تم ان پر نگاہ ڈالو تو خیال کرو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ (۱۹)

یہ خادموں کا حال ہے کہ بکھرے ہوئے موتی کی طرح ہوں گے۔ تو تصور کیجئے کہ مخدومین کا حال کیا ہوگا؟

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾

اور بہشت میں (جہاں) آنکھ اٹھاؤ گے کثرت سے نعمت اور عظیم (الشان) سلطنت دیکھو گے۔ (۲۰)

﴿مُلْكًا كَبِيْرًا﴾ لازوال حکومت۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی۔

﴿سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ پسندیدہ کوشش، لائق ستائش کوشش، قابل ثواب کوشش۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۳۰)

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

Scanned by CamScanner

سوال: جب کسی شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا سعید و شقی ہونا سب کچھ پہلے سے فیصل شدہ ہے تو جو طے ہو چکا ہے وہی واقع ہو کر رہے گا تو پھر عمل کرنے سے فائدہ؟

جواب: تقدیر میں جہاں یہ لکھا ہے کہ فلاں شخص جنتی یا جہنمی یا سعید و شقی ہوگا وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شخص اپنے ارادہ واختیار سے فلاں فلاں عمل کر کے اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ تقدیر میں صرف نتائج و مسببات ہی نہیں ان کے اسباب و ذرائع اور مبادی بھی پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال بالکل بے موقع ہے۔

سوال: قاسمی صاحب! شاید آپ کی توجہ قرآن کی اس آیت پر نہیں ہوئی جس میں اللہ فرماتا ہے ﴿وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا ان يَشَاءَ اللّٰهُ﴾ جب انسانوں کی خواہش اللہ کی خواہش کے ماتحت ہے تو پھر انسان مجرم کیسے ہوا؟

جواب: ''مشیت'' کے معنی قانون قدرت کے ہیں اور وہ دنیا کی ہر حرکت و سکون میں جاری و ساری ہے مثلاً تلوار کے لئے قانون قدرت یہ ہے کہ جو اس کے سامنے آئے اسے کاٹ دے۔ چاہے وہ مومن کا گلا ہو یا کافر کا۔ انسانی مشیت بھی اسی کے ماتحت ہے۔ کوئی کام انسان نہیں چاہ سکتا جب تک وہ اس مخفی قانون قدرت کے تحت آ کر اس کا مقدور نہ بن سکے مثلاً بھوکا آدمی کھانے کی طرف خواہش کرتا ہے چاہے چوری سے ہو، اس کو حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن مکمل سیر ہو چکا ہو تو انسان کھانے کی رغبت نہیں کرتا چاہے لذیذ سے لذیذ کھانا اس کے سامنے ہو کیونکہ اس کے لئے قانون قدرت یہی ہے کہ وہ چاہے اور اس کے لیے ہے کہ نہ چاہے۔

پس آیت مذکورہ کے معنی یہ ہوئے کہ جس قانون قدرت کے ساتھ ایمان لانا وابستہ کیا گیا ہے جب تک انسانی ارادہ اس کے مطابق نہ ہو وہ ایمان نہیں لا سکتا مثلاً تدبر، تفکر، بے تعصبی وغیرہ چنانچہ اسی باریک راز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن میں ﴿أَفَلَا يَعْقِلُون﴾ اور ﴿أَفَلَا يَتَفَكَّرُون﴾ کا ذکر آیا ہے۔

❀❀❀

سورۃ المرسلات (مكية)

قسم کو طویل کرنا (کئی چیزوں کی قسم کھانا) درحقیقت مقسم علیہ (جس پر کھائی گئی) پر سامع کی توجہ کو مبذول کرانا مقصود ہوتا ہے۔ مجاہد و قتادہ نے کہا کہ ان تمام سے ہوائیں مراد ہیں۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١

ہواؤں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں۔(۱)

عرف، "عرف الفرس" (گھوڑا مسلسل دوڑا) سے ماخوذ ہے۔

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲

پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں۔(۲)

بڑی تیزی سے چلتی ہیں۔

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳

اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں۔(۳)

بادلوں کو فضا میں پھیلاتی ہیں۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴

پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔(۴)

بارش کے بعد ابر کو بکھیر دیتی ہیں۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵

پھر فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں۔(۵)

دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کر دیتی ہیں۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶

کہ عذر (دفع) کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے۔(۶)

اتمامِ حجت کے طور پر یا ڈراوے کے طور پر۔

"عُذْرًا" ذکراً سے بدل اشتمال ہے۔ "فالعذر الاعلام بقبول ایمان المومنین بعد الکفر و توبۃ التائبین بعد الذنب" کفر کے بعد ایمان لانے والوں کے ایمان کی قبولیت اور گناہ کرنے کے بعد توبہ کرنے والوں کی توبہ کی خبر دینے کو عذر سے تعبیر کیا گیا۔

﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ وحی کفار کے لئے حجت اور مومنین کے لئے انذار ہے۔

شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ وحی سے کافروں کا الزام اتارنا منظور ہے کہ وہ سزا کے وقت یہ نہ کہیں کہ ہم کو خبر نہ تھی اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈرانا تا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو کلام الٰہی امر و نہی اور عقائد و احکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے واسطے ہے تا کہ

Scanned by CamScanner

اعمال کے باز پرس کے وقت اس شخص کے لئے عذر ہو کہ میں نے فلاں کام حق تعالیٰ کے حکم کے بموجب کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے ترک کیا۔ اور وہ کلام الٰہی جو قصص واخبار وغیرہ پر مشتمل ہے وہ عموماً منکرین کو ڈرانے اور خوف دلانے کے لئے ہے۔

اس سورہ میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر کہا گیا کہ تم سے جو وعدہ کیا جا رہا ہے کہ آخرت میں نیک لوگوں کو اچھا بدلہ اور برے لوگوں کو عذاب دیا جائے گا۔ وہ "واقع" یعنی ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ "واقع۔ الثابت الواقع الساقط علی الارض فاستعیر للشیی المحقق تشبیھا بالمستقر" واقع کا مطلب "ثابت" ہے۔ دراصل "واقع" زمین پر گرنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ پھر اسے ثابت شدہ چیز کے لئے استعارہ کیا گیا ہے۔ اور ٹھہری ہوئی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾

کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ (۲۰)

یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہے کہ رحم مادر کے اندر انسان بنتا ہے۔ اور ایک وقت معلوم کے بعد عورت کے بدن پر زلزلے کے بعد بچہ باہر آ جاتا ہے۔ ایسے ہی قیامت کے دن مردے زمین کے پیٹ سے زلزلے کے بعد نکل پڑیں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ (۲۴)

﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ انسان کے اندر اللہ نے تین قوتیں رکھی ہیں۔

انسان کے اندر رکھی گئی تین صورتیں:

(اول) قوت نظریہ: اسی پر صحیح اعتقادات کا مدار ہے۔

(دوم) قوت شہویہ: اس کی خرابی، افراط وتفریط ہے۔ افراط کے باعث جانور بن جاتا ہے اور تفریط کی وجہ سے حلال کو حرام کر لیتا ہے۔

(سوم) قوت غضبیہ: اس میں افراط، انسان کو درندہ بنا دیتی ہے اور تفریط، غیرت وحمیت کا وصف ختم کر دیتی ہے۔ ان تینوں قوتوں کی خرابی سے دس خرابیوں میں مشرکین مبتلا تھے لہٰذا دس مرتبہ ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ لایا گیا۔

﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ کی تکرار اس وجہ سے ہے کیونکہ جھٹلانے والے مختلف ہیں تو عذابات بھی مختلف ہیں۔ یعنی ایک شخص ایک چیز کو جھٹلا رہا ہے دوسرا دوسری چیز کو جھٹلا رہا ہے۔

﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ کے تکرار کی حکمتیں:

﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ کی دس مرتبہ تکرار کی حکمت:

(۱) اچانک اور بے خبر پکڑے جانے پر حسرت ومایوسی۔

(۲) کسی طویل انتظار کے بغیر ، دنیوی ہلاکت کے ساتھ ہی اخروی عذاب ﴿أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ﴾ ﴿ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ﴾

(۳) اس دن ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔اس عاجزانہ حالت پر تیسرا ﴿وَيْلٌ﴾ ہے۔

(۴) روح، کثیف مادی جسم سے الگ ہوتے ہی سجّین میں داخل کر دی جاتی ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ (۲۵)

مادہ زندہ شکل میں ہو یا مردہ شکل میں ہو، زمین اس کو سمیٹنے والی ہے۔زندوں کو اپنے اوپر اور مُردوں کو اپنے اندر سمیٹنے والی ہے۔انسان مرنے کے بعد دفن کر دیا جائے یا اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے یا وہ کسی جانور کی خوراک بن جائے ، بہرصورت وہ زمین کی گرفت سے نہیں نکلتا۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾

(یعنی) اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔(۳۰)

(۵) ﴿اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ﴾ امراء اپنے سہ شاخہ خیموں اور شان دار محلوں پر فخر کرتے ہیں اور خوبصورت زرد اونٹوں کی قطاروں پر نازاں ہیں۔ بعد مرگ انہیں سہ شاخہ (تین شاخوں والا) سایہ ملتا ہے جو آگ کا جاذب ہے اور اس سے محل جیسے بڑے بڑے شعلے نکلتے ہیں گویا کہ زرد اونٹوں کی قطاریں ہیں۔

(۶) گرفت کے وقت دہشت کے سبب گویائی سلب ہو جاتی ہے۔عذر اور بہانے کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

(۷) اگلے وقتوں کے لوگ آخرت میں پہونچ چکے ہیں۔ بعد والے (قریش وغیرہ) بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے، پچھلوں سے کہا جاتا ہے کہ اگلوں کی مدد سے کوئی داؤ کر سکتے ہو تو کر لو، وہ کچھ نہیں کر سکیں گے،لہٰذا ویل ہے جھٹلانے والوں کے لیے۔

(۸) مکذبین۔ متقین اور محسنین کا مذاق اڑاتے تھے کہ ان حقیر لوگوں پر اللہ کبھی رحمت نہیں کرے گا۔آخرت میں جب خود عذاب میں گرفتار ہوں گے اور اہل ایمان واحسان کو جنت کی نعمتوں میں دیکھیں گے تو سخت شرمندہ ہوں گے۔

(۹) ﴿كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ﴾ کچھ وقت کھا لو، اور مزے اڑا لو۔ حقیقت میں تم لوگ مجرم ہو۔ لہٰذا یہ بھی مکذبین کے لئے ویل ہے۔

(۱۰) آخری دسویں اور اصل ویل یہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور جھکنا اور فرمانبردار ہونا نہیں چاہتے۔ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ﴾

❀❀❀

Scanned by CamScanner

پارہ نمبر

۳۰

سورۃ النبا

(آیت:۱)

تا

سورۃ الناس

(آیت:٦)

مُجمّع بلقیس للبحوث الإسلامیة
حیدرآباد، الهند

Scanned by CamScanner

تیسواں پارہ

سورۃ النبأ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢

یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں؟(۱)۔(کیا) بڑی خبر کی نسبت؟(۲)

﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾

نبا اور خبر لیے میں فرق: خبر، اہم اور غیر اہم دونوں ہوتی ہے، مگر نباء، صرف اہم خبر کو کہتے ہیں، دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧

اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں (نہیں ٹھہرایا)؟ (بیشک بنایا)(۷)

﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾

زمین پر پہاڑ ایسے ہیں جیسے خیمے کے لیے کھونٹے، ماہرینِ ارضیات نے کہا ہے کہ پہاڑ زمین میں اس طرح پیوست ہیں جیسے کھونٹے کی جڑ دیوار میں پیوست ہوتی ہے۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨

اور تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا۔(۸)

﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾

انسان کئی قسم کے بنائے گئے، کوئی نر ہے کوئی مادہ، کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا، کوئی کالا ہے کوئی گورا۔ اسی طرح کوئی نیک بخت ہے کوئی بد بخت۔

Scanned by CamScanner

﴿ وَّخَلَقۡنٰكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلۡنَا نَوۡمَكُمۡ سُبَاتًا ﴾

خلق اور جعل میں فرق:

الخلق: معناہ الانشاء الابتدائی (ابتدائی پیدائش کو "خلق" کہتے ہیں۔

والجعل: معناہ تکوین شیی من شئی او شیئیین ہ (اور ایک چیز اور دو چیزوں سے پیدا کرنا "جعل" کہلاتا ہے، اور قرینہ موجود ہو تو "جعل، خلق" کے بھی معنی دیتا ہے جیسے زمین سے سورج چھپ جانے سے رات کی تاریکی (ظلام اللیل) آجاتی ہے اور زمین پر سورج کے نکلنے پر روشنی آجاتی ہے اور یہ سب اللہ کے جعل (بنانے) سے اور تکوین وتقدیر کی اصل ہوتا ہے۔

وَّجَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾

اور رات کو پردہ مقرر کیا۔ (۱۰)

رات زمین کے لیے بمنزلہ لباس ہے، گویا زمین اسے کپڑے یا نقاب کی طرح پہن لیتی ہے۔

وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾

اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔ (۱۴)

''معصرات'' بادلوں کو کہتے ہیں، بادل کو معصرات اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ برسنے کے وقت پانی کو نچوڑ دیتا ہے اور اس سے پانی اس طرح نکلتا ہے جیسے نچوڑے ہوئے کپڑے سے پانی نکلتا ہے، اس لیے کہ معصرات عصر سے ماخوذ ہے اور عصر کا مطلب ''نچوڑنا'' ہوتا ہے۔

اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِيۡقَاتًا ﴿۱۷﴾

بیشک فیصلے کا دن مقرر ہے۔ (۱۷)

قیامت کے دن کو ''یوم الفصل'' اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس دن حق اور باطل کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا ﴿۱۹﴾

اور آسمان کھول جائے گا تو (اس میں) دروازے ہو جائیں گے۔ (۱۹)

جو آسمان آج محفوظ چھت کی طرح نظر آرہا ہے وہ قیامت کے دن کھلے دروازوں کی طرح ہو جائے گا۔

وَّسُيِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔ (۲۰)

Scanned by CamScanner

پہاڑوں کو کوٹ کر ریت بنا دیا جائے گا جو سراب کی طرح چلیں گے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

وہاں نہ ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے نہ (کچھ) پینا (نصیب ہوگا)۔(۲۴)

برد کے معنی ٹھنڈک کے ہیں، اس ٹھنڈک سے ظاہری بدن ٹھنڈے ہوتے ہیں اور مشروب (پینے کی چیز) سے لوگوں کے پیٹ ٹھنڈے ہوتے ہیں، جہنم میں جہنمی ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوں گے۔

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔(۲۵)

﴿غَسَّاقًا﴾

"المنتن البارد الشديد البرد والذى يحرق من برده كاحراق الحميم"۔"غسّاق" انتہائی سخت ٹھنڈے اور بد بودار مشروب کو کہتے ہیں، جو اپنی ٹھنڈک سے ان کو گرم آگ کی طرح جلا دے گا، مقاتل نے کہا کہ غساق وہ چیز ہے جس کی ٹھنڈک آخری حد کو پہونچی ہوئی ہوگی، عطیہ کے نزدیک غساق دوزخیوں کا بہتا ہوا لہو ہے۔

وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾

اور ہم عمر نوجوان عورتیں۔(۳۳)

جنتی عورتیں کواعب (جن کی چھاتیاں ابھری ہوں گی (ڈھلکی ہوئی نہیں) ہوں گی اور وہ اتراب (ہم عمر) ہوں گی۔

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾

جس دن روح (الامین) اور (اَور) فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو (اللہ) الرحمن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔(۳۸)

اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کی جرأت نہیں کرے گا، اجازت ملنے پر کرے گا، وہ بھی حق بات کی سفارش کرے گا اور وہ حق بات کلمہ توحید ہے۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے آگاہ کر دیا ہے جس دن ہر شخص ان (اعمال) کو جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوتا۔ (۴۰)

﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ کاش میں مٹی ہوتا۔

(۱) اس سے پیدا ہی نہ کیا جاتا۔

(۲) میں مٹی ہوتا قبر سے اٹھایا ہی نہ جاتا۔

(۳) جانوروں کے درمیان فیصلے کے بعد جب ان سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو کافر کہے گا کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ، مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ" (مسلم، كتاب البر والصلة: ۲۵۸۲)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن تمام حقداروں کو ان کا حق دلوایا جائے گا۔ یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بغیر سینگ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مُدَّتِ الْأَرْضُ مَدَّ الْأَدِيمِ وَحَشَرَ اللّٰهُ الْخَلَائِقَ الْإِنْسَ وَالْجِنَّ وَالدَّوَابَّ وَالْوُحُوشَ فَإِذَا كَانَ ذَلِكَ الْيَوْمُ جَعَلَ اللهُ الْقِصَاصَ بَيْنَ الدَّوَابِّ حَتَّى تَقُصَّ الشَّاةُ الْجَمَّاءُ مِنَ الْقَرْنَاءِ بِنَطْحَتِهَا فَإِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقِصَاصِ بَيْنَ الدَّوَابِّ قَالَ لَهَا: كُونِي تُرَابًا، فَتَكُونُ تُرَابًا فَيَرَاهَا الْكَافِرُ فَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا" (مستدرک حاکم: ۸۷۱۶، ۲۱۹/۴)

یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بغیر سینگ کی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔ پھر جب اللہ جانوروں کے درمیان قصاص سے فارغ ہو جائے گا تو ان سے کہے گا کہ مٹی ہو جاؤ، یہ دیکھ کر کافر کہے گا' کاش میں مٹی ہوتا۔

❀❀❀

سورة النازعات (مكية)

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١

ان (فرشتوں) کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔ (۱)

کفار کی روحوں کو سختی سے نکالنے والے فرشتوں کی قسم، یہ "اغراق النازع فی القوس" (کمان کھینچنے میں شدت اور زور کرنا) سے ماخوذ ہے ﴿النّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ اسی محاورے سے ماخوذ ہے۔

Scanned by CamScanner

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾

اوران کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں۔(۲)

مومنوں کی جانوں کو نرمی سے نکالنے والے فرشتوں کی قسم۔

﴿ النّٰشِطٰتِ ﴾ اسی سے لفظ انشوطۃ ہے، اردو میں انشوطۃ ڈھیلی گرہ کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ڈھیلی گرہ بڑی آسانی سے کھل جاتی ہے اسی طرح فرشتے مومنوں کی جانیں بڑی آسانی سے نکال لیتے ہیں۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾

اور تیرتے پھرنے والوں کی قسم۔(۳)

یہ فرشتے اتنے تیز رفتار ہیں جیسے پانی میں تیرنے والی چیزیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾

پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔(۴)

یہ فرشتے اللہ کے حکم کو بجالانے میں سبقت کرتے ہیں۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾

(کہ وہ دن آ کر رہے گا) جس دن زمین کو بھونچال آئے گا۔(۶) پھر اس کے پیچھے اور (بھونچال) آئے گا۔(۷)

صور کے دو نفخے ہوں گے، پہلے نفخے سے لوگ دہشت زدہ ہو جائیں گے پھر مر جائیں گے، اس کے بعد دوسرے نفخے سے لوگ اپنی قبروں سے یکبارگی ایک آدمی کے اٹھ کھڑے ہونے کی طرح، اٹھ کھڑے ہوں گے۔

﴿ اَلرَّادِفَةُ ﴾

"کل شئی جاء بعد شئی آخر" ہر وہ چیز جو دوسری چیز کے بعد آئے، اسے رادفۃ کہتے ہیں، اسی سے اشعار میں ردیف اس کو کہتے ہیں جو قافیہ کے بعد آئے۔ "یقال ردفہٗ ای جاء بعدہ" کہا جاتا ہے "ردفہ" یعنی اس کے بعد آیا۔

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾

اس دن (لوگوں) کے دل خائف ہو رہے ہوں گے۔(۸)

"الواجف" کے معنی تیز رفتار کے ہوتے ہیں، بطور استعارہ اضطراب شدید مراد ہے یعنی اس دن دل زور زور سے دھڑک رہے ہوں گے اور سخت مضطرب ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾

(کافر) کہتے ہیں کیا ہم الٹے پاؤں پھر لوٹیں گے؟ (۱۰)

﴿الۡحَافِرَةِ﴾ کہا جاتا ہے "رجع فلان علی حافرتہ ای رجع علی الطریق الذی جاء عنہ۔ رجع فلان علی حافرتہ" کا مطلب ہے کہ جس راستے سے آیا تھا اسی راستے پر لوٹ گیا۔ حافرہ کا مطلب "الحالۃ الاولی یا اول الشئی" یعنی کسی چیز کی پہلی حالت ہے۔

﴿الۡحَافِرَةِ﴾ "حفر" سے مشتق ہے جس کے معنی کھودنے کے ہیں۔ حافرۃ کا مطلب "الطریقۃ" (راستہ) ہے کیونکہ آدمی راستے پر جب چلتا ہے تو زمین پر نشان بن جاتے ہیں۔

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾

بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کئے جائیں گے)؟ (۱۱)

﴿نخرۃ﴾ اور ﴿ناخرۃ﴾ میں فرق: سونے والے آدمی کی ناک سے جو آواز نکلتی ہے وہ ناخرہ ہے اور بوسیدہ ہڈیوں سے ہوا کے نکلنے پر جو آواز ہوتی ہے وہ نخرہ ہے۔

قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾

کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو (موجبِ) زیاں ہے۔ (۱۲)

﴿اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾

تب تو گھاٹے والا لوٹنا ہوگا۔ اتنی مدت میں بدن کا کوئی عضو کہیں ہوگا کوئی کہیں، اس صورت میں کوئی زندہ ہوا تو کسی کی انگلی نہ ہوگی، کسی کا پیر غائب ہوگا یعنی اگر باردگر زندہ ہونا تسلیم کر لیا جائے تو یہ زندگی ناقص ہوگی۔

فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾

وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی۔ (۱۳)

﴿فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾

انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے اللہ کو کوئی خاص تیاری نہیں کرنی ہوگی۔ یہ حکم ایک ڈانٹ کی شکل میں ہوگا۔

فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾

اس وقت وہ (سب) میدانِ (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔ (۱۴)

﴿اَلسَّاهِرَةُ﴾ اس صورت میں موت کو نیند سے اور بعث بعد الموت کو بیداری سے تشبیہ دی گئی، ساھرہ کا مطلب وجہ الارض (زمین کی سطح) ہے، اس کو ساھرہ اس وجہ سے کہا گیا کیونکہ یہ عام جانداروں کے سونے اور بیدار ہونے کی جگہ ہے۔ نیز "ساہرۃ" ہموار زمین کو کہتے ہیں، جس زمین پر قیامت کے دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾

اور اسی نے رات کو تاریک بنایا اور (دن کو) دُھوپ نکالی۔ (۲۹)

﴿اَغْطَشَ﴾ "ای سَوَّدَ" سیاہ کر دیا۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾

اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ (۳۰)

﴿دَحٰى﴾ "ای مَهَّدَ" گہوارہ بنایا، ہموار کیا۔

﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا﴾

استنبول کے ڈاکٹر علی اوز یک نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا۔ "الدحیہ" جو دحیٰ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب شترمرغ کا گھونسلہ یا شترمرغ کے انڈے دینے کی جگہ ہے اور عربی میں انڈے کو بیضہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ زمین بیضوی شکل کی ہے، یہ بھی یاد رہے کہ تمام مخلوقات کے انڈوں میں صرف شترمرغ کا ہی انڈا ہے جو زمین سے مشابہت رکھتا ہے، نارتھ پول اور ساؤتھ پول کا ڈایا میٹر خط استوا کی طرف سے ڈایا میٹر کی نسبت زمین کی جو شکل بناتا ہے وہ بیضوی ہے، زمین کا استوائی محیط ۸ ۷ ۶۳ رکلومیٹر ہے جب کہ قطبین کا محیط ۶ ۵ ۶۳ رکلومیٹر ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾

یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے فائدے کے لئے (کیا) تو جب بڑی آفت آئے گی۔ (۳۴)

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾

﴿اَلطَّآمَّةُ﴾ لفظ "طَمَّ" سے مشتق ہے اور لغت میں "طَمَّ" کے معنی "غلبہ" کے ہیں، سمندر کو طم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور عرب ناقابل برداشت مصیبت کو ﴿اَلطَّآمَّةُ﴾ کہتے ہیں، چونکہ حادثۂ قیامت تمام حوادث پر غالب ہے اس وجہ سے قیامت کو ﴿اَلطَّآمَّةُ﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾

Scanned by CamScanner

اس دن انسان اپنے کاموں کو یاد کرے گا۔(۳۵)

﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ﴾

انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اس کے ذہن کے پردوں پر نقش ہو جاتا ہے، وہ سالہا سال کے واقعات کو اپنے حافظہ کی مدد سے یاد کر لیتا ہے، یہ بجائے خود ایک دلیل ہے کہ انسان کے اعمال کا ریکارڈ خود انسان کا ذہن تیار کر رہا ہے، قیامت کے دن اس کا حافظہ اتنا تیز ہوگا کہ اس کے اعمال کے سارے نقوش اس کے ذہن کی سطح پر ابھر آئیں گے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا۔(۴۰)

﴿الهوىٰ﴾ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "ھوی یھوی" کے معنی گرنے کے آتے ہیں، چونکہ ''ھویٰ'' صاحب ھویٰ کو مصیبت میں لے کر گرتی ہے، اسی وجہ سے اسے ھویٰ کہا گیا ہے اور اسی سے جہنم کا ایک نام ھاویہ ہے اور انسان تک شیطان کے پہونچنے کا راستہ عموماً یہی ھویٰ ہے۔

فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ﴿٤٣﴾

سو تم اس کے ذکر سے کس فکر میں ہو؟(۴۳)

﴿فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا﴾

اے میرے رسول یہ ممکن نہیں کہ تم ان سے قیامت کا ذکر کر سکو۔ کیونکہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾

جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔(۴۶)

جس دنیا کے پیچھے آدمی دیوانہ بنا ہوا ہے وہ ایک صبح یا شام کے برابر ہے، حیرت ہے کہ آدمی اس پر آخرت کو قربان کر دیتا ہے، اس کی اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی، قیامت کی ہولناکی دیکھ کر ان کی دنیا کی پوری زندگی صبح یا شام کا دورانیہ محسوس ہوگی۔

Scanned by CamScanner

سورة عبس (مكية)

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤىۙ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰىؕ۝۲

(محمد مصطفی ﷺ) ترش رُو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے (۱) کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ (۲)

یہاں اعمٰی سے مراد عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوم ہیں رضی اللہ عنہ، اس سے ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوا کہ انسان کا لقب استعمال کرنے کی اجازت ہے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ اگر لقب، سے کسی آدمی کی تعیین مقصود ہوتو کوئی حرج نہیں اور اگر لقب سے عار دلانا مقصود ہوتو یہ حرام ہے۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗۙ۝۲۰

پھر اس کے لیے رستہ آسان کر دیا۔ (۲۰)

تخلیق کے مراحل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے نکلنا آسان فرمایا ورنہ ظاہراً ایسے تنگ راستے سے انسان کا نکلنا ناممکن نظر آتا ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗؕ۝۲۳

کچھ شک نہیں کہ اللہ نے اسے جو حکم دیا اس نے اس پر عمل نہ کیا۔ (۲۳)

ہرگز نہیں، پہلے پیدا کرتے ہوئے تمہاری رائے نہیں لی گئی تھی، نہ موت کے وقت تم سے رائے لی جاتی ہے، ایسے ہی دوبارہ زندہ کرنے پر تم سے پوچھا نہیں جائے گا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ۝۳۳

تو جب (قیامت کا) غل مچے گا۔ (۳۳)

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ﴾ "الصاخة، صخ يصخ" سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب ہے کان پر مار کر بہرا کر دینا اور "صاخة" سے مراد کانوں کو بہرا کر دینے والی خوفناک آواز۔

❀❀❀

سورۃ التکویر (مکیۃ)

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۞

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا (۱)

لفظ کورت تکویر سے مشتق ہے۔ اور ﴿تکویر﴾ کے معنی لپیٹنے کے ہیں، جیسے سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ اسے بے نور کر کے جہنم میں ڈال دے گا ان لوگوں پر غصہ کرتے ہوئے جو لوگ اللہ کے علاوہ اس کی عبادت کرتے تھے، زمین کی سطح سورج سے طاقت کی جو مقدار حاصل کرتی ہے چار ملین ہارس پاور فی مربع میل ہے، گویا سورج زمین کے لیے ایک پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتا ہے لیکن قیامت کے دن سورج یہ عظیم طاقت کھو چکا ہوگا۔

وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۞

اور جب دریا آگ ہو جائیں گے۔ (۶)

دریا بھڑک اٹھیں گے۔ پانی، ہائیڈروجن کے دو حصے اور آکسیجن کے ایک حصے کا مرکب ہے، ایک جلنے والی گیس ہے اور ایک جلانے کے عمل کو تیز کرنے والی گیس ہے۔

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۞

اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی پوچھا جائے گا۔ (۸)

﴿وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ﴾ یہ آیت ﴿فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُسۡـَٔلُ عَنۡ ذَنۡۢبِهٖۤ اِنۡسٌ وَّلَا جَآنٌّ﴾ (سورۃ رحمٰن: ۳۹) سے ٹکرا رہی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سے اس کے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا اس کے قاتل کے گناہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ۞

اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ (۱۱)

"کَشَطَ یَکۡشِطُ باب ضرب یضرب" سے ہے جس کا معنی ہے ہٹانا، الگ کرنا۔ اسی سے "کشط الذبیحہ" ہے یعنی ذبح کئے ہوئے جانور کی کھال اتارنا۔ قیامت کے دن آسمان کو اس کی جگہ سے اس طرح ہٹا دیا جائے گا جیسے ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال کو اتار کر گوشت الگ کر دیا جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾

اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے۔(۱۷)

وقال الحسن: "أقبل بظلامه" (تفسير الوسيط للواحدی) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے عسعس کا معنی "أقبل بظلامه" بتایا ہے۔ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، قَوۡلُهُ: ﴿وَاللَّيۡلِ إِذَا عَسۡعَسَ﴾ يَقُولُ: إِذَا أَدۡبَرَ (طبری) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿عَسۡعَسَ﴾ کی تفسیر ﴿إِذَا أَدۡبَرَ﴾ سے کی ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ قسم ہے رات کی جو اپنا اندھیرا لے کر سامنے سے آتی ہے یا پشت موڑ کر جاتی ہے، عسعس کا لفظ اضداد میں سے ہے۔

وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے۔(۱۸)

﴿وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ گویا تاریکی چیر کر صبح نے جنم لیا ہے، جب نسیم سحر چلتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے صبح سانس لے رہی ہو، ایسے ہی اس سے بھی زیادہ عجیب تر ایک نظامِ نو پیدا کر سکتا ہے۔

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿۲۸﴾

(یعنی اس کے لیے) جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے۔(۲۸)

﴿لِمَنۡ شَاءَ مِنۡكُمۡ أَنۡ يَسۡتَقِيمَ﴾ سے انسان کے لیے مشیت کا اثبات فرمایا اس سے جبر کا ابطال ہو گیا۔

وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۹﴾

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے۔(۲۹)

رب کا مطلب:۔ جس کو "جس وقت"، "جتنی" اور "جیسی" ضرورت ہو مہیا کرنا ربوبیت ہے یہ کام اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا لہذا اس کے علاوہ کوئی رب بھی نہیں ہو سکتا۔

عالمین کا مطلب:۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عالمین کبھی ما سوی اللہ (اللہ کے علاوہ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں) پر بولا جاتا ہے جیسے مذکورہ آیت میں یہی معنی ہے اور کبھی جن وانس پر بولا جاتا ہے جیسے ﴿ليكون للعالمين نذيرا﴾ (سورۂ فرقان:۱) یہاں آیت میں عالمین سے مراد جن وانس ہیں

﴿إِلَّا أَنۡ يَشَاءَ اللّٰهُ﴾ سے قدر کا ابطال ہو گیا، ظاہر ہو گیا، کہ انسان نہ تو فاعل مختار ہے نہ مجبور محض، بلکہ جبر وقدر کے بین بین ہے۔

اللہ کی مشیت:

Scanned by CamScanner

قضاوقدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اس کے ارادہ واختیار کے توسط سے کراتی ہے۔

❀❀❀

سورۃ الانفطار (مکیہ)

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝١ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝٢ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝٣

جب آسمان پھٹ جائے گا(۱)اور جب تارے جھڑ پڑیں گے(۲)اور جب دریا بہہ (کر ایک دوسرے میں مل) جائیں گے۔(۳)

﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ دریا اپنے حدود کو توڑ کر بہہ پڑیں گے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝٥

تب ہر شخص معلوم کرلے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔(۵)

﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ﴾ انسان روزانہ اپنے اعمال کا پارسل نئے عالم میں بھیج رہا ہے۔ ہماری تصویر فضا میں نصب کئے ہوئے غیر مرئی (Unseen) کیمرے برابر لے رہے ہیں، ہماری پوری زندگی کی فلم تیار ہو رہی ہے، جب دکھایا جائے گا تو انسان کے ہوش ٹھکانے نہیں رہیں گے۔

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝٦

اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کرم گستر کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟(٦)

﴿مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾

اللہ نے انسان کو عقل وفطرت سے نوازا ہے حیرت کی بات ہوگی کہ وہ اپنے رب کے معاملے میں دھوکے میں رہے اور اس کو نہ پہچانے۔(Worship The Creator Not His Creation) خالق کی عبادت کرو مخلوق کی نہیں، رب کے ساتھ کریم کی صفت جمع کرنے میں لطیف اشارہ ہے کہ ربوبیت الٰہی ہر ہر مرحلہ میں مخلوق کو پال رہی ہے، اس کی ضرورتوں کو پورا کر رہی ہے، لگتا ہے دھوکہ میں پڑنے کا سبب حق تعالیٰ کا کریم ہونا ہے کہ انسان کے گناہ پر فوراً پکڑ نہیں کرتا اور اس کے رزق اور دنیوی آسائش میں کمی نہیں کرتا، ذرا عقل سے کام لیتا تو یہ لطف وکرم، غرور کا نہیں بلکہ احسانات کا ممنون ہو کر اطاعت میں لگ جانے کا سبب ہونا چاہئے تھا۔

Scanned by CamScanner

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿۱۴﴾

بیشک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے۔(۱۳) اور بدکردار دوزخ میں۔(۱۴)

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف ''یوم معاد'' کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ابرار اپنے تینوں گھروں (دنیا، برزخ اور آخرت) میں نعمتوں میں رہیں گے۔ اور فجار تینوں جگہ زحمت میں ہوں گے پھر کہتے ہیں کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی کہ دل نیک ہو، سینہ پاک ہو، رب کی معرفت ہو، اس کی محبت مل رہی ہو اور اس کو راضی کرنے والا عمل کر رہا ہو یعنی مومن دنیا میں بھی نعمتوں ہی میں رہتا ہے۔

❀❀❀

سورۃ المطففین (مکیة)

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا کَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ﴿۳﴾ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴﴾ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵﴾ یَّوۡمَ یَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶﴾

ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے(۱) جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا کریں۔(۲) اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں(۳) کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے؟(۴) (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں(۵) جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔(۶)

''التطفیف، النقص عن حق المقدار فی الموزون او المکیل'' وزن کی جانے والی چیز اور ناپی جانے والی چیز میں حق مقدار سے کم کرنا، تطفیف کہلاتا ہے ''خسر المیزان واخسرہ'' جس کا مطلب ہے وزن کم ہوگیا یا وزن کم کر دیا ایسا کرنے کو تطفیف کہتے ہیں کیونکہ ناپ تول میں کمی حقیری سی ہی ہوتی ہے۔

﴿یَسۡتَوۡفُوۡنَ﴾ ''الاستیفاء، اخذ الشئی وافیا''۔ ﴿یَسۡتَوۡفُوۡنَ﴾ استیفاء سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔

﴿اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ﴾ اس آیت کریمہ میں یقین کی جگہ ظن کو ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس کو آخرت میں حساب و کتاب کا گمان بھی ہوگا وہ بھی ایسی حرکت نہیں کرے گا یعنی ناپ تول میں کمی نہیں کرے گا، یقین رکھنے والا تو بدرجۂ اولیٰ ایسی حرکتوں سے باز رہے گا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷

سن رکھو کہ بدکاروں کے اعمال سجین میں ہیں (۷)

﴿سجین﴾ سجین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کافروں کی روحیں وہاں قید کر دی جاتی ہیں، یہ ﴿فِعِّيْل﴾ کے وزن پر ہے جیسے ﴿شِرِّيب﴾ بہت پینے والا، یا ﴿فِسِّيق﴾ بہت بڑا فاسق۔ تو سجین سے مراد سخت قید۔ یہاں سختیوں کا ایسا لمبا سلسلہ اور ایسے ایسے طریقے ہوں گے کہ انسان ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا، سجین کافروں کے اعمال ناموں کا گودام اور ان کی روحوں کا قید خانہ بھی ہے۔

إِنَّ نَسَمَةَ الْمُؤْمِنِ تَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، و نَسَمَةَ الْكَافِرِ فِي سِجِّينٍ (الفتح الربانی للشوکانی: ۲/ ۲۵۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کی روح سجین میں ہوتی ہے۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳

اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے جو حد سے نکل جانے والا گنہگار ہے (۱۲) جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں (۱۳)

﴿اَثِيْمٍ﴾ مکذبین کے تین اوصاف بیان کئے گئے:

(۱) ﴿اَثِيْمٍ﴾ "مبالغة فی الاثم ای کثیر الاثم" اثیم میں، اثم میں مبالغہ ہے یعنی بہت زیادہ گناہ کرنے والا، بہت بڑا گنہگار۔

(۲) ﴿مُعْتَدٍ﴾ سرکش۔

(۳) "الزاعم القرآن اساطیر الاولین" قرآن کو قصے کہانیاں سمجھنے والا۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴

دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (۱۴)

﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ "رَانَ، رَان الخمر علی قلبه" (شراب کا نشہ اس کے قلب پر غالب ہو گیا) سے ماخوذ ہے یعنی بداعمالیوں کی تاریکیاں ان کے دلوں پر اتنی غالب آ گئیں کہ حق و باطل کی تمیز سے ان کے دل اندھے ہو گئے "الرّین۔ الصدأ الذی یعلو حدید السیف أو المرآة" وہ زنگ جو تلوار یا آئینے کے اوپر آ جاتا ہے اسے رین کہتے ہیں۔ حدیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ، صُقِلَ قَلْبُهُ، فَإِنْ زَادَ، زَادَتْ، فَذَلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللهُ فِي

كِتَابِهِ: ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد: ۴۲۴۴، حسن)

جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک کالا نقطہ پڑ جاتا ہے، اگر توبہ واستغفار کر لے تو اس کے دل سے یہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کرتا رہے تو یہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے، اسی کو اس آیت میں رین کہا گیا ہے۔

كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾

بیشک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے اُوٹ میں ہوں گے۔(۱۵)

حسین بن فضل کہتے ہیں کہ دنیا میں اللہ کی توحید سے پردہ پڑا رہا اور آخرت میں اللہ کی رویت سے پردہ پڑا رہے گا، اس آیت سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ اہل ایمان اپنے رب کو دیکھیں گے۔ ابن کثیر، شافعی رحمہ اللہ کے اس استدلال پر تعلیق کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ بات انتہائی شاندار ہے اور یہ استدلال اس آیت کے مفہوم سے ہو رہا ہے جس طرح اس آیت ﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ . إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (سورۃ القیامۃ: ۲۲) کے منطوق سے پتہ چل رہا ہے۔

كِتَٰبٌ مَرْقُومٌ ﴿٢٠﴾

ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔(۲۰)

﴿ كِتَٰبٌ مَرْقُومٌ ﴾ ریکارڈ روم کو کہتے ہیں۔ یعنی موت کے بعد نامۂ اعمال، عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے، بدکار کا سجّین میں اور نیکوکار کا علیین میں، روحیں بھی یہیں ہیں، قیامت کے دن عدالت الٰہی میں یہ ریکارڈ پیش کیا جائے گا۔

عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٣﴾

تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارے کریں گے۔(۲۳)

مومن اپنی مسہریوں پر بیٹھے دوزخ کے اندر کافروں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ یہ کافروں کو ان کے استہزاء کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ دنیا میں مومنوں سے کرتے تھے۔ "آرَائِك جمع اريكة بوزن سفينة" یعنی "ارائک"، "اریکہ" بروزن سفینہ، کی جمع ہے۔ اریکہ تین چیزوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ "سرير، ووسادة، وحجلة منصوبة عليها"۔ "سرير" (چارپائی) "وسادة" (تکیہ)، "حَجلة" (گنبد نما کپڑوں سے آراستہ کیا ہوا)

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾

تم ان کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کر لو گے۔(۲۴)

"نضرة"۔ کا معنی رونق یا "ملامح السرور" (خوشی کی علامتیں) ہے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿٢٥﴾

Scanned by CamScanner

ان کو خالص شراب سر بمہر پلائی جائے گی۔(۲۵)

رحیق۔"لاشوب فیه ولا ضرر فیه علی العقل۔ ولا الم فیه فی الراس" رحیق اس شرابِ خالص کو کہتے ہیں جس کے اندر ملاوٹ نہ ہو اور عقل کے لیے تکلیف نہ ہو اور سر میں درد نہ ہو۔ رحیق۔ شراب خالص ہوگی۔"یسقون"۔ پلانے کے لیے خادم ہوں گے"مختوم"۔ مہر بند ہوگی۔"خِتٰمُهٗ مِسْكٌ"۔ مٹی سے نہیں بلکہ مشک کے آٹے سے شراب کے برتنوں پر مہر لگی ہوگی، جیسا کہ عرب کرتے تھے یعنی اس کی مہر مشک سے ہوگی اور شراب میں بھی مشک جیسی مہک ہوگی۔ ابرار و فجار۔ دونوں کا تذکرہ کیا گیا۔ اور پھر وعد اور وعید دونوں ذکر کئے گئے۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾

جس کی مہر مشک کی ہوگی تو (نعمتوں کے) شائقین کو چاہیئے کہ اسی سے رغبت کریں۔(۲۶)

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ "التنافس، حصول النفاسة بين متعدد" کئی کے درمیان نفاست (عمدگی) کے حصول کو تنافس کہتے ہیں۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾

اور اس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہوگی (۲۷)

﴿وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ﴾ ضحاک رحمہ اللہ نے کہا کہ تسنیم جنت کی سب سے اعلیٰ شراب ہے اور مزاج وہ چیز ہے جو شراب میں ملائی جائے۔ مزاج "ما یمزج به" اصل شراب میں جو چیز ملائی جائے تا کہ جلدی سے اتنا نشہ نہ ہو جائے کہ عقل غائب ہو جائے بلکہ نشہ دھیرے دھیرے چھائے تسنیم کے بارے میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تسنیم ایسا چشمہ ہے جو ان کے باغوں میں بلندی سے آئے گا۔ یہ "سَنّم الشئی" سے ماخوذ ہے جب کسی چیز کو کوہان کی شکل میں بنا دیا جائے یعنی اس رحیق (شراب) میں تسنیم سے ملاوٹ کی جائے گی۔

❀❀❀

سورة الانشقاق (مكية)

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾

Scanned by CamScanner

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ ۱۔ اور اپنے پروردگار کا فرمان بجالائیگا اور واجب بھی یہی ہے۔ ۲۔ اور جب زمین ہموار کر دی جائیگی۔ ۳۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور (بالکل) خالی ہوجائے گی۔ (۴)

﴿وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ﴾ زمین مردوں کو اُگل کر اس طرح خالی ہوجائے گی جیسے حاملہ عورت بچہ جننے کے بعد فارغ ہوجاتی ہے۔

يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝٦

اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا۔ (۶)

(اے انسان بیشک تو اپنے رب (کے پاس پہنچنے) تک کام میں جتا رہتا ہے، پھر (ایک نہ ایک دن) تو اس سے جا ملے گا)

﴿كدحًا﴾ "الكدجهد النفس فی العمل والكدفيه حتى يؤثّر فيها"۔ "کدح" اس کام کو کہتے ہیں جو اتنی محنت سے کیا جائے کہ انسان کی صحت برباد ہوجائے، اس کی ہڈیاں گھل جائیں اور اس کے جسم کے اندر تک اثر پہونچ جائے۔

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝١٨

اور چاند کی جب کامل ہوجائے۔ (۱۸)

﴿إِذَا اتَّسَقَ﴾ جب وہ کامل ہوجاتا ہے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۝١٩

کہ تم درجہ بدرجہ (رتبۂ اعلیٰ پر) چڑھو گے۔ (۱۹)

﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾ چاند پر پہنچنے کا اشارہ۔

احکام الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) تشریعی (۲) تکوینی۔

(۱) تشریعی احکام میں ایک قانون بتایا جاتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا بتلا دی جاتی ہے مگر کرنے والے کو کسی جانب پر مجبور نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ اس کو ایک درجے کا اختیار دیا جاتا ہے، وہ اپنے اختیار سے قانون کی پابندی کرے یا نہ کرے، ایسے احکامات ان مخلوقات پر عائد ہوتے ہیں جو ذوی العقول ہیں جیسے، جن وانس۔

(۲) تکوینی احکام میں احکام کی تنفیذ جبری ہوتی ہے، کسی کی مجال نہیں کہ سرِ مُو ان کے خلاف کر سکے۔

سورۃ البروج (مکیۃ)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾

آسمان کی قسم جس میں بُرج ہیں (۱) اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے (۲) اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی (۳) کہ خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کردیئے گئے۔ (۴)

یہ سورہ نبی اور مومنین کی تسلی کے لیے نازل ہوئی، کافروں کی مثال اصحب اخدود سے دی گئی۔

﴿اَلْبُرُوْجِ﴾ سے مراد، بروج النجوم ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ بارہ ہیں۔

﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ سے مراد قیامت ہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ اس دن ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا اور مظلوموں کو ان کی مظلومیت کی جزا دی جائے گی۔

﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ﴾

﴿شَاهِدٍ﴾ سے مراد یوم الجمعہ ہے۔

﴿مَشْهُوْدٍ﴾ سے مراد یوم عرفہ ہے۔

''شاہد'' کا ایک معنی ﴿ذو الحِسّ﴾ یعنی ہر احساس کرنے والی شئی ہے اور ''مشھود'' سے مراد ہر وہ شئی ہے جس پر حِس پڑے یعنی ''مشھود ھو ما یقع علیه الحس''

﴿کواکب﴾ (ستارے) کی روشنی مشہود ہے، ان کے طلوع و غروب مشہود ہیں، ان کی حرکات و رفتار مشہود ہیں۔

﴿اخدود﴾ کا معنی گڑھا ہے۔ جمع اخادید ہے۔

﴿اخدود﴾ کافروں نے ایک بہت ہی بڑا گڑھا کھودا تھا۔

﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ اصحب الاخدود کا قصہ تاریخ انسانی کا سب سے شرمناک قصہ ہے، یہ ایسے ظلم کا بیان ہے جس کو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، یہ ایسے انسانوں کی کہانی ہے جو ایسے وحشی بن گئے تھے جن سے جنگل کے وحشی جانور بھی شرما جائیں، اللہ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی اور انہیں اپنی رحمتوں سے دور کر دیا تا کہ لوگ ایسے راستے پر نہ چلیں، اس میں دو گروہوں کا بیان ہے، ایک گروہ کافروں اور ظالموں کا ہے جس نے ظلم کی انتہا کر دی اور دوسرا گروہ مومنین کا ہے جنھوں نے ثبات قدمی کی انتہا کی اعلیٰ مثال پیش کی، جو اس شعر کے مصداق تھے:

ادھر آ ستمگر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵

(یعنی) آگ (کی خندقیں) جس میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔(۵)

﴿النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ جس میں جتنا ممکن ہوسکا ایندھن بھر کر آگ لگا دی۔ انہوں نے یہ آگ ان مومنین کے لیے جلائی جن کے بارے میں وہ جان چکے تھے کہ وہ اپنے دین سے پھرنے والے نہیں اور لامحالہ اپنے دین پر قائم اور ثابت رہیں گے اور وہ کسی دباؤ اور لالچ کے آگے نہیں جھکیں گے۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷

جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے(۶) اور جو (سختیاں) اہلِ ایمان پر کررہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے۔(۷)

ظالم وہاں حاضر تھے اور گڑھے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، مگر چیخنے والوں کی چیخیں اور ان کی آہیں ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں کررہی تھیں اور مومنوں کو آگ میں جلتے دیکھ کر لطف لے رہے تھے، حالانکہ انسانیت کے کچھ اصول اور اقدار ہوتے ہیں لیکن انھوں نے ان اصولوں اور اقدار کی دھجیاں اُڑا دی تھیں۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

وہی جس کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔(۹)

فرمایا گیا﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ﴿وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ کہ اللہ کی نگاہوں سے کوئی شئی اوجھل نہیں اور کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸

ان کو مومنوں کی یہی بات بُری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابلِ ستائش ہے۔(۸)

﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾

ان کا جرم یہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے۔

سورۂ بروج میں وارد اللہ کے اسماء: (۱) اللہ (۲) العزیز (۳) الحمید (۴) الرب (۵) الغفور (۶) الودود (۷) المجید (۸) فعال لما یرید (۹) المحیط (۱۰) ذو العرش۔

Scanned by CamScanner

فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾

لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) (۲۲)

﴿فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ﴾ قرآن لوحِ محفوظ میں ہے، اسے محفوظ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مخلوق کے ہاتھوں سے محفوظ ہے۔

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ؕ﴿۹﴾

وہی جس کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔(۹)

﴿الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ﴾ کائنات اس کی ملکیت ہے وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔

﴿وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ﴾ اللہ علماً، سمعاً، بصراً ہر چیز پر شہید ہے، سرکش یہ نہ سمجھے کہ کسی کو اس کے بارے میں علم نہیں اور اسے کوئی دیکھ اور سن نہیں رہا۔

سورۂ بروج کے کچھ اسباق:

(۱) مومنوں کی آزمائش سنت الٰہیہ ہے۔

(۲) باب التوبۃ مفتوح للتائبین (توبہ کرنے والوں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے)

(۳) مومنین کو کسی کافر کے ایمان نہ لانے سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ان کی ہدایت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے۔

(۴) فتنوں سے عقیدے کی حفاظت کرنی چاہئے۔

(۵) صابرین کے لیے اجر عظیم ہے۔

(۶) یہ یقین ہونا چاہئے کہ ظالموں سے اللہ غافل نہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَہُمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ وَ لَہُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ﴿ؕ۱۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۬ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡکَبِیۡرُ ﴿ؕ۱۱﴾

جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا (اور) عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا(۱۰) (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔(۱۱) بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے۔(۱۲)

ان دونوں آیتوں میں مجرموں اور مومنوں کا انجام بتایا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌؕ‏ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبۡدِئُ وَيُعِيۡدُ ۚ‏ ﴿۱۳﴾

بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے (۱۲) وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا۔ (۱۳)

﴿بَطْشَ رَبِّكَ﴾ مجرموں کی سخت پکڑ ہوگی۔ دنیا میں بھی وہ ذلیل ورسوا ہوں گے اور آخرت میں مبتلائے عذاب کئے جائیں گے۔

﴿يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ﴾ مجرم یہ نہ سمجھے کہ موت کی سرحد پر اس کا معاملہ ختم ہوجائے گا، ہرگز نہیں، بلکہ اللہ اسے زندہ کرے گا اور حساب لے گا۔

وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ۙ‏ ﴿۱۴﴾

اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ (۱۴)

﴿اَلْغَفُوْرُ﴾ توبہ کرنے والوں کو معاف کردیتا ہے توبہ کا ذکر قرآن میں تقریباً ستر جگہوں پر آیا ہے جو اس کی اہمیت کی دلیل ہے ﴿اَلْوَدُوْدُ﴾ مومنوں سے محبت کرتا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيۡدُ ؕ‏ ﴿۱۶﴾

جو چاہتا ہے کردیتا ہے۔ (۱۶)

اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے، پس اگر وہ ظالموں کی ہلاکت کا ارادہ کرلے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

فِرۡعَوۡنَ وَثَمُوۡدَ ؕ‏ ﴿۱۸﴾

(یعنی) فرعون اور ثمود کا۔ (۱۸)

فرعون اور اس کے لشکر کا انجام کیا ہوا، تمہیں معلوم ہے کہ کفر پر اصرار کی وجہ سے انھیں غرق دریا کردیا گیا اور قوم ثمود کو دیکھو کہ وہ ﴿من اشد منا قوة﴾ (فضیلت: ۱۵) (ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے) کہتے تھے، مگر انہیں کیسی سزا دی گئی۔

بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ تَكۡذِيۡبٍ ۙ‏ ﴿۱۹﴾

لیکن کافر (جان بوجھ کر) تکذیب میں (گرفتار) ہیں۔ (۱۹)

ہر زمانے میں مشرکین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ انبیاء کی تکذیب کرتے رہے ہیں اور یہ مشرکین مکہ بھی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، قوم فرعون اور ثمود کو خاص طور سے حوالہ میں پیش کیا گیا کیونکہ ان کے قصے مشہور تھے، اہل کتاب تو واقف ہی تھے،

مشرکین بھی ان کے قصوں سے انجان نہ تھے۔

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾

اور اللہ (بھی) ان کو گرداگرد سے گھیرے ہوئے ہے۔(۲۰)

یہ اگر تکذیب کرتے رہے اور مسلمانوں کو ستاتے رہے تو ان کا حال بھی قوم فرعون وثمود کی طرح ہوگا، اللہ محیط ہے انھیں گھیرے ہوئے ہے یہ اس سے بھاگ نہیں سکتے، آخر میں قرآن مجید کا حوالہ انتہائی قابل غور ہے کہ قرآن ہر تبدیلی اور تغیر سے پاک ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ میں ہے، اب ایسی محفوظ کتاب کسی قوم کی سعادت اور کسی قوم کی شقاوت کا فیصلہ سنائے تو اس پر رضا لازم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تسلی کا سب سے بڑا موجب ہے۔

نکاتِ سورۂ بروج:

بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں، بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں جو ستارے ظاہر اور روشن ہیں، اس لیے ان کو بروج کہتے ہیں، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، ضحاک، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ کا قول ہے، اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ قسم ہے روشن ستاروں والے آسمان کی اور یہ معنی مذاق عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہے۔

﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ اس سے مراد یوم قیامت ہے یعنی اس دنیا کی فنا کا ایک موعود دن ہے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح دنیا کے رنج وغم سدا نہیں رہتے، اس میں ایمان والوں کو تسلی ہے اور کافروں اور ظالموں اور مغروروں کو تہدید ہے، کہ خبردار! جس چیز پر تمہیں ناز ہے اس کے زوال کا دن موعود ہے۔

یہ ''اصحب الاخدود'' جنہوں نے یہ گڑھا کھودا تھا کون تھے؟ کس جگہ یہ واقعہ پیش آیا؟

یمن کے یہودی بادشاہ نے ۵۲۳ء میں نجران پر حملہ کرکے عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے سچے مومنوں کو خندقیں کھود کر آگ میں جھونک دیا۔ بامعان نظر، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یمن کے حاکم ذونواس نے یمن میں جو کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے، اس واقعے کو عرب بھی جانتے تھے، ذونواس یمن میں قوم حمیر کا آخری بادشاہ گذرا ہے، اس کو تُبّع اخیر بھی کہتے ہیں، یہ بادشاہ نوشیروانِ عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ نجران میں کھجور کے ایک پیڑ کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ قمیون نامی ایک نیک آدمی جو دین عیسوی کا پیرو تھا اس کی تبلیغ سے بہت سے لوگوں نے بت پرستی ترک کرکے اس کے ہاتھ پر ایمان قبول کرلیا تھا، ذونواس کو جب یہ معلوم ہوا تو پچاس ہزار کا لشکر لے کر نجران پر چڑھ دوڑا اور ایک گڑھا کھود کر آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دین عیسوی سے برگشتہ نہ ہو، اسے اس آگ میں ڈال دو، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلم (کتاب الزھد: ۳۰۰۵) اور ترمذی میں کاہن اور راہب اور ایک لڑکے کا جو واقعہ ہے وہ مراد ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾

میں اللہ نے اپنا دائمی قانون بتایا کہ جنہوں نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا، قید کیا، قتل کیا، ستایا یا ان کی گمرہی اور لہوولعب، ناچ گانے میں پڑنے کے اسباب پیدا کئے۔ ﴿ثم لم یتوبوا﴾ اور انہوں نے توبہ نہیں کی اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں جگہ عذاب ہے اور پھر یہ بتایا ایمان والوں کے لیے جنت ہے۔

پھر بطور ثبوت اجمالی طور پر دو واقعات (قوم فرعون اور ثمود کے) یاد دلائے جن سے اہل کتاب اور اہل عرب دونوں واقف تھے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذرا اللہ کی جود وسخا تو دیکھو۔ ان لوگوں نے اس کے اولیاء کو قتل کیا پھر بھی وہ انہیں توبہ کی دعوت دے رہا ہے۔

❀❀❀

سورۃ الطارق (مکیۃ)

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ② النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ
نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ⑤ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ
دَافِقٍ ⑥ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ⑦ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ
تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ⑩ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪
وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ⑬ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ⑭ اِنَّهُمْ
يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ⑮ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ⑯ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ⑰

آسمان اور رات کے وقت آنے والے کی قسم! (۱) اور تم کو کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ (۲) وہ تارا ہے چمکنے والا (۳) کوئی متنفس نہیں جس پر نگہبان مقرر نہیں (۴) تو انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کاہے سے پیدا ہوا ہے (۵) وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے (۶) جو پیٹھ اور سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔ (۷) بیشک اللہ اس کے اعادے (یعنی پھر پیدا کرنے) پر قادر ہے (۸) جس دن دلوں کے بھید

Scanned by CamScanner

جانچے جائیں گے (۹) تو انسان کی کچھ پیش نہ چل سکے گی اتو رنہ کوئی اس کا مددگار ہوگا (۱۰) آسمان کی قسم جو مینہ برساتا ہے (۱۱) اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی ہے (۱۲) کہ یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے (۱۳) اور بیہودہ بات نہیں (۱۴) یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں (۱۵) اور ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں (۱۶) تو تم کافروں کو مہلت دو بس چند روز ہی مہلت دو۔ (۱۷)

طارق یعنی النجم الثاقب (جگمگا تا تارا) الثاقب ثقب سے ماخوذ ہے۔ ثقب کے معنی سوراخ کرنا، پارہ ہونا یا ٹوٹنا ہے۔ چونکہ تارا اپنی روشنی سے تاریکی میں سوراخ کر دیتا ہے اسی وجہ سے اس کی صفت الثاقب لائی گئی۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨

جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔ (۱۳)

سینہ اکثر اعمال کا صندوق ہے اور قیامت میں یہ صندوق کھلے گا تو دیکھ! کس چیز پر صندوق کھلے گا؟ کیا تجھے اچھا لگے گا کہ اس صندوق میں بدعقیدگی ہو، ریا ہو، حسد ہو اور کینہ ہو۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ⑪

آسمان کی قسم جو مینہ برساتا ہے۔ (۱۱)

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ بھاپ بن کر آسمان پر جاتی ہے پھر ٹھنڈی ہو کر زمین کی طرف پلٹتی ہے۔

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ⑫

اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی ہے۔ (۱۲)

جس زمین پر ہم رہ رہے ہیں اس کا ایک خارجی چٹانی غلاف ہے اور یہ غلاف، شگافوں (Cracks) کے ایک زبردست جال کے ساتھ پھٹا ہوا ہے جو طول وعرض میں لاکھوں کلومیٹر پھیلا ہوا ہے۔ جس کی گہرائی ۶۵ کلومیٹر سے ۱۵۰ کلو میٹر کے درمیان ہر جانب پھیلا ہوا ہے۔ اور عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ تمام شگاف (Cracks) ایک دوسرے سے مربوط ہیں جیسے ایک ہی شگاف (Crack) ہو۔ اس حقیقت کو نیہ کا علم سائنسدانوں کو بیسویں صدی کے نصف اخیر میں ہوا۔

Scanned by CamScanner

سورۃ الاعلیٰ (مکیۃ)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝١ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝٢ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝٣ وَالَّذِي أَخْرَجَ
الْمَرْعَىٰ ۝٤ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۝٦ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ
الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۝٧ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۝٨ فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَن
يَخْشَىٰ ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝١١ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۝١٢ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا
يَحْيَىٰ ۝١٣ قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۝١٥ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝١٦
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝١٧ إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝١٨ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝١٩

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو(۱) جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا(۲) اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر اس کو) رستہ بتایا(۳) اور جس نے چارہ اگایا پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا(۵) ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم فراموش نہ کرو گے(۶) مگر جو اللہ چاہے وہ کھلی بات کو بھی جانتا ہے اور چھپی کو بھی(۷) ہم تم کو آسان طریقے کی توفیق دیں گے(۸) سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی امید) ہو نصیحت کرتے رہو(۹) جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا(۱۰) اور (بے خوف) بدبخت پہلوتہی کرے گا(۱۱) جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل ہوگا(۱۲) پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا(۱۳) بیشک وہ مُراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا(۱۴) اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا(۱۵) مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو(۱۶) حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے(۱۷) یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ (۱۸) (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں (۱۹)

﴿الْأَعْلَى﴾ جس کی ''کنہ'' (حقیقت) انسانی سمجھ، فہم اور ادراک کی حدوں سے بہت بلند ہے۔ جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ اللہ کیونکر ہوا؟ اور عقل سے جو گھر گیا وہ لا انتہا کیونکر ہوا؟ وہی اعلیٰ و برتر ہے۔ اس سے اس مشرکانہ تصور کی تردید ہوگئی کہ کوئی چھوٹا دیوتا ہے کوئی بڑا ہے، کوئی دیو ہے اور کوئی مہادیو ہے۔

﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ﴾ یہ دنیا کی زندگی کی مثال ہے اس لیے کہ جس نے دنیا کی چکاچوند سے دھوکا کھایا اور انجام کار، دنیا و آخرت میں بدبختی کا شکار ہوا۔ تو اس کی مثال اس چارے کی ہے جو بعد میں سیاہ

بھوسہ ہوجائے۔ یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی﴾ نکتہ یہ ہے کہ بھینس کے آگے بین نہ بجائی جائے یعنی وہاں نصیحت کرو جہاں نصیحت نفع بخش ہے، یہاں علم کی نشر واشاعت کا ایک ادب سکھایا گیا کہ نااہل کے پاس اس کو نہ رکھا جائے۔ بعض نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر نصیحت نفع بخش نہ ہو تو نصیحت کرنا چھوڑ دینا چاہئے مگر انھوں نے یہ آیت ﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الذاریات:۵۵) کو نظر انداز کر دیا۔ دعوت نافع ہے لیکن کبھی کبھی ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ تذکیر ودعوت کسی عارض کی وجہ سے مؤخر کر دینا چاہئے، یہ بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض کی تطبیق ہے۔

﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰی﴾ جو اللہ سے ڈرے گا وہ اسے یاد ضرور کرے گا۔

﴿قد افلح من تزکّٰی﴾ تزکیہ تین قسم کا ہوتا ہے: (۱) عمل کا (۲) جذبات کا (۳) فکر کا

سب سے پہلے بچے میں جذبات رونما ہوتے ہیں، بچہ سارے کام جذبات کی بنا پر کرتا ہے، بھوک لگتی ہے تو روتا اور چیختا ہے اور ماں کی جدائی پر روتا ہے، اور جب چلنے پھرنے لگتا ہے تو عمل شروع ہوجاتا ہے، اور جب بالغ ہوجاتا ہے تو فکر وتدبر کرتا ہے، جذبات کے بارے میں عیسائیت کہتی ہے، شادی مت کر جذبات کو کچل دے، اسلام کہتا ہے شادی کر اپنے جذبات کا صحیح استعمال کر۔ اور عمل کے بارے میں یہودیت کہتی ہے کہ ہر ایک کو سزا دے، مردوں کو مار ڈال، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالے۔ ردعمل میں وہ بھی یہودیوں کے ساتھ موقع ملنے پر ایسا ہی کریں گے۔ عیسائیت کہتی ہے معاف کردو، اس سے بدامنی پھیل جائے گی کیونکہ ڈاکو آئے اور گھر کے مالک نے سامان نکال نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کا امن تباہ ہوجائے گا۔ جذبات کا تعلق دل سے ہے اور فکر کا تعلق دماغ سے ہے۔ جذبات وقتی طور پر جوش پیدا کرتے ہیں مثلاً بھوک، پیاس اور شہوت۔ مگر فکر میں ہم پچھلے علوم کو لے کر ان پر غور کرتے اور نتائج اخذ کرتے ہیں۔ غلط فکر آدمی کو غلط عقائد میں مبتلا کر دیتی ہے۔

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ جن لوگوں کو دنیوی زندگی کی وجہ سے دھوکا لگا ہے وہ کہتے ہیں کہ "النقد خیر من النسیئۃ" یعنی نقد اُدھار سے بہتر ہے۔ دنیاوی لذات یقینی ہیں، اور آخرت کے انعامات و لذات شکی، خیالی اور محض وہمی ہیں۔ اور قاعدہ ہے "لایترک الیقین بالشک" یعنی یقین کو شک کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا، یہ بالکل باطل اور ابلیسانہ خیال ہے۔

اس دھوکے کا ازالہ دو طرح سے ہوسکتا ہے (۱) بذریعۂ تصدیق یعنی ایمان کے ذریعے۔ (۲) بذریعۂ دلیل۔ تصدیق یہ ہے کہ اللہ کے کلام کو سچا سمجھیں وہ کہتا ہے ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ (سورۂ شوریٰ:۳۶) ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ (سورۂ آل عمران:۱۸۵) اور دلیل سے اس طرح کہ اپنے قیاس کی غلطی معلوم کریں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار۔ یہ تو صحیح ہے لیکن یہ بات کہ نقد اُدھار سے بہتر ہوا کرتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس صورت میں ہے کہ نقد اور اُدھار، مقدار اور مقصود دونوں میں بالکل برابر ہوں۔ تب تو بے شک نقد اُدھار سے بہتر ہے اور یہ بہ دلائل معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا، فانی اور آخرت، ابدی ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ نقد اُدھار سے بہتر ہے، صحیح نہیں، کیونکہ اگر نقد

Scanned by CamScanner

اُدھار کی بہ نسبت بہت کم ملے تو یقیناً اُدھار ہی نقد سے بہتر ہے۔اوران کا یہ کہنا کہ دنیا کی لذات یقینی ہیں اور آخرت کی وہمی ہیں،سو یہ بھی باطل ہے بلکہ مومنوں کے نزدیک یہ یقینی ہیں، ان کے یقین کے دو اسباب ہیں۔ ایک تو ایمان اور دوسرے تصدیق۔کیونکہ یہ کہنے والے کہ آخرت کی لذتیں یقینی ہیں،انبیاءعلیہم السلام ہیں جوڈاکٹر کی طرح ہیں۔اورظاہر ہے کہ مریض کوڈاکٹر کی باتوں پراوراس کی تشخیص پریقین کرنا ضروری ہے۔دوسرا سبب انبیاءعلیہم السلام پر نازل شدہ کتابیں ہیں جن کا الہامی ہونا خود کافرین کودل سے تسلیم تھا۔

تشریح مزید:

﴿الأَعْلَى﴾ علو سے مرادعلوذات اورعلوصفات،دونوں ہے۔یعنی اللہ عالی بذاتہ اورعالی بصفاتہ ہے۔عالی بذاتہ ہے کہ وہ عرش پرمستوی اورعالی بصفاتہ ہے کہ اس کی ساری صفات کامل ہیں۔

﴿خلق﴾ عدم سے وجود میں لایا۔

﴿فسویٰ﴾ نظام کائنات کا جیسا تقاضا تھاویسا بنایا۔مخلوقات میں کوئی مخلوق انسان سے زیادہ خوبصورت نہیں۔

﴿قدر﴾ اس کے احوال وافعال،رزق،اورمدت بقاءکومقررکردیا۔

﴿هدیٰ﴾ خیروشر کی ہدایت دی یعنی سعادت اورشقاوت کاراستہ بتادیا۔

﴿افلح﴾ "الفلاح هو الفوز بالمطلوب والنجاة من المرهوب" مقصد میں کامیابی اورڈرنے والی چیزوں سے نجات کوفلاح کہاجاتا ہے۔

﴿تزکی﴾ جس کاظاہروباطن طاہرہوگیا۔

❁❁❁

سورة الغاشيه (مكية)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ۝۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۝۳ تَصْلٰى
نَارًا حَامِيَةً۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ۝۶ لَّا
يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ۝۷ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ۝۸ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ۝۹ فِيْ جَنَّةٍ
عَالِيَةٍ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً۝۱۱ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ۝۱۲ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ۝۱۳
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ۝۱۴ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ۝۱۵ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ۝۱۶ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى
الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ۝۱۹

Scanned by CamScanner

وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ
بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ
اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

بھلاتم کوڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت کا) حال معلوم ہوا ہے؟(۱) اس روز بہت سے منہ (والے) ذلیل ہوں گے(۲) سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے(۳) دہکتی آگ میں داخل ہوں گے(۴) ایک کھولتی ہوئے چشمے کا ان کو پانی پلایا جائے گا(۵) اور خاردار جھاڑ کے سوا ان کے لئے کوئی کھانا نہیں (ہو گا)(۶) جو نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے(۷) اور بہت سے منہ (والے) اس روز شادماں ہوں گے۔(۸) اپنے اعمال (کی جزا) سے خوشدل(۹) بہشتِ بریں میں(۱۰) وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔(۱۱) اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔(۱۲) وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے(۱۳) اور آبخورے (قرینے سے) رکھے ہوئے(۱۴) اور گاؤ تکئے کی قطار لگے ہوئے۔(۱۵) اور نفیس مسندیں بچھی ہوئی(۱۶) کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں؟(۱۷) اور آسمان کی رطف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے؟(۱۸) اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں(۱۹) اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔(۲۰) توتم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہی ہو(۲۱) تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔(۲۲) ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا۔(۲۳) تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔(۲۴) بیشک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے(۲۵) پھر ہم ہی کو ان سے حساب لینا ہے(۲۶)

غاشیہ کا مطلب ہے طویل القامت ہونے کے باوجود بڑا وفا شعار، رات دن کا ساتھی، سفر میں بار بردار رفیق۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ الْغَاشِيَةُ: "اَلْقِيَامَةُ" (طبری) ابن عباس نے غاشیہ کی تفسیر قیامت سے کی ہے۔

﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾ سے وقال سعد بن أبي وقّاص وابن عباس: "هم اليهود والنصارى" (تفسیر ثعلبی) سعد ابن ابی وقاص اور ابن عباس کہتے ہیں ﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

﴿ضَرِيعٍ﴾ "الضريع۔ نبات رطبة يُسمّٰى شبرقاً ويابسه ضريعا۔ لاتقربه دابة لخبثه"۔ ضریع ایسا پودا ہے جو تر رہے تو اسے شبرق کہتے ہیں اور سوکھ جائے تو ضریع کہتے ہیں۔ اس کے گندہ ہونے کی وجہ سے کوئی جانور اس کے قریب نہیں جاتا۔ ﴿وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ﴾ (۷) جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک مٹائے گا۔

﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ (اس میں کوئی بے ہودہ بات نہیں سنیں گے) دنیا میں انسان دو ہی طرح بری باتیں سنتا ہے۔ اس طرح کہ وہ خود کج رو ہوتا ہے اور لوگوں سے لڑتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں اسے ﴿لَاغِيَة﴾ سننا پڑتا ہے مثلاً جب وہ دوسرے کو خبیث کہے گا تو دوسرا بھی اسے خبیث کہے گا۔ اور اس طرح اسے ﴿لَاغِيَة﴾ سننا پڑے گا۔ دوسری

Scanned by CamScanner

صورت ہے کہ لوگ اس سے لڑتے رہتے ہیں اور وہ ﴿لَاغِيَة﴾ سنتا ہے۔ اپنا کہا انسان تب سنتا ہے جب وہ لوگوں سے خوش نہ ہو۔ اور لوگوں سے ﴿لَاغِيَة﴾ سنتا ہے، جب لوگ اس سے خوش نہ ہوں۔ جنتی لوگ ایسے ہوں گے کہ ﴿لَاغِيَة﴾ نہیں سنیں گے، یعنی وہ لوگوں سے خوش ہوں گے اور لوگ ان سے خوش ہوں گے۔ ان میں رحم ہوگا، خلوص ہوگا، ہمدردی ہوگی، یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق بھی ایسے ہوں اور ان کا معاشرہ بھی ایسا ہو۔

﴿سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ اونچے تخت۔

﴿أَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ﴾ رکھے ہوئے گلاس۔ اکواب، کوب کی جمع ہے۔ کوب وہ کوزہ ہے جس میں قبضہ نہ ہو جیسے آبخورہ یا گلاس۔

﴿نَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ﴾ ترتیب وار رکھے ہوئے گاؤ تکیے۔

﴿زَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ﴾ جابجا بچھے ہوئے مخمل کے گدے۔

﴿أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ اونٹ ہفتہ ہفتہ بھر بھوک پیاس سے مقابلہ کرتا ہے۔ بڑی بڑی مشقتوں سے انکار نہیں کرتا۔ اس کی ہر چیز کام آتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ صابر اور اپنے رب کا شکر گزار بنے۔

﴿وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ﴾ آسمان سے ہونے والی بارش سے زمین کو زندگی ملتی ہے۔ اور بغیر کھمبے کے زمین کو روشنی دیتا ہے۔

﴿وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ﴾ پہاڑ، زمین کے توازن کو قائم رکھے ہوئے ہیں، ہواؤں اور بادلوں کو کنٹرول کرتے ہیں، ان سے شیریں پانی کے سوتے نکلتے ہیں اور بے شمار قیمتی خزانوں کے امین ہیں۔

﴿وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ﴾ زمین میں کھیت، جنگل، وادیاں اور باغات ہیں۔ جیسے ایک بنا بنایا گھر ہو اگر ساری چیزیں برت رہے ہو تو تمہیں گھر کے مالک کی پسند کے مطابق زندگی گذارنا چاہئے، ورنہ نمک حرامی ہوگی۔ اس سورہ کے اختتام پر "اللھم حاسبنی حسابا یسیرا" پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

❀❀❀

سورۃ الفجر (مکیة)

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ
لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿٥﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ

Scanned by CamScanner

مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾
الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ
عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ
وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي
أَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾
وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ
دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ
الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ
عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ
رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾

فجر کی قسم! (۱) اور دس راتوں کی (۲) اور جفت اور طاق کی (۳) اور رات کی جب جانے لگے (۴) (اور
بیشک یہ چیزیں عقلمندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں (کہ کافروں کو عذاب ضرور ہوگا) (۵) کیا تم
نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (۶) (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز
قد (۷) کہ تمام ملک میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے (۸) اور ثمود کی ساتھ (کیا کیا) جو وادیٔ (قریٰ)
میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے (۹) اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا (۱۰) یہ لوگ
ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے (۱۱) اور ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے (۱۲) تو تمہارے پروردگار نے
ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا (۱۳) بیشک تمہارا پروردگار تاک میں ہے (۱۴) مگر انسان (عجیب مخلوق ہے
کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا)
میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی (۱۵) اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر
دیتا ہے تو کہتا ہے کہ (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا (۱۶) نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں
کرتے (۱۷) اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو (۱۸) اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے
ہو۔ (۱۹) اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔ (۲۰) تو جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے
گی (۲۱) اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ کر آموجود ہوں گے (۲۲) اور دوزخ اس
دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر تنبہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)؟ (۲۳)

Scanned by CamScanner

کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی کے لئے) کچھ آگے بھیجا ہوتا(۲۴)تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا (کسی کو) عذاب دے گا(۲۵)اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا(۲۶)اے اطمینان پانے والی روح! (۲۷) اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (۲۸) تو میرے (ممتاز) بندوں میں داخل ہوا(۲۹)اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔(۳۰)

﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ سال کی راتوں میں مسلسل دس عظیم راتیں کوئی نہیں ہے سواء ذی الحجہ کی دس راتوں کے کہ یہ حج کے مناسک کے اوقات ہیں۔جن میں احرام ہے،دخول مکہ ہے،طواف کے اعمال ہیں،آٹھویں دن "یوم الترویہ" ہے، نویں عرفہ کی رات ہے،دسویں "لیلۃ النحر" ہے۔اس لیے متعین ہوگیا کہ ﴿لَيَالٍ عَشْرٍ﴾ سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے۔ لیالِ عشر سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔عرب، ﴿ایام﴾ (دنوں) کا اطلاق ﴿لیالی﴾ (راتوں) پر کرتے ہیں اور ﴿لیالی﴾ (راتوں) کا ﴿ایام﴾ (دنوں) پر کرتے ہیں۔

﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾

﴿شفع﴾ سے مراد تمام مخلوقات ہے کہ ہر مخلوق اپنا جوڑا رکھتی ہے۔﴿وَتْرِ﴾ سے مراد اللہ ہے کہ اس کا کوئی جوڑا نہیں۔

﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ﴾ رات مغرب سے شروع ہوتی ہے اور طلوع فجر پر ختم ہوتی اور ہر رات کو اللہ سماء دنیا پر نازل ہوتا ہے۔

﴿هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ﴾

﴿حجر﴾ کا مطلب "عقل" ہے۔اس سے یہ نکتہ ملا کہ قرآن عقلوں کو مخاطب کرتا ہے اس لیے قرآن میں جابجا ﴿قوم یعقلون﴾ وغیرہ کہا گیا۔

"ابتلاہ اَی اختبرہ" آدمی کپڑا خرید کر لاتا ہے عورتیں اس کو ہاتھوں سے گھستی ہیں کہ اس کا رنگ اترے گا کہ نہیں۔ انسان پر جب بوجھ پڑتا ہے تبھی اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے جو شخص اکھاڑے میں نہ اترے،اس کی پہلوانی کا پتہ کیسے چل سکتا ہے؟"ان اختبار اللہ للعباد تارۃ بالمسار لیشکرو تارۃ بالمضار لیصبروا"۔اللہ بندوں کو کبھی خوشیاں دے کر آزماتا ہے تاکہ وہ شکر کریں۔اور کبھی غم دے کر آزماتا ہے تاکہ وہ صبر کریں۔

﴿ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ﴾ امتحان لیا کے دو مطالب ہیں۔

"احدھما تعرّف حالہ والوقوف علی ما یجھل من امرہ"

(۱) اندرون کا اظہار۔یعنی جو حقیقت پوشیدہ تھی وہ ظاہر کی۔

(۲) اس کے اندرون کو دنیا پر ظاہر کردیا۔خبث (گندگی) ہے تو خبث۔جودت (عمدگی) ہے تو جودت۔

﴿ربی اکرمت﴾ انسان مال کی کثرت کو اللہ سے ملنے والی بزرگی سمجھتا ہے اور اس کی قلت کو ذلت سمجھتا۔ہے جب

کہ یہ انتہائی غلط خیال ہے۔انسان بزرگی اللہ کی اطاعت سے حاصل کرتا ہے اور ذلیل اس کی معصیت سے ہوتا ہے۔

﴿فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ﴾ دنیا میں کسی کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے اس کو کبھی زیادہ ملتا ہے اور کبھی کم۔

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ.وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ﴾

دونوں ہی معاملے اللہ ذوالجلال کے فیصلے کے تحت ہوتے ہیں۔مگر انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جب اس کو زیادہ ملتا ہے تو وہ اس کو اپنی لیاقت کا نتیجہ سمجھ لیتا ہے اور اس نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے جس کو برتر اندازہ (Over Estimation) کہا جاتا ہے اس کے برعکس آدمی کو جب کم ملے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھ کو نظر انداز کیا گیا ہے اور پھر وہ اس نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے جس کو کم تر اندازہ (Under Estimation) کہا جاتا ہے، برتر اندازے سے برتری کی نفسیات ابھرتی ہے اور کم تر اندازے سے کمتری کا احساس ہوتا ہے، صحیح انسان وہ ہے جو دونوں حالتوں میں یکساں حالت پر رہے اسی کو نفسِ مطمئنہ کہا گیا ہے۔

﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ" وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى (مسلم، کتاب الزھد الرقائق: ۲۹۸۳)

﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ تحاضون جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔اس سے یہ نکتہ ملا کہ غربا و فقراء کی کفالت کا اجتماعی نظم ہونا چاہئے۔

﴿وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ﴾ جہنم کی ستر ہزار لگا میں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوئے ہوں گے اور اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا گیا، اسے دیکھ کر تمام مقربین اور انبیاء گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور یارب نفسی نفسی پکاریں گے۔

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ جو نفس دنیا میں اللہ کی شریعت سے مطمئن نہیں ہوا وہ آخرت میں مطمئن نہیں ہوگا۔یہاں مطمئن ہو گیا تو وہاں مطمئن ہو جائے گا۔﴿فادخلی فی عبٰدی﴾ کو ﴿وادخلی جنتی﴾ پر مقدم کرنے کا راز یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی صحبت بذاتِ خود ایک نعمت ہے، پھر کیسا ہوگا کہ یہ رفاقت و صحبت جنت میں ہو!

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارجعی الیٰ ربك﴾ نفس تین طرح کے ہیں (۱) امارہ (۲) لوامہ (۳) مطمئنہ۔اس آیت میں اس نفس کے کئی اوصاف مذکور ہیں۔

(۱) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں سوائے نفس مطمئنہ کے کسی نفس کو مخاطب نہیں کیا، امارہ کی شان میں فرمایا ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ اور لوامہ کی شان میں فرمایا ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ اور اس نفس کو ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ کہہ کر خطاب کیا۔نفس امّارہ انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے یہ انسان کا دشمن ہے، ریاضت سے یہی نفس لوامہ بن جاتا ہے، برائی ہو جائے تو ملامت کرتا ہے، اور اچھائی نہیں کرتا تو

Scanned by CamScanner

بھی ملامت کرتا ہے اور صفات ذمیمہ سے اپنا پیچھا چھڑا چکا ہو تو نفس مطمئنہ بن جاتا ہے، اپنے انجام نیک سے خوش، ﴿رَاضِیَةً﴾ ہے اور رب کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لیے ﴿مَّرْضِیَّةً﴾ ہے۔

(۲) اس کا ذکر، لقب سے فرمایا اور لقب عرب کے نزدیک تعظیم فی الخطاب کی دلیل ہے اور اہل عقل کے نزدیک افتخار کا باعث ہے۔

(۳) طمانینت کے ساتھ اس کی مدح فرمائی اس میں تعریف نکلی کہ وہ مطیع اور متوکل ہے۔

(۴) وصف طمانینت کے ساتھ اس کو موصوف فرمایا اور مطمئن، پست زمین کو کہتے ہیں۔ جب اس نے تواضع اور انکسار کے ساتھ پستی اختیار کی، اللہ نے اس کی تعریف فرمائی تا کہ اس کی بڑائی ظاہر ہو۔

عَنْ ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "وما تواضع احد للہ إلا رفعہ اللہ (مسلم کتاب البر والصلۃ:۲۵۸۸)

رسول ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے واسطے تواضع کی، تو اللہ نے بلند قدر کر دیا۔

(۵) اس کے بارے میں ﴿ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً﴾ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ نفس امارہ ولوامہ کو باعزاز، رجوع ہونے کی اجازت نہیں، بلکہ یہ دولت و شرف صرف نفس مطمئنہ کو نصیب ہے، چونکہ اس نفس میں اطمینان ہے۔ اس لیے حکم ہوا کہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ چل کیونکہ ہم نے تیرے لیے اپنی بارگاہ میں آنا اور اپنی جنت میں ہمیشہ رہنا مباح فرما دیا۔ اس میں آدمی کو ترغیب ہے کہ مقام اطمینان پر کوئی نہیں پہونچ سکتا تاوقتیکہ کتاب وسنت کی اتباع نہ کرے اور تدبیر کو موثر بالذات نہ مانے۔

(۶) ﴿ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ﴾ فرمایا ﴿ارْجِعِیْٓ اِلَی الرب﴾ نہیں فرمایا نہ ﴿الی اللہ﴾ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہو گیا کہ اس کا رجوع کرنا اللہ کی طرف باعتبارِ لطفِ ربوبیت ہے، باعتبارِ قہرِ الوہیت نہیں، اس میں اس کو مانوس کرنا ہے اور اپنا لطف وکرم وعنایت ظاہر فرمانا ہے۔

(۷) ﴿رَاضِیَةً﴾ فرمایا یعنی وہ نفس دنیا میں اللہ کے احکام سے خوش ہوا اور آخرت میں جود وانعام سے خوش ہوگا، اس میں بندے کو آگاہ کرنا ہے کہ رجوع الی اللہ، بغیر طمانینت ورضا کے میسر نہیں ہوتا اور اس میں اشارہ یہ بھی ہے کہ جب تک اللہ سے دنیا میں راضی نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک آخرت میں مرضی اور پسندیدہ نہیں ہوسکتا۔

﴿مَّرْضِیَّةً﴾ کو ﴿رَاضِیَةً﴾ پر مقدم کیا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے اللہ کا بندے سے خوش ہونا نتیجہ اس کا ہے کہ بندہ اللہ سے خوش ہوا اور دوسری آیت "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کا خوش ہونا اللہ سے نتیجہ اس کا ہے کہ اللہ بندے سے خوش ہو، حاصل اعتراض یہ کہ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رضا بندے کی طرف سے ہوتی ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، جواب میں سمجھنا چاہئے کہ ہر آیت اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہے اور دونوں آیتوں کی تطبیق

میں کچھ خفا (پوشیدگی) نہیں، وجہ یہ ہے کہ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا مدلول یہ ہے کہ وجود ترتیبی میں پہلے اللہ کی طرف سے رضا ہوتی ہے پھر بندے کی طرف سے اور حقیقت اسی کی مقتضی ہے کیونکہ اگر اللہ پہلے ان سے راضی نہ ہو تو یہ کیسے راضی ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ عبد کے کمالات بالعرض اور حق کے کمالات بالذات ہیں اور ما بالذات ہمیشہ ما بالعرض پر مقدم ہوتا ہے اور دوسری آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جب بطریق مذکور بندہ اللہ سے دنیا میں راضی ہوگا تو اللہ اس سے آخرت میں خوش ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے اس میں کچھ اشکال نہیں۔

(۸) اس کے حق میں ﴿مَرْضِيَّةً﴾ فرمایا اور اس میں نفس کی سب تعریفوں سے بڑی تعریف ہے۔ کیا تو نے یہ ارشاد الٰہی ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ نہیں سنا؟ یعنی اللہ کی طرف سے رضامندی سب سے بڑی دولت ہے۔ یہ اہل جنت کی نعمتوں کے بیان کے بعد فرمایا: مطلب یہ ہوا کہ دولتِ رضا جنت کی تمام نعمتوں سے بزرگ تر ہے۔

(۹) ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ فرمایا۔ اس میں نفس مطمئنہ کو بڑی بشارت ہے کہ وہ خاص بندوں میں داخل ہونے کے لیے پکارا اور بلایا گیا اور یہ کون سے بندے ہیں؟ خصوصیت اور نصرت کے بندے ہیں مملوکیت وقہر کے بندے نہیں۔ وہ ایسے بندے ہیں جن کی شان میں ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ فرمایا گیا۔ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا اور خود شیطان کے قول ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ سے خبر دی۔ یعنی تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤں نہ چلے گا۔ یہ وہ بندے نہیں ہیں جن کے حق میں ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ فرمایا: یعنی جتنے آسمان وزمین والے ہیں سب کو رحمٰن کے پاس بندہ ہو کر آنا ہے۔ پس نفس مطمئنہ کو اس ارشاد ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ کی زیادہ خوشی ہے دوسرے ارشاد سے "وادخلی جنتی" کیونکہ پہلی نسبت اپنی طرف ہے اور دوسری نسبت جنت کی طرف۔

(۱۰) ﴿وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ جو اوصاف نفس مطمئنہ میں ہیں انھوں نے اس نفس کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اللہ کے خاص بندوں میں داخل کیا جائے اور اسے دنیا میں جنتِ طاعت اور آخرت میں میری جنت میں داخل کیا جائے، یہ آیت دو وصفوں کو متضمن ہے اور ہر ایک کا مدلول یہی ہے کہ قواعد تدبیر کو موثر بالذات نہ سمجھا جائے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ نے جس نفس کو دو اوصاف، طمانینت اور رضا، سے موصوف فرمایا اور یہ دونوں اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ بندہ تدبیر کو موثر بالذات نہ سمجھے۔

(۱) نیکی بھی اللہ کی طرف سے بدی بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ نساء:۷۸)

(۲) نیکی میں بندے ہی کا فائدہ ہے۔ اور برائی میں اسی کا نقصان ہے۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ (سورۂ جاثیہ:۷۸)

(۳) نیکی اللہ کی طرف سے ہے اور بندے کو جو برائی پہونچتی ہے وہ اس کے نفس کی طرف سے ہے۔ ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ (سورۂ نساء:۷۹)

Scanned by CamScanner

﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ.وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ بظاہر ان دوٹکڑوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ نقطۂ نگاہ سے بیان کی گئی ہیں، زاویۂ نگاہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اختلاف نظر آرہا ہے، زوایۂ نگاہ کے اختلاف اور نقطہ نگاہ کے تغیر سے بہت کچھ تبدیلی ہوجایا کرتی ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھیں، بیٹا پیچھے بیٹھا ہے اور باپ آگے ہے، بیٹے نے دیکھا کہ ایک سانپ باپ کی قمیص پر چڑھ گیا ہے، دائیں بائیں دیکھتا ہے، اسے سوائے بوٹ کے کوئی چیز نظر نہیں آتی، اب اگر بیٹا اس وقت باپ کو جوتے سے نہ مارے تو دنیا ملامت کرے گی، ایک ہی فعل (جوتا مارنا) ایک جہت سے قابل مذمت ہے دوسری جہت سے قابل تعریف ہے۔

(۱) شر اللہ کی طرف سے اور خیر بندے کی طرف سے، یہ شق بالکل باطل ہے۔

(۲) نیکی اللہ کی طرف سے اور بدی بندے کی طرف سے، قرآن اس کی تائید کرتا ہے۔ ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ﴾ کا مفہوم ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ کے بالکل الگ ہے۔ ﴿هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ یہ محاورہ ہے یعنی اتفاقیہ طور پر کام ہوگیا ''رب سببوں'' فلاں چیز مل گئی، اللہ نے ہر چیز بندے کے فائدے کے لیے بنائی ہے، اپنے فعل کی وجہ سے بندہ اسے اپنے حق میں مضر بنالیتا ہے مثلاً اللہ نے لوہا بنایا ہے اس سے مختلف کار آمد چیزیں بنا کر فائدہ حاصل کرے، اب اگر کوئی لوہے کو سر پر مار کر مر جائے تو یہ فعل اس کا ہے اللہ کا نہیں، جہاں تک نتائج کا سوال ہے، نتیجۂ شر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور نتیجۂ خیر بھی اللہ کی طرف سے، جب ہم نتائج کے لحاظ سے بات کریں گے تو کہیں گے شر بھی اللہ کی طرف سے ہے اور خیر بھی اللہ کی طرف سے ہے، مگر جب یہ کہیں گے کہ اچھے اعمال کون کرتا ہے؟ اور برے اعمال کون کرتا ہے؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بندہ دونوں کام کرتا ہے۔

سوال: انسان کے اندر بالقوی خیر و شر کس نے رکھے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ نے ان کا بالفعل ظہور کس کی طرف سے کیا؟ تو جواب ہوگا کہ بندے کی طرف سے کیا، جہاں تک صلاحیتوں، قوتوں، طاقتوں اور سامانوں کا سوال ہے، سب خیر ہیں۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں، مگر جہاں تک ان قوتوں کے استعمال کا سوال ہے؟ اگر قوت کا بُرا استعمال بندے نے کیا ہے تو شر بندے کی طرف منسوب ہوگا اور اگر قوت کا استعمال بندے نے اچھا کیا ہے تو خیر اللہ کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ اللہ نے ان قوتوں کو نیکی کے لیے پیدا کیا ہے۔

اللہ کے انعامات اور تکالیف کے دو مقامات:

(۱) مقام ابتلاء: ابتلا کے طور پر انعامات اور ابتلا کے طور پر تکالیف۔

(۲) جزا کے طور پر انعامات اور سزا کے طور پر تکالیف۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة البلد (مکية)

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿٤﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا
لُّبَدًا ﴿٦﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٧﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾
وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ
كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ
الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

ہمیں اس شہر (مکہ) کی قسم (۱) اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو۔ (۲) اور باپ (یعنی آدم) اور اس کی اولاد کی قسم! (۳) کہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے۔ (۴) کیا وہ خیال رکھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا؟ (۵) کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال برباد کیا۔ (۶) کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (۷) بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ (۸) اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟ (۹) (یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر وشر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔ (۱۰) مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔ (۱۱) اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ (۱۲) کسی (کی) گردن کا چھڑانا۔ (۱۳) یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔ (۱۴) یتیم رشتہ دار کو۔ (۱۵) یا فقیر خاکسار کو۔ (۱۶) پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت کی اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے۔ (۱۷) یہی لوگ صاحب سعادت ہیں۔ (۱۸) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا وہ بد بخت ہیں۔ (۱۹) یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے۔ (۲۰)

﴿الْبَلَدِ﴾ سے مراد مکہ ہے، اس کی قسم اس کے شرف اور عظمت کی وجہ سے کھائی گئی کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب سرزمین ہے۔

﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ والد اور مولود دونوں خواہ انسان کے ہوں یا جانور کے۔ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ذرا غور کرو کیسے پانی کے چند قطروں سے زندہ اور سمیع وبصیر ہو جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿ كَبَدٍ ﴾ امعنی جھیلنا (مکابدۃ الاشیاء) ہے، حالت حمل کی مشقت، ولادت کی مشقت، شیر خوارگی کی مشقت، پھر حصول معاش کی مشقت، پھر مشاغل حیات، پھر مختلف بیماریوں کی مشقت اور آخر میں موت کا دکھ۔ یہ سب ﴿ كَبَدٍ ﴾ کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں، جانور بھی یہ مشقتیں برداشت کرتے ہیں مگر ان کے پاس عقل نہیں ہے، مگر عقل کے ساتھ یہ مشقتیں جھیلنا زیادہ دشوار ہے۔

﴿ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَد ﴾ کیا وہ یہ گمان رکھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پا سکے گا۔ یا وہ سمجھتا ہے کہ اس کی حرکتوں پر کسی کی نظر نہیں ہے؟

﴿ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴾ کہتا ہے کہ خواہشات کی اتباع اور رسول کی مخالفت میں، میں نے ڈھیر سارا مال خرچ کر ڈالا۔

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْن ﴾ تین چیزیں اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔

(۱) دونوں آنکھیں۔

(۲) زبان جس سے وہ بولتا ہے۔

(۳) دو ہونٹ، کہ زبان اگر ناجائز چیزوں کے لیے تجھ سے کھینچا تانی کرے تو اس کو بند کرنے کے لیے ڈھکن کی طرح ہیں۔

﴿ أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴾ آنکھ اور نظر کے ذریعے دل معاملات کی خبر پاتا ہے، زبان اور آواز افکار و خیالات کو دل سے باہر لا کر حروف کی تعبیر بخشتے ہیں۔ آنکھیں دل کے لیے خبر ڈھونڈنے اور ٹوہ لگانے والی ہوتی ہیں اور زبان، دل کی ترجمانی کرتی ہے۔

﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ یہاں نجدین سے مراد دو راستے خیر و شر کے ہیں اور بعض مفسرین نے نجد سے مراد ماں کی دو چھاتیاں مراد لی ہے جو اللہ کے وجود کی ایک شاندار دلیل ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرا رزق ماں کی دونوں چھاتیوں میں ہے۔ یہ رہنمائی اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ ہر انسان یہاں تک کہ سارے انبیاء نجدی ہیں۔

﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ یہاں دو راستوں سے مراد نیکی اور بدی کا راستہ ہے۔ یہاں لفظ سبیل اور لفظ طریق کو چھوڑ کر لفظ نجد استعمال کیا کیونکہ نجد کا مطلب اونچے راستے کے ہیں جو چڑھائی والا ہو۔ قاعدہ ہے کہ جو چیز انسان کو ورثے میں مل جائے اس کے لیے محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مگر نیکی اور بدی میں بڑھنا چاہو تو تمہیں اس کے لیے تکلیف اٹھانی پڑے گی۔

اعتراض: ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا ﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے۔

جواب: ہر نفس میں ہدایت کا سامان رکھا ہے بعض لوگ اس کو باہر نکال کر پھینک دیتے ہیں، ہم انھیں مجبور کر کے ہدایت واپس نہیں دیتے۔

﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾ نفس اور شیطانی تقاضوں کے خلاف انسان جو محنت کرتا ہے وہ گھاٹی میں گھسنے کے مرادف

Scanned by CamScanner

ہے۔اس گھاٹی کو پار کر لے تو جنت ہے۔

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ اس میں سے ایک گھاٹی گردن چھڑانا ہے۔

﴿يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ اس سے نکتہ ملا کہ قرابت داروں کو صدقہ دینا غیروں کو دینے سے افضل ہے اور اسی طرح اس یتیم کو صدقہ دینا جس کا کوئی کفیل نہ ہو اس یتیم کے مقابلے میں افضل ہے جس کا کوئی کفیل ہو۔

سورۃ الشمس (مكية)

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا
يَغْشٰىهَا ۝٤ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝٦ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝٧
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝٨ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠ كَذَّبَتْ
ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝١١ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝١٣
فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝١٤ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝١٥

سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔(۱) اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے۔(۲) اور دن کی جب اسے چمکا دے۔(۳) اور رات کی جب اسے چھپا لے۔(۴) اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔(۵) اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے پھیلایا۔(۶) اور انسان کی اور اس کی جس نے اس (کے اعضاء) کو برابر کیا۔(۷) پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔(۸) کہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مُراد کو پہنچا۔(۹) اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔(۱۰) (قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔(۱۱) جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا۔(۱۲) تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے حذر کرو۔(۱۳) مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو ہلاک کر کے برابر کر دیا۔(۱۴) اور اس کو ان کے بدلا لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں۔(۱۵)

Scanned by CamScanner

فجور وتقویٰ کا الہام:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ فجور کو تقویٰ پر مقدم کیا کیونکہ برے کاموں سے خود کو روکنے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے، شعور (Concience) کا معنیٰ ضمیر کے صرف اتنے احساس کے ہیں کہ انسان بعض باتوں کو اچھا اور بعض باتوں کو برا سمجھتا ہے۔ ضمیر میں یہ بات شامل نہیں کہ فلاں چیز اچھی ہے اور فلاں چیز بری، یہ بات عادت سے تعلق رکھتی ہے جیسی کسی کی عادت ہوتی ہے ویسے ہی اس کا اس چیز کے متعلق احساس ہوگا، کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں جو ہر چیز کو اچھا کہتا ہو اور ہر چیز کو برا سمجھتا ہو، ہر آدمی کہتا ہے کہ اچھا کام ضرور کرنا چاہئے، یہ اور بات ہے کہ برے کام کو اچھا سمجھتا ہو یا اچھے کام کو برا سمجھتا ہو، مگر یہ احساس اس کے اندر ضرور پایا جاتا ہے کہ دنیا میں کچھ چیزیں اچھی ہیں اور کچھ چیزیں بری ہیں۔ مجھے اچھی چیزیں اختیار کرنی چاہئے اور بری چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے یہی معنی ہیں ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ کے۔ جہاں تک تحت الشعور (Subconcience) کا سوال ہے، اس کے لحاظ سے یہ سب باتیں بری ہیں۔ بعض برائیوں کو Concience برا نہیں سمجھتا، اگر قائل ہوتا ہے تو لمبی بحث کے بعد قائل ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب Sub سے 'C' میں یعنی تحت الشعور سے شعور میں اس کی برائی لائی جائے، یہ ہر شخص نہیں کرسکتا کہ وہ کسی چیز کو Sub سے C میں منتقل کردے۔

مثال: ایک حکیم صاحب نے ایک چور سے کہا کہ محنت کر، اس نے کہا مجھ سے زیادہ محنت کون کرتا ہے لوگ دن میں اور ہم رات میں محنت کرتے ہیں، اندھیرے میں ہمیں ٹھوکر لگتی ہے، ٹھنڈی میں ہمارا جسم ٹھٹھرتا ہے وغیرہ۔ حکیم صاحب نے پوچھا کہ چوری کس طرح کرتے ہو؟ اور کتنے آدمی اس میں شریک ہوتے ہیں؟ اس نے حیرت سے کہا جناب چوری کے لیے کئی آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے، پہلے گھر کے کسی آدمی کو ملاتے ہیں، وہ بتاتا ہے کہ گھر میں کتنے کمرے ہیں؟ اور مال کہاں ہے؟ اور ایک آدمی باہر کھڑا نگرانی کرتا ہے، ایک سیندھ لگاتا ہے، ایک تالہ توڑتا ہے۔ چونکہ اصلی زیورات بیچنے میں بہت سے خطرات ہوتے ہیں اور پکڑے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایک زیورات سُنار کو دے دیتا ہے وہ اس کو گلا کر اس کی شکل بدل دیتا ہے۔ حکیم صاحب نے پوچھا اتنی عرق ریزی کے بعد اگر سنار وہ سونا ہڑپ کر جائے تو؟ چور نے کہا ہم اس کی گردن اُڑا دیں گے، حکیم نے کہا کہ میرے چور صاحب ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ چوری کوئی عیب نہیں، اور اب گردن اُڑانے کی بات کررہے ہو۔ معلوم ہوا کہ فطرت دب جاتی ہے مگر بعض دفعہ ابھر آتی ہے۔ اس کا ابھارنا ہر شخص کا کام نہیں۔

تم کہتے ہو کہ جیو ہتیا پاپ ہے، مگر زخم میں جو کیڑے پڑ جائیں تو تم انھیں دوائیوں سے مارتے ہو یا نہیں؟ یہاں تم سمجھتے ہو کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے قربان ہوجانا چاہئے، ہر شخص خواہ کسی بھی ملت کا پیرو ہو اس کے اندر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ کچھ چیزیں اچھی ہیں اور کچھ چیزیں بری، یہ نہیں کہ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری، مثلاً چور چوری کو اچھا سمجھے گا مگر قتل کو نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ میں فجور اور تقوی کو مصدر استعمال فرمایا ہے یعنی فجور وتقویٰ کی حس رکھی ہے نہ کہ تفصیلات۔ مگر غلطی سے لوگ تفصیلات میں چلے جاتے ہیں اور معین نیکیوں اور معین بدیوں کو بطور مثال پیش کرنے لگتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ہر شخص میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ کچھ چیزیں اچھی ہیں کچھ چیزیں بری، اس کے بعد اختلاف ہوجاتا

Scanned by CamScanner

ہے، کوئی کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے اور کوئی کسی اور چیز کو اچھا سمجھتا ہے اور کوئی کسی چیز کو برا سمجھتا ہے اور کوئی کسی اور چیز کو برا سمجھتا ہے۔ نیکی وبدی کی حس ہر ایک میں ہے مگر تعیین میں اختلاف ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس فطری حس کو صحیح کرنے والی کوئی ایسی ہستی ہو جو انسانی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتی ہو پھر وہ بتائے کہ کون سی چیز واقعی اچھی ہے اور کون سی چیز واقعی بری ہے۔

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾

آسمانی کتابوں کے ذریعے خیر وشر کی پہچان کرادی اور عقل وفطرت میں خیر وشر کا شعور ودیعت کر دیا کہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

تشریح مزید:

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ تقویٰ کا الہام تو موافق فطرت ہے مگر اللہ فجور کا الہام اس وقت کرتا ہے جب انسان فطرت سے انحراف کرتا ہے۔ اس کی دلیل ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصّف:۵)

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾ یہاں تزکیہ سے مراد شرک اور گناہوں کے شائبوں سے پاک کرنا ہے اور اس کے لیے اللہ سے دعا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ اس کو فطرت پر قائم رکھے۔

﴿مَنْ دَسَّاهَا﴾ جس نے نفس کو ہلاکتوں اور گناہوں میں گرادیا وہ ناکام ہوا۔

❀❀❀

سورۃ الیل (مکیة)

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ
لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦ وَاَمَّا
مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ⑨ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ
مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ⑪ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬ فَاَنْذَرْتُكُمْ
نَارًا تَلَظّٰى ⑭ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ⑮ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑯ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ⑰
الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ⑱ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ⑲ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ
رَبِّهِ الْاَعْلٰى ⑳ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ㉑

Scanned by CamScanner

رات کی قسم جب (دن کو) چھپالے۔(۱)اور دن کی قسم جب چمک اٹھے۔(۲)اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کئے۔(۳) کہ تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔(۴)تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی۔(۵)اور نیک بات کو سچ جانا۔(۶)اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ (۷) اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔ (۸) اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا۔(۹)اسے سختی میں پہنچائیں گے۔(۱۰)اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔(۱۱)ہمیں تو راہ دکھا دینا ہے۔(۱۲)اور آخرت اور دنیا ہماری ہی چیزیں ہیں۔(۱۳)سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔(۱۴)اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بدبخت ہے۔(۱۵)جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔(۱۶)اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ (اس سے) بچا لیا جائے گا۔(۱۷)جو اپنا مال دیتا ہے تا کہ پاک ہو۔(۱۸)اور (اس لئے) نہیں (دیتا کہ) اس پر کسی کا احسان (ہے) جس کا وہ بدلا اتارتا ہے۔(۱۹) بلکہ اپنے رب اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔(۲۰)اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔(۲۱)

رات کی قسم:

﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ﴾ یعنی قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ یا یہ کہو کہ نورِ آفتاب کو چھپالے، اور دنیا کو تاریک کر دے اور ساری چیزوں کو ڈھانک لے، یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نورِ روحانی اور نورِ قلب کو چھپا کر اس کے اندرونی جہاں میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گوناگوں افعالِ بد سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب، چوروں اور ڈاکوؤں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے نیز رات دنیا میں ایک انقلابِ عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا پورا نمونہ بھی ہے، اس لیے کہ رات میں یکے بعد دیگرے لوگ باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد سناٹا ہو جاتا ہے اور سب مُردوں کی طرح اپنے بستروں پر بے خبر لیٹے ہوتے ہیں، نہ اس وقت انہیں اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی، نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی، یہی حال خوابِ عدم کا ہے کہ یکے بعد دیگرے لوگ مرجاتے ہیں اور سب کچھ یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ایک عرصہ کے بعد ان کے ہم عصروں میں سے کوئی انسان تو کیا کوئی جانور بھی باقی نہیں رہتا، سب پر خوابِ عدم طاری ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی ایک بہت بڑی نشانی ہے، اسی لیے رات کی قسم کھائی گئی۔

﴿وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے، یہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی کہ جو بے خبر سوئے پڑے تھے وہ بیدار ہو گئے اور پھر ہر طرف ہائے ہونے لگی، پرند چہچہانے لگے، چرند جنگل کی طرف جانے لگے، ہر ایک کاروبار والا اپنے کاروبار کی طرف چلنے لگا، مسافر سفر پر کمر باندھنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کی طرف اشارہ ہے جب کہ اس میں آفتابِ روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے

چور اور بدمعاش بھاگنے لگتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف ان کے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ہم ایمان داروں اور نیکوکاروں کے لیے نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بے ایمانوں اور بدکاروں کے لیے بے ایمانی اور بدکاری کے راستے آسان کر دیتے ہیں، رات اور دن بھی نر و مادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے افعال و خواص میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک کی کوشش مختلف ہے، اسی طرح مخلوق میں نر و مادہ کا حال ہے۔ اس لیے اس کے بعد نر و مادہ کی بھی قسم کھاتا ہے۔

نر و مادہ کی قسم:

﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ﴾ اور قسم ہے نر و مادہ پیدا کرنے کی۔ یا یوں کہو کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں نر سے خاص آدم علیہ السلام اور مادہ سے حوا مراد ہیں۔ جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں۔ ہر ایک شئے میں نر و مادہ ہے خواہ انسان ہو یا حیوان یا کوئی اور مخلوق۔ یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے، اس لیے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادہ ہے یعنی وہ ایک تخم سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے؟ حیوانات و انسان کی ہر صنف و نوع میں یہی قانون جاری ہے، پھر نر اور مادہ میں جو جو چیزیں ہونی چاہئے تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں، اعضاء انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جائے تو عقل حیران ہو جائے، ماں کے ستر مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کہ سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں، پھر اندرونی اعضاء توالد و تناسل میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں، پھر اس کے قویٰ و عادات و افعالِ طبیعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں، اگر نر و مادہ نہ ہوتے بلکہ سب نر ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ بنا دیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نر و مادہ کے تخم میں نر و مادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر و شر اور نقصان و کمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نر و مادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کے باہمی اختلاط سے بھی عجیب و غریب ثمرات پیدا ہوتے ہیں، اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی بُرا ہوتا ہے اور مرکران کی جماعت میں جا ملتا ہے اور اسی کی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے اور جس طرح رات اور دن کی کوششوں اور افعال و خواص میں اختلاف ہے اسی طرح نر و مادہ میں بھی اختلاف ہے، نر کا مقتضائے طبعی اور ہے اور مادہ کا اور اسی لیے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ﴾ کہ اے بنی آدم! اعمال و اشغال میں تمہاری کوشش و ہمت اور جد و جہد گونا گوں ہے۔ ہر چند یہ بات ذکر و انثیٰ (نر و مادہ) کی پیدائش سے ظاہر تھی مگر اس کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا دعویٰ کو مع دلیل ذکر کرنا ہے، پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے۔ وہ بُرے کام کرتا ہے اور کسی کی کوشش دن کی طرح نورانی ہے اس لیے وہ اچھے کاموں میں سرگرم رہتا ہے۔ پھر کوئی اپنی کوشش میں مردِ میدان ہے تو کوئی نامرد ہے، اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے، اور کسی کی زنانہ، جو مرد

Scanned by CamScanner

ہے وہ دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، وہ سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے در پے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے وہ دنیا کی حسین چیزوں پر مر رہا ہے اور لذائذِ فانیہ پر فریفتہ ہے۔ کوئی حسیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات دن مال وزر کے جمع کرنے میں لگا ہوا ہے، نہ اس کو دن میں چین ہے، نہ رات کو سکون، نہ کھانے پینے کا ہوش ہے، نہ اسے کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا ہے اور ساری چیزوں کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی فائدہ ہی نہیں تو پھر یہ کس کام آئے گی؟ اور کوئی ایسا ہے کہ اس کی ہمتِ مردانہ کے نزدیک مال وزر تو کیا دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں ہے، وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں وہ چند روزہ مہمان کی حیثیت سے ہے۔ حقیقی چین وسکون، عزت اور ہمیشہ کی زندگی تو موت کے بعد ہے۔ دنیا آرام سے گزر گئی تو کیا، تکلیف سے گزر گئی تو کیا۔ اس کے بعد ان مختلف کوششوں کے مختلف نتیجے بیان فرماتا ہے۔

صفات حمیدہ ورذیلہ:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى﴾ کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور حتیٰ المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا، یہ زکوۃ و صدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ یہ وہ پہلا کام ہے کہ جس کی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ دوم ﴿وَاتَّقَى﴾ یعنی برائیوں سے بھی بچا۔ جیسے ظلم وستم، زنا، جھوٹ، تہمت، قتلِ ناحق، غصب، لوٹ کھسوٹ، چوری، ڈاکہ، والدین کی نافرمانی جیسے کبیرہ گناہوں سے باز رہا۔ اس میں دیگر فقیر ومسکین اور اہل قرابت پر احسان جتلانا، یا ریاکاری کے لیے دینا بھی آ گیا۔ الغرض پرہیزگاری کی، اس لیے کہ دینے کے بعد افعالِ قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے، یہ وہ دوسری بات ہے جس کو اکثر کیا سب مذاہب مانتے ہیں۔ یہاں تک قوتِ عملیہ یعنی مالی اور بدنی عبادت نیز بری چیزوں سے بچنے کا بیان تھا۔ مگر ان سب کے ساتھ عقائد یعنی قوتِ نظریہ یا یوں کہو کہ عمل کے بعد علم کی اصلاح کرنا ضروری تھا اس لیے فرماتا ہے۔

﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾ یعنی اس نے نیک باتوں کو سچ بھی جانا جیسا کہ اللہ اور اس کی صفاتِ کاملہ اور انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اس کی تصدیق کی، جس کو ایمان کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں حسنیٰ سے مراد کلمۂ توحید ہے، لیکن یہ بات تو قابلِ بحث ہے کہ مطابق واقع اعتقاد کیا ہے؟ اور خلافِ واقع کیا ہے؟ اس لیے کہ مشرکین اور مذاہبِ باطلہ اپنے من گھڑت خیالات وتوہمات کو واقع کے مطابق سمجھتے ہیں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہلِ مرکب سمجھتے ہیں۔ اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیوں کہ جن کی تصدیق کرنی چاہیے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہیے ان کو حسنیٰ کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں، اب ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے۔

اول یہ کہ کوئی مسلم شخص جس کے علم وانکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو، وہ ان کو عمدہ کہے۔ دوم یہ کہ عقلِ سلیم کے حوالے کر کے (جب کہ عوارضِ وہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جائے کہ ان میں حُسن وخوبی یعنی راستی بھی ہے کہ نہیں۔ وہ شخص کہ جو مسلم ہے ''نبی'' ہے، کیوں کہ اس کا علم وانکشاف اور لوگوں کے علم وانکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض ہوں، بدرجہا فائق ہے۔ پس اس کے فرمودہ عقائد ''حسنیٰ'' ہیں اور نیز عقلِ سلیم ان کی عمدگی پر شہادت دے رہی ہے۔ مثلاً اللہ کی توحید اور

صفات میں یکتائی، حسنیٰ ہے نہ کہ تثلیث۔ پھر جس نے ان تین باتوں (حسنیٰ، صدقہ اور تقویٰ) کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى﴾ (ہم اس کو ﴿يُسْرٰى﴾ کے لیے آسان کر دیں گے) ﴿يُسْرٰى﴾ سے مراد آسان راستہ ہے۔ جو "وصول الی اللّٰہ" اور "وصول الی الجنۃ" کا راستہ ہے۔ اور وہ آسان راستہ شرع محمدی ہے، اس لیے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر راستے میں دقّت ودشواری پاؤ گے، برخلاف شرع محمدی کے۔ یعنی ہم اس کو اس نیک راستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا ہے تو اس کے اندر اس کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ ان نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جن کا ذکر ہوا تو اس کے اندر ایک نورانی ملکہ پیدا ہوگا، جس سے اس کو ہر نیک کام آسان معلوم ہوگا اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ اسے بارگاہِ قدس اور عالمِ باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جائے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور پل صراط کا نور اور میدانِ حشر میں سایہ اور نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ اور جو بخل کرتا ہے یعنی اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا اور مال کی محبت اس کے دل میں پیوست ہو چکی ہے، یہ اول صفت کی ضد ہے، ﴿وَاسْتَغْنٰى﴾ اور بے پروائی بھی کی یعنی پرہیز گاری نہ کی۔ اور بڑی بے پروائی اور تکبر سے برے کام کرنے لگا اور اپنی قوتِ عملیہ بگاڑ لی، یہ دوسری صفت کی ضد ہے۔ ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا، نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور اس کا قائل ہوا بھی تو توحید کا قائل نہیں ہوا، نہ اللہ کی دیگر صفاتِ حمیدہ کا، نہ دارِ آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا وسزا کا اور نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل ہوا، یہ تیسری صفت کی ضد ہے۔ اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ تو اس کے لیے ہر برا عمل خواہ وہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے اور جس میں ملکۂ خیر ہے اگر اس سے کہو چوری کر یا زنا کر یا فلاں کو مار ڈال تو وہ ایسا کبھی نہ کرے گا اور یہ کام اس کو پہاڑ معلوم ہوگا اور اگر کہو کہ تہجد کی نماز پڑھا کر اور اللہ کی راہ میں غرباء ومساکین کو دیا کر، تو وہ اس کو بہت ہی آسان کام جانے گا اور جس میں برُا ملکہ پیدا ہو گیا اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے، وہ تمام عمر ہر برے کام کرے گا اور یہ اس کے نزدیک بہت آسان ہوگا، اگر کہو نکاح کر لے تو نہ کرے گا، اس کے لیے یہ مشکل کام ہوگا، اور ناحق قتل کر ڈالنا، چوری کرنا، سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر محفل رقص وسرود میں جاگنا، آسان ہوگا مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لیے جاگنا اس کے لیے پہاڑ سے بھی بھاری ہوگا، فواحش میں ہزاروں روپیہ صرف کر دینا آسان ہوگا، مگر اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا اس کے لیے سخت مشکل ہوگا۔ یہ ملکۂ ظلمانی جس کے سبب اللہ نے تمام بدراہوں کے لیے برے کام آسان کر دیئے ہیں، قبر میں عذاب اور آخرت میں جہنم کا سبب ہے۔ اول ملکہ روزِ روشن سے اور دوسرا، چھا جانے والی رات سے مشابہ ہے۔ اول کا صاحب نر، دوسرے کا صاحب مادہ ہے۔ مگر وہ بدبخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا ﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى﴾ اس کے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا؟ وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا یا یوں کہو جب وہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا؟ پھر اس پر اس قدر فریفتگی چہ معنی دارد؟

جس طرح تزکیہ اور کمال کے لیے تین اوصاف بیان فرمائے گئے، ایک ﴿اعطىٰ﴾ (اللہ کی راہ میں دینا) دوم

Scanned by CamScanner

﴿ و اتقیٰ ﴾ (پرہیز گاری اختیار کرنا) سوم ﴿ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴾ (ایمان واعتقاد کی درستگی)، اسی طرح نقصان وتکویث کے لیے ان تین وصفوں کے مقابلے میں تین صفات رذیلہ بیان کی گئیں۔ ﴿ بَخِلَ ﴾ ﴿ أَعْطیٰ ﴾ کے مقابلہ میں ہے، بخل بھی بہت بڑا عیب ہے، بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں اور اس کے دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں، مخلوق اس سے نفرت کرتی ہے اور کوئی اسے بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ نیز عالمِ بالا میں بھی یہ حقیر شمار ہوتا ہے اور ﴿ اتقیٰ ﴾ کے مقابلہ میں ﴿ و استغنیٰ ﴾ ہے، یعنی تکبر کرنا اور احکامِ الٰہی سے بے پرواہو جانا اور گناہوں اور برے کاموں کے انجام سے بے پرواہو کر ان کو عمل میں لانا، ایسا فاسق وبدکار مخلوق میں گھناؤنا ہو جاتا ہے، اس کے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی، عالمِ قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، اس کی عمر اور مال میں برکت نہیں ہوتی اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور ﴿ صدّق بالحسنی ﴾ یعنی ایمان کے مقابلہ میں ﴿ کذّب بالحسنی ﴾ ہے، بے ایمان، کافر و بدعقیدہ تو اللہ کا دشمن ہوتا ہے، اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا، کیوں کہ وہ آخرت کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ اب درمیانی تیسرا مرتبہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفاتِ حمیدہ ہوں اور کچھ رذیلہ ہوں، اس کو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے، اگر ایمان ہے تو قصورِ عمل سے آخر کار نجات ہے۔

پہلے بیان سے (جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیز گاری اور ایمان لانے کے لیے نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لیے برائی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے) یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا؟ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب دو جملوں میں دیا گیا ہے۔ اول، ﴿ ان علینا للھدیٰ ﴾ کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے اور ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر یہ واجب کر لیا ہے۔ اس لیے اول حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی عطا کئے۔ عقل و ادراک دیا جو نیک و بد میں امتیاز کرتا ہے، اس کے بعد رسول بھیجے، کتابیں نازل کیں پھر رسولوں کے جانشین علماء قائم کئے اور حوادثِ دہر اور تغیراتِ عالم بلکہ ان کے حالات کے عبرت خیز نشان قائم کئے تا کہ وہ اپنے ارادہ واختیار سے نیک راستہ کو اختیار کریں اور بُرے راستہ کو چھوڑیں اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی کسی کو اس کے ارادہ واختیار کے بغیر راہِ ہدایت پر لائیں بلکہ دونوں راستوں پر چلنا، چلنے والے کے ارادہ واختیار پر چھوڑ دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور فرمانبردار اور نیک و بد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر وشجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا، اور انسان کو قدرت واختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشاء ہی غلط ہو جاتا۔ رہی توفیق جو انسان کے ارادہ واختیار سے متعلق ہے وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے اور یہ اس لیے کہ ﴿ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولیٰ ﴾ دنیا اور آخرت ہماری ہے، ہم ہی ان کے مالک وخالق اور بادشاہ ہیں ایک ذرہ بھی ہمارے ارادہ، قدرت اور قضا وقدر کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آسکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ دنیا میں تکلیف وآرام ہے وہ سب ہمارے اختیار وارادہ سے موجود ہوتا ہے اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے عذابات ہیں وہ سب ہمارے ہی مخلوق و مملوک ہیں اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اس کے حاصل کرنے کے درپے رہتا ہے

Scanned by CamScanner

توجیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو ہم اس کو جس قدر چاہتے ہیں دنیا عطا کرتے ہیں اور جو عقبیٰ کے طالب ہیں اور اس کے لیے سعی وکوشش کرتے ہیں تو ہم ان کو وہی عطا کرتے ہیں، دونوں جہاں ہمارے ہیں جو جس کا طالب ہو وہ اس کے لیے آئے اور حاصل کر لے۔

اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کر دیا اور جبر وقدر دونوں کو باطل کر کے درمیانی صاف اور سیدھا راستہ بتا دیا اور جب کہ ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے اس لیے ﴿فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى﴾ ہم نے تم کو اے بنی آدم اس شعلہ زن آگ سے خبردار اور متنبہ کر دیا ہے اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں جہاں سب کو جانا ہے موجود ہے اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ میں رحیم وکریم ہوں، یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دوں گا بلکہ ﴿لَا يَصْلٰهَا إِلَّا الْأَشْقَى﴾ اس میں سوائے انتہائی بدبخت کے اور کوئی نہیں داخل ہوگا۔

بدبخت کون؟

اب ﴿اشقیٰ﴾ کی خود ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے ﴿الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ کہ ﴿أَشْقٰى﴾ (بدبخت) وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اس کے احکام کو جھٹلایا جن میں مرنے کے بعد اچھے برے اعمال کی جزا وسزا بھی ہے اور جب جھٹلا دیا اور یقین نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا، یہ وہی شخص ہے کہ جس کے لیے ﴿عُسْرٰى﴾ یعنی بدی کا راستہ آسان کر دیا گیا تھا اور بُرے کام گو بظاہر مزے دار تھے مگر ان کا انجام آگ ہے۔ اس لیے ان کو ﴿عُسْرٰى﴾ کہا گیا اور یہ اس لیے کہ ﴿كَذَّبَ بَالْحُسْنٰى﴾ کی جگہ تو ﴿كذب﴾ موجود ہے، جو اس سے بھی عام ہے اور ﴿تولّٰی﴾ کی تفسیر ﴿بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى﴾ ہو سکتی ہے۔ علماء اہل سنت کے نزدیک گنہگار مومن کو بھی آخرت میں عذاب نار ہوگا، اگر اللہ معاف نہ کر دے گا، مگر فرقۂ مرجئہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے انسان جہنم میں جائے، ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب نہ ہوں گے اس لیے گناہ گار مومن اور نیک مومن برابر نہیں، اور دلیل ان کی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں اور یہ اس لیے کہ ﴿اشقیٰ﴾ سے مراد کافر ومشرک ہی ہے کیونکہ بدبختی کی دو قسمیں ہیں۔ اول دنیا کی بدبختی جیسے بیماری، تنگ دستی، مرگِ احبّاء اور شکست وناکامی وغیرہ۔ سو یہ بدبختی دنیا ہی میں تمام ہو چکتی ہے آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں پہونچتا۔ دوسری عقبیٰ کی بدبختی ہے، پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادات وفرائض میں سستی کرنے سے بدبختی پیدا ہوئی، جس کا نتیجہ درجاتِ عالیہ سے محرومی ہے اور اسی لیے اس کو شقی کہتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ اس کے ساتھ ایمان بھی نہیں اور احکام الٰہیہ کی تکذیب بھی کرتا ہے سو یہ اشقیٰ یعنی بڑا بدبخت ہے۔ اسی کے لیے اللہ نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے، اور یہ شریعت کے عرف میں کافر ومشرک ہے اس لیے کہ ﴿كذب﴾ اسی پر صادق آتا ہے نہ کہ مومنِ گناہ گار پر، اس لیے کہ گنہگار مومن اس کی تکذیب نہیں کرتا اور اللہ اور اس کے رسولوں کی سب باتوں کو سچا جانتا ہے مگر خواہشِ نفسانی یا غفلت وسستی سے گناہ کرتا ہے، علماء اہلِ سنت ان کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جو گناہ گار مومن جہنم میں داخل ہوگا وہ وہاں سدا نہ رہے گا کچھ عرصہ سزا ہوگی سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل

Scanned by CamScanner

ہونا نہیں ہے، اس لیے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔ دوم یہ کہ ﴿نَارًا تَلَظّٰى﴾ تو خاص کافروں کے لیے ہے اور گناہ گار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ اور آگ ہوگی، جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہوگی۔

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ اور اس آگ سے عنقریب بڑا پرہیز گار دور رہے گا۔

اب اس اتقیٰ کی تفسیر بیان فرماتا ہے۔ ﴿الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى﴾ کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے فقراء و مساکین کو دیتا ہے ریا کاری اور نمود یا کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے درجات کی دم بدم ترقی کے لیے کرتا ہے، زکوۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزائش و زیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں، اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں اس لیے کہ ﴿اتقیٰ﴾ اپنا مال محض رضائے الٰہی میں صرف کرنے سے درجات و تقربات میں ترقی و افزائش بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس شجرِ تقرب کے لیے یہ عبادت پانی اور ہوا کے مثل ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اس کو ایک قسم کی نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے جس کو انشراح کہنا چاہئے، جو بخیلی کی نجاستوں، لالچ کی کدورتوں اور حبِ مال کی ظلمتوں سے پوری طرح پاکیزگی کا ذریعہ ہے، پھر اس ﴿يَتَزَكّٰى﴾ کی تشریح کرتا ہے ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى﴾ یعنی وہ کسی کی نعمت واحسان کا بدلہ نہیں اُتارتا ﴿اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾ بلکہ محض اپنے معبودِ برتر کی رضا حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی غرض نہیں ہوتی، پھر اس اتقیٰ کا دارِ آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ کہ وہ بہت جلد راضی ہو جائے گا، یعنی دارِ آخرت میں اس قدر نعمتیں اس کو عطا ہوں گی کہ راضی ہو جائے گا۔ خرچ کرنے اور اپنے معبود کی رضا حاصل کرنے سے پچھتائے گا نہیں بلکہ خوش ہوگا، ﴿سَوْفَ﴾ کے معنی آئندہ کے ہیں، یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ دارِ آخرت میں ہوگا جس کی ابتداء موت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے تو وہ تنگ دل نہ ہو، اس لیے کہ دنیا اللہ کے مکمل جزا و سزا دینے کی جگہ نہیں ہے، اگر ایسا ہوتو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ کرنے پر تیار ہو جائے گا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات اللہ کی راہ میں صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے اور وہ مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے، عرفِ شرع میں اتقیٰ اس مومن کو کہتے ہیں جو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو صدقِ دل سے توبہ و استغفار کرے اور نہایت اظہارِ ندامت کرے، پھر اتقیٰ کے بھی درجات مختلف ہیں۔ اس کا فردِ کامل نبی ہے۔ اس کے بعد صدیق، پھر شہید، پھر صلحاء امت ہیں اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہیں۔ اس آیت سے بطور مفہوم مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقیٰ نہیں اگرچہ وہ متقی ہو، وہ اس ﴿نَارًا تَلَظّٰى﴾ سے دور نہ رہے گا یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو اس کو اتقیٰ نہیں کہتے متقی کہتے ہیں، وہ اس آگ سے نہ بچے گا حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشقیٰ ہی داخل ہوگا خلاف ہے، اس لیے کہ متقی اشقیٰ کیا شقی بھی نہیں۔

علماء نے اس الجھن کے طرح طرح کے جوابات اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر حقیقت میں یہ کوئی الجھن کی بات نہیں، اس لیے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے جیسا کہ علمائے اصولِ فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی

Scanned by CamScanner

ہے، بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کہ کبھی قید یا وصف کو اس کی بہتری اور خوبی جتلانے کے لیے ذکر کیا کرتے ہیں، مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں اس کے لیے مخالف حکم ثابت ہے، اس کی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (سورۂ نور: ۳۳) کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرا کے روپیہ حاصل کرنے پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔ اب پاک دامنی کی قید اس لیے ہے کہ پاک دامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاک دامنی نہ چاہیں تو روپیہ کمانے کے لیے زنا پر مجبور کی جائیں۔ اسی طرح آیت میں وصف ﴿اتقیٰ﴾ کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقیٰ نہیں وہ اس ﴿نارًا تلظیٰ﴾ سے دور نہ رہے گا۔ دوم اگر مفہومِ مخالف بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ حرج نہیں اس لیے کہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بھی انسان مواخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے، گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقّت ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ صغائر و کبائر کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو، کبھی تو دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹا ڈالتا ہے جیسا کہ فرمایا ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (سورہ ھود: ۱۱۴) کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا اگلے جمعہ بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور کبھی دنیاوی تکالیف جیسے بیماری، تنگ دستی، موت اعزہ یا اور کوئی حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جائے ان سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس کو یہیں اسی قدر عذاب سے رہائی مل جاتی ہے اور کبھی اہلِ دل کی ندامت و اشک باری جو ان پر باعتبار تقرب الی اللہ کے ﴿نارًا تلظیٰ﴾ یعنی شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے وہ یہیں اس آگ میں جل کر تھوڑی دیر میں نجات حاصل کر لیتے ہیں اور واللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پگھل کر آنسو بن کر نکلتے ہیں اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور نہیں تو اس کی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابرِ ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا وہ جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لے جاتا، اس آیت کا مفہوم مخالف ان کے سراسر مخالف ہے۔

اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے وہ یہ کہ آیات کے الفاظ اگرچہ عام ہیں کہ کوئی اشقیٰ یا اتقیٰ کیوں نہ ہو، ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر شقاوت و سعادت کا نقشہ کھینچا ہے اور کتابِ آسمانی میں ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی اشقیٰ و اتقیٰ کے افراد موجود تھے گو ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا، مگر عموماً ان کو پیش نظر رکھ کر کلام کیا گیا ہے، اس لیے ان اشقیٰ و اتقیٰ سے ضرور اس وقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا اور اسی بات کو بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے اور اسی لیے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں، جہاں کہیں کافر یا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابوجہل لے لیا یا جہاں کہیں کسی کے صفاتِ حمیدہ مذکور ہوئے ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں قرآن مجید میں اہلِ سعادت و شقاوت کے واقعات یا ان کے حالات بیان کیے گئے ہیں ان سے اہل بیت اور ان کے مخالفین جن کو کہ انہوں

نے مخالف بنا رکھا ہے، مراد لیے ہیں گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے اور دب دب کر معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کی مدح اور ان کے مخالفوں کی قدح کرتا ہے، صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے اور کوئی مقصد نہ تھا، نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسائل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب یا اصولِ دین بنائے گئے ہیں وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ کھینچ تان کر ثابت کئے جاتے ہیں اور اس کے لیے دور از کار تاویلات کی جاتی ہیں۔ اور شیعہ پر کیا موقوف ہے ہر ایک فریق کا کم وبیش یہی حال ہے۔ گمراہ صوفیا ہر آیت میں توحیدِ وجودی (لاموجود الا اللہ) کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح، نفس اور مقامات کے قرب و بعد پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہاں ان کو ﴿اتقیٰ﴾ کہا گیا۔ اس کو اگر سورۂ حجرات کی اس آیت ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ سے ملا لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امت کے افضل ترین شخص ہیں۔

قرآن مجید میں کہیں بھی بزرگانِ دین، صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت رضی اللہ عنہم کی جاں فشانیوں کی مدح نہیں یا روح و نفس اور مقامات و احوال و مواجید و اشواق کی طرف اشارہ نہیں۔ اب انہیں آیات میں اتقیٰ و اشقیٰ سے اُس وقت کے بعض اشخاص کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے؟ یہ بات قرائن کی محتاج ہے اور متعین کرنا ایک ظنی بات ہے۔ ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اتقیٰ سے صدیقِ اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اُس وقت مسلمانوں میں ﴿يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ﴾ کا مصداق اگر کوئی اور فرض کیا جائے گا تو ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں نکلے گا، اول تو اُس وقت سوائے ان کے کوئی مسلمان مال دار ہی نہ تھا، نہ علی رضی اللہ عنہ، نہ عثمان رضی اللہ عنہ، نہ عمر رضی اللہ عنہ اور پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا مال اللہ کی رضا مندی میں بے دریغ صرف ہوا کرتا تھا، انھوں نے ہی بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے مسلمانوں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں جان و مال نثار کرنے والے اور یارِ غار تھے، اسی لیے ان کے فضائل ان کے ہم عصر صحابہ میں مسلّم تھے اور صحابہ میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ اسباب جن سے سعادت حاصل ہوتی ہے وہ اسباب تین ہیں:

(۱) فعلِ مامور

(۲) اجتنابِ محظور

(۳) اللہ اور اس کے رسول نے جن باتوں کی خبر دی اس کی تصدیق۔ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ یہ تین باتیں جن میں ہوں اس کے لیے اعلان کیا گیا ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾

خلاصہ سورۂ لیل:

متضاد اشیاء کی قسم متضاد اشیاء پر کھائی گئی۔ ﴿لیل﴾ "نہار" کی ضد ہے۔ مذکر، مونث کی ضد ہے، آدمی کی کوشش بھی مختلف ہے، کوئی اچھا عمل کرتا ہے کوئی برا عمل کرتا ہے، اس طرح "مُقسم بہ" (جس کی قسم کھائی گئی) اور "مُقسم علیہ" (جس پر قسم کھائی گئی) میں موافقت ہو جاتی ہے۔

﴿اَعْطٰی﴾ اللہ کے راستے میں دیتا ہے۔

﴿اتَّقٰی﴾ حرام چیزوں سے بچتا ہے۔

﴿صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی﴾ اللہ اور اس کے رسول کے قول کی تصدیق کرتا ہے، ان تین چیزوں کے نتیجے میں اس کے دینی اور دنیوی امور کو ہم (اللہ) آسان کر دیتے ہیں، پھر فرمایا کہ اگر وہ ہلاک ہو گیا تو اس کے مال کا کیا فائدہ ہے۔

﴿اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی﴾ اللہ نے ہدایت کی ساری باتیں واضح کر دی ہیں، جہنم کی بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے، اب بدبخت ہی جس کے لیے شقاوت و بدبختی مقدر ہو چکی ہے، وہی اس آگ میں داخل ہوگا۔ اور اتقی یعنی متقی جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔ اور متقی کے نمایاں اوصاف میں کہ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہے۔ نہ فضول خرچی کرتا ہے نہ بخیلی کرتا ہے بلکہ اپنے تزکیے کے لیے دیتا ہے اور کسی شخص کے احسان کے بدلے میں خرچ نہیں کرتا بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے تو اس کی جزا یہ ہے کہ عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔

❀❀❀

سورۃ الضحیٰ (مکیۃ)

وَالضُّحٰىۙ ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰىۙ ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ ③ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰىؕ ④ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ ⑤ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰىۙ ⑥ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰىۙ ⑦ وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰىؕ ⑧ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْؕ ⑨ وَاَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْؕ ⑩ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ⑪

آفتاب کی روشنی کی قسم۔ (۱) اور رات (کی تاریکی کی) جب چھا جائے۔ (۲) کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑا اور نہ (تم سے) ناراض ہوا۔ (۳) اور آخرت تمہارے لئے پہلی (حالت یعنی دنیا) سے کہیں بہتر ہے۔ (۴) اور تمہیں پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش

Scanned by CamScanner

تمہیں یتیم پاکر جگہ نہیں دی؟ (۶) (بیشک دی) اور رستے سے ناواقف ہوجاؤ گے۔ (۵) بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟ (۶) (بیشک دی) اور رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا۔ (۷) اور تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔ (۸) تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا۔ (۹) اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔ (۱۰) اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔ (۱۱)

﴿فَأَغْنَىٰ﴾ ہر ایک سے بے نیاز کر دیا یعنی دل کا غنی بنا دیا۔ (ک) کی ضمیر خطاب نہیں لائی گئی یعنی "فاغناک" نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر ایسا کہا جاتا تو خطاب نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہو جاتا جب کہ ایسا نہیں ہے۔ فَأَغْنَىٰ ـفَآوَىٰ۔فَهَدَىٰ۔فاغناہ واغنی بہ۔وأواہ واویٰ بہ۔وھداہ وھدی بہ آپ کو بھی ہدایت دی اور آپ کے ذریعے دوسروں کو ہدایت دی۔ یہ ابن عثیمین کا نکتہ ہے۔ (تفسیر جزعم صفحہ ۲۴۱)

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا﴾ ضلال کے معنی بے خبری کے ہیں۔ ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۵۲) اور اسی طرح اے پیغمبر ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اسے ایک نور بنا دیا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، بیشک آپ ایک سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ آپ بے خبر (ضالاً) تھے۔ اللہ نے آپ کو شریعت وایمان کی حقیقت سے راہ یاب کیا، اور نبوت بخشی۔

﴿ووجدك عائلاً.فَأَغْنَىٰ﴾ سہارے سے محروم تھے تمہاری دستگیری کی۔ افلاس میں غِنیٰ عطا کیا۔ خدیجہؓ سے نکاح پر تنگدستی دور ہوگئی۔

﴿يَتِيمًا﴾ پیدائش سے دوماہ پہلے والد کا انتقال ہوگیا۔ چھ سال کے ہوئے تو والدہ کا انتقال ہوگیا۔ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا کا انتقال ہوگیا۔

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾

﴿ فَلَا تَقْهَرْ﴾ کا ترجمہ قرآن کے بعض مترجمین نے کیا ہے کہ "آپ سختی مت کیجئے۔" بعض نے ترجمہ کیا ہے "آپ دباؤ مت ڈالیے۔" حقیقت میں لفظ "قہر" عربی میں 'قھرت النار اللحم' آگ نے گوشت کے پانی کو زائل کردیا اور گوشت کی شکل بھی بدل دی، اس مفہوم میں ہر قسم کا غلبہ، دباؤ، سختی، تحقیر، تذلیل اور ایذا کے تمام زاویے سمٹ کر آ گئے۔

﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾

یہ حکم صرف سائلِ مال کے لیے نہیں ہے بلکہ اگر علم اور دین کے متعلق سوال کرنے والا بھی آئے تو ایک مفتی اور معلم کا اخلاق یہ ہونا چاہئے کہ اس کے ساتھ نرمی اختیار کرے، اسے جھڑکے نہیں، راہ حق میں خرچ کرنا تزکیہ نفس کا بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ اس سے زر پرستی اور دنیا پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ سائل، غریبی کی وجہ سے ویسے ہی ٹوٹا ہوا ہوتا ہے دوسرے سوال کی

ذلت برداشت کرتا ہے۔اب اگر اسے جھڑک دیا جائے تو وہ بہت ہی ٹوٹ جائے گا تو اگر اس کے ساتھ احسان نہ کر سکو تو کم از کم اسے جھڑکو مت۔

(۱) یتیم تھے، ٹھکانا دیا۔(۲) دین سے بے خبر تھے، آپ کو راستہ دکھایا۔(۳) تنگدست تھے، غنی کر دیا۔

ان تین نعمتوں کے مقابلے میں تین وصیتیں: یتیم پر سختی نہ کیجئے، سائل کو جھڑکئے نہیں، رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کریں۔

نکاتِ سورۂ ضحیٰ:

ابتدائی دو آیات میں دن اور رات کی قسم کھائی گئی، یعنی رات اور دن کے آنے جانے پر غور کرو۔ دن کے بعد رات ہوتی ہے۔ روشنی کے بعد تاریکی ہوتی ہے، دن گھٹ جائیں راتیں طویل ہو جائیں۔ یہ تغیر و تبدل اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے، روشنی اور تاریکی انسان، حیوانات اور نباتات کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح دعوت کی راہ میں کبھی پریشانی اور کبھی آسانی ہوگی، تین آیات میں رسول سے محبت و شفقت کے وعدے کئے گئے، اس کے بعد احسانات کا تذکرہ ہے، آخری تین آیات میں ہدایات ہیں کہ یتیم کا حق نہ ماریں، سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں، انھیں نہ جھڑکیں۔ آخر میں یہ کہا گیا کہ اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتے رہیں۔

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى﴾ بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے۔ یہ خوشخبری ہے کہ موجودہ حالت بدل جائے گی اور تمہارا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ یہاں مبہم رکھا گیا کہ آپ کو اللہ کتنا اور کیا دے گا۔ (دنیا جھک جائے گی) قرآن نے انسان کے تزکیے کے لیے دو معلم یعنی کائنات اور تاریخ مقرر کئے ہیں۔ کائنات وسیع ہے اسی طرح تاریخ وسیع ہے۔ اس کے دو حصے ہیں:

(۱) قوموں کی تاریخ۔
(۲) ہر شخص کی اپنی تاریخ۔

آپ ﷺ یتیم تھے آپ کی نگہبانی کی۔ جب کہ یتیموں کو دھکے دیئے جاتے تھے۔ ناواقف راہ پایا تو ہدایت دی۔ اخلاق سے گری کبھی کوئی حرکت نہ ہونے دی۔

﴿فَاَغْنٰى﴾ دل کا بے نیاز بنا دیا۔

﴿فَلَا تَقْهَرْ﴾ یہ "قھرت النارُ اللحم" سے ماخوذ ہے یعنی آگ نے گوشت کا پانی سکھا دیا اس میں دباؤ کے تمام پہلو آ گئے۔ آپ بھی یتیم تھے۔ تو یتیم پر سختی نہ کریں۔

﴿نِعْمَةِ﴾ ہدایت کی نعمت مراد ہے۔

تین وعدوں (۱) ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ (۲) ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ (۳) ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى﴾ کے بعد پھر مزید تین چیزوں کا ذکر کیا گیا (۱) یتیم (۲) سائل (۳) نعمت ہدایت

Scanned by CamScanner

قوموں کی تاریخ: یعنی یتیم کا مال مفت کا مال سمجھا جاتا تھا۔ اپنی تاریخ: ﴿ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى. وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى. وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾

سورة الم نشرح (مكية)

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ
فَانْصَبْ ﴿٧﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (بیشک کھول دیا)۔(۱) اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا۔(۲) جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔(۳) اور تمہارا ذکر بلند کیا۔(۴) ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔(۵) (اور) بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔(۶) تم جب فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو۔(۷) اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔(۸)

﴿ اَلَمْ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ (سورۃ الفتح:۲) اگلے پچھلے گناہ معاف کردینا۔

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کو جوڑ دیا، فرشتوں میں آپ کا ذکر خیر ہوتا ہے۔

﴿ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴾ بوجھ سے مراد لوگوں کی جہالت وگمرہی اور کفر وشرک کا ماحول تھا۔ جس کو دیکھ کر آپ کڑھتے تھے، اور نہیں جانتے تھے کہ اس کا علاج کیا ہو؟ تو اللہ نے نبوت کے ذریعے اس کو اتار دیا۔

﴿ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴾ فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری کمر توڑ ذمہ داری تھی، صحابہ جیسے ساتھیوں کو فراہم کیا، جس سے آپ کو اطمینان حاصل ہوا۔

﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ .وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴾ اس میں ایک مسلمان کی زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے کہ اگر کسی دینی عمل سے فارغ ہو جاؤ تو دنیاوی عمل کے لیے تیار ہو جاؤ، اور دنیاوی عمل سے فارغ ہو جاؤ تو دینی اور اخروی عمل کے لیے تیار ہو جاؤ۔ گویا مسلمان کے پاس بیکار وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ اسے فضول میں گذارے۔

سورۂ انشراح کی مزید تشریح:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ ہم نے آپ کے سینے کو نور ایمان کے ساتھ وسیع کیا اور آپ کے دل کو نور سے بھر دیا

Scanned by CamScanner

اور ہر قسم کی گندگی سے پاک کر دیا اور نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو آسان فرما دیا، اسی شرح صدر کی وجہ سے آپ کو مخلوق کی طرف توجہ کرنا، حق تعالیٰ کی طرف توجہ میں خلل انداز نہیں ہوتا تھا۔ "والشرح حقیقة فصل اجزاء اللحم بعضها عن بعض ومنه الشريحة القطعة من اللحم" حقیقت میں شرح کا معنی گوشت کے ایک ٹکڑے کو دوسرے سے جدا کرنا ہے۔ اسی سے شریحة ہے جس کا معنی گوشت کا ٹکڑا ہے۔

﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾

"ای تجاوزنا عنك وزرك"۔ ہم نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔

﴿الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴾

"اَنْقَضَ ظَهْرَكَ"۔ نقض کا مطلب "فرقعة الاصابع" (انگلیاں چٹخانا) ہے، "ظهر" یعنی پیٹھ، بوجھ ڈھونے کی جگہ ہے اور بوجھ ایسا ہو جو پیٹھ کو تھکا دے، تو دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ تھک جائیں گے، کیونکہ بدن میں سب سے قوی عضو پیٹھ ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے، آپ کے علاوہ دوسروں کو گناہ سے توبہ کی ضرورت ہے، ہم کہتے ہیں کہ شان یہ نہیں کہ انسان سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا، شان یہ ہے کہ انسان بخش دیا جائے لہٰذا اہم یہ ہے کہ انسان بخش دیا جائے رہا اس سے گناہ کا صدور ہوتا یا نہیں تو نبی نے فرمایا "کل بنی آدم خطاء الخ" ہاں انبیاء کو ایسے تمام گناہوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے، جس سے مقام رسالت پر حرف آتا ہے۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ آپ کے نام کو ہم نے اپنے نام کے ساتھ ملا لیا کہ بندے کا ایمان بغیر آپ پر ایمان لائے ہمارے نزدیک مقبول و معتبر نہیں۔ اذان میں آپ کا ذکر بلند کیا جاتا ہے اور تشہد میں اشهد ان لا اله الا الله (سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۱) کے ساتھ واشهد ان محمدا عبده ورسوله ہے۔ نیز ہر عبادت میں آپ کا ذکر بلند ہے کیونکہ کسی عمل کی قبولیت کے لیے دو شرطیں:

(۱) اخلاص (۲) متابعت رسول۔

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

﴿الْعُسْرِ﴾ کا مطلب "المشقة فی تحصیل المرغوب والعمل المقصود واليسر ضده، وهو سهولة تحصیل المرغوب وعدم التعب فيه" عسر پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے اور مطلوب کام کو حاصل کرنے میں مشقت اٹھانا ہے، اور یُسر اس کی ضد ہے، جس کا مطلب پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے میں آسانی اور اس میں تھکن نہ ہونا ہے۔

﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ سے بتایا کہ ایک پریشانی کے بعد دو آسانیاں ہیں کیونکہ بلاغت کا قاعدہ ہے کہ "ان المعرفة اذا اعيدت كانت الثانية عين الاولى" تو گویا ایک عُسر (تنگی) کے بعد دو یُسر (آسانی) ہیں۔

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ﴾ انسان کی زندگی بہت مختصر ہے، وہ وقت کو روک نہیں سکتا۔ تو عقلمند اس کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتا وہ ایک عمل سے فارغ ہوتا ہے کہ دوسرے عمل میں لگ جاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾
یعنی "الی اللہ۔ لا الیٰ غیرہ فارغب فی جمیع امورک" اور یہ یقین ہو کہ جب آپ اپنی رغبت وخواہش کا تعلق اللہ سے جوڑ دیں گے تو وہ آپ کے تمام معاملوں کو آسان کر دے گا، نبی پر تین احسانات (نعمتوں) کا ذکر کیا گیا: (۱) شرح صدر (۲) وضع وزر (۳) رفع ذکر۔ اور سب میں فعل اور مفعول کے درمیان لك یا عنك لایا گیا۔ اس میں رسول کی عظمت اور خصوصیت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب آپ کی خاطر کئے گئے ہیں۔

سورۃ التین (مکیۃ)

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ⑦ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧

انجیر کی قسم اور زیتون کی۔ (۱) اور طور سنین کی۔ (۲) اور اس امن والے شہر کی۔ (۳) کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ (۴) پھر (رفتہ رفتہ) اس (کی حالت) کو (بدل کر) پست سے پست کر دیا۔ (۵) مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔ (۶) تو (اے آدم زاد!) پھر تو جزا کے دن کو کیوں جھٹلاتا ہے؟ (۷) کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ (۸)

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے مگر انسان کو دراز قامت بنایا، لیکن انسان اللہ اور رسول کی اطاعت سے انحراف کر کے اپنے کو احسن تقویم کے بلند رتبے سے گرا کر جہنم کے اسفل سافلین میں ڈال دیتا ہے۔

﴿اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ﴾ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئ اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ دنیا جب سے قائم ہے آسمان و زمین میں کوئی شئ اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکی۔

انسان سے متعلق چھ مختلف نظریے:

(۱) برائی کا میلان لے کر پیدا ہوا ہے مگر سدھارنے سے سدھر جاتا ہے گویا اس درخت کی طرح ہے جو دلدل میں اُگتا ہے مگر اگر ہم اس کو کھینچ کر خشکی پر لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

(۲) بھلائی کا میلان لے کر پیدا ہوا مگر پہلے انسان سے بدی کا ارتکاب ہو گیا وہ ورثہ کا اثر لیتا ہے اس لیے باوجود فطرت کے نیک ہونے کے گناہ کرنے پر مجبور ہے۔

(۳) انسانی فطرت نہ نیک ہے نہ بد، وہ نیک یا بد ماحول کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۴) انسان مجبور پیدا کیا گیا ہے، اور وہ وہی کچھ کرتا ہے جو اس کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

(۵) اس کی زندگی پہلے جنم کے عمل (کرم) کا نتیجہ ہوتی ہے۔

(۶) انسان کی فطرت نیک ہے ہاں بگاڑنے سے بگڑ جاتا ہے۔

۱۔ پہلا عقیدہ جینیوں اور بدھوں وغیرہ کا ہے۔ ۲۔ دوسرا عقیدہ عیسائیوں کا ہے۔ ۳۔ تیسرا عقیدہ فرائڈ کا ہے۔ ۴۔ چوتھا عقیدہ گمراہ صوفیوں کا ہے۔ ۵۔ پانچواں عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ ۶۔ چھٹا عقیدہ اسلام کا ہے۔

پہلے نظریے کا بطلان اس طرح ہے کہ فطرت بری ہے تو انسان کے اندر جو خواہش پیدا ہوتی ہے وہ بری ہے لہٰذا ان کا عقیدہ ہے کہ نجات حاصل کرنے کے لیے خواہش کو مارنا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ خواہش کس چیز کا نام ہے؟ مجھے صحت کی خواہش ہے تو کیا انسان گنہ گار رہوگا؟ مجھے ملک میں امن کی خواہش ہے تو کیا انسان گنہگار رہوگا؟ مجھے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی خواہش ہے تو کیا انسان گنہگار رہوگا؟

اس پر اعتراض یہ ہے کہ یہ تو جائز اور اچھی خواہشات ہیں گویا انسان کی خواہشیں دو طرح کی ہیں (۱) اچھی (۲) بری۔ یعنی انسان کا کام ہے کہ اچھی خواہشات کے پیچھے چلے اور بری خواہشات کو عملی جامہ نہ پہنائے، پس تمہارا یہ کہنا کہ چونکہ انسان میں خواہش پائی جاتی ہے اس لیے وہ پیدائشی طور پر برا ہے بالکل غلط ہوا۔ دوسرے عقیدہ کا رد اس طرح ہے کہ اگر میں گناہ کے اندر آیا اور اس سے بلا کسی اور امداد کے آزاد نہیں ہوسکتا تو عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمام مخلوق نجات سے محروم ہونی چاہئے۔

تیسرے عقیدے کا رد اس طرح ہے کہ انسان کی اصلاح ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فرائد اس کو تسلیم کرتا ہے، جب وہ اس نکتہ کو تسلیم کرتا ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ فطرت میں اللہ نے نیکی کا ملکہ رکھا ہے، اگر یہ ملکہ نہ رکھا ہوتا تو وہ اصلاح کیسے قبول کرتا؟

چوتھے عقیدے کا رد اس طرح ہے کہ چونکہ یہ عقیدہ مسلمانوں کی طرف منسوب ہے لہٰذا قرآن ہی سے اس کا رد کیا جاتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (سورۃ الفرقان: ۶۲) اور وہی ہے جس نے دن اور رات کو بنا دیا ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔ ﴿وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ﴾ (سورۃ الفاطر: ۳۷) اور وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکالیے ہم ان اعمال کے علاوہ دوسرے عمل کریں گے جو کیا کرتے تھے، کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو سمجھنا چاہتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، سو تم چکھ لو، سو ظالموں کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں، اگر یہ صحیح ہوتا کہ انسان مجبور ہے تو اللہ

Scanned by CamScanner

کو یہ جواب دینا چاہئے کہ کم بختو تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں تو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ تم چوری کرتے ہر گناہ کرتے یا جواب دینا تھا کہ تم نیکی کس طرح کر سکتے ہو میں نے تمہیں پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ دوزخ میں ڈالوں، یہاں ان کے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا ہے، اگر تم اچھا بننا چاہتے ہوتو بن سکتے ہو۔

جہنمیوں کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا تھا کہ ہم تو نصیحت حاصل کر لیتے مگر اللہ نے ہماری ہدایت کا سامان نہیں کیا اس لیے ہم نیکی سے محروم رہے۔ اللہ اس عذر کو یوں توڑتا ہے ﴿وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پانچویں عقیدے کا رد اس طرح ہے، اس عقیدہ کو عقیدۂ تناسخ کہتے ہیں کہ ایک شخص امیر پیدا ہوتا ہے، ایک غریب پیدا ہوتا ہے، ایک لولا لنگڑا پیدا ہوتا ہے اور ایک عقلمند اور ایک بیوقوف پیدا ہوتا ہے، اور ایک خوبصورت اور ایک بدصورت پیدا ہوتا ہے، یہ پچھلے جنم کے کرموں کی سزا بھگتنے کے لیے آتا ہے۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ دہریہ (ناستک) یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ ظالم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی مر جاتا ہے، اسے کون سی سزا ملی؟ اس نے تو دنیا میں آ کر کوئی تکلیف نہیں اٹھائی۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ جیل خانہ کے دروازے تک لے جا کر اسے واپس لے آئے یہ عمل خلافِ عقل ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ایک شخص کو ۳۵ سال سزا برداشت کرنی ہے۔ وہ زہر کھا کر پہلے ہی مر گیا۔ اگر عقیدۂ تناسخ درست ہے تو مدت سزا سے پہلے زہر اسے نہیں مار سکتا تھا کیونکہ اللہ نے اسے معین سزا کے لیے بھیجا تھا۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ ایک شخص غریب گھرانے میں پیدا ہوا تو اسے کبھی امیر نہیں ہونا چاہئے۔ مگر ہم اس کے خلاف دیکھتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہوا کہ اللہ قیدی بنا کر بھیجے اور وہ بادشاہ بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بگاڑ بعد میں آتا ہے۔ ہدایت پہلے تھی ضلالت بعد میں آئی۔ توحید پہلے تھی شرک بعد میں آیا۔ چھٹا نظریہ اسلام کا نظریہ ہے کہ انسان کی فطرت نیک ہے اور ماحول اسے اچھا یا برا بناتا ہے۔ اس پر قرآن اور حدیث دونوں کی دلیل موجود ہے۔ قرآن کی دلیل: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾ ہے اور حدیث کی دلیل عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ البَهِيمَةِ تُنْتَجُ البَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ" (بخاری:۱۳۸۵) ہے۔

❀❀❀

سورة العلق (مكية)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣
الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝٦

Scanned by CamScanner

اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يَنۡهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾
اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمۡ
يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ ۙ لَنَسۡفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ
خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾ فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعۡهُ وَاسۡجُدۡ وَاقۡتَرِبۡ ۩﴿۱۹﴾

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔(۱) جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ (۲) پڑھواور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔(۳) جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ (۴) اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ (۵) مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ (۶) جب کہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے (۷) کچھ شک نہیں کہ (اس کو) تمہارے پروردگار ہی کر طرف لوٹ کر جانا ہے (۸) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔ (۹) (یعنی) ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔ (۱۰) بھلا دیکھو تو اگر یہ راہِ راست پر ہو۔ (۱۱) یا پرہیز گاری کا حکم کرے (تو منع کرنا کیسا)؟ (۱۲) اور دیکھو تو اگر اس نے دینِ حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا (تو کیا ہوا)؟ (۱۳) کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ (۱۴) دیکھو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ (۱۵) یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال۔ (۱۶) تو وہ اپنے یاروں کی مجلس کو بُلا لے۔ (۱۷) ہم بھی اپنے مؤکلانِ دوزخ کو بلائیں گے۔ (۱۸) دیکھو اس کا کہنا نہ ماننا اور قربِ (الٰہی) حاصل کرتے رہنا۔ (۱۹)

جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کا نور ﴿لا شیئ﴾ (کچھ نہیں) ہوتا ہے۔ جبرئیل کو دیکھ کر یہی کیفیت آپ کی ہوئی۔ انسان ربوبیت کا ہر آن مشاہدہ کرتا ہے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں "با" استعانت کے لیے ہے۔ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے۔ کہا پڑھ (قرآن پڑھ) اللہ کو انسان اس کے اسماء وصفات سے پہچانے گا پیدا کیا، پھر پرورش بھی کر رہا ہے۔ لفظ ﴿اقْرَأْ﴾ کو دہرایا۔ پہلے خود پڑھ، پھر لوگوں کو پڑھا، تعلیم الٰہی کے دو طریقے ہیں:

(۱) تعلیم قلمی یعنی تعلیم کتابی۔

(۲) روحانی۔ انبیاء کو جو وحی سے ہوتی ہے وہ تعلیم روحانی ہے۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ﴾ سے جو وحی کا آغاز ہوا اس میں اشارہ دیا گیا کہ اب ترقی اور تہذیب کی قوت کا مرکز مالی اور بدنی قوت کے بجائے علم اور معرفت کو قرار دیا جا رہا ہے۔

انسان کی سرکشی کے دو سبب سے خطرناک اسباب ہیں:

(۱) دنیا پرستی۔ جسے ﴿اسْتَغْنَى﴾ سے ظاہر کیا گیا ہے۔

(۲) رب فراموشی۔ اس کی طرف ﴿إِنَّ إِلَى رَبِّكَ الرُّجْعَى﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى﴾ یہ وہ آیت ہے جو وجدان کو ہلا دیتی ہے اور جو انقلاب دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں سے نہیں لایا جا سکتا وہ اس آیت سے لایا جا سکتا ہے، جب انسان کی آنکھیں کسی خیانت کا ارادہ کریں یا اس کے ہاتھ کسی حرام چیز کی طرف بڑھیں یا اس کے قدم کسی برائی کی طرف لپکیں تو وہ اس آیت کو اپنی آنکھوں کے سامنے ضرور رکھے، اس پہلی وحی کے نزول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ غار کا یہ واقعہ بناوٹی ہے۔ کیونکہ اس کے آثار لوگوں نے چشم ظاہر (کھلی آنکھ) سے دیکھ لیے تھے۔ ورقہ بن نوفل بھی چند دنوں میں مر گئے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ شریعت و احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ سے سیکھے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ما انا بقاری ء" (میں پڑھنے والا نہیں ہوں) اس وجہ سے کہا کیونکہ آپ اُمی تھے۔

﴿خَاطِئَةٍ﴾ جو دانستہ گناہ کرے وہ خاطی ہے۔ اور بھولے سے گناہ کرے وہ مُخطی ہے۔

نکاتِ سورۂ علق:

سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں جب آپ غار حرا میں تحنث (عبادت) کر رہے تھے۔

﴿بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ اللہ کے نام سے استعانت کرتے ہوئے کیونکہ اللہ کے تمام اسماء خیر ہیں اور ان میں سے ہر ایک سے آدمی استعانت کر سکتا ہے۔

﴿خَلَقَ﴾ کے مفعول کو حذف کر دیا جس کا مفاد یہ ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا مخلوق ہے پھر ﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ سے انسان کی تخلیق کو خاص طور سے ذکر کیا جو انسان کی تکریم و تشریف پر دلیل ہے، پھر فرمایا کہ انسان کو علق سے پیدا کیا جو خون کے چھوٹے لال ذرّے ہوتے ہیں، کیونکہ انسان خون ہے اگر وہ خون سے خالی ہو جائے تو ہلاک ہو جائے۔

نطفہ چالیس دن ماں کے رحم میں نطفہ رہتا ہے پھر چالیس دن علقہ پھر چالیس دن مضغہ رہتا ہے۔ یہ کل ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے بنتے ہیں اور چار مہینے کے بعد اللہ اس فرشتے کو بھیجتا ہے جو ارحام (بچے دانیوں) پر مقرر ہے وہ روح پھونکتا ہے، چار مہینے کے بعد بچہ ساقط ہو جائے تو اس کا نام رکھا جائے گا اور اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے گا لیکن یہ عقیقہ تاکیدی نہیں ہے، اس کو غسل دینا، کفن دینا، نماز جنازہ پڑھنا اور قبرستان میں دفن کرنا ضروری ہے اور اگر چار مہینے سے پہلے ساقط ہو جائے تو بلا غسل، بلا کفن اور بلا نماز جنازہ کہیں بھی دفن کیا جا سکتا ہے۔

انسان کے چار ادوار ہیں: (۱) ماں کا پیٹ (۲) دنیا (۳) برزخ (۴) جنت یا جہنم

تعلیم کے دو طریقے ہیں:

(۱) تعلیم قلم یعنی تعلیم کتابی۔

(۲) تعلیم روحانی جو وحی و الہام کے ذریعے نبی کو حاصل ہوتی ہے۔ قرآن تعلیم روحانی ہے۔ یہ قلم کے ذریعے قیامت تک آنے والے لوگوں تک منتقل ہوتا رہے گا۔

Scanned by CamScanner

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی﴾ انسان سرکشی کب کرتا ہے؟ جواب ﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی﴾ سے دیا گیا کہ جب انسان خود کو اللہ کا دست نگر نہیں سمجھتا کہ میرے پاس علم ہے، طاقت ہے، مجھے کسی کی کیا پروا؟

﴿اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی﴾ اس آیت میں انسان کی سرکشی کو باطل کیا گیا کہ ہماری ہی طرف آنا ہے۔ آدمی کتنا ہی سرکش ہوا ایک دن اس کا قافلۂ ہستی لُٹ ہی جاتا ہے۔

پھر سرکشی کا انتہائی درجہ بیان کیا گیا۔ ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی. عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ کہ اللہ کے بندوں کو نماز سے روکتا ہے آپ تو رُکا ہی ہوا تھا اوروں کو بھی روکتا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی﴾ میں ﴿ینھی﴾ یعنی روکنے والا ابوجہل ہے اور ﴿عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾ میں منہی یعنی روکا ہوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

﴿اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی﴾ ﴿اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی﴾ اگر خود ہدایت پر ہوتا اور تقویٰ کا حکم دیتا تو کیا اچھا ہوتا! برخلاف اس کے ضال اور مضل بن گیا۔ اور اگر اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ دیکھتا نہیں تو جان لے ﴿اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی﴾ کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بیشک اللہ دیکھتا ہے۔

﴿كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ﴾

"سفع" کا مطلب گھسیٹنا اور سیاہ کرنا ہے، اس لیے اس کا مطلب ہوگا کہ ہم روسیاہ کر دیں گے۔ پیشانی، غرور اور خیالات کا مخزن ہے اور دماغ ہی میں لغویت بھر جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو ﴿خَاطِئَة﴾ کہا اس میں جھوٹی تمنائیں ہوتی ہیں کہ دنیا میں اسے جو عزت حاصل ہے اللہ کے یہاں بھی اسے وہ عزت ملے گی۔ اور ﴿کاذبہ﴾ اس لیے کہا کہ جو باتیں اسے راہ حق سے روکے ہوئے تھیں وہ سب باطل اور جھوٹ تھیں۔

﴿فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ﴾ وہ اپنی مجلس کے اعوان و انصار کو بلا لے۔ ہم دیکھتے ہیں اسے کون بچاتا ہے؟ ہم اپنے جلاد فرشتوں کو بلا لیتے ہیں، اس کے بعد روئے سخن مومنین کی طرف پھر گیا ہے۔

﴿كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ﴾ کہ اس طرح کے ناشکرے کا کہنا نہ مان، ﴿وَاسْجُدْ﴾ بندے کی سعادت مندی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے آگے جھکے اور سر انسان کے جسم میں افضل جز ہے، سجدہ افضل عبادت اس وجہ سے ہے کہ وہ سرِ پُرغرور جس کو ناشکرا انسان اونچا رکھتا ہے۔ اللہ والا اسے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھ دیتا ہے۔

﴿وَاقْتَرِبْ﴾ سجدے کی حالت میں بندہ اللہ کے انتہائی قریب ہو جاتا ہے۔

❀❀❀

سورۃ القدر (مکیة)

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ② لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ

Scanned by CamScanner

اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۝۴ سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝۵

ہم نے اس (قرآن) کوشبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔(۱) اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟ (۲) شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ (۳) اس میں رُوح الامین اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لئے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔(۴) یہ (رات) طلوعِ صبح تک (امان اور) سلامتی ہے۔(۵)

دنیا میں کسی کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ کا دیدار کر سکے تو اللہ نے اپنا کلام نازل فرما دیا، اس کے کلام میں اس کی تجلیات اس کا جلال جمال سب کچھ ہے۔ محبین کے لیے یہ صورت عطا فرما دی گئی کہ اس کا دیدار اس کے کلام میں کریں۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل　　　　ہر کہ از من میل دارد در سخن بیند مرا

جو چیز کافی محنت کے بعد ملے اس کی قدر و منزلت انسان کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انزال کا مطلب ''یکبارگی اتارنا'' ہے۔ اور تنزیل کا مطلب ''جزءاًجزءاًاتارنا'' ہے۔ لوح محفوظ سے یکبارگی سماءدنیا کے ایک مقام بیت العزۃ پر اتار دیا گیا ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ اس استفہام سے اس رات کی عظمت واہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ گویا مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہونچ سکتی، صرف اللہ ہی اس کو جانتا ہے۔ ہزار مہینے ۸۳ سال ۴ مہینے کے برابر ہوئے۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ کا احسان ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرما دی، فرشتے اہل اسلام کو سلام کرتے ہیں یا آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اس رات کی خاص دعا اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي ہے۔

شب قدر میں وعظ کہنے کی صریح حدیث:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الَّتِي فِي وَسَطِ الشَّهْرِ، فَإِذَا كَانَ مِنْ حِينِ تَمْضِي عِشْرُونَ لَيْلَةً، وَيَسْتَقْبِلُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ يَرْجِعُ إِلَى مَسْكَنِهِ، وَرَجَعَ مَنْ كَانَ يُجَاوِرُ مَعَهُ، ثُمَّ إِنَّهُ أَقَامَ فِي شَهْرٍ، جَاوَرَ فِيهِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ الَّتِي كَانَ يَرْجِعُ فِيهَا، فَخَطَبَ النَّاسَ، فَأَمَرَهُمْ بِمَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ قَالَ: "إِنِّي كُنْتُ أُجَاوِرُ هَذِهِ الْعَشْرَ، ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ أُجَاوِرَ هَذِهِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ، فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَبِتْ فِي مُعْتَكَفِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُ هَذِهِ اللَّيْلَةَ فَأُنْسِيتُهَا، فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، فِي كُلِّ وِتْرٍ، وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِي مَاءٍ وَطِينٍ" قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: مُطِرْنَا لَيْلَةَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ، فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فِي مُصَلَّى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ وَقَدِ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَوَجْهُهُ مُبْتَلٌّ طِينًا وَمَاءً (مسلم، کتاب الصیام:۱۱۶۷)

یعنی اللہ کے رسول ﷺ پہلے رمضان کے بیچ کے دس دنوں کا اعتکاف کرتے اور جب بیسویں رات گذر کر اکیسویں رات آتی تو آپ اور آپ کے ساتھ اور معتکف لوگ اپنے مکانوں کو لوٹ جاتے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ایک ماہ رمضان

Scanned by CamScanner

میں اکیسویں شب کو جس میں آپ واپس تشریف لے جاتے تھے اعتکاف کیا اور ٹھہرے رہے اور لوگوں کو وعظ سنایا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا۔

عربوں کے یہاں اعداد عام طور سے دو معنوں میں استعمال ہوتے ہیں:

(۱) بیان مقدار۔ (۲) بیان کثرت۔ ﴿أَلْفِ شَهْرٍ﴾ میں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

سورۂ قدر کی مزید تفصیل:

لیل، نہار (دن) کے مقابل میں ہے۔ ۹۷ دفعہ قرآن میں لیل آیا ہے۔ لیلۃ، یوم کے مقابل میں ہے۔ قرآن میں ۸ دفعہ لیلۃ آیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ لیلۃ کا استعمال نزول کلام الٰہی یا اس کے متعلقات کے ساتھ آیا ہے۔

(۱) ﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾

(۲) ﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ﴾ (رمضان کی رات کے لیے)

(۳) ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾

(۴) ﴿فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾

(۵) ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾

(۶) ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (سورۂ قدر میں لفظ لیلۃ تین مقامات پر آیا ہے) یہ کل آٹھ مقامات ہو گئے۔

لیلۃ، یوم کے مقابلے میں ہے اور ظاہر ہے کہ یوم، نہار کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ لفظ 'فی' سبب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے ﴿لُمْتُنَّنِي فِيهِ﴾ (سورۂ یوسف) اور "عذبت امرأة فی هرة" (حدیث) میں لفظ 'فی' سبب کے معنی میں ہے۔

افعال الٰہیہ کے دو طریقے ہیں:

(۱) کسی چیز کو ایک ہی بار مکمل طور پر پیدا کر دیتا ہے جیسے زمین و آسمان وغیرہ کو۔

(۲) کسی چیز کو اس طرح پیدا کرتا ہے کہ اصولی طور پر تو وہ چیز موجود ہوتی ہے مگر اس کے تفصیلی خواص پوشیدہ ہوتے ہیں، مگر موجود ہوتے ضرور ہیں۔ جیسے گٹھلی کہ اس میں کھجور کی خاصیتیں موجود ہوتی ہیں مگر اس کی تفصیلات گٹھلی ہونے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ مگر جب اسے بوؤ تو اس سے کھجور ہی نکلے گا، پس گٹھلی کی تقدیر اجمالی ہے۔ مگر یہ اجمال ایک تفصیل کو اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے، گویا یہ کہہ لو کہ قدرت کے کچھ درخت ہیں اور کچھ گٹھلیاں۔ لیکن اگر گٹھلی نہ لگاؤ، تو اللہ کی تقدیر اس گٹھلی کے ساتھ ہی غائب ہو جائے گی، گویا یہ قدرت ضروری نہیں کہ ظاہر ہو مگر جب بھی ظاہر ہوگی اسی طرح ظاہر ہوگی جس طرح اللہ نے اس کے لیے ظاہر ہونا مقدر کیا ہے۔ کبھی ناقص بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر نطفہ بچہ بن جائے مگر جو بچہ ہو گا انسانی خواص لے کر پیدا ہوگا۔ گویا اس تقدیر کے لیے ایک نقطہ مقرر نہیں ایک دائرہ مقرر ہے۔ اس کے اندر یہ آگے پیچھے ہو

Scanned by CamScanner

سکتا ہے۔پہلی قسم کی تقدیر قانون قدرت ہے جیسے مردے پھر دنیا میں نہیں آتے۔اور غیب کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔دوسری قسم کی تقدیر جو بالا جمال ظاہر ہوتی ہے۔اسی سے اللہ کی صفت قدیر ہے۔دونوں قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں۔پھر دونوں قسموں کی دو دو قسمیں جسمانی اور روحانی ہیں۔

قدر کے کئی معنی ہیں:

(۱)برابر کی چیز(۲)حرمت(۳)وقار(۴)غنیٰ(بے نیازی)(۵)قوت(۶)سہولت(۷)تنگی

لیلۃ القدر آخری عشرہ میں کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ خدمت کے ایام کا آخری وقت ہی انعام کا وقت ہوتا ہے۔

فضائلِ لیلۃ القدر:

(۱) اس میں قرآن نازل ہوا۔

(۲) ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ یہ استفہام اس کی عظمت پر دلیل ہے۔

(۳) اس میں ملائکہ اترتے ہیں اور یہ خیر اور برکت اور رحمت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔

(۴) یہ رات سراپا سلام ہے۔یعنی بہت زیادہ سلامتی والی رات ہے۔اسی وجہ سے اس کا نام ہی سلام رکھ دیا گیا۔

(۵) اس رات کی فضیلت میں مکمل ایک سورہ اتاری گئی جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہے گی۔

(۶) ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(۷) اس رات زمین پر اتنے فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگتی کیونکہ قدر کا ایک معنی تنگی بھی ہے۔

(۸) اس رات جو ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کرے اس کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" (بخاری:۳۵)

(۹) فرشتے "شیئاً فشیئاً" (یکے بعد دیگرے) اترتے ہیں کیونکہ فرشتے ساتوں آسمانوں میں رہتے ہیں۔ یہ لفظ ﴿تَنَزَّلُ﴾ سے معلوم ہوا۔

(۱۰) فرشتوں کو اترنے کا بطور خاص حکم ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ کہا۔ اس سے یہ نکتہ ملا کہ قرآن کو نافذ کرنا ہی سلامتی کا ضامن ہے۔

❀❀❀

سورة البيّنة (مدنية)

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾

جولوگ کافر ہیں (یعنی) اہلِ کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔(۱)

منکرین کہتے تھے جب تک ﴿بَيِّنَة﴾ نہ آجائے ہم ایمان نہیں لائیں گے اس عذر و بہانے کے جواب میں کہا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان کے کمالات واوصاف بذات خود ﴿بَيِّنَة﴾ ہیں نیز قرآن سے بڑھ کر ﴿بَيِّنَة﴾ کیا ہوگا؟ "کل ما بان بہ الحق فهو بينة" ہر وہ چیز جس سے حق واضح ہوجائے وہ بینہ ہے۔ یہاں بینۃ سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ "رسول من اللہ" اس کا قرینہ ہے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾

(یعنی) اللہ کے پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں۔(۲)

﴿صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ صحف سے مراد قرآن کے اوراق ہیں یا وہ چیزیں مراد ہیں جن پر کوئی چیز لکھی جائے۔

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾

جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔(۳)

﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ ان اوراق میں بڑی قیمتی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ انسان جب قرآن پر غور کرے گا تو پائے گا کہ اس میں اللہ کی توحید ہے۔ اس کی تعریف اور حمد وثنا ہے۔ نبی کے اوصاف اور صحابہ کے اوصاف ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اس کے علاوہ بہت سے اخلاق فاضلہ ہیں جن کی وجہ سے قرآن خود قیمتی ہے اور دوسروں کو قیمتی بنا دینے والا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾

اور اہلِ کتاب جو متفرق (ومختلف) ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آجانے کے بعد (ہوئے ہیں)۔(۴)

جب ان کے پاس ﴿بينة﴾ آگیا تو ان میں لوگ مختلف ہوگئے۔ بعض لوگ ایمان لے آئے جیسے نصرانیوں میں ملک الحبشہ اصحمہ نجاشی اور یہودیوں میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

Scanned by CamScanner

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ ﴿۶﴾

جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہلِ کتاب اور مشرک وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے (اور) ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ (۶)

اہل کتاب میں سے کافرین اور مشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور یہ روئے زمین پر ﴿شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ ہیں یعنی تمام مخلوقات میں سب سے بُرے ہیں تو ہم ان سے صرف شر ہی کی توقع کر سکتے ہیں۔ "لِاَنَّ الشَّرِيرَ يَنْبَثِقُ مِنهُ الشَّرُّ" کیونکہ شریر سے شر ہی نکلتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ ﴿۷﴾

(اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

اور ایمان اور عمل صالح والے روئے زمین پر سب سے اچھے ہیں۔

ان کے چار طبقے ہیں۔ سب سے اعلیٰ طبقہ نبوت ہے اور نبوت میں اعلیٰ طبقہ رسالت ہے۔ پھر نبوت کے بعد صدیقیت ہے۔ اس میں سب سے اعلیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ تیسرا طبقہ شہداء کا ہے اور ادنیٰ طبقہ صالحین کا ہے اور اس آخری طبقے میں ایمان اور عمل کے اعتبار سے مختلف درجے ہیں۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالآباد ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔ (۸)

﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ سے ان کا بدلہ بتایا گیا کہ جنت ہے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بدلہ ہے ان کا جو اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ مستقل رہیں گے وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔

﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جنت کی نہروں کی صفت یہ ہے کہ بغیر نالیاں بنائے زمین کی سطح پر بہیں گی۔

خشیّت اور خوف میں فرق: ایک مثال سے یہ فرق واضح ہو جائے گا۔ ایک آدمی سے آپ ڈر رہے ہیں اور آپ کو معلوم نہیں کہ وہ آپ پر قادر ہے یا نہیں۔ تو یہ خوف ہے۔ اور جب آپ ایسے شخص سے ڈریں جس کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ آپ پر قادر ہے تو یہ خشیّت ہے۔

سُوْرَةُ الزِّلْزَال (مدنية)

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝٢ وَقَالَ الْإِنْسَانُ
مَا لَهَا ۝٣ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ
النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝٦ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝٧ وَمَنْ
يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝٨

جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔(۱) اور زمین اپنے (اندر) کے بوجھ نکال ڈالے گی۔(۲) اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟(۳) اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔(۴) کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا (ہوگا)۔(۵) اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تا کہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔(۶) تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔(۷) اور جس نے ذرہ بھی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔(۸)

﴿زِلْزَالَهَا﴾ مصدر کو مضاف کرنے سے جملہ میں جان پڑ گئی۔اس کا لطف اٹھانا اہل ایمان ہی کا حصہ ہے۔
﴿زِلْزَالَهَا﴾ کا مطلب ہے "جتنی کہ وہ ہل سکے یعنی بہت زیادہ"۔کسی فصیح وبلیغ نے یہ فقرہ ﴿زِلْزَالَهَا﴾ سنا تو وجد میں آ گیا اور کہا میں اس کی فصاحت پر قربان ہو گیا۔کیونکہ اس نے فقرہ بنایا تھا۔

"اذا" شرطیہ اور "ان" شرطیہ میں فرق: "اذا تُستعمل فی المقطوع وإن فانها تُستعمل فی المحتمل فلما کان الزلزال یقینا قال اذا زلزلت" "اذا" قطعی چیز کے لیے آتا ہے۔اور "اِن" اس چیز کے لیے آتا ہے جس میں احتمال ہو۔چونکہ قیامت کا زلزلہ یقینی تھا لہٰذا اس پر "اذا" لایا گیا۔ "زلزال مصدر مضاف الی فاعلہ۔ای حرکت الارض حرکۃ شدیدۃ" اور زلزال مصدر ہے اسے اس کے فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔جس کا مطلب ہے کہ زمین بہت شدید طریقے سے ہل گئی۔ "اوحی تارۃً یتعدی بالی وتارۃ یتعدی باللام وانما اوثرت اللام ایماءً الی انما فعلناہ ذلک لاجلھا حتی تتوسل الارض بذلک الی الانتقام من العصاۃ" لفظ "اوحیٰ" کبھی "الی" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور کبھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔یہاں لام کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔جس میں اشارہ ہے کہ ہم نے یہ اس وجہ سے کیا ہے تا کہ زمین گناہگاروں سے اس کے ذریعے انتقام لے سکے۔﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا﴾ "صدور ای الرجوع ضد الورود" صدور کا مطلب لوٹنا ہے۔یہ ورود یعنی آنے کی ضد ہے۔یعنی حساب کے مقام سے الگ الگ لوٹیں گے۔ "بعضھم بیض الوجوہ وبعضھم سود الوجوہ بحسب اعمالھم"۔اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے ان میں

Scanned by CamScanner

سے بعض کے چہرے روشن ہوں گے اور بعض کے چہرے کالے ہوں گے۔ ﴿لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ﴾ "المراد بالرؤية رویۃ البصر لیریھم اللہ اعمالھم وجزاء اعمالھم"۔ یہاں دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ وہ اپنے عملوں کو اور اپنے عملوں کے بدلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ "اثقال" کا مطلب بوجھ ہے۔ یہاں خزانے، مردے، کانیں، وغیرہ مراد ہیں۔ اس وقت قاتل کہے گا ہائے اسی کے لیے میں نے قتل کیا تھا۔ اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اسی کی وجہ سے اپنے عزیزوں کو چھوڑا تھا۔

﴿وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا؟﴾ گز بھر زمین کے لیے تلواریں چلتی تھیں۔ آج اس زمین کو کوئی نہیں پوچھتا۔ زمین الٹی پلٹی پڑی ہوگی۔ ﴿تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾، زنا کیا تھا۔ دھوکا دیا تھا۔ فلاں فلاں گناہ کئے تھے۔ فلاں فلاں نیک کام کئے تھے۔ زمین سب بیان کر دے گی۔ زمین لا یعقل نہیں۔ اس پر آیت ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ (اسراء:۴۴) اور حدیث "استوانۃ حنانۃ" شاہد ہے۔ زمین میں ہر جگہ میگنیٹیشم ہے وہی ہماری آوازوں اور تصویروں کو اخذ کرتی ہے۔ اس دن اللہ زمین کو حکم دے گا۔ اور انسان کی ساری کرتوت اس کی نگاہوں کے سامنے آجائیں گے۔ یہاں ﴿يَعْلَمُ﴾ (جان لے گا) نہیں کہا بلکہ ﴿يرىٰ﴾ (دیکھ لے گا) کہا گیا۔ یعنی اچھی طرح دیکھ لے گا۔ اس دن چار چیزیں انسان کے گناہوں پر گواہ ہوں گی:

(۱) زمین۔ ﴿تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ (زلزال:۴)

(۲) ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ. يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (انفطار:۱۱۔۱۲)

(۳) اعمال۔ ﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ (تکویر:۱۰)

(۴) اعضاء۔ ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ﴾ (یس:۶۵)

انسان کی زبان گویائی کا آلہ ہے مگر ہے گوشت کا ایک ٹکڑا ہی۔ اس میں اسباب گویائی خود ہی تھوڑی پیدا ہو گئے ہیں؟ اللہ نے رکھی ہے۔

﴿بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا﴾ کیونکہ تیرے رب نے اس کو وحی کی ہوئی ہے کہ بندوں پر نیکی و بدی کی گواہی دے۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾

"ما یری فی شعاع الشمس من الهباء فهو ذرة" سورج کی شعاعوں میں جو غبار دکھائی دیتا ہے اسے ذرہ کہتے ہیں۔ یا "ان یضرب الرجل بیده علی الارض فما علق من التراب فهو ذرة"۔ آدمی زمین پر اپنا ہاتھ مارے اور اس کے ہاتھ میں جو مٹی چپک جائے وہ ذرّہ ہے۔ کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔

عن زيد بن أسلم، أن رجلاً جاء إلى النبيّ صلّى الله عليه وسلم، فقال: علمني مما علمك الله، فدفعه إلى رجل يعلمه القرآن، فعلمه إذا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ حتى بلغ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ فقال الرجل: حسبي فأخبر بذلك النبيّ صلّى اللہ علیه وسلم، فقال: دعه فقه الرجل.

(تفسیر سمرقندی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ایک آدمی کو قرآن کی تعلیم دیں۔ انھوں نے جب اس سورت کی تعلیم کی اور وہ ان آیتوں ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ تک پہونچا تو کہا بس کیجئے۔ یہی دو آیتیں میرے لیے کافی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا وہ ہوشیار آدمی ہے جانے دو۔ اس میں انسان کے لیے سبق ہے کہ اسے ہر گناہ سے بچنا چاہئے چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا ہو اور ہر نیکی کرنی چاہئے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی ہو۔

❀❀❀

سورۃ العٰدیٰت (مکیۃ)

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ
لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي
الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾

ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! جو ہانپ اٹھتے ہیں۔(۱) پھر (پتھروں پر نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں۔ (۲) پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔ (۳) پھر اس میں گرد اڑاتے ہیں۔ (۴) پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ (۵) کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس (اور ناشکرا) ہے۔ (۶) اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔ (۷) وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔ (۸) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جو (مُردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لئے جائیں گے۔ (۹) اور جو (بھید) دلوں میں ہیں وہ ظاہر کردیئے جائیں گے۔ (۱۰) بیشک ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب واقف ہوگا۔ (۱۱)

﴿ضَبْحٌ﴾ "ان الضبح اصوات انفاس الخیل اذا عدون"۔ دوڑنے کے وقت گھوڑوں کی سانسوں کی آوازوں کو ﴿ضبح﴾ کہتے ہیں۔

﴿مُوْرِيٰت﴾ ایراء سے مشتق ہے۔ "والایراء لایکون الا للحافر بصلابته واما الخف فیه لین واسترخاء"۔ ایراء گھوڑے کے سُم ہی کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ سخت ہوتا ہے۔ رہا اونٹ کا معاملہ تو اس کے خف کے اندر

Scanned by CamScanner

نرمی اور ڈھیلا پن ہوتا ہے۔

اللہ نے "قبور" اور "صدور" کو جمع کیا ہے۔ کیونکہ انسان کا سینہ خیر وشر کو چھپاتا ہے اور اس کے جسم کو قبر چھپاتی ہے۔ تو اللہ اس کے جسم کو اس کی قبر سے نکالے گا۔ اس کا جسم زمین پر ظاہر ہو جائے گا اور اس کا راز اس کے چہرے پر ظاہر ہو جائے گا۔

﴿قَدْحًا﴾ "حک جسم علی آخر لیقدح نارا" پتھر وغیرہ کو آپس میں رگڑ کر آگ نکالنا۔

﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا﴾ "اصعدن الغبار من الارض من شدۃ عدوھن" انتہائی تیز رفتاری کی وجہ سے زمین سے غبار اُڑاتے ہیں۔

﴿كَنُوْد﴾ جو انعامات کو فراموش کر کے صرف مصائب کا ذکر کرتا ہو۔

"الارض الکنود التی لا تنبت شیئا"۔ کنود بنجر زمین کو کہتے ہیں۔

﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ "ان انکر بلسانه اشھد ربه علیه حاله"۔ اگر انسان اپنی زبان سے انکار کرے تو اس کے حال کو اس کے رب نے اس پر گواہ بنا دیا ہے۔

پہلے نمبر پر خبر دیا کہ انسان ناشکرا ہے۔ دوسرے نمبر پر یہ کہا کہ وہ اس پر گواہ ہے۔ تیسرے نمبر پر یہ کہا کہ وہ مال پر بخیل ہے کیونکہ وہ مال سے بہت محبت کرتا ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ انسان مال سے بڑی شدید محبت کرتا ہے اسی وجہ سے وہ اپنے نفس کی خواہش کو اپنے رب کے حقوق پر مقدم رکھتا ہے۔ یہ اس کی دنیا پر محدود نظری اور آخرت سے غفلت ہے۔ قرآن میں اللہ کسی چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان کرتا ہے تو اس چیز کو اس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت دیتی ہے یہاں گھوڑوں کی خدمات کا ذکر گویا اس کی شہادت میں لیا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالیے کہ وہ انسان کے حکم واشارہ سے کیسی کیسی سخت خدمات انجام دیتا ہے حالانکہ انسان نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ جو گھاس دانہ دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو اس تک پہونچا دیتا ہے۔ وہ صرف ایک واسطہ ہے۔ گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے احسان کو کیسا پہچانتا ہے اور مانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جان تک خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو کہ اللہ نے اس کو پیدا کیا اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک پہونچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام احسانات کا بھی شکر گزار نہیں بنتا۔

﴿بُعْثِرَ﴾ "مُیّز وجمع، وبُین واظھر"۔ الگ الگ کیا جائے گا اور جمع کیا جائے گا اور ظاہر کر دیا جائے گا۔

﴿بُعْثِرَ﴾ "قُلِب من سفل الی علو"۔ نیچے سے اوپر کی طرف پلٹ دیا گیا۔

﴿حُصِّلَ﴾ "ای جُمِعَ واُحصی" اکٹھا کر کے شمار کرنا۔ اس کی تعداد کو اکٹھا کر لیا جائے گا اور حساب لیا جائے گا۔

﴿وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ دلوں میں کفر ہے کہ اسلام ہے یا الحاد ہے۔ وہ عالم السرائر (رازوں کا جاننے والا)

Scanned by CamScanner

ہے اور ہر ایک کے ساتھ اس کے عمل کے مطابق معاملہ کرنے والا ہے۔

﴿إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ﴾

﴿يَوْمَئِذٍ لَخَبِيرٌ﴾ کا کہ اس دن ان لوگوں پر خبیر ہوگا جب کہ وہ ہر وقت اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ اس دن وہ تمام چیزوں کا بدلہ دے گا۔ یہاں علم کا ذکر کیا اور مراد اس کا لازم ہے۔

اللہ نے انسان کو موصوف کیا ہے:

(۱) اپنے رب کی نعمتوں کا منکر ہے۔

(۲) جو مال اللہ نے اسے دیا ہے اس میں بخیلی کرتا ہے۔ اس طرح وہ نعمتوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا۔

(۳) خلق اللہ پر احسان نہیں کرتا ہے۔

(۴) اللہ کے شکر یہ پر بخیل ہے۔

(۵) مال پر بخیل ہے۔

(۶) یہ مومن کریم کی ضد ہے۔

(۷) جو اپنے رب کا مخلص ہے۔

(۸) جو اللہ کی مخلوق پر احسان کرتا ہے۔

(۹) اس کے پاس اخلاص واحسان ہے۔

(۱۰) فاجر کے پاس کفر اور بخل ہے۔

اللہ نے کئی جگہ ان دو خصلتوں (کفر اور بخل) کی مذمت کی ہے۔

❀❀❀

سورة القارعة (مكية)

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ
مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

کھڑ کھڑانے والی۔ (۱) کھڑ کھڑانے والی کیا ہے؟ (۲) اور تم کیا جانو کہ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے۔ (۳) (وہ

Scanned by CamScanner

قیامت ہ) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ (۴) اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اُون۔ (۵) تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے۔ (۶) وہ دلپسند عیش میں ہو گا۔ (۷) اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے۔ (۸) اس کا مرجع ہاویہ ہے۔ (۹) اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا ہے؟ (۱۰) (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔ (۱۱)

﴿فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ یہاں ﴿نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ (گرم آگ) کو ماں سے تشبیہ دی گئی ہے جس نے کافروں اور گنہگاروں کو اپنی گود میں لے کر سینے سے چمٹا لیا ہے گویا ان کے سخت دل اور بیکار روحیں نار جہنم کی سختی سے پیدا ہوئی ہیں تو ماں کتنی بری اور بچہ بھی کتنا برا ہے۔ اس کے مقابل جنتیوں کی حالت بتائی گئی کہ جنت میں زندگی ایسی ہو گی جو خود راضی ہو گی تو اس میں زندہ رہنے والوں کا حال کیا ہو گا!

❀❀❀

سورۃُ التَّكاثر (مكية)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿١﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿٢﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿٥﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿٦﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿٧﴾ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾

(لوگو!) تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ (۱) یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ (۲) دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ (۳) پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ (۴) دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے (۵) تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے (۶) پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے (کہ) عین الیقین (آ جائے گا)۔ (۷) پھر اس روز تم سے (شکرِ) نعمت کے بارے میں پرسش ہو گی۔ (۸)

حصول کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے تمہیں موت آ گئی۔ اگر دنیا میں کسی دیکھی بھالی چیز کا تمہیں یقین ہوتا اور اتنا ہی اس سے غفلت کا انجام جانتے، تو یقیناً تکاثر میں مبتلا نہ ہوتے۔

﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾

عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَرَأَ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ

الْمَقَابِرَ، فَلَبِثَ هُنَيْهَةً فَقَالَ: يَا مَيْمُونُ، مَا أَرَى الْمَقَابِرَ إِلا زِيَارَةً وَمَا لِلزَّائِرِ بُدٌّ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى مَنْزِلِهِ (تفسیر ابن ابی حاتم)

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا تھا وہ یہی آیت پڑھ کر رونے لگے اور کہنے لگے میمون! قبر واقعی ایک مہمان گاہ ہے اور مہمان کو اپنے گھر جانا ضروری ہے۔اب یا تو وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں زائر مہمان کو کہتے ہیں اور مقابر مہمان گاہیں ہیں۔

قبر کی زندگی کو زیارت سے تعبیر کیا گیا جب کہ وہ ہزاروں سالوں پر مشتمل ہوتی ہے تو ہم اپنی دنیا کی اس چند سالہ زندگی کو کیا نام دیں گے؟ اگر ہزاروں سال کی قبر کی زندگی ایک زیارت ہے تو دنیا کی اس چند سالہ زندگی کی کیا اوقات ہے؟

﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾ تم جس تکاثر و تفاخر میں مبتلا ہو وہ صحیح نہیں ہے۔اس کا انجام تم عنقریب دیکھ لو گے۔

نکاتِ سورۃ التکاثر:۔

﴿ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ﴾

ويذكر أن بعض الأعراب في البادية سمع قارئاً يقرأ قول الله تعالى: ﴿ ألْهَاكم التكاثر حتى زرتم المقابر ﴾ فقال الأعرابي بفطرته وعربيته: "والله ما الزائر بمقيم، وإن وراء ذلك شيئاً"، لأن الزائر يزور ويمشي (تفسير العثيمين)

ایک اعرابی نے اللہ کا یہ قول کسی کو پڑھتے ہوئے سنا تو اعرابی نے کہا اللہ کی قسم زیارت کرنے والا مقیم نہیں ہوتا۔قبروں کے پیچھے کچھ ضرور ہے۔یہ بات ﴿ زرتم ﴾ (تم نے زیارت کی) سے مستنبط ہے کیونکہ "فالزائر يبقى مدةً ثم يرتحل" زیارت کرنے والا کچھ دیر ٹھہرتا ہے پھر کوچ کر جاتا ہے۔تو قبر دار اقامت نہیں بلکہ زائر کو اپنے وطن لوٹنا ہے اور وہ آخرت ہے۔

﴿ التَّكَاثُرُ ﴾ کا معنی "شیخی بگھارنا" ہے۔مال، قبیلہ، جاہ اور علم کی کثرت پر فخر کرنا۔سب تفاخر کے دائرے میں آجاتے ہیں۔

﴿ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾ جیسے جیسے آدمی بوڑھا ہوتا ہے اس کی آرزوؤں کا سلسلہ دراز ہوتا جاتا ہے۔وہ عمر میں بوڑھا ہوتا ہے مگر آرزوؤں میں جوان ہو جاتا ہے۔آپ نوے سال کے آدمی کے پاس اتنی آرزوئیں اور تمنائیں پائیں گے جتنی ایک پندرہ بیس سال کے نوجوان کے پاس نہیں ہوتیں۔

﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾ ہرگز نہیں عنقریب تم جان لو گے۔﴿ كَلَّا ﴾ بمعنی "ارتدعوا" ہے یعنی "ارتدعوا عن هذا التكاثر" ہے یعنی اس تکاثر سے باز رہو، کیونکہ یہ تکاثر تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔اور جس تکاثر نے تمہیں آخرت سے غافل کر دیا ہے عنقریب اس کا انجام دیکھ لو گے۔

﴿ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾ یہ پہلی وعید کے علاوہ دوسری وعید کی صراحت کی اور دوسری وعید پہلی وعید سے زیادہ سخت ہے۔

Scanned by CamScanner

﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ﴾ اگر تم اپنے آگے آنے والی چیزوں کا علم یقین رکھتے یعنی تم کو ان کا ایسا یقینی علم ہوتا جیسے اپنے پاس موجودہ چیزوں کا ہوتا ہے۔(یہ شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے) تو آخرت کا یہ یقینی علم تم کو دوسری بے ہودگیوں سے روک دیتا۔ یعنی تم کثرت مال وقبائل وغیرہ پر فخر نہیں کرتے۔

﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ﴾ قیامت میں جب جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔

﴿رویة﴾ (دیکھنا) کی دو قسمیں ہیں:

(۱) رویۃ العین (۲) رویۃ القلب۔

(۱) رویة العین: "هی ان تكون الشئی امامک تراه بعينيک وهذه ليس فيها قضية ايمان فلا تقول انني اومن انني اراک امامی لانک ترانی فعلا۔ مادمت ترانی فهذا يقين" کوئی چیز آپ کے سامنے ہو اور آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو اسے ایمان نہیں کہتے۔ آپ یہ نہیں کہتے میں ایمان رکھتا ہوں کہ میں آپ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ آپ مجھے بالفعل دیکھ رہے ہیں جب تک آپ مجھے دیکھ رہے ہیں تو یہ یقین ہے۔

(۲) رویة ایمانیة: "لكن الرويةالايمانية هی ان تومن كانک تری ماهو غيب امامک" رویۃ ایمانیہ یہ ہے کہ جو چیز آپ کے سامنے سے غائب ہو آپ اس پر اس طرح ایمان رکھیں جیسے آپ اسے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسی کو رویۃ القلب بھی کہتے ہیں۔

﴿اليقين ثلاثه﴾

(۱) علم اليقين

(۲) عين اليقين

(۳) حق اليقين۔

"الروية بالعين تعتبر عين اليقين والوعد بالعذاب يعتبر علم اليقين۔ ومس العذاب يعتبر حق اليقين" دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا علم، علم الیقین ہے۔ اور آگ کو دیکھ لینا عین الیقین ہے اور اس کے قریب جا کر اس کی حرارت کو محسوس کر لینا حق الیقین ہے۔ ان تینوں میں حق الیقین سب سے اعلیٰ درجہ کا یقین ہے۔ کیونکہ انسان کبھی کبھی کسی چیز کو دیکھتا ہے مگر اسے حقیقت کے خلاف دیکھ لیتا ہے۔ جیسے ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھ لیتا ہے۔

﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ مومن اور کافر دونوں سے نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مگر کافر سے سوال توبیخ ہوگا اور مومن سے سوال تذکیر ہوگا۔

❁❁❁

سورۃ العصر (مکیة)

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

عصر کی قسم!(۱) کہ انسان نقصان میں ہے۔(۲) مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔(۳)

عندالجمہور یہ سورہ مکیہ ہے۔ یہ کل تین آیات پر مشتمل ہے۔ پہلی آیت کا اختتام ﴿عَصْرِ﴾ پر ہے اور دوسری آیت کا اختتام ﴿خُسْرٍ﴾ پر ہے۔ اس میں محسنات لفظیہ کی ایک قسم ''سجع مطرف'' ہے اور عصر اور صبر میں سجع متوازی ہے۔ کامیابی کے لیے چار شرطیں ہیں۔

عصر اور دہر میں فرق:

''من اول الدنیا الی آخرھا'' ابتدائے عالم سے انتہاء عالم تک کا دورانیہ دھر کہلاتا ہے اور اس کا کوئی جزء خواہ وہ طویل ہو یا مختصر ''عصر'' کہلاتا ہے۔ یعنی بکاملہ، دھر ہے اور بجزئہ عصر ہے جیسے عصر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عصر الخلفاء الراشدین، عصر بنی امیہ وغیرہ۔ اسی طرح عصر الانسان یعنی عمر الانسان (انسان کی عمر) ہے۔ یہی عصر اور عمر انسان کا اصل سرمایہ ہے۔ ایک ایک لمحے کو بیچ کر جو کرنسی (نقدی) میں تبدیل کرلے وہی اچھا بائع ہے اور وہی خسارے (گھاٹے) سے محفوظ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''قَالَ اللهُ تَعَالَى: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ، وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (بخاری کتاب التوحید:۷۴۹۱)

اس سورۂ کریمہ میں عصر (زمانے) کی قسم کھائی گئی ہے۔ تقسیم ''قسم'' سے مشتق ہے اور تقسیم کو تقطیع لازم ہے چونکہ قسم مخاطب کے شکوک وشبہات کو کاٹ دیتی ہے اور ریب کی رسیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہے اسی وجہ سے اسے قسم کہا جاتا ہے۔ قرآن میں سات جگہ اللہ نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے۔ قسم اصطلاحی، خبر کی تاکید اور تحقیق کے لیے آتی ہے جیسے ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (منافقون:۱) نہ یہ کہ اللہ کے یہاں ان کی کوئی عظمت ہے ہاں لوگوں کے نزدیک وہ عظیم ہوسکتی ہے یا مخلوق کے لیے نفع بخش ہوسکتی ہے یا مخلوق کی قسم اللہ نے اپنی تعظیم پر دلیل بنانے کے لیے یاد فرمائی ہے۔ یہ مخلوقات اللہ کی نشانیاں ہیں اور اس کی قدرت کے مظاہر ہیں۔ ان سے اللہ کی معرفت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ یا بندوں کی نگاہ میں ان اشیاء کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ ساتھ میں ان میں موجود منافع کی طرف اشارہ مقصود ہے یا ثبوت باری، معاد یا نبوت پر دلیل بنانے کے لیے یاد فرمائی ہے۔ آدمی کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو گویا اس کو گواہ بناتا ہے۔ جیسے میں

Scanned by CamScanner

فلاں چیز کی قسم کھاتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہنے میں میں تنہا نہیں ہوں وہ چیز بھی اس پر گواہ ہے۔مخلوقات کی قسم کھانا شرک ہے۔قرآن کی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ وہ اللہ کی صفت ہے مگر قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے سے علماء نے منع کیا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کی جلد اور کاغذ وغیرہ بھی تصور میں شامل ہوجاتے ہیں۔

سورۂ عصر کی مثال:

بلب انسان ہے، بجلی ایمان ہے، بلب کی روشنی عمل صالح ہے۔نیز روشنی بلب کی ذات تک محدود نہیں ہوتی بلکہ بلب کی روشنی اپنے اطراف کے ماحول کو روشن کرتی ہے یہ تواصی بالحق ہے اور بلب پر کیڑوں مکوڑوں کی یورش و یلغار نیز پانی کی بوندیں اور گرد وغبار کا لپٹنا، پھر بھی اس کا روشنی دیتے رہنا تواصی بالصبر ہے۔

یقین اور ایمان میں فرق:

آنکھوں سے دیکھ کر ماننا یقین ہے اور بغیر دیکھے کسی بااعتماد شخص کی بات مان لینا گویا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ایمان ہے۔

عصر کا مطلب:

عصر کے معنی عربی زبان میں نچوڑنے کے آتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے ﴿اِنِّیْ اَرٰىنِیْ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ (یوسف:۳۶) میں دیکھ رہا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔زمانے کو عصر سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ جیسے پھل سے عرق نچوڑ لیا گیا تو دوبارہ وہ عرق اور رس اس پھل میں واپس نہیں ڈالا جاسکتا۔جیسے سیب یا لیموں وغیرہ کا عرق نچوڑ لیں اور آپ چاہیں کہ وہ عرق پھر واپس اپنے پھل میں چلا جائے تو یہ ناممکن ہے۔سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے لیکن اب تک ایسی کوئی مشین ایجاد نہیں ہوئی جو گنّے کے رس کو واپس گنے میں ڈال دے اور گنّا پھر سے تازہ ہوجائے۔اسی طرح زمانہ جو گذر گیا دوبارہ زندگی میں نہیں لوٹایا جاسکتا۔زمانہ کو عصر اس لیے کہا گیا کہ گویا زمانہ نچوڑا ہوا رس ہے جو واپس نہیں ہوسکتا۔زمانے کی ایک صفت تیز روی ہے اسی وجہ سے تیز ہوا کو ''اعصار'' کہا گیا۔

عمل اور فعل میں فرق:

کام کا اثر ہو خواہ فاعل سے ارادۃً صادر ہوا ہو یا بلا ارادہ اور عمل وہ ہے جو عامل سے ارادۃً صادر ہو خواہ اچھا ہو یا بُرا۔

ایمان کی ضد کفر ہے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (کھف:۲۹) تصدیق کی ضد تکذیب ہے۔تصدیق امر مشہود وغائب دونوں کی ہوتی ہے مگر ایمان میں تصدیق صرف امر غائب کی ہوتی ہے۔

﴿خُسْرٍ﴾ بروزن نکر ہے۔ایسا نقصان جس کی تلافی نہ ہوسکے۔

﴿حَلَفَ﴾ ایسی قسم جس سے کسی کے وقار کو ٹھیس پہنچے ''حلف'' کہتے ہیں۔اس لفظ کا استعمال اللہ کے لیے موزوں نہیں۔سورۂ توبہ میں منافق کی قسموں کا ذکر سات جگہ آیا ہے اور ہر جگہ قسم کے لیے حلف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

Scanned by CamScanner

قسم کھا کر کوئی بات کہنے کے اسلوب میں خوبی یہ ہے کہ اس میں دلیل، دعوے سے پہلے آجاتی ہے۔

"تواصی بالحق" سے مراد "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" (بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) ہے۔

تواصی بالصبر: (ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنا)

صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) صبر علی المامور

(۲) صبر علی المقدور

(۳) صبر عن المحظور

حق تمام بھلائیوں کے دروازے کھولتا ہے اور صبر تمام برائیوں کے دروازے بند کرتا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِى الصّٰلِحِيْنَ﴾ (عنکبوت:۹)

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (انبیاء ۱۰۴)

صَلُحَ، فَسَدَ کی ضد ہے۔ ایک پلیٹ میں تازہ کھانا رکھا ہوا ہے جب تک تازہ ہے نفع بخش ہے۔ باسی ہو گیا تو فاسد اور مضر ہے۔ عمل صالح کا مطلب ہے کہ وہ اخلاص اور متابعت رسول کے ساتھ ہو تو نفع بخش ہے ورنہ صالح نہ ہونے کی وجہ سے مضر ہے۔ ایمان کا محل قلب ہے جو اس آیت ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (حجرات:۱۴) سے ظاہر ہے۔ پھر ایمان کے دو شاہد (گواہ) مقرر کئے گئے (۱) قول (۲) عمل۔ مگر قول بھی جھوٹا ہو سکتا ہے اس وجہ سے اقرار باللسان کے ساتھ ضروری ہوا کہ عمل، ایمان کی تصدیق کرے۔ پس عمل، ایمان کی کسوٹی ہے۔ ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ دراصل عطف الخاص علی العام ہے۔

ان اصولِ اربعہ (ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق، تواصی بالصبر) میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ کی تکمیل کا پہلو ہے۔ اسی کے ساتھ تواصی بالحق و تواصی بالصبر سیاست مدنیہ کے تمام شعبوں کو اعلیٰ و اکمل طور پر پورا کرنے کا باعث ہیں۔

❀❀❀

سورۃ الھمزۃ (مکیۃ)

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝٣
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِىْ

Scanned by CamScanner

تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے۔(۱) جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔(۲) (اور) خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔(۳) ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔(۴) اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟(۵) وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔(۶) جو دلوں پر جا لپٹے گی۔(۷) (اور) وہ اس میں بند کر دیئے جائیں گے۔(۸) (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔(۹)

ہمزۃ اور لمزۃ میں فرق:

ھمز۔روبرو برائی کو کہتے ہیں۔ اور لمز پیٹھ پیچھے برائی کو کہتے ہیں۔یا ھمز کا مطلب آنکھوں یا ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا۔اور لمز کا مطلب ہے زبان سے برائی کرنا۔اور عام طور پر آدمی ان امور خبیثہ میں مبتلا دولت کے نشے میں ہوتا ہے۔﴿ الَّذِي جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَهُ ﴾ سے اسی سبب کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُوصَدَةٌ ﴾ جہنم کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ ہر طرف سے بند ہوگی۔ذرا تصور کیجئے کہ کار وغیرہ یا کسی چھوٹے سے کمرے میں آگ لگ جائے اور بھاگنے کا یا نکلنے کا راستہ نہ ہو تو انسان کی کیا کیفیت ہوگی؟

❀❀❀

سورۃ الفیل (مکیۃ)

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟(۱) کیا ان کا داؤ غلط نہیں کیا؟ (کیا)۔(۲) اور ان پر جھلڑ کے جھلڑ جانور بھیجے۔(۳) جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔(۴) تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھُس۔(۵)

Scanned by CamScanner

اصحاب فیل کا واقعہ:

یمن کا گورنر جس کا نام ابر ہہ تھا، حبشہ کے بادشاہ کی جانب سے ہاتھیوں کا ایک لشکر لے کر کعبہ کو ڈھانے کی غرض سے نکلا۔ ''وادی محسر'' میں یہ لشکر پرندوں کے غول کے ذریعے تباہ کر دیا گیا۔ اللہ نے ہاتھیوں کے لشکر سے کعبہ کو بچایا اور قیامت کے قریب ایک حبشی ہی کعبہ کے ایک ایک پتھر کو گرا کر اسے زمین بوس کر دے گا۔

﴿طَيْرًا أَبَابِيلَ﴾ جھنڈ کے جھنڈ پرندے تھے اور ہر پرندے کی چونچ میں پتھر ہوتا تھا۔ اس میں سبق ہے کہ حق پر بری نگاہ ڈالنے والوں کی آنکھیں پھوڑ دی جاتی ہیں اور ان کے مکر کو انھیں کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے۔

مشرکین نے بیت اللہ میں سیکڑوں بُت رکھ دیئے تھے۔ یہ مشرکین کا بے شک بدترین فعل تھا۔ یہ فعل اللہ کے گھر کی دیواروں کو منہدم کرنے سے بھی زیادہ شنیع (برا) تھا۔ لیکن طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی ان پر عذاب نہ آیا لیکن ابرہہ نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو فوراً اس پر عذاب نازل ہو گیا۔ ممکن ہے یہ تعجب خیز ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ مشرکین کا جرم اللہ رب العزت کے حق پر تعدّی اور نافرمانی تھی لیکن ابرہہ کا اقدام دین الٰہی کی توہین تھا۔ اس وجہ سے اللہ کو یہ بات برداشت نہ ہوئی۔ یعنی اللہ اپنی نافرمانی برداشت کر لیتا ہے لیکن دین کی توہین برداشت نہیں کرتا۔ قرآن جلانا اور مسجدیں گرانا وغیرہ، یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جلد ہی ایسے لوگ کسی نہ کسی عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

❀❀❀

سورة قريش (مكية)

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾
الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

قریش کی مانوس کرنے کے سبب۔ (۱) یعنی ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔ (۲) لوگوں کو چاہئیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ (۳) جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔ (۴)

کفار مکہ کے اسفار:

کفار مکہ جاڑے کے موسم میں یمن کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے اور گرمی میں شام کی طرف۔ ان دونوں سفروں میں تجارت

میں انھیں بڑا فائدہ حاصل ہوتا تھا تو اس نعمت کے شکریئے میں انھیں حکم دیا گیا کہ وہ کعبہ کے رب کی عبادت کریں کیونکہ اللہ نے انھیں دو نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ ایک نعمت ظاہری دوسرے نعمت باطنی۔ نعمت ظاہری کی کہ بھوکوں مرنے سے بچایا اور نعمت باطنی کہ انھیں امن دیا جب کہ تمام علاقے دشمنوں سے گھرے ہوتے تھے اور لوگ باہر نکلنے سے ڈرتے تھے۔ کفار مکہ کا سال میں دو مرتبہ قافلہ باہر جاتا، وہاں سے اشیاء تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف سفر کرتے جو گرم علاقہ تھا۔ اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے جو علاقہ ٹھنڈا تھا۔ بیت اللہ کا متولی ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے۔ اور ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے۔ بیت اللہ کے خدمت گذار ہونے کی وجہ سے تمہارے لیے یہ سفر ممکن ہوا۔ لہٰذا تم اسی گھر کے رب کی عبادت کرو۔

﴿ أَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ ﴾ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا۔ یہ ظاہری نعمت ہے کیونکہ بھوک پر کھانا کھلانا ہلاک ہونے سے بچانا ہے۔

﴿ وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾ اور خوف سے امن بخشا۔ جب کہ سارے علاقے امن وامان سے محروم تھے۔ لوگ خوف سے باہر جانے سے ڈرتے تھے۔

❀❀❀

سورۃ الماعون (مكية)

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝١ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝٢ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝٣ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝٦ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝٧

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ (۱) یہ وہی (بد بخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (۲) اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔ (۳) تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے۔ (۴) جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ (۵) جو ریا کاری کرتے ہیں۔ (۶) اور برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے۔ (۷)

﴿ يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴾ دین یعنی جزا اور سزا کا اعتقاد تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو اس کا معتقد نہیں وہ نیک کام کیوں کرنے لگا؟ عمل میں سب سے اول تہذیب اخلاق ہے۔ اور یہ دو چیزوں پر مشتمل ہے (۱) دفع شر (۲) جلب منفعت۔ اور جلب منفعت بھی دو چیزوں پر مشتمل ہے (۱) اللہ کے بندوں پر رحم۔ (۲) خود نہ کر سکے تو اوروں کو ترغیب دلائے۔

تہذیب اخلاق کی دوسری قسم اپنے خالق کے ساتھ رابطہ ہے۔ یہ تہذیب نفس ہے۔ اسی کو تزکیۂ نفس بھی کہتے ہیں۔ تزکیہ نفس کا اول رکن نماز ہے۔ اس کی طرف ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اور تزکیہ نفس کا دوسرا رکن اخلاص ہے۔ اس کی طرف ﴿الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ﴾ سے اشارہ کیا گیا۔ پھر تہذیب نفس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) جانی (۲) مالی۔ جانی نماز ہے۔ مالی زکوۃ ہے۔

پہلے عقیدہ ہے۔ جس میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت نمایاں ہے۔ پھر عمل ہے۔ جس کا ایک تعلق اللہ سے ہے اور دوسرا تعلق بندوں سے ہے۔ تعلق باللہ کا پہلا ذریعہ نماز اور ہر عمل میں اخلاص ہے۔ اور تعلق بالعباد (بندوں سے تعلق) کا ذریعہ یہ ہے کہ خود ان کی مدد کرے یا دوسروں کو ان کی مدد پر ابھارے۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ﴾۔ تزکیۂ نفس کا دوسرا رکن اخلاص ہے اور اللہ سے تعلق پیدا کرنے کا پہلا ذریعہ نماز ہے۔ اور نماز خشوع وخضوع کے ساتھ ہو۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ "اذا اصليت بلا قلب فهي كالجسد الذي لا روح فيه" اگر تم نے بلاخشوعِ قلب کے نماز پڑھی تو وہ ایسے جسم کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو۔

﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ اور معمولی ضرورت کی چیزیں (مانگے بھی) نہیں دیتے۔

﴿الْمَاعُونَ﴾ "ای الشيئ القليل"۔ ماعون کا مطلب "معمولی ضرورت کی چیز" ہے۔ زکوۃ بھی ماعون ہے کہ کُل مال کا چالیسواں ہے جو کُل کی نسبت بہت قلیل ہے۔

❀❀❀

سورۃ الکوثر (مکیۃ)

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ② إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ③

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ (۱) تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔ (۲) کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔ (۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کے انتقال پر کفار کہنے لگے کہ چلو سلسلہ ختم ہوا۔ یہ ابتر ہو گئے۔ اب ان کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنج وملال کے ازالے کے لیے یہ تین آیات کی سورہ نازل ہوئی۔

Scanned by CamScanner

کوثر کی تشریح:

کوثر ایک نہر ہے جو اللہ جنت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حوض کوثر مراد ہے۔ اس حوض میں پانی اسی جنت کی نہر سے آ رہا ہو گا۔ جس سے اہل جنت، جنت میں جانے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے پئیں گے۔ بعض لوگوں نے اس کی تفسیر خیر کثیر سے کی ہے۔

﴿أَعْطَيْنَا﴾ کہا۔ "آتینا" نہیں کیونکہ دینا عام ہے، مفت ہو یا کسی خدمت کے معاوضے میں ہو۔ اعطاء کا مطلب مفت میں دینا ہے۔ جو کرم ہی کرم ہے۔ آئندہ جو کثیر خیر ملنا ہے اسے صیغہ ماضی سے تعبیر کیا گویا مل ہی گیا۔ "ک" مفرد ہے کہ یہ عطیہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾

مشرکین بتوں کے لیے عبادت اور قربانی کرتے تھے۔ نماز کی طرح قربانی بھی اللہ کے لیے ہے۔ ﴿فَصَلِّ لَنَا﴾ نہیں کہا گیا بلکہ ﴿لِرَبِّكَ﴾ کہا گیا۔ لفظ رب لا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ اپنی ربوبیت ہی کی وجہ سے وہ عبادت کا مستحق ہے اس کے علاوہ ڈھیر سارے انعامات واکرامات تو ہیں ہی۔

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ مخالفت ودشمنی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیغام لے کر آئے ہیں اس سے بغض رکھا جائے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "الحذر الحذر ایها الرجل من ان تکره شیئاً مما جاء به الرسول او تَرُدَّه لاجل هواک اوانتصار لمذهبک اولشیخک اولاجل اشتغا لک بالشهوات او بالدنیا۔ فان اللہ لم یوجب علی احد طاعة احد الا طاعة رسوله" اے آدمی اس بات سے بچ کہ تُو اس چیز کو ناپسند کرے جس کو رسول لے کر آئیں۔ یا تو اپنی خواہش کی وجہ سے یا اپنے مذہب کی تائید کے لیے یا اپنے شیخ کے لیے یا خواہشات یا دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کا رد کر دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کے علاوہ کسی پر کسی کی اطاعت واجب نہیں کی ہے۔

سعادت کے یہ دو طریقے (نماز اور قربانی) بتلا کر یہ بیان فرمایا کہ سعادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی اتباع سے ملے گی۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھے گا وہ دم بریدہ ہے اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والے کیا کیا مصیبتیں دیکھ کر مرے۔

نکاتِ سورۃ الکوثر:

﴿كَوْثَرَ﴾ بروزن فوعل ہے جیسے کوکب اور جورب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے۔ جو چیز تعداد میں زیادہ اور مرتبہ اور قدر میں بڑی ہو اسے کوثر کہتے ہیں۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ﴾ کہا۔ ﴿فَصَلِّ لَنَا﴾ نہیں کہا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ مستحقِ عبادت اپنی ربوبیت کی وجہ سے ہے۔ اور رب کی اضافت "ک" کی طرف اضافت تشریفی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ سے انتہاء قربت کو ظاہر کرتی ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نماز صرف اللہ کے لیے ہے اس میں مشرکین

Scanned by CamScanner

کے لیے تعریض بھی ہے کہ وہ بتوں کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ ﴿فَصَلِّ﴾ میں "فاء" سببی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے کوثر عطا کیا اس وجہ سے ہمارے شکریے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں اور قربانی کریں اور نماز میں شکر کی ہر قسم موجود ہے۔ زبان، دل اور اعضاء ہر ایک کے ذریعے نماز میں شکر ادا ہوتا ہے۔ اور ﴿وَانْحَرْ﴾ سے بھی مشرکین پر تعریض ہے کہ وہ اپنے بتوں کے لیے قربانی کرتے ہیں۔

﴿الْاَبْتَرُ﴾ کی تعریف: "ابتر" ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کی دم کٹی ہوتی ہو۔ اس سے ایسے انسان کو تشبیہہ دی جاتی ہے جس کے پیچھے کوئی نرینہ اولاد نہ ہو اور آیت میں ابتر کا معنی ہے "الذی لا خیر فیہ" (جس میں کوئی خیر نہ ہو)

﴿هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ میں ضمیر فصل "ھو" قصر کا معنی دیتا ہے۔ اس سے نبی کے شانی (مخالف) کے لیے ابتر کا اثبات کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتر ہونے کی نفی کر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہی لاخیرا ہے اور یہ بھی بتایا گیا کہ اگر کسی کے پاس اولاد نرینہ نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے اخلاق اور عقل میں کمی ہے۔

﴿شَانِئَكَ﴾ "شانی، الشناءۃ" کا فاعل ہے جس کا مطلب "بغض" ہے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مبغض (بغض رکھنے والا) مراد ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والا ہر آدمی خیر سے کٹا ہوا ہے۔ جب تک اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغض ہے۔

❀❀❀

سورۃ الکافرون (مکیۃ)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ
اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦

(اے پیغمبر! منکرانِ اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو!۔(۱) جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا۔(۲) اور جس (اللہ) کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔(۳) اور (میں پھر کہتا ہوں کہ) جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں۔(۴) اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔(۵) تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔(۶)

مشرکین کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کی ہر کوشش کے ناکام ہونے کے بعد لین دین (Give and Take) کے اصول پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مفاہمت کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ سورہ نازل ہوئی۔

اس میں توحید عبادت ہے اور سورۂ اخلاص میں توحیدِ ربوبیت ہے جیسے ﴿اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ کہ اللہ بے نیاز ہے۔ وہ

Scanned by CamScanner

سب کو عطا کر رہا ہے اور توحید اسماء وصفات ہے اسی لیے دن کے آغاز میں (فجر کی سنت میں) اور رات میں وتر میں اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ تاکہ توحید کی تجدید ہوتی رہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ "أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (مسلم، کتاب المساجد:۷۲۶)

عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِنَوْفَلٍ: "اقْرَأْ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ثُمَّ نَمْ، عَلَى خَاتِمَتِهَا، فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ (ابوداؤد، کتاب الادب:۵۰۵۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل سے کہا کہ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ پڑھ اور سو جا۔ یہ شرک سے برأت ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ، فَإِذَا فَرَغَ، قَالَ عِنْدَ فَرَاغِهِ: "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ"، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيلُ فِي آخِرِهِنَّ۔
(نسائی، کتاب قیام اللیل:۱۶۹۹، صحیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے۔

اللہ جب اپنی ذات کا ذکر کرتا ہے تو واحد کا صیغہ لاتا ہے جیسے ﴿إِنَّنِيٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا﴾ (طٰہٰ ۱۴) اور جب اپنی صفات کا ذکر کرتا ہے تو جمع کا صیغہ لاتا ہے جیسے ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ﴾ (سورۂ دھر:۲۸) ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ (سورۂ غافر:۵۱) تو خلق ونصر وغیرہ اللہ کی صفات ہیں۔ توحید کے دو درجے ہیں ایک اثباتِ توحید دوسرے ردِ شرک۔ اسلام چونکہ دین کامل ہے لہٰذا شرک کے جتنے بھی درجات ہو سکتے تھے اور عقل میں آ سکتے تھے ان سب کا رد کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف شرک کا رد کیا بلکہ اسبابِ شرک کا بھی رد کیا لہٰذا اب توحید بھی کامل ہے اور ردِ شرک بھی کامل ہے۔

شرک کی دو قسمیں:

(۱) شرک جلی یعنی ذات میں شریک کرنا، جیسے مجوس نے دو معبود مان لیے، یہ شرک جلی ہے کہ ذات میں شریک کر لیا گیا۔ دوسرا شرک، شرک فی الصفات ہے کہ ذات تو ایک مان لی مگر صفاتِ الٰہیہ کو مخلوق میں بھی مان لیا۔ مثلاً فلاں شخص بیٹا دے سکتا ہے اور بیٹی دے سکتا ہے، فلاں شخص ہے کہ روزی اس کے سپرد ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں، کسی مخلوق کے ہاتھ میں نہیں۔ اسی طرح ایک شرک، شرک الافعال ہے کہ ذات بھی ایک مان لی اور صفات بھی ایک ہی کے لیے مان لی مگر افعال میں شریک کر دیا۔ جیسے زمین وآسمان اور نور وظلمت سب اللہ نے پیدا کئے مگر مجوسیوں نے کہا نور کا خدا اور ہے اور ظلمت کا خدا اور۔

(۲) دوسرا شرک، شرک خفی ہے کہ کھلا ہوا نہیں ہے مگر حقیقت میں شرک ہے، جیسے "ریا"۔ سورۂ اخلاص، اثباتِ توحید کے لیے ہے اور سورۂ کافرون ردِ شرک کے لیے ہے کہ ہم ذات میں، صفات میں اور افعال میں شرک نہیں کریں گے۔ ﴿لَآ أَعْبُدُ

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ میں اس معبود کی عبادت ہم نہیں کریں گے جس کی تم کرتے ہو۔ ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ اور تم اس معبود کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ میرا معبود اور ہے اور تمہارا معبود اور۔ تمہارے معبود خادم ہیں اور میرا معبود تمہارے خادموں کا خالق ہے۔ ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ اور آئندہ بھی میں ان تمام چیزوں کی پوجا کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم پوجا کر رہے ہو اور ایسا لگتا ہے کہ آئندہ تم بھی اس کی عبادت کرنے والے نہیں ہو جس کی عبادت میں کرنے والا ہوں۔ تو ہم میں اور تم میں کوئی چیز مشترک ہی نہیں ہے تو تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

سورۃ النصر (مدنیة)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی)۔ (۱) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ (۲) تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔ (۳)

انسان کے ہر کام کے چھ درجے ہوتے ہیں:

(۱) ارادہ (۲) جدوجہد (۳) مقصد سے محبت
(۴) نصرت الٰہی (۵) فتح (۶) کام سے سبکدوشی۔

کام کا ارادہ نہیں تو اس کے لیے آدمی جدوجہد نہیں کرے گا اور جدوجہد نہیں کرے گا جب تک مقصد سے محبت نہ ہو۔ اور ارادہ بھی ہو، جدوجہد بھی ہو اور مقصد سے محبت بھی ہو مگر نصرت الٰہی شامل حال نہ ہو تو بھی انسان کامیاب نہیں ہوتا۔ نصرت الٰہی کے بعد مقصد کے دروازے کھل جاتے ہیں اسے فتح کہتے ہیں۔ اور جب کامیابی کے دروازے کھل گئے تو کام سے سبکدوشی ہو جاتی ہے۔ اس سورہ کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کا پہلا درجہ، ارادہ۔ دوسرا درجہ، جدوجہد کا اور مقصد سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی محبت تھی کہ اللہ نے تسلی دی ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (سورۂ کہف) چوتھا درجہ نصرت الٰہی پانچواں درجہ فتح۔ چھٹا درجہ واپسی کا۔ اور اس درجے کو ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ سے بتایا گیا۔

سورہ نصر کے نزول پر صحابہ کو اندازہ ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔

Scanned by CamScanner

فتح مکہ کے بعد تبلیغ ورسالت کی جو ذمہ داری تھی وہ پوری ہوگئی اس کی طرف ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ سے اشارہ کیا گیا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يُدْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ: إِنَّ لَنَا أَبْنَاءً مِثْلَهُ، فَقَالَ: إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ تَعْلَمُ، فَسَأَلَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ هَذِهِ الآيَةِ، ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالفَتْحُ﴾، فَقَالَ: "أَجَلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمَهُ إِيَّاهُ" قَالَ: مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَعْلَمُ (بخاری، کتاب المناقب: ۳۶۲۷)

عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالفَتْحُ﴾ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس میں نبی ﷺ کو اجل بتائی گئی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ نصرت اور فتح مل جائے تو تسبیح واستغفار کیجئے۔

نصر کا مطلب:

نصر مطلوب کے حصول میں اعانت کو "نصر" کہتے ہیں۔ اور مطلوب کو حاصل کرا دینا "فتح" کہلاتا ہے۔ تو نصر فتح کا سبب ہوا اسی لیے نصر کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ نصرت واعانت عام ہے۔ جیسے اسباب ظاہری پیدا کر دینا اور اعوان وانصار فراہم کر دینا۔ یا مخالفین میں بزدلی یا ہیبت پیدا کر دینا۔

اس سورہ میں چار باتیں کہی گئی ہیں:

(۱) نصرت الٰہی (۲) فتح

(۳) لوگوں کا دین الٰہی میں داخل ہونا۔ (۴) ایک ایک دو دو نہیں بلکہ گروہ در گروہ داخل ہونا۔

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ تسبیح وتحمید عبادت ہے مگر بندہ کیسی ہی عبادت کر لے اس سے حقِ عبادت ادا ہونا مشکل ہے۔ اس لیے اعتراف قصور ایک شانِ عبودیت ہے۔ نیز اللہ کو بندے کی عاجزی بہت پسند ہے اس لیے ﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ فرمایا کہ اپنے رب سے معافی مانگ۔ اللہ بندے کے رجوع کرنے سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ اور بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ اسے معاف کر دیتا ہے۔

اس میں ایک کشش باطنی پیدا کر دی جس سے لوگ دین اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے۔ یہ ایک طرح کی فتح کے بعد فتح مبین تھی۔ اس سورہ کے نزول کے بعد ہر نماز کے رکوع وسجود میں آپ ﷺ ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي﴾ پڑھا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ: "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي" (بخاری، کتاب الاذان: ۷۹۴)

تسبیح واستغفار میں کون زیادہ مفید ہے؟

اس سلسلے میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الوابل الصیب من الکلم الطیب" میں لکھا ہے کہ ایک روز میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو واقعہ سنایا کہ کسی عالم سے دریافت کیا گیا کہ انسان کے لیے تسبیح زیادہ فائدہ مند ہے یا استغفار زیادہ مفید ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک کپڑا صاف ستھرا ہو تو عرق گلاب اور بخورات مفید ہیں لیکن اگر میلا کچیلا ہو تو گرم پانی اور صابون بہتر ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بخورات وعرق گلاب اور خوشبویات کا جب کہ کپڑے ہر وقت میل کچیل سے غلیظ اور گندے ہی رہتے ہیں تو پھر! اور یہی مطلب ہے بعض سلف کے اس قول کا کہ انسان کبھی گناہ کرتے کرتے جنت میں اور نیکی کرتے کرتے دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کیسے؟ بزرگ نے کہا جونہی انسان سے خطا سرزد ہوئی تو فوراً اس کی ٹکٹکی اس پر بندھ جاتی ہے وہ اپنے گناہ کو دیکھ دیکھ کر اس سے ڈرتا رہتا ہے، خوف کھاتا ہے، روتا ہے، نادم ہوتا ہے اور اللہ عزوجل سے شرمندہ ہوتا ہے اور شکستہ دل ہو کر سرنیاز جھکا دیتا ہے۔ تو یہ گناہ اس کے لیے ہزار ہا طاعات سے بھی زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ اس ایک گناہ کے باعث اس سے کئی ایسے کام سرزد ہو جاتے ہیں جو اس کی فلاح ونجات وسعادت کا ذریعہ بنتے ہیں حتی کہ وہ گناہ اس کے لیے دخول جنت کا موجب ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف کبھی وہ بھولے بھلائے ایک آدھ نیکی کر بیٹھتا ہے تو اللہ پر احسان چڑھانے اور اپنے کو کچھ بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے اور دل ہی دل میں غرور وتکبر سے پھولا نہیں سماتا۔ اور سمجھتا ہے کہ شاید میں نے کوئی تیر مار لیا ہے۔ حتی کہ یہی ایک مغرورانہ نیکی اسے جہنم رسید کر کے دم لیتی ہے۔

زندگی کے آخری ایام میں تسبیح وتقدیس کا اہتمام بکثرت کرتا جائے۔

❀❀❀

سورۃ اللھب (مکیۃ)

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ (۱) نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔ (۲) وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ (۳) اور اس کی جورو بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے۔ (۴) اس کے گلے میں مونجھ کی رسی ہوگی۔ (۵)

Scanned by CamScanner

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا ذَاتَ يَوْمٍ، فَقَالَ: "يَا صَبَاحَاهْ"، فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ، قَالُوا: مَا لَكَ؟ قَالَ: "أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ العَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ أَوْ يُمَسِّيكُمْ، أَمَا كُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ" فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَكَ، أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا؟ فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ (بخاری، کتاب التفسیر: ۴۸۰۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھے اور ﴿یَا صَبَاحَاہْ﴾ کہہ کر قریش کو پکارا اس کے بعد فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کیا چاہتے ہیں تو کیا مجھے سچا سمجھو گے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب بولا تمہارے لیے تباہی ہو کیا تم نے اسی لیے ہمیں جمع کیا تھا؟

اعمام رسول کی تین قسمیں:

رسول کے اعمام (چچا لوگ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اللہ کے معاملے میں تین قسم پر تھے۔

(۱) "آمن بہ وجاھد معہ واسلم للہ رب العلمین" وہ لوگ جو ایمان لائے جیسے عباس رضی اللہ عنہ وحمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہم۔

(۲) "قسم ساند وساعد لکنہ باق علی الکفر" وہ قسم جس نے رسول کی مدد کی لیکن کفر پر باقی رہے۔ جیسے ابوطالب وغیرہ۔

(۳) "قسم عاند وعارض فھو کافر" وہ لوگ جنہوں نے آپ کی مخالفت کی اور کفر پر باقی رہے۔ ابولہب ان میں پیش پیش تھا۔

﴿وَمَا كَسَبَ﴾ یہاں کسب سے مراد اولاد ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ، وَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ" (ترمذی، کتاب الاحکام: ۱۳۵۸، صحیح)
تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے۔

﴿تَبَّتْ﴾ اسی سے تباب ہے۔ ایسا گھاٹا جو ہلاکت کا موجب ہو۔ ابولہب کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب تھا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ حسن اور چہرے کی چمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہوگئی تھی۔ جنگ بدر کے چند روز کے بعد چیچک یا گلٹی کی وجہ سے مر گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی۔ بیٹوں نے چند حبشیوں کو کرایہ پر لے کر اسے دفن کر دیا۔ اس کی بیوی کا نام ام جمیل بنت حرب بن امیہ تھا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے ڈال دیتی تھی تاکہ آپ زخمی ہو جائیں۔

قتادہ، مجاہد اور سدی کے نزدیک ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ سے مراد چغل خور اور آگ لگانے والی تھی۔ دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا اور لکڑیاں ڈال کر اسے یہ اور زیادہ تیز کر دیتی تھی۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس کے گلے میں ایک بہت قیمتی ہار تھا۔ وہ کہا کرتی تھی کہ اس کو محمد کی عداوت میں خرچ کروں گی۔ لہٰذا جہنم میں بھی اس کی گردن ہار سے خالی نہ رہے گی اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بدبخت عورت کی موت بھی اس طرح واقع ہو گئی کہ لکڑیوں کے گٹھے کی رسّی گلے میں آ پڑی جس کی وجہ سے اس کا گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔

❀❀❀

Scanned by CamScanner

سورة الاخلاص (مكية)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے۔(۱) (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے۔(۲) نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔(۳) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔(۴)

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟" قَالُوا: وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ" (مسلم، کتاب المساجد :۸۱۱) سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انْسُبْ لَنَا رَبَّكَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ (الإخلاص: ۱) ﴿فَالصَّمَدُ﴾ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، لِأَنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُولَدُ إِلَّا سَيَمُوتُ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يَمُوتُ إِلَّا سَيُورَثُ، وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمُوتُ وَلَا يُورَثُ: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ قَالَ: لَمْ يَكُنْ لَهُ شَبِيهٌ وَلَا عِدْلٌ وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

(ترمذی، کتاب تفسیر القرآن: ۳۳۶۴، حسن)

مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اپنے رب کا نسب نامہ بتاؤ۔ تو اللہ نے یہ سورہ نازل فرمائی۔

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَدَغَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرَبٌ وَهُوَ يُصَلِّي، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: "لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ، لَا يَدَعُ مُصَلِّيًا، وَلَا غَيْرَهُ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ وَمِلْحٍ، وَجَعَلَ يَمْسَحُ عَلَيْهَا، وَيَقْرَأُ: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ"- (المعجم الاوسط للطبرانی ۶/۹۱)

نبی پاک ﷺ کو نماز میں ایک بچھو نے ڈنک مار دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس پر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔

قرآن میں توحید کو ایسے کامل اور اعلیٰ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ مخالف بھی اس کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے۔

(۱) صرف یہی نہیں کہا کہ توحید کو مان لو بلکہ یہ بھی بتایا کہ کس طرح مانو۔

(۲) صرف یہ نہیں کہا کہ شرک نہ کرو بلکہ یہ بھی بتایا کہ شرک سے کس طرح بچو۔

(۳) صرف یہ نہیں فرمایا کہ توحید کو ایسے ہی مان لو بلکہ توحید کے دلائل دے کر کہا کہ مانو۔

Scanned by CamScanner

(۴) صرف یہ نہیں کہا کہ شرک نہ کرو بلکہ دلائل سے شرک کی برائی سمجھا کر نفرت پیدا کی۔

﴿أَحَدٌ﴾ نہ وہ کسی کی ابتدائی کڑی ہے نہ آخری سرا۔اس کی ذات ہر طرح ایک ہی ہے۔

﴿الصَّمَدُ﴾ جس کو اپنا حاجت روا سمجھو گے وہ میرا ہی محتاج ہوگا اس لیے سمندر کو چھوڑ کر خشک جوہڑ اور چشمہ کو چھوڑ کر پانی کے گلاس کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہو؟ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ اس کا کوئی باپ نہیں کہ ورثہ میں طاقتیں مل گئیں نہ کوئی اس کا بیٹا ہے کہ اس کا قائم مقام ہو۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ انسان کتنا ہی بلند ہو جائے اس کے مثل نہیں ہو سکتا۔ وہ عبد ہی رہے گا اور اللہ معبود۔

مزید تشریح:

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیجیے، مخاطب محمد ﷺ ہیں۔

﴿هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ وہ اپنی الوہیت، ربوبیت اور اسماء وصفات میں منفرد ہے۔

﴿اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ تمام مخلوقات اسی کا قصد کرتی ہیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کرتی ہیں۔

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ نہ اس کے کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی ہے نہ بیوی۔ کیونکہ یہ مخلوق کی صفات ہیں اور اللہ کسی شئی کے مشابہ نہیں اور اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ اس کا کوئی شبیہ ومماثل نہیں۔ نہ اس کے اسماء میں نہ اس کی صفات میں نہ اس کے افعال میں۔

اللہ نے اس مختصر مگر انتہائی جامع سورہ کو تین گروہوں کا رد کرنے کے لیے نازل کیا ہے۔

(۱) عہدِ رسول کے مشرکین کا جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

(۲) یہود کا جو یہ کہتے تھے کہ عُزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

(۳) نصاریٰ کا جو یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس اللہ نے اپنی ذات سے صفاتِ ولادۃ اور مثلیت کی نفی فرما دی۔

"احد" اور "واحد" میں فرق

"الفرق بین الاحد والواحد: ان الاحد اسم لا یشارکہ شیٔ فی ذاتہ۔ والواحد اسم لمن لا یشارکہ شیٔ فی صفاتہ" احد بتاتا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے کہ اس کا اگر تصور کریں تو دوسری ذات کا خیال دل میں نہیں آتا۔ واحد میں صفات کی وحدانیت مراد ہوتی ہے کہ وہ اپنی صفات میں کامل ہے۔ اس کے سوا کوئی وجود ایسا نہیں جو صفات کے لحاظ سے کامل ہو۔

﴿هُو﴾ ضمیر شان ہے۔ اس کا مطلب ہے 'حق یہ ہے'، 'سچ یہ ہے'، 'شان یہ ہے'، پکی بات یہ ہے۔

﴿احد﴾ دو قسم کی نفی کرتا ہے:

(۱) وہ دو سے ایک نہیں ہوا۔

(۲) وہ ایک سے بھی دو نہیں ہوا۔

مخلوق کو اللہ کی ذات میں اشتراک نہیں۔ صفات میں اشتراک ہے مگر اس معنی میں نہیں جس معنی میں وہ اللہ کے لیے مستعمل ہیں۔ "صمد" کا مطلب ہے، سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ یہ احد کی دلیل ہے کیونکہ اس کے علاوہ ساری اشیاء محتاج ہیں۔ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ یہ صمد کی دلیل ہے۔

احتیاج دو باتوں کے سبب سے پیدا ہوتی ہے:

(۱) ابتدائی تعلقات کی وجہ سے

(۲) آئندہ تعلقات کی وجہ سے۔ ابتدائی تعلقات سے مراد ہے کہ نیست سے ہست میں آنے کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ اگر سبب نہ ہوتا تو اس کا وجود ظاہر نہ ہوتا۔ آئندہ تعلقات سے مراد ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو اور اولاد ہونے کے لیے عورت کی احتیاج ہے۔ بیٹا (پیدا ہوتا) تو ماں باپ کا محتاج ہوتا۔ اور باپ ہوتا تو عورت کا محتاج ہوتا۔

﴿كُفُوًا﴾ کے معنی مماثل کے ہیں۔ کوئی ہستی پیدا نہیں ہوئی اور اس نے کسی کو پیدا نہیں کیا۔ تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ایسی ہی کوئی اور ہستی موجود ہو۔ اس شبہ کا ازالہ کیا گیا کہ کوئی اس کا مماثل بھی نہیں۔ دلیل ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ (انبیاء ۲۲) ہے۔ صفات میں اشتراک تو ہے مگر کفو نہیں کہ سب ناقص ہیں جیسے انسان سنتا ہے، دیکھتا ہے، کھاتا ہے اور پیتا ہے وغیرہ۔ جانور بھی یہ سب کرتا ہے مگر جانور انسان کا کفو نہیں۔

❀❀❀

سورۃ الفلق (مکیة)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ (۱) ہر چیز کی بُرائی سے جو اس نے بنائی۔ (۲) اور شبِ تاریک کی بُرائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے۔ (۳) اور گنڈوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی بُرائی سے۔ (۴) اور حسد کرنے والے کی بُرائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔ (۵)

جن مخلوقات میں شر ہے اس سے میں رب الفلق کی پناہ چاہتا ہوں۔ غاسق سے مراد تاریکی ہے۔ عموماً جرائم رات کی تاریکی میں انجام پاتے ہیں اور زہریلے جانور بھی تاریکی ہی میں نکلتے ہیں۔ ﴿النَّفَّاثَاتِ﴾ کا مطلب ہے گرہوں میں پھونکنے والی جماعتیں۔ غلط پروپیگنڈہ کرنے والی جماعتیں۔

Scanned by CamScanner

﴿حَاسِدٍ﴾ حسد یہ ہے کہ حاسد محسود سے زوال نعمت کی آرزو کرے یہ نہایت بری اخلاقی بیماری ہے۔

﴿فَلَقِ﴾ کا مطلب ہے کوئی چیز دو حصوں میں پھٹے اور بیچ سے ایک دوسری چیز نکلے جیسے گیہوں کا ایک دانہ دو حصوں میں پھٹتا ہے تو بیچ سے ایک کونپل نکلتی ہے۔اسی طرح رات کی پھیلی ہوئی تاریکی دو حصوں میں پھٹتی ہے تو بیچ سے صبح نمودار ہوتی ہے۔موسیٰ کے واقعے میں اللہ نے فرمایا﴿فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ﴾(شعراء ۶۳) تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک طرف یوں ہوگئی کہ گویا بڑا پہاڑ ہے۔یعنی دریا دو حصوں میں پھٹا اور بیچ سے راستہ نکلا۔

لفظ﴿فَلَقِ﴾ سے وجود باری پر استدلال کیا گیا ہے کہ کوئی چیز دو حصوں میں اس وقت پھٹے گی جب اس کو پھاڑنے والا ہو یعنی پھٹنا ایک اثر ہے اور اثر کے لیے موثر کا ہونا ضروری ہے۔تو ثابت ہوا﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی﴾ (اَنعام:۹۵) بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔اور یہ اصول ہے کہ جو وصف کسی شئ کی اصل میں نہ ہو یا فنا ہوگیا ہو تو اس کا ظہور اس کی فرع میں نہیں ہوسکتا۔اسی طرح اگر اصل بے جان و بے اثر ہے تو فرع میں جان و اثر کہاں سے آسکتا ہے؟ لفظ﴿فَلَقِ﴾ سے توحید پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ہر جنس کے دانے سے اسی جنس کا غلہ اور درخت پیدا ہوتا ہے۔کھجور کی گٹھلی سے کھجور کا درخت،آم کی گٹھلی سے آم کا درخت ہی پیدا ہوتا ہے۔جو واضح دلیل ہے کہ اس کائنات پر متصرف صرف ایک ہی ہستی ہے ورنہ کبھی ایسا ہوتا کہ ہم ناریل کے درخت کے پاس ناریل کا پھل لینے کے لیے جاتے تو اس پر سیب لٹکا ہوا دیکھتے۔لفظ﴿فَلَقِ﴾ سے وجود آخرت پر استدلال کیا گیا ہے کہ گیہوں کے دانے کو دیکھئے کہ جب وہ زمین کے اندر ڈالا جاتا ہے تو جب تک وہ سڑگل نہ جائے اس سے کونپل نہیں نکلتی ایسے ہی انسان جب قبر میں سڑگل جائے گا تو دوبارہ اسی سے نکلے گا۔

لفظ﴿فَلَقِ﴾ سے آخرت کی زندگی کے دنیوی زندگی سے بہتر ہونے پر استدلال کیا گیا ہے کہ غور کیجیے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے لیے دریا پھٹا تو راستہ پیدا ہوا۔جس کے ذریعے انھیں ظالم فرعون سے نجات ملی۔تو راستہ پانی سے بہتر ہوا۔اسی طرح ایک دانہ سڑگل گیا اس کے بعد اس سے جو پودا نکلا اس میں بے شمار دانے نکلے،ظاہر ہے کہ ایک دانے سے سیکڑوں دانے بہتر ہیں اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ اللہ جس چیز کو دوسری چیز سے پھاڑ کر نکالتا ہے وہ چیز خیر و برکت کا موجب ہوتی ہے۔اس سورہ کریمہ میں اللہ کی ایک صفت ذکر کر کے جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے وہ چار ہیں:

(۱) ﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾

(۲) ﴿شَرِّ غَاسِقٍ﴾

(۳) ﴿شَرِّ النَّفّٰثٰتِ﴾

(۴) ﴿شَرِّ حَاسِدٍ﴾

ان چار آفتوں سے پناہ کے لیے رب کی ایک صفت "رب الفلق" کے ساتھ تعوذ کو ذکر فرمایا گیا۔لیکن دوسری سورۃ (سورۃ الناس) میں ایک شر (وسواس) سے تحفظ کے لیے اللہ کی تین صفات ذکر کی گئیں۔جس سے معلوم ہوا کہ جن وانس کے وسوسے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں۔نیز پہلی سورہ میں سب آفات حسّی اور ظاہری ہیں مگر دوسری سورہ (ناس) میں آفت

Scanned by CamScanner

(وسواس) باطنی آفت ہے۔پہلی سورہ میں "مستعیذ" (پناہ چاہنے والا) کا مقصود بدن بچانا ہے۔دوسرے میں دین بچانا ہے۔شیطان شہوت کی راہ سے آئے تو ربوبیت کو،غضب کے راستے سے آئے تو بادشاہت (عدل وانصاف) کو اور ہویٰ کے راستے سے آئے تو مرتبہ الوہیت کو پیش نظر رکھو۔

❀❀❀

سورۃ الناس (مکیۃ)

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔(۱) (یعنی) لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔(۲) لوگوں کے معبودِ برحق کی۔(۳) (شیطان) وسوسہ انداز کی بُرائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔(۴) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔(۵) (خواہ وہ) جنات میں سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔(۶)

﴿وَسْوَاسِ﴾ "شیاطین الجن" (جنوں میں کے شیاطین) انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ کے ساتھ بھی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! مگر وہ مسلم ہو گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ" قَالُوا: وَإِيَّاكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: "وَإِيَّايَ، إِلَّا أَنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ، فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ" (مسلم، کتاب الجنۃ: ۲۸۱۴)

دوسرے شیاطین الانس (انسانوں میں سے شیاطین) ہیں جو ناصح مشفق کے روپ میں انسان کو گمرہی کی ترغیب دیتے ہیں،

﴿وَسْوَاسِ﴾ سے ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ (سورۂ اعراف ۲۰) کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان نے اپنے وسوسے سے تمہارے باپ آدم کو جنت سے نکلوا دیا۔اسی وسوسے کے ذریعے وہ تمہیں جنت میں نہ جانے دے گا۔

Scanned by CamScanner

شیطانِ جن و انس کے تین نمایاں افعال:

(۱) ﴿الْوَسْوَاسِ﴾

(۲) ﴿الْخَنَّاسِ﴾

(۳) ﴿الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ﴾

﴿الْوَسْوَاسِ﴾ کا معنی ہے وسوسہ ڈالنے والا۔ وسوسہ اس کا ایک کام ہے۔ ﴿الْخَنَّاسِ﴾ کا مطلب ہے،'وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا' یعنی' کام کر کے سٹک جانے والا'۔ یعنی خرمن ایمان میں چنگاری ڈال دی اور چل دیا۔ ﴿الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ﴾ شیطان ایک کام اور کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ناپاک خیالات ڈالتا ہے۔ پھر اللہ نے یہ فرمایا کہ یہ وسواس جنوں میں سے بھی ہے اور انسانوں میں سے بھی ہے۔ یہ کارِ خیر میں شبہ ڈال کر اور چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا کر بھاگ جاتا ہے۔ کہیں ملمع ساز مقرر کی تقریر سے، کہیں پُرافسوں تحریر سے، کہیں ناصح مشفق بن کر اور کہیں پیر و مرشد بن کر۔ الغرض ہزاروں بہروپ بھر کر یہ شیطان جن و انس ایسے کام کرتے ہیں۔ یہ قزاق (ڈاکو) سب کے قابو میں نہیں آتے ہیں اور جو پکڑا جائے اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔

Scanned by CamScanner

گلشن بیگ آکوٹ
9021729835
ایڈمین
محمدیہ کتب لائبریری آکوٹ

Scanned by CamScanner

جامع مسجد اہل حدیث
آکوٹ

Scanned by CamScanner